CHASING A MIRAGE

THE TRAGIC ILLUSION OF AN ISLAMIC STATE

TAREK FATAH

اسلامی ریاست کا خواب

طارق فتح

ترجمہ: ایم وسیم

مشعل

اسلامی ریاست کا خواب

طارق فتح

ترجمہ: ایم وسیم

مشعل

آر-بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور 54600' پاکستان

MashalBooks.org

اسلامی ریاست کا خواب

طارق فتح

اُردو ترجمہ: ایم وسیم

کاپی رائٹ اردو (c) 2011 مشعل

ناشر: مشعل
آر-بی-5، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،
لاہور-54600، پاکستان
فون و فیکس: 042-35866859
Email: mashbks@brain.net.pk

MashalBooks.org

فہرست

	پیش لفظ	5
	حصہ اول: واہمہ	19
ا۔	پہلا باب: اسلامی ریاست کی سیاست اور ملائیت	21
2-	دوسرا باب: پاکستان ایک اسلامی ریاست کی ناکامی	47
3-	تیسرا باب: سعودی عرب :اسلامی ریاستوں کا سرپرست	72
4-	چوتھا باب: ایران—— اسلامی ریاست	87
5-	پانچواں باب: فلسطین —— مستقبل کی اسلامی ریاست؟	103
	حصہ دوم: بنیاد	123
6-	چھٹا باب: حضورﷺ کی رحلت	125
7-	ساتواں باب: مدینہ —— خلفائے راشدین کا دور	156
8-	آٹھواں باب: دمشق —— اسلام کی عرب سلطنت	200
9-	نواں باب: قرطبہ —— یورپ پر اسلام کی پیش قدمی	230
10-	دسواں باب: بغداد ——اسلام اور ایرانیوں کا ملاپ	263
	حصہ سوم: نتائج	309
11-	گیارہواں باب: شریعت—— خدا کا قانون یا انسانی نقص؟	311
12-	بارہواں باب: جہاد —— مستقل جنگ یا جہدِ مسلسل؟	344
13-	تیرہواں باب: حجاب —— اسلامی فریضہ یا سیاسی اسلام؟	364
14-	چودھواں باب: مغرب میں اسلام پسندوں کا ایجنڈا	393
	پس لفظ: حسین حقانی	417
	اظہار تشکر	423
	حاصل کلام	445
	نوٹس	451

MashalBooks.org

طالبان ایک نئی بیماری کی علامت ہیں۔ یہ ایک ایسے معاشرتی سرطان کی نشانی ہیں جس کی نمو اگر نہ روکی گئی اور اس بیماری کا قلع قمع نہ کیا گیا تو یہ بیماری اسلامی معاشروں کو تباہ کر دے گی ۔ اس سرطان میں دور دور تک پھیلنے کی صلاحیت ہے۔ اس کے پھیلنے کے امکانات بہت ہیں۔ اور اگر طالبان نامیاتی طور پر پاکستان کے ساتھ منسلک رہے تو وہ اس سرطان کے پھیلنے کا سبب بنیں گے ۔

اقبال احمد

روزنامہ ڈان، کراچی ۔1998

'' اسلامی انتہا پسند کیا چاہتے ہیں؟ ماضی کا راستہ ؟ جو خوش قسمتی سے ساتویں صدی کے لوگوں کے لئے وجود ہی نہیں رکھتا تھا۔ اگر ان کا ماڈل '' افغانستان کی امارت'' (ملا عمر کی حکومت) ہے ، جسے وہ دنیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں، تو مسلمانوں کی اکثریت اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہو گی ۔ یہ مت سمجھو کہ اسامہ (بن لادن) یا ملا عمر اسلام کے مستقبل کی نمائندگی کرتے ہیں۔۔۔ کیا آپ اس قسم کے حالات میں زندگی گزارنا پسند کریں گے ؟ کیا آپ یہ برداشت کر لیں گے کہ آپ کی بہن، آپ کی ماں یا وہ عورت جس سے آپ محبت کرتے ہیں لوگوں کی نظروں سے چھپا دی جائے اور اسے صرف کفن میں لپٹی ہوئی لاش کی طرح باہر نکلنے کی اجازت دی جائے۔''

طارق علی

نوجوان مسلمان کے نام ایک خط ۔25۔ اپریل 2002

پیش لفظ

میں ہندوستانی ہوں جو پاکستان میں پیدا ہوا۔میں پنجابی ہوں جس کی پیدائش مسلمان گھرانے میں ہوئی۔میں کینیڈا میں تارک وطن ہوں جو اسلامی شعور رکھتا ہے، جس کی جڑیں نو جوانی میں ہی مارکسزم میں پیوست ہوگئی تھیں۔میں سلمان رشدی کے' بہت سے آدھی رات کے بچوں'(Midnight's Children)[1] میں سے ایک بچہ ہوں: ہمیں ایک عظیم تہذیب کے پالنے سے اچک کر اور ہمیشہ کے لئے مہاجر بنا کر ایسے نخلستان کی تلاش میں لگا دیا گیا جو سراب ثابت ہوا۔ میں عذاب میں ہوں، ایک زندہ گواہ اس بات کا کہ امید اور روشن خیالی کے خواب کس طرح مایوسی اور ناکامی کے ڈراؤنے خوابوں میں بدل جاتے ہیں۔میری نسل کے بچوں کے ساتھ جو وعدے کئے گئے انہیں پورا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کا مسلم معاشرہ صحرائے سینا میں کھو گیا ہے، اور کوئی موسیٰ نہیں ہے جو ہمیں اس سے باہر نکالے۔ہمیں نیکوکاری کے قابل نفرت دعویداروں نے یرغمال بنا لیا ہے ۔ہمارے مسائل اس لئے اور بھی شدید ہوجاتے ہیں کہ ہم یہ ماننے سے انکار کرتے رہتے ہیں کہ جو دکھ ہم جھیل رہے ہیں ان میں سے اکثر ہمارے اپنے پیدا کئے ہوئے ہیں، کسی ایسی صیہونی سازش کا نتیجہ نہیں ہیں جو مغرب میں تیار کی گئی ہے۔

میں ایک ایسے مسلمان کی حیثیت میں لکھتا ہوں جس کے بزرگ ہندو تھے۔ میرے مذہب اسلام کی جڑیں یہودیت میں ہیں جبکہ میرا پنجابی کلچر سکھوں کے کلچر کے ساتھ گتھا ہوا ہے ۔تاہم مجھے اسلام پسندوں نے بتایا ہے کہ اس کثیر جہت ورثے کا بوجھ اتارے بغیر میں سچا مسلمان نہیں ہوسکتا، اگرچہ اس ورثے سے بالکل ہی انکار ضروری نہیں ہے۔

ان تمام اجزا میں جنہوں نے میری پیچیدہ شخصیت کی تعمیر کی ہے، کینیڈا کی شہریت نے میرے خیالات پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے ۔ یہ کینیڈا ہی ہے جس نے مجھے دریا کی روانی

MashalBooks.org

کے خلاف تیرنے اور انکساری کے ساتھ ان دیو قامت شخصیات کی پیروی کرنے کی ہمت بخشی جو مجھ سے پہلے اس دشت کی سیاحی کر چکے تھے ،جیسے لوئی جوزف پاپانیو، ٹامی ڈگلس، پئیر ترودو، اور نارمن بیتھون مرد حضرات اور اگنس میک فیل، روز میری براؤن اور نیلی میک لنگ جیسی خواتین۔ یہ کینیڈا ہی ہے جہاں میں اپنے عقیدے کو یرغمال بنانے اور اسلامی انتہا پسندی کے بڑھتے ہوئے سائے کے خلاف بول سکتا ہوں۔

میں نے اس کتاب میں انتہا پسند اسلام پسندوں اور مسلمانوں کا فرق واضح کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اسلام پسند کیا چاہتے ہیں؟ اور مسلمانوں کی خواہش کیا ہے؟ یہ دو مختلف مقاصد ہیں، جو کبھی کبھی ایک دوسرے کے متوازی بھی ہو جاتے ہیں مگر واضح طور پر الگ الگ ہیں۔ اول الذکر جہاں ’’اسلامی ریاست‘‘ کا قیام چاہتے ہیں وہاں موخر الذکر صرف ’’اسلام کی ریاست‘‘ قائم کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ ایک ریاست میں مذہبی حکومت ہوتی ہے اور دوسری میں روحانی ریاست۔

میرا مذہب، اسلام، وہ آفاقیت پیش کرتا ہے جس کا بہترین مظہر مکے میں نظر آتا ہے جہاں ہزاروں سال سے زائرین خانہء کعبہ کا طواف کر رہے ہیں جیسے سیارے سورج کے گرد گردش کر رہے ہیں۔ وہ یہ سمجھ کر اس کے گرد چل رہے ہیں کہ یہی ان کی دنیا کا مرکز و محور ہے ۔ میں نے حرم شریف کی بالائی منزلوں پر بیٹھ کر کئی راتیں گزاریں اور لاکھوں انسانوں کو سیاہ چوکور عمارت کے گرد گردش کرتے دیکھا۔ وہ اس حقیقت سے غافل تھے کہ وہ مادے میں پائے جانے والے چھوٹے ایٹمی اجسام کے طرز عمل کی نقل کر رہے ہیں۔ یا شاید وہ ان لاکھوں کروڑوں کہکشاؤں کی عکاسی کر رہے تھے جو غیر مرئی مرکز کے گرد گردش کرتی ہیں ،لامحدود خلاؤں کے بھنور میں۔ ایک زمانے سے لاکھوں کروڑوں مردوں اور عورتوں نے اس ارض مقدس پر ایسے متحرک قدم رکھے ہیں کہ ان کی یہ حرکت اس لامتناہی حرکت کی علامت بن گئی ہے جو کائنات کو زندگی بخشتی ہے۔ محض اس حقیقت نے کہ اَن گنت انسان اس راستے پر چلے ہیں ، اور آنے والے زمانوں میں کروڑوں انسان ایسا ہی کریں گے، کعبے کو مقدس مقام بنا دیا ہے۔ محض وہاں قدم رکھنا ہی عبادت کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ ان چند مقامات میں سے ہے جہاں انسانیت شان و شوکت، طبقوں، رنگ و نسل اور آرام و آسائش کا بوجھ اپنے کاندھوں سے اتار دیتی ہے اور سربسجود ہو جاتی ہے۔ میں نے دو مرتبہ

MashalBooks.org

حج کیا۔ ایک بار اپنی بیوی کے قدامت پرست فاطمی شیعہ مسلک کے مطابق اور دوسری بار چار سال بعد اپنی ماں نسبتاً اعتدال پسند سنی روایات کے مطابق۔دونوں موقعوں پرلاتعداد انسانوں کے ہجوم نے، جس نے اپنے آپ کو کم سے کم ضروریات زندگی تک محدود کیا ہوا تھا، مجھے اپنے عقیدے کی آفاقیت تسلیم کرنے مجبور کر دیا۔

کتاب'' اسلامی ریاست کا خواب'' میرے دل کی فریاد ہے اپنے ہم مذہب لوگوں ،اپنی مسلمان بہنوں اور بھائیوں سے التجا ہے کہ اپنی آنکھوں پر سے پردے ہٹالیں، ہمیشہ کے لئے ،اندھی عقیدت کی ان ہتھکڑیوں سے اپنے آپ کو آزاد کرلیں جنھوں نے اب تک ان کی ترقی روک رکھی ہے ۔ میں نے اس کتاب میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی وقائع میں ہی ہمیں اسلامی شعائر کے دو دھارے چلتے نظر آتے ہیں ۔ دونوں ساتھ ساتھ بھی چلتے ہیں اور متوازی بھی، لیکن سمتیں مختلف ہیں، جس سے متناقض نتیجہ بر آمد ہوتا ہے۔632ع میں آنحضرتﷺ کے وصال کے بعد کچھ مسلمانوں نے'' اسلام کی ریاست'' کو مضبوط بنانے کا راستہ اختیار کیا اور کچھ نے'' اسلامی ریاست'' قائم کرنے کی کوشش کی۔

'' اسلام کی ریاست'' کی اصطلاح اس صورت حال کی ترجمانی کرتی ہے جس میں ایک مسلمان عورت اور مرد اپنی ذاتی زندگی اسلامی اقدار میں ڈھالتے ہیں اور عقیدے کو اخلاقی قطب نما کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اس کے برعکس'' اسلامی ریاست'' ایک سیاسی وجود ہے ۔ایک ایسی ریاست، خلافت، سلطنت یا مملکت جو معاشرے پر حکم رانی کرنے اور اپنے شہریوں پر کنٹرول کرنے کے لئے اسلام کو بطور ہتھیار استعمال کرتی ہے۔ کبھی کبھی تو یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہیں لیکن اکثر و بیشتر یہ ایک دوسرے سے متصادم رہتے ہیں۔ اسلام پسند اسلامی ریاست کے قیام کے خیال سے اتنے مغلوب رہے کہ انہوں نے قرآنی اصول اور رسول اللہؐ کے مساوات انسانی کا پیغام فراموش کر دیا۔البتہ ان مسلمانوں نے جنھوں نے اسلام کی ریاست کے حصول کے لئے سعی کی عام طور پر اسلام کو اقتدار حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنے سے گریز کیا۔ اس کے بجائے انہوں نے اسے ذہنی وفکری اور پاکیزہ مقاصد کے لئے جستجو کا وسیلہ بنایا۔ یہی وہ لوگ تھے جو قرون وسطی کے شاندار ورثے اور انسانی تہذیب میں اسلام کے عظیم الشان حصے کا سبب بنے۔

MashalBooks.org

یہ کتاب میرے ان ہم مذہب لوگوں کے لئے میری اپیل ہے جو اسلامی ریاست کے سراب کا تعاقب کر رہے ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنی اس لا حاصل کوشش پر از سرنو غور کریں گے اور اس کے بجائے اپنی توجہ اسلام کی ریاست کے حصول پر مبذول کریں گے۔ اسلامی ریاست کے لئے کوشاں اسلام پسند غلط راہ پر گامزن ہیں ۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کو اس بات کا قائل کر لوں گا کہ ماضی کی دیو مالائی کہانیوں کے ساتھ چمٹے رہنا ذلت آمیز شکست کو ہی دعوت دینا ہے ۔ مجھے توقع ہے کہ وہ علیحدگی پسندی کے ان سوداگروں کے سامنے ڈٹ جائیں گے جنہوں نے ہمیں اساطیری داستانوں میں پھنسا دیا ہے اور مظلومیت کے جبری احساس میں مبتلا کر دیا ہے ۔ مسلم دنیا کی روایتی دانش کہتی ہے کہ آگے بڑھنے کے لئے ہمیں اپنے ماضی کے ساتھ چمٹے رہنا چاہئیے ۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے ، مگر ایسا کر کے ہم نے مستقبل کا دامن چھوڑ دیا ہے اور خود جدت پسندی کو ہی اپنا دشمن قرار دے لیا ہے ۔

2002ء میں یونائیٹڈ نیشنز ڈیویلپمنٹ فنڈ (undp) نے ایک نہایت ہی خطرناک رپورٹ شائع کی جس میں عرب ملکوں پر شدید نکتہ چینی کی گئی ہے کہ وہاں عورتوں پر جبر کیا جاتا ہے ، شہریوں کو غلام بنایا ہوا ہے اور (شہریوں کو) مناسب تعلیم نہیں دی جاتی ۔

یہ رپورٹ ممتاز عرب دانشوروں نے تیار کی ہے اور اسے اردن کی سابق نائب وزیر اعظم ریما خلف حنیدی نے پیش کیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ عرب ملک اپنی تیل کی دولت لٹا رہے ہیں۔ رپورٹ میں ان ملکوں کو تعلیم ، معیشت ، ترقیاتی منصوبوں اور جمہوریت سمیت تمام قابل پیائش انڈیکس میں ناکام قرار دیا گیا ہے ۔ حنیدی نے انہیں ” چند ہیبت ناک اشارے “ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ عرب خود ہی اس کا سد باب کر سکتے ہیں ۔ آخر میں انہوں نے اس کا خلاصہ اس طرح کیا ہے ” اصل تین خامیاں یہ ہیں ؛ آزادی ، صنفی تفریق اور علم ۔ “

اس رپورٹ پر جو ردعمل ہوا اس کا پہلے ہی اندازہ تھا۔ جونہی کنیڈا کے ایک اخبار میں اس سرخی کے ساتھ خبر چھپی کہ ” ناشائستہ رپورٹ کہتی ہے کہ عرب دنیا تاریک دور میں پھنسی ہوئی ہے “ تو کینیڈا میں رہنے والے ایک ممتاز مصری نے اخبار پر الزام لگایا کہ وہ نسلی منافرت پھیلا رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جاتا اور اس میں

MashalBooks.org

پیش کی جانے والی باتوں پر پریشانی کا اظہار کیا جاتا وہ صاحب صفائیاں پیش کرنے لگے۔ انہوں نے مضحکہ خیز دعوی کیا کہ '' آج مصر میں کینیڈا سے زیادہ پریس کو آزادی ہے''۔ سچائی کا سامنا نہ کرنا مسلمانوں کی رائے عامہ بنانے والے لیڈروں کی عادت بن چکی ہے۔ یہ رویہ سخت تشویش کا باعث ہے۔ کیونکہ غیر ملکی سازشوں کا شور مچانا تو آسان ہے مگر اپنی غلطیاں ماننا مشکل۔

اس کتاب کے مخاطب میرے مسلمان بھائی ہیں اس امید کے ساتھ کہ وہ اسے توجہ سے پڑھیں گے اور ان چیلنجوں پر غور وفکر کریں گے جو ہمیں درپیش ہیں۔ میری کوشش یہ ہے کہ میں ناقابل بیان باتیں بیان کروں، چند گندے پوتڑے بھرے بازار میں صاف کروں اور اپنے مسلم بہن بھائیوں کو بتاؤں کہ ہم بیچ چوراہے میں ننگے کھڑے ہیں اور دنیا ہمیں دیکھ رہی ہے۔ اگر ہم نے سچائی کے صابن سے اپنے آپ کو صاف نہیں کیا تو ہمارے جھوٹ کی بدبو ہمیں پاگل کر دے گی۔

اس کتاب کے مخاطب یورپ اور امریکہ کے وہ نیک دل مگر سادہ لوح غیر مسلم بھی ہیں جو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہوتے ہیں کہ مسلم کمیونٹی مغربی معاشرے کا حصہ بننے یا اس میں ضم ہونے سے تو انکار کرتی ہے لیکن ان کے درمیان ہی رہنا چاہتی ہے۔ لبرل اور بائیں بازو کے رجحانات رکھنے والے یورپ اور شمالی امریکہ کے باشندے شدت پسند مسلمان نوجوانوں کے اس قسم کے کھلے عام مزاحمانہ رویے سے تو پریشان ہیں مگر لگتا یہ ہے کہ وہ ان نوجوانوں کے واضح اینٹی اسٹیبلشمنٹ موقف کے شیدائی ہیں۔ یہ کتاب شاید ان لبرل لوگوں کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو جائے کہ اسلام پسندوں کی امریکہ دشمنی کا مارک ٹوئین کی سامراج دشمنی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان اسلام پسندوں کی امریکہ دشمنی دراصل امریکہ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس نفرت کی عکاس ہے جو وہ اس سوشل جمہوری نظام سے کرتے ہیں جو ہم نے قائم کیا ہے۔ وہ نظام جو معاشرتی آزادی اور خود فرد کی آزادی پر اصرار کرتا ہے۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ یہ کتاب دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نو قدامت پسندوں تک بھی پہنچے گی۔ میر خیال ہے کہ میں انہیں یہ احساس دلا پاؤں گا کہ ان کی جنگ جوئی دنیا بھر میں جہاد پھیلانے کے حامیوں کے لئے بہترین چیز ہے۔ عراق پر حملہ القاعدہ کے لئے من وسلوی ثابت ہوا۔ اسامہ بن لادن کو اس سے زیادہ اور کیا

چاہئے تھا۔ مجھے یہ بھی امید ہے کہ یہ کتاب پڑھنے کے بعد امریکہ کے ری پبلکن اور مغرب میں ان کے اتحادی قدامت پرست یہ محسوس کر لیں گے کہ افکار کی جنگ میں بم مارنے سے دوستوں کو نہیں دشمنوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ غیر مسلم یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے دل کی گہرائی میں مولانا روم، ابن رشد اور محمد علی بستے ہیں۔مساوات اور سماجی انصاف مسلمانوں کی جین اور ان کی سائیکی کے ایک ایک ریشے میں موجود ہوتے ہیں۔ شاعری، موسیقی اور رقص ہمارے کلچر کا ایسا ہی حصہ ہیں جیسے پرہیز گاری، عجز و انکساری اور خیرات۔ کسی بھی اتھارٹی حتیٰ کہ خدا کی حاکمیت تک کو چیلنج کرنا ہماری روایت کا حصہ رہا ہے۔مثال کے طور پر انیسویں صدی کے دیو قامت مسلم شاعر کے ایک شعر کو ہی لے لیجیے(یہ شاعر آج زندہ ہوتا تو کہیں روپوش ہو گیا ہوتا)۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اس سے ایک صدی پہلے اردو شاعری کے ایک اور عظیم شاعر میر تقی میر صرف اسلام ہی نہیں بلکہ تمام مذاہب کو کھلے عام اپناتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

میر کے دین و مذہب کو کیا پوچھو ہو کہ ان نے تو
قشقہ کھینچا، دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

میں بھی اسی روایت کے تحت لکھتا ہوں ۔ مجھے توقع ہے کہ میری اشتعال انگیز استدعا ہمارے دلوں میں ایک ایسا شعلہ بھڑ کائے گی جو ہمیں سنجیدگی کے ساتھ اپنا جائزہ لینے پر مجبور کر دے گی کہ آخر ہم کس راستے پر جا رہے ہیں ۔کیا ہم دیانت کے اس تباہ کن فقدان سے اپنا پیچھا چھڑا سکتے ہیں جس کے ہم میں سے اکثر لوگ عادی ہو چکے ہیں؟ یہ میرا خواب ہے کہ مسلمان۔۔بشمول میرے ناقدین کے، کہ جو بہت ہیں —— یہ کتاب پڑھیں گے اور اپنی تنہائی میں، جب وہ صفائیاں پیش کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں گے اور انہیں اپنے آپ پر حرف زنی کا خوف بھی نہیں ہوگا، چند سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

اس کتاب میں اسلامی ریاست اور اسلام کی ریاست کا فرق واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ فرق واضح کرنے کا بہترین طریقہ یہ دیکھنا ہے کہ آج پاکستان کے

MashalBooks.org

مسلمان ایک اسلامی ریاست میں اور ہندوستان کے مسلمان اسلام کی ریاست میں رہتے ہیں۔ ہندوستان کے پندرہ کروڑ مسلمان اگرچہ بہت ہی مذہبی ہیں لیکن ان کی اکثریت کا رجحان بین الاقوامی دہشت گردی کی طرف نہیں ہے۔ اس کے برعکس پاکستان کے پندرہ کروڑ مسلمان صرف اپنی سرزمین کے لئے ہی نہیں بلکہ اپنے تارکین وطن کے لئے بھی القاعدہ کی ریکروٹنگ گراؤنڈ بن چکے ہیں۔ مسلمانوں کو اس الجھن پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کو مسلسل یہ ذہن نشیں کرایا جا رہا ہے کہ صحیح اسلام صرف ''اسلامی ریاست'' کی چھتری تلے ہی پھل پھول سکتا ہے حالانکہ اس دعوے کا اصل حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سیکولر معاشروں میں، چاہے وہ جنوبی افریقہ ہو، یا ہندوستان، کینیڈا، امریکہ یا برطانیہ، جو مسلمان مذہبی اقلیت کے طور پر رہتے ہیں انہیں اپنی رائے ظاہر کرنے، قانون کی حکم رانی میں زندگی گزارنے اور برابر کے شہری حقوق رکھنے کی آزادی ہے۔ اس کے برعکس موجودہ اسلامی ریاستوں میں ان حقوق کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور جہاں تک ماضی کی خلافتوں کا تعلق ہے، جن کی ہم بہت مدح سرائی کرتے ہیں اور جن کے گرد ہم نے دیومالائی ہالے بنا رکھے ہیں، اور جسے ہم اپنا سنہری دور کہتے ہیں، ان میں حکومت کی مخالفت کا مطلب موت ہوتا تھا۔

اس کتاب میں میرے مخاطب میرے عرب بہن بھائی بھی ہیں جو پندرھویں صدی سے نوآبادیاتی نظام کے تسلط میں رہے ہیں۔ مسلسل جنگوں جابر آمریتوں اور اسلام پسندوں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے حالات اور بھی بگاڑ دئے ہیں۔ ان کی جائز جد وجہد بھی موجود تھی جسے اس نااہل لیڈرشپ نے نقصان پہنچایا جس نے ایک سے زائد بار انہیں دشمن کے ہاتھ فروخت کیا۔ چونکہ عرب پہلے مسلمان تھے اس لئے باقی دنیا کے مسلمان اپنے دل میں ان کے لئے گہری ہمدردی رکھتے ہیں۔ البتہ ان کے تعلقات میں باہمی لین دین کا فقدان ہے۔ عرب اسلام کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے باقی دنیا کو انہوں نے یہ تحفہ دیا ہے، جیسے بنی نوع انسان کے کے لئے یہ خدا کا تحفہ نہیں ہے۔ غیر عرب مسلمانوں کی طرف سے عرب دنیا کے مصائب کے بیان کو عربوں کی خودداری کی توہین قرار دیا جاتا ہے اور عام طور پر اس کا جانا بوجھا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ ان مصائب کا حوالہ دینے والے پر اسرائیل کا ایجنٹ ہونے

MashalBooks.org

کا تکلیف دہ الزام لگا دیا جا تا ہے۔ اب یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ آج عربوں کو زمین کی نہیں لیڈر شپ کی ضرورت ہے۔

عربوں کے پاس فخر کرنے کو بہت کچھ ہے۔ انہوں نے انسانی تہذیب کو اپنے حصے سے زیادہ دیا ہے لیکن انہیں یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ موجودہ زمانے میں ان کی لیڈر شپ نے فلسطینیوں کی آزمائش وابتلا کا غلط فائدہ اٹھایا ہے اور انہیں اپنے در پردہ مقاصد کے لئے استعمال کیا ہے۔ انہیں اپنے اندر کی نسل پرستی کے خلاف بھی صف آرا ہونے کی ضرورت ہے۔ افریقہ اور ایشیا کے سیاہ فام اور سانولے باشندوں کو ان کے معاشرے میں کم تر درجہ حاصل ہے۔ اسلام کو ''اپنی ملکیت'' بنا کر، جیسے وہ کسی شے (برانڈ) کا نام ہو اور جس پر عمل کرنے کی ضرورت نہ ہو بلکہ صرف اس کا تحفظ اور تشہیر کافی ہو، ہم نے حضرت محمدﷺ کے پیغام کی اصل روح کو فراموش کر دیا ہے۔ عربوں اور غیر عربوں کے درمیان احترام اور باوقار برابری کا رشتہ ہونا چاہئے عرب اور موالی کا نہیں۔

آج صرف وہی عرب باشندے کسی خوف یا خطرے کے بغیر ووٹ دے سکتے ہیں جو یورپ اور شمالی امریکہ میں رہتے ہیں لیکن ان کے اپنے درمیان ایسے اسلام پسند لیڈر موجود ہیں جو ان ملکوں کو ان اسلامی ریاستوں کی طرح بنانے کے خواب دیکھ رہے ہیں جہاں سے بھاگ کر وہ آئے ہیں۔ ایک ممتاز مصری کینیڈین امام نے ٹیلیوژن کے ٹاک شو میں کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ کینیڈا کے تمام باشندے اسلام قبول کر لیں تا کہ کینیڈا پر شریعت کی حکم رانی ہو سکے۔ انہوں نے ان لوگوں کو موت کی سزا دینے کی حمایت کی جو شادی کے بغیر باہم رضا مندی سے جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں اور کہا کہ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اللہ کا حکم ہے کہ زانی افراد کو قتل کیا جائے۔ امریکہ کے ایک اور اسلام پسند عرب کا قول اخبار ڈیٹرائٹ فری پریس نے نقل کیا ہے۔ ان صاحب نے مسلمانوں پر زور دیا ہے کہ وہ غیر مسلموں کو اسلام کے بارے میں بتائیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ امریکہ کے مسلمانوں کے لئے اسلام پھیلانے کا یہ بہترین موقع ہے۔

ان اماموں کو غیر مسلموں کو مسلمان بنانے کے بجائے اپنے مسلمانوں کے اجتماع میں یہ بتانا چاہئے کہ ''صدیوں سے تمہارے ساتھ جھوٹ بولا جا رہا ہے۔'' خود مسلمانوں کو اسلام کی بارے میں تعلیم کی ضرورت ہے بجائے اس کے کہ غیر مسلموں کو اپنا مذہب چھوڑ

نے کے لئے کہا جائے۔اب وقت آ گیا ہے کہ وہ آنحضرتﷺ کے وصال کے بعد کی صحیح اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں۔ انہیں اسلام کوسیاست کا کھیل بنانے کےعمل کی مدح سرائی بند کر دینا چاہئے۔ کیونکہ یہی وہ صورت حال ہے جس نے بے شمار المیوں اور خوں ریزیوں کو جنم دیا ہے۔اس میں وہ سنگین ضرب بھی شامل ہے جواسرائیل کے شانہ بشانہ ایک آزاد وخود مختار فلسطین کے قیام کی نہ ختم ہونے والی جد وجہد کو لگائی گئی ہے۔

مسلم سائنس دانوں،مفکروں، شاعروں، فن تعمیر کے ماہروں، موسیقاروں اور رقاصوں نے اپنے پیچھے جو قیمتی ورثہ چھوڑا ہے وہ اسلامی انتہا پسندوں کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان کی انتہا پسندی کے باوجود ہے۔امید ہے کہ میری یہ کتاب ان اماموں کے لئے چیلنج ثابت ہوگی۔ یہ کتاب اسلام کے پیغام پر ان کی اجارہ داری توڑنے کی کوشش ہے۔

یہ کتاب پاکستانیوں کے لئے بھی ہے جو اپنی قدیم ہندوستانی وراثت سے انکار کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کا نام ہی دریائے سندھ سے لیا گیا ہے جو پاکستان میں ہے۔ پاکستانی ہڑپہ اور موہنجودڑو کے رکھوالے ہیں،سعودی عرب کے مدائن صالح یا مصر کے جیزہ کے نہیں۔ پاکستانی جب اپنی ہندوستانیت سے انکار کرتے ہیں تو وہ ایسا ہی ہے جیسے فرانسیسی اپنے یورپی ہونے سے انکار کریں۔ اپنی زبان، جغرافیے، کلچر، لباس اور کھانوں سے انکار پر مبنی شناخت پر اصرار نے اکثر پاکستانیوں بالخصوص مغرب میں پیدا ہونے والی دوسری نسل کو انتہا پسند اسلام پسندوں کا آسان شکار بنا دیا ہے۔ وہ لوگ نسل پرستی کے اپنے خالی برتن اس جھوٹی شناخت سے بھرتے ہیں جو انہیں اپنے نسلی ورثے سے محروم کر دیتی ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ غیر ملکوں میں رہنے والے پاکستانی نوجوان ،جو انتہا پسندی کا شکار ہو سکتے ہیں، وہ یہ سمجھ جائیں گے کہ اسلام پسند انہیں پھانس رہے ہیں اور اپنے بالادستی والے مسلک کے لئے انہیں ایندھن کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اسلام کو سیاسی آلہء کار بناتے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ میں پاکستانیوں اوران کی اولاد کو یہ یقین دلا سکوں گا کہ وہ اس حقیقت کا شکار ہیں جسے پاکستان کے ممتاز مورخ پروفیسر کے کے عزیز نے The Murder of History قرار دیا ہے۔ اپنی اس نام کی کتاب میں انہوں نے انکشاف کیا ہے کہ گزشتہ پچاس سال سے سچائی کے

نام پر پاکستانیوں کے دماغ میں دیو مالائی داستانیں بھری جا رہی ہیں ۔ ایک جھوٹ جو ان نوجوانوں کے ذہن میں ڈالا جا رہا ہے وہ ان کے حسب نسب کے بارے میں ہے۔ کے کے عزیز جو ہائیڈل برگ اور کیمبرج یونیورسٹی میں پڑھاتے رہے ہیں، لکھتے ہیں:

''یہاں میں ہندوستان اور پاکستان کے جدید مسلمانوں کی عمرانی تاریخ پر ایک فٹ نوٹ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ ذرا سی بھی اہمیت کے حامل تقریباً ہر مسلمان نے اپنی سوانح حیات، یادداشت یا اپنے ذاتی کوائف میں یہی لکھا، اور اب بھی لکھتے ہیں کہ ان کے آبا و اجداد یمن، حجاز، مشرق وسطی، ایران، غزنی یا کسی اور غیر ملک سے آئے تھے ۔ اکثر واقعات میں یہ دعوے غلط ہیں ۔ کیونکہ اگر حساب لگایا جائے تو ان مقامی لوگوں کی تعداد تو بہت ہی کم رہ جائے گی جنہوں نے ہجوم در ہجوم اسلام قبول کیا۔ دراصل یہ افغانوں اور مغلوں کی طرف سے اپنے آپ کو دوسروں سے علیحدہ اور ممتاز رکھنے کا طریقہ ہے۔ اور اس مٹی سے لاتعلقی کا اظہار بھی ہے جس پر یہ جھوٹے (دعویدار) صدیوں سے رہ رہے ہیں، اور غالب امکان یہی ہے کہ وہ آغاز تاریخ سیاسی خطے کا حصہ رہے ہیں۔ اگر یہ تمام صدیقی، قریشی، فاروقی غیر ملکی نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں، اور ان کے آبا واجداد حملہ آور فوجوں کے ساتھ یا ان کے بعد یہاں آئے ہیں تو پھر اس ادعا کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے کہ ہندوستان میں اسلام پر امن طور پر پھیلا؟ ۔ تو کیا ہم یہ یقین کرلیں کہ اسلام قبول کرنے والے مقامی لوگ، جن کی تعداد کافی بڑی تھی، سب کے سب کوڑھ مغز اور کمین تھے اور اس لائق ہی نہیں تھے کہ صدیوں میں ایک بھی لیڈر، مفکر یا اسکالر پیدا کرتے؟''

یہ اکیلی کتاب نہیں ہے جس میں مسلم معاشروں کی بیماریوں کا محاکمہ کیا گیا ہے۔ 9/11 کے بعد ایسی کتابوں کا جیسے سیلاب ہی آ گیا ہے جن میں (موجودہ صورت حال سے) واپسی کے راستے دکھائے گئے ہیں۔ اجتہاد کی اصطلاح ایک کلیشے بن چکی ہے جو ہر کانفرنس اور ہر ورکشاپ میں ایسے پیش کی جاتی ہے جیسے اسلام کی اصلاح کے لئے وہی آب حیات ہو۔ بین المذاہب مکالمے کے نام پر پورا کاروبار شروع کر دیا گیا ہے ۔ اور جو

MashalBooks.org

لوگ خود ہی مسئلے کی جڑ ہیں وہی اس کا علاج پیش کر رہے ہیں۔ یہ صرف اسلامی الٰہیات ہی نہیں ہے جس کی از سرِ نو تشریح و تعبیر کی ضرورت ہے بلکہ کسی تعصب کے بغیر اسلامی تاریخ کا نئے سرے سے مطالعہ کرنے اور پڑھانے کی بھی ضرورت ہے۔ اور یہ کام کسی قسم کے تعصب، پہلے سے دماغ میں بسے ہوئے تصور کے بغیر اور سب سے زیادہ یہ کہ مولویوں کے فتوے سے بے خوف ہو کر ہونا چاہئے۔ ''اصلاح شدہ اسلام'' کے علم برداروں کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اسلامی شعائر کی ادائیگی کے بہت سے طریقے ہیں۔ کسی کو اس سے غرض نہیں ہونا چاہئے کہ اسلام کے معاملے میں کوئی بہت ہی قدامت پرست ہے یا اسلام کے سلسلے میں اس کا رویہ بالکل ہی سیکیولر ہے۔ اسلام میں کئی فرقے ہیں اور پھر ان کی ذیلی شاخیں بھی ہیں۔ میں تو یہ کہنے کی جرات کروں گا کہ اسلام کو نظر ثانی یا اصلاح کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے عقیدے کے ساتھ مسلمانوں کا جو رشتہ ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کتاب میں یہ کہنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے اپنے عقیدے کا ڈھنڈورا پیٹنے کے بجائے اسے احساس تحفظ اور اعتماد کا ذریعہ بنایا انہوں نے ترقی کی۔ اس کے برعکس تاریخ میں جب بھی وہ رسوم و رواج کے خبط میں مبتلا ہوئے اور مذہب کے بارے میں انہوں نے دفاعی پوزیشن اختیار کی، جیسے وہ کوئی برانڈ نام کی شے ہو جسے مسابقت میں ان کی مدد کی ضرورت ہے، تو وہ لڑکھڑا گئے۔ چنانچہ جب بھی وہ مذہب کے بارے میں خبط میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے حریت فکر اور فرد کی آزادی کا گلا گھونٹا اور اس طرح اپنے معاشروں کو سنگین نقصان پہنچایا۔ تیرھویں صدی کے عراق، پندرھویں صدی کے اسپین اور اٹھارویں صدی کے ہندوستان میں مسلمانوں کو اس وقت زوال کا سامنا کرنا پڑا جب اس وقت کے انتہا پسندوں نے معاشرے کو زبردستی اپنے انداز پر ڈھالنا شروع کیا۔ اس سے ہماری آنکھیں کھل جانا چاہئے تھیں مگر ایسا نہیں ہوا۔

''اسلامی ریاست کا خواب'' اسلامی تاریخ کی کوئی نصابی یا درسی کتاب نہیں ہے۔ البتہ اس میں اسلامی تاریخ کے ان گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو مسلمانوں کی آنکھوں سے اوجھل رہے ہیں۔ کتاب میں واضح کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی پوری تاریخ میں اسلام کو سیاسی اقتدار کے جواز کے لئے استعمال کرنے کی کوششیں عام طور پر خوں ریزی اور جنگ و جدل پر منتج ہوئی ہیں۔ اور اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔

MashalBooks.org

کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ پہلا حصہ اسلامی ریاست کے پیچھے موجود سیاست سے متعلق ہے یعنی ان تین ملکوں کے بارے میں جو آج اس عرفیت کے دعوے دار ہیں، اور فلسطین بھی، جہاں اسلام پسند ایسی ریاست قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔دوسرا حصہ حضور ﷺ کی رحلت کے فوراً بعد شروع ہونے والے اختیارات کی کشمکش کی تاریخ پر ہے۔یہ تاریخ چاروں خلفائے راشدین کے دور کا احاطہ بھی کرتی ہے۔وہ دور جو قرون وسطی میں اسلام کا دور ہے ۔تیسرا حصہ جدید دور کے اسلام اور اس کے مسائل سے متعلق ہے۔اس میں جہاد، حجاب، قانون شریعت اور مغرب میں اسلام پسندوں کے منصوبے شامل ہیں۔

دوسرے حصے میں جہاں میں نے اسلامی تاریخ کو چھیڑا ہے وہاں میں نے اپنا تجزیہ اسلامی تاریخ کے چار اہم ادوار تک محدود رکھا ہے۔ اس میں دمشق کے اموی، بغداد کے عباسی اور اسپین کے اندلسی حکمراں اور بلا شبہ خلفائے راشدین بھی شامل ہیں۔ میں ترک عثمانیوں، ہندوستان کے مغلوں اور ایران کے صفویوں کا تجزیہ بھی کرسکتا تھا لیکن جب تک وہ عروج پر پہنچے اس وقت تک وہ خلفائے راشدین کی تقلید کے تمام دعوے فراموش کر چکے تھے اور انہوں نے روایتی بادشاہوں کی طرح بادشاہت کی ۔

اس کتاب میں جو خطہ غائب ہے وہ ہے جنوب مشرقی ایشیا اور صحرائے افریقہ ہے وہ دو خطے جہاں اسلامی نشاۃِ ثانیہ کی امید بندھتی ہے ۔مغرب میں ماریطانیہ اور مالی اور مشرق میں انڈونیشیا اور ملائیشیا بظاہر اسلامی خطوں کا عقبی علاقہ معلوم ہوتے ہیں مگران علاقوں سے جس علمی فضیلت اور جمہوریت کی نمود ہورہی ہے وہ امید کا سبب بن سکتی ہیں ۔

اس کتاب میں مسلم برادری پر ایک غیر معمولی ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے کیونکہ اس میں اسلامی عقائداوررسوم ورواج کی خصوصیات سے بحث نہیں کی گئی ہے دینی فیصلے صادر نہیں کئے گئے ہیں ۔ تاہم میں نے اسلام اور سیاست کو گڈ مڈ کرنے کے مسئلے پر توجہ دینے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور سے،یعنی حضور ﷺ کی جانشینی کے وقت سے،اسلام اور مسلمان اس وقت شدید مصائب کا شکار ہوئے جب اقتدار حاصل کرنے یا اقتدار برقرار رکھنے کے لئے اسلام کو بطور ہتھیار استعمال کیا گیا۔

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعے میں اپنے مسلمان بھائیوں کو یہ باور

MashalBooks.org

کرا سکوں گا کہ ہمیں اپنے اندر اسلامی ریاست کا جذبہ بیدار کرنے کی ضرورت ہے ۔ہمیں اسلام کی ریاست کے سراب کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہئے ۔ہمیں وہ بندھن توڑنا ہوں گے جو ہماری مذہب کی تفہیم کو محدود کر دیتے ہیں اور مذہب کی طرف ہمیں زیادہ غور و فکر والا رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ غالباً ہمیں سکھ دھرم کے بانی گرونانک کے الفاظ پر دھیان دینا ہوگا جنہوں نے سولہویں صدی میں اپنے مسلم بھائیوں کو مخاطب کر کے کہا تھا: مسجد کو رحم و کرم کی جگہ بناؤ

طارق فتح
ٹورانٹو۔کینیڈا

1- اس ناول میں ہندوستان کی آزادی کے پہلے منٹ میں بچوں کے ایک گروپ نے جنم لیا جو تقسیم کے بعد ہونے والے خون خرابے کا عینی شاہد ہے۔ یہ ایک ہزار ایک بچے طلسمی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔بعض کے ذہن پڑھ لیتے ہیں کچھ دیگر زمانوں میں سفر کرتے ہیں اور بعض جادوٹونا کر سکتے ہیں۔

MashalBooks.org

MashalBooks.org

حصہ اول

واہمہ

MashalBooks.org

MashalBooks.org

پہلا باب

اسلامی ریاست کی سیاست اور ملائیت

یہ 4 اپریل 1979ء کی نصف شب کا وقت تھا۔ پاکستان کے معزول وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو راولپنڈی جیل میں اپنے تاریک سیل کے فرش پر دراز اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی موت کے پروانے پر اسلام پسند فوجی آمر جنرل محمد ضیاء الحق دستخط کر چکے تھے اور صبح 5 بجے بھٹو کو تختہ دار پر لٹکایا جانا تھا۔ پاکستان کا مغرور اور خوددار حکمران سمجھا جانے والا انسان کال کوٹھڑی کی چھت کو گھورتے ہوئے زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہا تھا۔ ملیریا اور اسہال نے ان کا برا حال کر دیا تھا۔ اس وقت اچانک بوٹوں کی چاپ سے اس نیم تاریک کوٹھڑی کی خاموشی کا سحر ٹوٹا۔ جیسے ہی لاغر بھٹو نے اپنی سلاخوں کی طرف مڑ کر دیکھا ایک کرنل اور دوسرے دو افسر کوٹھڑی کے سامنے ٹھہرے اور سیل کا تالا کھولا۔

''آپ لوگ میرا تماشہ دیکھنے آئے ہیں یا قتل کا نظارہ کرنے؟'' بھٹو نے تینوں وردی پوش افسروں پر طنز کیا۔ سپاٹ چہرے والے کرنل نے اس طنز پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ آخری لمحے پر ایک پیشکش لے کر آیا تھا کہ بھٹو اس اعتراف نامے پر دستخط کر دیں کہ انہوں نے خود آرمی چیف جنرل ضیاء الحق کو حکومت کا تختہ الٹنے کی اجازت دی تھی بصورت دیگر پھانسی گھاٹ ان کا انتظار کر رہا ہے۔

بھٹو غصے میں پھٹ پڑے ''بے شرم حرام زادو، مجھے ذلت اور جھوٹ کی زندگی نہیں چاہئے، دفع ہو جاؤ!'' لیکن فوجی افسرٹس سے مس نہ ہوئے، انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ جیسے بھی ہو بھٹو سے اعتراف نامے پر دستخط کرائیں، ایک افسر نے بھٹو کو جکڑ لیا اور دوسرے نے زبردستی ان کے ہاتھ میں قلم دے دیا، کرنل تحکمانہ انداز میں دھاڑا اور کہا دستخط کرو'۔

MashalBooks.org

بھوک اور بیماری سے نڈھال ہونے کے باوجود بھٹو لڑے بغیر ہتھیار پھینکنے پر آمادہ نہیں تھے، انہوں نے فوجیوں کی گرفت سے خود کو چھڑاتے ہوئے کرنل کے منہ پر مکا دے مارا۔ اس ہاتھا پائی میں وہ گر پڑے اور ان کا سر دیوار سے ٹکرا گیا۔ وہ بے ہوش ہو کر گئے۔ فوجیوں نے انہیں اٹھانے کی کوشش کی تو دیکھا کہ بھٹو کا جسم بے جان تھا۔ کرنل گھبرا گیا۔ بھلا کوئی لاش بھی کسی اعتراف نامے پر دستخط کر سکتی ہے؟ کرنل نے جیل کے ڈاکٹروں کو طلب کیا لیکن ان کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود وزیراعظم پاکستان ہوش میں نہ آئے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان دنیا کا پہلا ملک ہے جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا۔ اس نے اپنے پہلے منتخب وزیراعظم کا قتل کر دیا۔ ایسا کر کے ملک کی جہادی فوج نے ایک ایسا شہید اور ایسی مخاصمت پیدا کر دی جو اگلے کئی عشرے ہولناک بھوت کی طرح قوم کے سر پر سوار رہنے والی تھی۔

بھٹو کی لاش کو کھینچ کر تختہ دار پر لایا گیا۔ جہاں جلاد کو بتایا گیا کہ وزیراعظم بے ہوش ہو گئے ہیں۔ جلاد نے بھٹو کو پھانسی پر لٹکانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ ایک سچا مسیحی ہے اور کسی مرے ہوئے شخص کو پھانسی نہیں چڑھا سکتا۔ کرنل نے اسے حکم دیا کہ وہ بھٹو کو پھانسی پر لٹکائے یا پھر نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہے۔ رسی بھٹو کی گردن کے گرد لپیٹ دی گئی۔ ان کا جسم پھانسی گھاٹ پر کھینچ کر کھڑا کر دیا گیا اور ان کے پاؤں کے نیچے سے تختہ ہٹا دیا گیا۔ اگرچہ بے شمار بے گناہ افراد کو پھانسی پر چڑھانے کی مثالیں موجود ہیں لیکن چند ہی لوگ ایسے ہوں گے جنہیں دو مرتبہ قتل کیا گیا ہو۔

قبل ازیں اسی روز ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی اہلیہ بیگم نصرت بھٹو اور صاحبزادی بے نظیر کو آخری بار الوداع کہا۔ جب یہ دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے سے گلے مل کر روتی ہوئی اس قیدی ہیرو سے رخصت ہونے لگیں تو بے نظیر نے اپنے باپ سے جو آخری الفاظ سنے وہ یہ تھے: ''آئندہ ملاقات تک۔''

ان دونوں میں دوبارہ ملاقات اس وقت ہوئی ہو گی جب دسمبر 2007ء میں مسلح افراد نے بے نظیر بھٹو کو قتل کر دیا۔ یہ جائے وقوعہ اس جیل کی کوٹھڑی سے بمشکل چند میل دور ہے جہاں ان کے والد کو قتل کیا گیا تھا۔

بھٹو خاندان کے باپ اور بیٹی کو قتل کر کے اسلام پسندوں نے ان دو سیاستدانوں

MashalBooks.org

کو راستے سے ہٹا دیا جو اسلامی انتہا پسندی سے پاک جدید سماجی جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال یہ صرف سیکولر اور لبرل مسلمان ہی نہیں جنہیں اسلامی ریاست کا دشمن قرار دیا گیا۔ بھٹو کے قتل کے ایک سال کے اندر ایران میں اسلام پسندوں نے قبضہ کر کے اپنے اسلامی اتحادیوں ہی کو قتل کیا۔ 5 سال بعد اسلام پسندوں نے ایک اور حملہ کیا اور اس بار ان کا ہدف سوڈان تھا۔

18 جنوری 1985ء جمعہ کی صبح ہلکی شمال مشرقی ہوا خرطوم کی شمالی جیل پر چل رہی تھی۔ سوڈانی حکومت معروف ادیب، سیاستدان اور جید اسلامی سکالر محمود محمد طہٰ کو پھانسی چڑھانے والی تھی۔ یہ سوڈانی دانشور شمال مشرقی افریقہ کے اس ملک کو انتہا پسند ''شریعت'' سے آزاد کرانا چاہتا تھا۔ سوڈان کے آمر جعفر نمیری نے ایک روز قبل محمود طہٰ کی موت کے پروانے پر دستخط کر دیئے تھے۔ یہ سزائے موت سعودی عرب کے انتہائی طاقتور مذہبی رہنما شیخ عبداللہ بن باز کے فتوے کی بنیاد پر دی جا رہی تھی۔

جیسے ہی بندھے ہاتھوں اور سر پر چڑھے غلاف کے ساتھ طہٰ تختہ دار کی سیڑھیاں چڑھے ہزاروں اسلام پسندوں نے جنہیں بسوں میں بھر کر جیل لایا گیا تھا پرجوش نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ یہ سب اخوان المسلمون کے ارکان تھے۔ یہ جماعت 1983ء میں سوڈان میں شرعی قوانین نافذ کرنے کی ذمہ دار تھی۔ طہٰ جس نے اخوان المسلمون کی بالادستی والے نظریے کی غیر اسلامی فطرت اور اس کے دیوالیہ پن کا بھانڈا پھوڑا تھا کو اب ہمیشہ کے لئے خاموش کیا جا رہا تھا۔

طہٰ کے گلے میں پھندا ڈالنے سے پہلے ان کے سر سے ٹوپ اتارا گیا۔ طہٰ نے زیرلب مسکراتے ہوئے ہجوم کی طرف دیکھا۔ عینی شاہدین بتاتے ہیں کہ طہٰ جلاد کے سامنے گئے تو ان کی آنکھوں میں بغاوت کی چمک تھی۔ وہ کسی خوف کے بغیر اسلام پسندوں کے ہجوم کی طرف دیکھتے رہے۔ اس کے بعد طہٰ کے چہرے پر ٹوپ دوبارہ چڑھا دیا گیا۔

جیسے ہی جلاد نے طہٰ کی گردن کے گرد پھندا سخت کیا۔ اخوان المسلمون کے کارکنوں نے جذباتی انداز میں ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' کے نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ پھر پھانسی گھاٹ کے تختے کھینچ دیئے گئے۔ طہٰ کا جسم تھوڑی دیر کے لئے پھڑکا اور پھر جان ان کے جسد خاکی سے نکل گئی۔ ان کی لاش اس نرم ہوا میں بے جان لٹکی ہوئی تھی۔ اسلام کی

MashalBooks.org

ریاست مر چکی تھی۔ اسلامی ریاست زندہ تھی۔

''کافر'' قرار دیئے جانے والے محمود طٰہٰ (85-1909) کچھ بھی ہو سکتے تھے لیکن کافر بہر حال نہیں تھے۔ سوڈان کو اسلامی ریاست میں تبدیل نہ کرنے کے لئے ان کے دلائل کی جڑیں اسلامی روایات، حدیث نبویﷺ اور قرآنی تعلیمات میں پیوستہ تھیں۔ تاہم سوڈانی ری پبلکن پارٹی کے شریک بانی کی حیثیت سے وہ اسلام اور سوڈانی معاشرے میں لبرل اصلاحات کے گنے چنے حامیوں میں سے تھے۔

ممتاز اسلامی سکالر ہونے کے باوجود اخوان المسلمون اور دیگر سوڈانی اسلام پسند طٰہٰ کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھتے تھے۔ سوڈانی کمیونسٹوں کے خلاف ملک گیر مہم کے بعد 1971ء میں اسلام پسندوں نے ان اعتدال پسند گروپوں کی طرف توجہ مرکوز کی جو سوڈان کو اسلامی ریاست بنانے کے ان کے ایجنڈے کی راہ میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔ ان عناصر نے اعتدال پسند گروپوں بالخصوص محمود طٰہٰ کی ری پبلکن پارٹی کو بدنام کرنے کی مہم شروع کی۔ 1972ء میں سوڈان کے اسلام پسند علماء نے مغربی جامعۃ الازہر کے مفتیوں سے طٰہٰ کے ''مرتد'' ہونے کا فتویٰ حاصل کیا۔ 1975ء میں سعودی بھی میدان میں کود پڑے۔ مکہ میں قائم مسلم ورلڈ لیگ اور شیخ بن باز نے فتویٰ جاری کیا کہ سوڈان میں نفاذ شریعت کی مخالفت کر کے طٰہٰ کفر کے مرتکب ہوئے۔

پھانسی چڑھنے سے کئی ہفتے قبل طٰہٰ اور ان کی جماعت نے ''کیا یہ یا پھر سیلاب'' کے عنوان سے ایک کتابچہ شائع کیا جس میں شرعی قوانین کے خاتمے کا مطالبہ کیا گیا تھا اور ایسی جمہوری شہری آزادیوں کی ضمانت طلب کی گئی تھی جس کے تحت زیادہ آزادی سے اسلام کی روشن تعلیمات پر عمل کیا جا سکتا ہو۔ یہ شہری آزادیوں اور روشن خیالی کا وہ مطالبہ تھا جس کی پاداش میں انہیں پر جوش مجمعے کے سامنے نشان عبرت بنا دیا گیا۔ طٰہٰ کو سزائے موت سنانے والی کینگرو عدالت نے تین ہفتے سے بھی کم مدت میں کیس کی سماعت کر کے فیصلہ سنا دیا۔

محمود محمد طٰہٰ کا جرم کیا تھا؟ اسلامی معیار کے مطابق وہ ایک نیکوکار مسلمان تھے اور اسلام کی ریاست State of Islam میں رہ رہے تھے تاہم ان کی یہ اسلام کی ریاست دراصل اسلامی ریاست Islamic State سے متصادم ہو گئی۔ طٰہٰ اسلامی ریاست کی مخالفت کے نتائج سے آگاہ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ ایک ہزار سال سے زیادہ اسلامی تاریخ میں

MashalBooks.org

اقتدار کے بھوکے سیاستدانوں، آمروں، بادشاہوں اور خلفا نے جب بھی اسلام کے نام پر دیو مالائی ریاست قائم کرنے کی کوشش کی تو مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ طہٰ جیسے قابل احترام مسلمانوں کو اسلام پسند ایجنڈے کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے پر اپنی جانوں یا آزادیوں سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ان کے سرحکومتوں نے یا پھر اسلام پسندوں نے اسلام کے عظیم نام پر قلم کر ڈالے اور اسلام کے نام پر دھبہ لگایا۔

طہٰ کے قتل سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام پسند ان مسلمانوں کی آوازوں کو خاموش کرنے کے لئے کس حد تک جا سکتے ہیں جو ان کی مخالفت میں بلند کی جاتی ہیں۔ حالانکہ محمود طہٰ سیکولر نہیں تھے۔ وہ نہ تو مصر کے جمال عبدالناصر کی طرح قوم پرست تھے نہ صدام حسین کی طرح بعثی یا پھر شام کے سیاسی رہنما خالد بغدش کی طرح کمیونسٹ تھے۔ محمود طہٰ سوڈان کے اسلامی سکالر، حریت پسند، مبلغ اور پیش امام تھے۔ وہ ایک صاحب بصیرت شخص تھے جو دنیا کو اس ملائیت کی تباہ کاریوں سے بچا سکتے تھے جس کی طرف آج وہ جا رہی ہے۔ ان کی داستان اسلام پسندوں کے ایجنڈے کے مخالفین کو لاحق خطرات کی نشاندہی کرتی ہے اور اس ایجنڈے کو میں ''سیاسی اسلام'' قرار دیتا ہوں۔

سیاسی اسلام کا جائزہ لیتے ہوئے اور محمود طہٰ کی سر عام پھانسی پر تبصرہ کرتے ہوئے عرب دنیا کے بائیں بازو کے ممتاز مصری دانشور مصنف سمیر امین نے کہا ''سوڈان کے محمود طہٰ واحد اسلامی سکالر تھے جنھوں نے اسلام کی تشریح میں آزادہ روی کا عنصر شامل کیا...... طہٰ کی پھانسی پر کسی ''بنیاد پرست'' یا ''اعتدال پسند'' تنظیم نے احتجاج نہیں کیا۔ نہ ہی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے علمبرداروں نے ان کا دفاع کیا۔ وہ لوگ بھی خاموش رہے جو ایسی تحریکوں سے مکالمے کے حامی ہیں۔ حتیٰ کہ مغربی میڈیا نے بھی اس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔''

سمیر امین نے ٹھیک کہا ہے کہ کینیڈا، امریکہ اور برطانیہ میں اسلامی تنظیموں یا مسلمانوں پر بکثرت رائے زنی کرنے والوں نے بھی اسلام پسند سوڈانی حکومت کے ہاتھوں طہٰ کی پھانسی پر احتجاج کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ایسا کیوں ہوا؟

ساتویں صدی عیسوی میں مدینہ میں پہلی خلافت کے قیام کے بعد سے علماء مسلمانوں کو ذہن نشین کراتے چلے آئے ہیں کہ دنیا بھر میں اسلام پھیلانے کا مشن کسی اسلامی ریاست کے قیام کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ خلفا اور اماموں کے اس فرمان شاہی

MashalBooks.org

کو تقریباً آفاقی قبولیت حاصل ہو چکی ہے حالانکہ قرآن مجید اور رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو ایسی ریاست قائم کرنے کے لئے کبھی نہیں کہا۔ حتیٰ کہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کلمہ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جن پر عمل کرنا مومن کے لئے ضروری ہے میں بھی اسلامی ریاست کے قیام کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

ایسا نہیں ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمانوں کو اسلامی ریاست قائم کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ خلفائے راشدین (باب 7 میں تفصیل سے ذکر ہو گا) کے دور سے امویوں اور عباسیوں کی خلافت اور سینکڑوں بادشاہتوں میں یہ موہوم اسلامی ریاست قائم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کوئی بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کچھ حکمرانوں نے اگرچہ اپنے ذاتی مثالی کردار اور دیانت کا نمونہ پیش کیا لیکن جیسے ہی ان کی آنکھیں بند ہوئیں قتل و غارت شروع ہوگئی۔ اگر مسلمانوں کے عروج کے دور میں اسلامی ریاست کا قیام ممکن نہ ہو سکا تو آج جب مسلمان انتہائی کمزور ہیں اور تعلیم، سائنسی علوم سے بہت دور ہیں تو یہ خواہش کیسے پوری ہوسکتی ہے؟

بیسویں صدی کے اوائل میں جب اسلامی دنیا کا بیشتر حصہ یورپی سامراج کے زیر تسلط تھا اسلامی ریاست کے قیام کی ایسی پر تشدد تحریک نے دوبارہ سر اٹھایا جس نے آج مغرب سے زیادہ اعتدال پسند اور لبرل مسلمانوں کو خطرے سے دو چار کر رکھا ہے۔

پان اسلامی تحریک Pan-Islamic جو جہادی نوجوان بھرتی کر رہی ہے، کے بانیوں میں جماعت اسلامی کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی (وفات:1976ء) بھی شامل تھے۔ جہاد اور اسلامی ریاست کے لئے مودودی نے دنیا کو دو حصوں دارالاسلام اور دارالحرب میں تقسیم کیا۔ وہ ایسے مسلمانوں کے ایمان کو مشکوک قرار دیتے تھے جو اسلامی ریاست کے قیام کی خاطر رضا کارانہ طور جہاد کے لئے تیار نہیں ہوتا/ ہوتی۔ اپنے کتابچے ''دعوت جہاد'' میں مودودی لکھتے ہیں:

> ''مسلمانوں کو اپنی زندگیاں اللہ کے مقرر کردہ اسلامی قوانین کے تحت گزارنے کے لئے ایک خود مختار اسلامی ریاست ازبس ضروری ہے اور اگر یہ خود مختاری ختم ہو جاتی ہے تو ان کے ملک کی بطور دار الاسلام بقا کے کیا امکانات باقی رہ جاتے ہیں؟ اس طرح قرآن کا یہ حکم بالکل واضح ہے کہ

MashalBooks.org

اس وقت تک کسی مسلمان کے اہل ایمان ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہے جب تک اس کی ذات اور جائیداد تو محفوظ ہو لیکن دارالاسلام کا وجود خطرے سے دو چار ہو۔''

مودودی اور ان کی جماعت اسلامی اکیلے نہیں تھے، عرب دنیا میں ان کا رابطہ اخوان المسلمون اور دیگر اسلامی جماعتوں سے تھا۔ ان جماعتوں کا نیٹ ورک دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے۔ ان سیاسی طاقتوں کا ایک ہی مقصد تھا اور اب بھی ہے اور وہ ہے اسلامی ریاست کا قیام اور اس کی راہ میں حائل عناصر سے سختی کے ساتھ نمٹنا۔

اسلامی ریاست کا تصور:

ایک عام غیر مسلم کے نزدیک وہ ملک ''اسلامی ریاست'' ہوتا ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں۔ یہ بات جزوی طور پر درست ہے اور اس کا انحصار اس امر پر ہے کہ کون اسلامی ریاست کی تعریف کس انداز میں کرتا ہے۔ اکثر مسلمان بھی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ملک جہاں مسلمانوں کی آبادی اکثریت میں ہے وہ منفرد اسلامی حوالے سے اسلامی ممالک ہیں۔ لیکن اسلام پسند دنیا کو اس نظر سے نہیں دیکھتے۔

وہابی ☆ اور سلفی یا پھر ایران کے آیت اللہ حضرات کے نقطۂ ہائے نظر سے کوئی ملک اسی صورت میں اسلامی ریاست قرار دیا جا سکتا ہے جب وہاں شرعی قوانین کی حکمرانی ہو۔ گویا ترکی اور انڈونیشیا اسلام پسندوں کے نزدیک اسلامی ریاست نہیں ہیں۔

گزشتہ صدی میں اسلامی ریاست کے بڑے محرکین میں سے ایک مولانا مودودی اپنی کتاب ''اسلامی قانون و دستور'' میں سوال اٹھاتے ہیں: ''وہ کون سے بنیادی مقاصد ہیں جن کے لئے اسلام ''اسلامی ریاست'' کے قیام پر اصرار کرتا ہے؟ پھر خود ہی سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا قرآن مجید کی 2 آیات کا حوالہ دیتے ہیں جن میں اسلامی ریاست کے قیام کی ضرورت کا اظہار ملتا ہے۔ ''اور ہم نے اپنے انبیاء کرامؑ کو واضح دلیلوں کے ساتھ مبعوث فرمایا اور انہیں کتاب و عدل عطا کئے تاکہ وہ لوگوں کے درمیان انصاف کر سکیں۔'' (57:25) دوسری آیت مبارکہ میں ہے کہ ''یہ مسلمان (جو جہاد کر رہے ہیں) وہ لوگ ہیں جنہیں ہم زمین پر اختیار دیں، جو نماز ادا کریں، زکوٰۃ دیں اور نیکی کے کام کریں اور برائی کو

روکیں۔''

ان آیات کریمہ میں خدا نے کہیں بھی اسلامی ریاست کے قیام یا اس حوالے سے کسی کو اختیار دینے کی بات نہیں کی لیکن اس کے باوجود مولانا مودودی نے یہ اخذ کیا کہ خدا نے ایسی کوئی ریاست قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کتاب میں مولانا فرماتے ہیں کہ ایسی اسلامی ریاست پوری طاقت سے ان شیطانی قوتوں کا صفایا کر دے گی جن سے اسلام بنی نوع انسان کو بچانا چاہتا ہے۔

اس ایک جملے میں مولانا نے اسلام پسندوں کے حقیقی مقصد کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ صفایا کرنا، کچلنا، بچانا جیسے الفاظ اسلامی ریاست کے جبر کے عکاس ہیں۔ جب سوڈان نے محمود طہٰ کو پھانسی دی تو گویا ایک اسلامی ریاست نے وہی کیا جس کی مودودی پیشنگوئی کر رہے تھے۔ وہاں طہٰ کو کچل کر صفحہ ہستی سے مٹا ڈالا گیا۔ قرآن کے پیغام ''امر بالمعروف و نہی عن المنکر'' کو اسلام پسندوں نے اسلامی ریاست پر حکمرانی کے لئے الٹا استعمال کیا۔ انہوں نے نیکی سے اجتناب کیا اور برائی اختیار کر لی لیکن انہیں معلوم نہیں کہ وہ دراصل کر کیا رہے ہیں۔

پولینڈ کے نو مسلم محمد اسد (سابق نام لیو پولڈ وائز) کا 1992ء میں انتقال ہوا۔ وہ اسلامی دنیا کے انتہائی قابل احترام سکالر سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے قرآن کی تفسیر سمیت اسلامی ریاست کے موضوع پر بھی بہت لکھا۔ جب 1947ء میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو ایک یہودی ربی کا یہی پوتا تھا ملک کا آئین بنانے میں معاونت کے لئے بلایا گیا۔ یہ کوشش اس لئے کامیاب نہیں ہو سکی کہ اسلامی ریاست سے متعلق نظریات اور رومانوی تصورات پر دلچسپ کتابی قسم کی بحث تو ہو سکتی ہے لیکن عملی طور پر یہ ممکن نہیں۔

اسد لکھتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کا بڑا حصہ اسلامی ریاست سے متعلق ایک مبہم اور الجھی ہوئی خواہش کے زیر سایہ پروان چڑھا۔ اس خواہش کے شواہد آج کے مسلمانوں میں بھی ملتے ہیں۔ جس سے بہت سی الجھنیں بڑھیں اور اس بات نے گزشتہ میلینم میں اسلامی تشخص کی کامیابیوں کو گہن لگا دیا۔

اسد کی ایک سو صفحات پر مشتمل ریاست اور حکومت کے موضوع پر تحریر نہ صرف اسلامی ریاست کے مسلمانوں کے خواب کے حوالے سے گرانقدر تحریر ہے بلکہ مصنف کے

اس اصرار کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ کوئی مقصد محض ماضی کی طرف دیکھنے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے الفاظ میں:

> ''مسلمانوں کی پچھلی ہزار سال سے زائد تاریخ ہمیں اس نظریے کے حصول کی خواہش میں رہنمائی فراہم نہیں کرتی جسے درحقیقت ''اسلامی نظام سیاست قرار دیا جا سکتا ہو۔ نہ ہی وہ الجھن دور ہوتی ہے جس سے حالیہ ادوار میں مسلم دنیا کا واسطہ پڑتا رہا ہے۔''

اپنی تحریروں میں محمد اسد مسلمانوں بالخصوص پاکستانی سیاستدانوں کی معاصر روایت اور تاریخ کو مدنظر رکھتے ہیں۔ پاکستان میں ان کی کوششوں کو پذیرائی نہیں ملی تاہم وہ اس حقیقت کا ادراک نہ کر سکے کہ سیاسی طاقت کے حصول کی مشق بالآخر اسلامی قوانین کے اساسی پہلوؤں سے متصادم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ مصنف نے خلفائے راشدین (632-661) کے ادوار کو ''اسلامی'' قرار دیا ہے لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر رہے کہ کیا وہ ادوار مستقبل کی اسلامی ریاست کے لئے نمونہ بن سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ ان ادوار کی تاریخ خانہ جنگی اور تصادم سے بھری پڑی ہے۔

قدامت پسند اسلامی طرز حکمرانی کی طرف واپس لوٹنے کے سخت ترین ناقدین میں 1920ء کے عشرے کے مصری دانشور علی عبدالرازق بھی شامل ہیں۔ انہوں نے خلافت کی بحالی کی مخالفت میں تحریک چلائی تھی۔ 1925ء میں اپنی کتاب ''الاسلام و اصول الحکم'' میں عبدالرازق نے اسلامی ریاست کے خلاف دلائل دیتے ہوئے مذہب اور سول سوسائٹی کو الگ کرنے کی وکالت کی تو بااثر جامعۃ الازہر ان کے پیچھے پڑ گئی۔ ان کی کتابیں جلا دی گئیں اور انہیں یہ کہنے پر ''اسلام کی ریاست کو اسلامی ریاست کی ضرورت نہیں ہے'' مرتد قرار دے دیا گیا۔ ان کی کتاب 600 برسوں پر محیط خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے تناظر میں لکھی گئی تھی۔ ترکی کے سیکولر اور جدت پسند صدر مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ 632 عیسوی کے بعد پہلی مرتبہ مسلمانوں کی کوئی مرکزی سیاسی اتھارٹی موجود نہیں تھی۔ اگرچہ سولہویں صدی میں یورپی استعماری طاقت میں اضافے کے بعد سے خلافت عضو معطل بن چکی تھی لیکن 1925ء میں اس کا مکمل خاتمہ کر دیا گیا اور یہ ان مسلمانوں کے لئے صدمے کا باعث بنا جو فرانس، برطانیہ اور ہالینڈ کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

MashalBooks.org

سیاسی مقتدرہ کے اس خلا میں مصر کے علی عبدالرازق جیسے دانشور نے ایک مشکل مسئلہ پیش کیا۔ رازق نے خلافت کی بحالی پر اعتراض کیا اور ایک ایسی قومی ریاست کا خیال پیش کیا جہاں مذہب سیاسی عمل میں مداخلت نہیں کرے گا۔

علی عبدالرازق کی طرف سے خلافت کی بحالی کی صورت میں اسلامی ریاست کے قیام کی مخالفت سے مصر کی قدامت پرست اسلامی اسٹیبلشمنٹ میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ جامعۃ الازہر کے ریکٹر شیخ محمد ابو الفضل الجیزوی کی صدارت میں اسلامی سکالروں کا ایک گروپ پہلے ہی ایک بیان جاری کر چکا تھا جس میں خلافت کے خاتمے پر ہچکچاہٹ پر تنقید کی گئی تھی۔ انہوں نے ان مسلمانوں پر بھی تنقید کی جو بدستور عثمانی خلیفہ کی بیعت برقرار رکھنے کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے (یہ بیان عرب قوم پرستوں کے موڈ کی عکاسی کرتا تھا جو ترک خلافت کی کمزوری پر خوش تھے اور خلافت کی عربوں کو واپسی کے خواہشمند تھے)۔

لیکن عبدالرازق کی نکتہ چینی اس سے بھی آگے بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے صدیوں پرانے اسلامی سیاست کے مکتبہ فکر کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس ضمن میں انہوں نے قدامت پسند علما اور جامعۃ الازہر بلکہ راشد رضا جیسے خود ساختہ مصری جدت پسندوں پر بھی تنقید کی جو عرب قوم پرستی اور اسلامی آفاقیت کے درمیان ڈولتے رہتے تھے لیکن انہوں نے اسلامی ریاست کا فلسفہ ترک نہیں کیا تھا۔

ادھر ہندوستان میں قابل احترام دانشور محمد اقبال (علامہ اقبال) نے اس بنا پر خلافت اور اسلامی ریاست کے قیام کی مخالفت کی کہ وہ اسلامی دنیا کو جدید بنانے میں رکاوٹ بنے گی۔ البتہ عبدالرزاق نے اسلامی تناظر میں اس کی مخالفت کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شرعی عدالت کے سابق جج تھے اور اسلامی سکالر تھے۔ انہوں نے کہا کہ خلافت یا اسلامی ریاست کا قرآن یا حدیث میں کوئی ذکر نہیں۔ انہوں نے بجا طور پر دلیل دی کہ قرآن میں خلافت کا کہیں بھی ذکر نہیں اور اس کے لئے انہوں نے قرآن کی ہی اس آیت کا حوالہ دیا کہ ''ہم نے اس کتاب میں کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا۔'' (06:38)

جب تک رزاق نے اپنی تنقید خلافت کی مخالفت تک محدود رکھی قدامت پسند ان کے نظریات برداشت کرتے رہے۔ تاہم جب انہوں نے اس پرانے عقیدے کو چیلنج کیا کہ مذہب کے لئے ایک اسلامی حکومت کا قیام ضروری ہے تو گویا وہ حد سے باہر نکل گئے۔

MashalBooks.org

برسوں انہیں ہراساں کیا گیا اور کمیونسٹ ہونے کا روایتی الزام لگایا گیا۔ اس مکر وہ فکر کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے رازق نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ (1) گورنمنٹ یا سیاسی اتھارٹی کو اسلامی نظریات یا فرائض میں شامل کرنا اسلام کی روح کے منافی ہے اور ان کا اسلامی عقیدے کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہیں۔ (2) یہ کہ اسلام نے مسلمانوں کو یہ آزادی دی ہے کہ وہ چاہیں تو ایسا طرز حکومت منتخب کریں جس سے وہ سمجھتے ہوں کہ ان کے روز مرہ کے مسائل حل ہو سکتے ہوں اور ایسی سول سوسائٹی جس میں کوئی سرکاری مذہب نہ ہو۔ اس کا بہترین حل ہے۔ رازق نے اسلام کو سیاست سے پاک کرنے کی حمایت کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ یہ اسلامی ریاست سے فائدہ اٹھانے والے مطلق العنان آمر ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں پر حکومت کی اور اپنے مخالفین کو خاموش کرانے کے لئے علماء کے ان فتووں کو استعمال کیا کہ ان کی حکومت کی مخالفت دراصل اسلام کی مخالفت ہے۔

ہندوستان میں اسلام پسندوں نے علامہ اقبال کے ورثے کو ہتھیاتے ہوئے انہیں اسلامی ریاست کے قیام کا ''مفکر'' قرار دیا۔ یہ اسلامی ریاست پاکستان تھی۔ دوسری طرف رازق کو عمر بھر اسلام پسندوں کی طرف سے ہراساں کیا جاتا رہا اور انہیں گستاخ اسلام کہا گیا۔

بحیرہ روم کے دوسری طرف کمال اتاترک عوامی سیکولر ترک ریاست کے قیام کے لئے آہستہ آہستہ پیش قدمی کر رہے تھے۔ انہوں نے خلافت عثمانیہ کے باقاعدہ خاتمے سے مہینوں پہلے کہا تھا: ''ہمارے پیغمبرؐ نے اپنی امت کو حکم دیا تھا کہ وہ دیگر اقوام کو اسلام کی طرف لے آئیں۔ آپؐ نے انہیں کبھی حکومت بنانے کے لئے نہیں کہا تھا۔ آپؐ کے ذہن میں کبھی ایسی سوچ نہیں تھی۔ خلافت کا مطلب ہے حکومت اور انتظامیہ...... یہ تصور کہ ایک خلیفہ تمام مسلمانوں پر سپریم مذہبی اتھارٹی کے اختیارات استعمال کرے محض کتابی بات ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔''

خلافت عثمانیہ کی بحالی کی تحریک ہندوستان میں کافی مضبوط تھی۔ جہاں اسکی قیادت کوئی اور نہیں بلکہ ایک قوم پرست رہنما مہاتما گاندھی کر رہے تھے۔ مصر کی طرح ہندوستانی مسلمان بھی صدیوں پرانے خلافت کے ادارے کے خاتمے پر حیران و پریشان تھے۔ ایک طرف جہاں مسلمانوں کی سات کروڑ کی بڑی آبادی خلافت کے خاتمے پر صدمے سے دوچار

تھی وہاں علامہ اقبال جیسے مفکر شاعر خلافت کو خیر باد کہنے کے کمال اتاترک کے موقف کے حامی تھے۔ انہوں نے کہا کہ ترکوں نے یہ فیصلہ اجتہاد کے اسلامی فلسفے کو بروئے کار لا کر کیا ہے۔ علامہ اقبال کا کہنا تھا کہ خلافت عثمانیہ عرصہ دراز سے برائے نام ایک علامت بن چکی تھی کیونکہ ترکی کا ہمسایہ ملک ایران تک عثمانیوں کی حاکمیت تسلیم نہیں کرتا۔

علامہ اقبال نے علما کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا:

''جہاں تک میں جانتا ہوں، مصر اور ہندوستان کے مذہبی حکما نے اس نکتے پر تا حال غور نہیں کیا۔ میں ترکوں کے خیال کو قطعی موزوں سمجھتا ہوں۔''

انہوں نے مذہب اور ریاست کو الگ کرنے کے موقف کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ''جمہوری طرز حکومت نہ صرف اسلام کی روح سے بالکل ہم آہنگ ہے بلکہ عالم اسلام میں جو نئی طاقتیں سامنے آ رہی ہیں ان کے پیش نظر اب یہ ایک ضرورت بن چکی ہے۔''

اقبال نے ایسی دو مثالیں پیش کی ہیں کہ کس طرح اسلام کے ابتدائی دور کی خلافت میں سیاسی حقیقتوں کو تسلیم کیا گیا۔ اول یہ شرط ختم کی گئی کہ خلافت صرف مکہ کے قریش قبیلے تک محدود رہے گی۔ اقبال نے گیارہویں صدی کے ایک فقیہہ کے فتوے کا حوالہ دیا کہ ''چونکہ قریش کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا ہے اس لئے اب اسلامی دنیا کو قریش قبیلے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسری مثال میں ممتاز فلسفی اور مورخ ابن خلدون کا حوالہ دیا گیا ہے جنہوں نے پندرہویں صدی میں قرار دیا کہ قریش کی طاقت چونکہ ختم ہو چکی ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ کسی طاقتور شخص کو ملک کا خلیفہ یا امام تسلیم کر لیا جائے۔ اقبال نے ان مثالوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ابن خلدون جنہوں نے تلخ حقائق کا ادراک کر لیا تھا ان کے نظریات اور جدید ترکوں کے خیالات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ ترک دراصل مختلف حالات میں تحریر کئے گئے قدیم زمانے کے قانون کو سینے سے لگانے کی بجائے عصر حاضر کی حقیقتوں سے متاثر ہیں۔

اقبال اور عبدالرازق دونوں دانشوروں نے 1920ء کے عشرے کے اسلامی ممالک میں یہ لکھا لیکن اکیسویں صدی کے اوائل میں یہ الفاظ ماضی نہیں مستقبل سے ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں۔ آج اسلام کی سیاسی سوچ عثمانی خلافت کے آخری دور سے زیادہ

MashalBooks.org

نیم جان اور بوسیدہ ہو چکی ہے۔ آج اسلامی ملائیت کی تحریک اس نظریے کے گرد گھوم رہی ہے جس کے خالق جماعت اسلامی کے مولانا مودودی اور اخوان المسلمین کے حسن البنا ہیں۔ ان کے نظریات ان کے زیادہ شائستہ سیکولر معاصرین کے برعکس رہے ہیں کیونکہ یہ دونوں رہنما اس اسلامی ریاست کے قیام کے نقیب تھے جو آفاقیت کے نظریات کو مسترد کرتی ہے۔ وہ دوسرے لوگوں کی قیمت پر اپنی طرز کی حاکمیت چاہتے تھے۔

اقبال دراصل اتاترک کے جمہوری سیکولر ازم کے شروع سے ہی معتقد تھے۔ انہوں نے اپنی گرانقدر تصنیف ''اسلامی فکر کی نئی تشکیل'' میں لکھا کہ ''ماڈرن ترکوں کا رویہ حقائق اور تجربے پر مبنی ہے۔ یہ ان مسلمان فقہا کے تکلفانہ دلائل سے مختلف ہے جنہوں نے مختلف حالات میں زندگی گزاری۔ میرے نزدیک ان دلائل کی اگر درست طور پر ستائش کی جائے تو اس سے ایک نئے بین الاقوامی نصب العین کے جنم کا اشارہ ملتا ہے اور یہی اسلام کی اصل روح ہے جسے اب تک ابتدائی اسلامی دور کے عرب سامراج نے گہنا رکھا ہے۔''

اقبال دور خلافت کے خاتمے کو مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز سمجھتے تھے۔ انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ اسلام کے احیاء کے لئے جھٹکا ضروری ہے تاکہ اخلاقی بیداری پیدا ہو۔ وہ اسے دل کی روحانیت قرار دیتے ہیں۔ اقبال جب عرب سامراج کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد صرف اموی حکمرانوں کی غیر عرب علاقوں پر حکمرانی ہی نہیں ہے بلکہ ان کا اشارہ غیر عرب مسلمانوں کے ان حالات کی طرف بھی ہے جس میں وہ خود کو دیکھتے ہیں۔ مثلاً زبان، کھانے اور ثقافت کے لحاظ سے خود کو عرب بھائیوں سے کم تر سمجھنا۔ انہوں نے نوجوان ترکوں کی طرف سے ترکی زبان کو نماز اور قرآن پڑھنے کا ذریعہ بنانے کی حمایت کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ''اگر مذہب کا مقصد قلب کو روحانیت سے آشنا کرنا ہے تو پھر اسے انسان کی روح میں نفوذ کرنا چاہئے۔ یہی عمل انسان کے اندر گہرائی تک اتر سکتا ہے...... ہم دیکھتے ہیں کہ ہسپانیہ کا مہدی محمد بن تمار جو قومیت کے اعتبار سے بربر تھا جب اقتدار میں آیا تو اس نے مواحدین کی حکومت قائم کی اور حکم دیا کہ اَن پڑھ بربروں کو قرآن کی تعلیم بربر زبان میں دی جائے۔''

عرب اور عجمی مسلمانوں کا یہ رشتہ صدیوں سے محبت و نفرت کے تعلق پر استوار رہا

MashalBooks.org

ہے۔ اکثر اوقات یہ یکطرفہ رشتہ رہا ہے اور اس پر بہت کم بات کی گئی ہے۔ اگر چہ غیر عرب مسلمانوں نے عرب ثقافت کے کئی پہلوؤں کو اپنایا تاہم دوسری طرف سے شاید ہی ایسے کسی جذبے کا اظہار کیا گیا ہو۔ چاہے یہ عربوں اور بربروں کا نحیف تعلق ہو یا پھر عربوں اور ایرانیوں کی نہ ختم ہونے والی باہم عدم اعتمادی ہو۔ یہ عرب دنیا میں زیادہ تر نظر انداز ہی کی گئی۔ اقبال کی طرف سے ''عرب سامراج'' کی اصطلاح سے عرب خطے کے انتہائی لبرل حلقوں کو بھی صدمہ پہنچا اور ان کی طرف سے بھی اس کی مذمت کی گئی۔ یہ ہے حقائق سے انکار کی حالت۔

مذاہب کے تقابلی مطالعے کے کینیڈین سکالر ولفرڈ کینٹ ویل نے عرب ازم اور اسلام کے موضوع کا کافی مطالعہ کیا ہے۔ اپنی کتاب Islam in Modern History میں انہوں نے عرب ''تفاخر'' اور مایوسی کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عرب مسلمان دیگر غیر عرب مسلمانوں کی طرح ہی اپنے عقیدے پر فخر کرتے ہیں لیکن اس میں فرق یہ ہے کہ عربوں کا یہ فخر ان کے قومی جذبے سے الگ نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے قوم پرستی کو بڑھاوا ملتا ہے۔ اس طرح جہاں ملائشیا اور صومالیہ میں اسلامی ریاست کے حامی عرب تہذیب وتمدن کوا پنی اسلامی شناخت کا حصہ سمجھتے ہیں وہاں مصر میں اسلامی ریاست کے قیام کے حامی افراد نائجیریا یا انڈونیشیا کا ثقافتی رنگ اختیار کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس قسم کے غیر حقیقی تعلق کا جنوبی ایشیا اور پاک و ہند کے مسلمان تارکین وطن پر بہت برا اثر پڑا۔ ولفرڈ سمتھ جنہوں نے 1946ء تک اس وقت کے ہندوستانی شہر اور آج کے پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں تدریس کا کام کیا یہ سمجھتے ہیں کہ عرب دنیا میں اسلامی نظریہ مذہب سے وابستگی کا اظہار نہیں بلکہ ان کی ملکیت کا اعلان ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ:

''کس طرح عرب اسلامی شناخت میں نسل اور مذہب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں جبکہ ہند اسلامی اور ایران اسلامی انفرادیت میں یہ عنصر موجود نہیں ہے۔''

ولفرڈ سمتھ لکھتے ہیں کہ:

''اسلام اور عرب (نسل) کا امتزاج بعض اوقات غیر شعوری طور پر بہت

MashalBooks.org

قریب ہوتا ہے۔ ایک طرف کسی عرب کے لئے تو اسلام کی کامرانیوں پر فخر کرنے کے لئے نیکو کار یا روحانیت کا حامل ہونا ضروری نہیں ہے جبکہ دوسری طرف مسلمان عربوں نے یہ اعتراف نہیں کیا، کبھی اسے اپنی فکر کا حصہ نہیں بنایا کہ کوئی غیر مسلم مکمل عرب ہوسکتا ہے یا پھر کوئی غیر عرب مکمل مسلمان ہی ہوسکتا ہے۔''

عرب اور غیر عرب مسلمان دنیا میں بہت کم لوگوں نے ان کے درمیان موجود اس خلیج پر غور وفکر کیا ہے جس کی جڑیں قبل از اسلام قبائلی اور نسلی بالادستی میں پیوست ہیں اور جسے اسلام کے ابتدائی دور میں جواز مل گیا تھا۔ خلافت کے خاتمے کو اکثر جدت پسند ماضی سے تعلق توڑ کر مستقبل میں قدم رکھنا سمجھتے ہیں۔

اقبال ان صدیوں پرانی روایات اور دیو مالائی تصورات کو ختم کرنا چاہتے تھے جنہوں نے اسلامی فکر کو پنجر میں تبدیل کر دیا تھا۔ ترکوں کی جدت پسندی کو انہوں نے نئے امکانات کا دریچہ سمجھا۔ انہوں نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ ترکوں کی تقلید کریں اور قرون وسطیٰ کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ انہوں نے 1920ء میں ترکوں کے بارے میں جو لکھا، آج بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جدیدیت کی طرف ترکوں کے سفر کی تعریف کرتے ہوئے علامہ اقبال لکھتے ہیں: ''سچ تو یہ ہے کہ اقوام مسلم میں سے صرف ترک دقیانوسی خواب غفلت سے جاگے ہیں اور خود شناسی حاصل کی ہے۔ صرف ترک ہی دانشورانہ آزادی کا دعویٰ کرسکتا ہے اور خیال سے حقیقت کی جانب بڑھتا ہے۔ یہ مراجعت دانشوری اور اخلاقی جدوجہد سے عبارت ہے۔ ترکوں کے نزدیک ایک وسیع اور متحرک زندگی کی پیچیدگیاں دراصل نئے نقطہ ہائے نظر پر مبنی نئے حالات کے لئے ضروری ہیں۔ یہ امر ان اصول وقواعد کی تازہ تشریح کے لئے بھی اہم ہے جو ابھی تک لوگوں کے لئے محض تعلیمی دلچسپی کے حامل ہیں اور انہیں کبھی روحانیت کے فروغ کے لئے تجرباتی طور پر استعمال نہیں کیا گیا۔ میرے نزدیک یہ انگریز مفکر ''ہوبس'' (Hobbes) تھے جنہوں نے یہ آبزرویشن دی کہ دقیانوسی خیالات اور محسوسات کو اختیار کرنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی خیالات اور احساسات سرے سے موجود ہی نہ ہوں۔ یہی حالت آج کے مسلمانوں کی اکثریت کی ہے۔ وہ میکانیکی انداز میں پرانی روایات کو دہرا رہے ہیں جبکہ ترک قوم نئی اقدار قائم کر رہی ہے۔ طویل تجربات سے

گزرنے کے بعد وہ خودی کی گہرائی سے آشنا ہوگئی ہے۔ ان کے اندر زندگی نے حرکت اور تبدیلی شروع کروادی ہے اور ان کے اندر نئی خواہشات کو جنم دے رہی ہے۔ یہ مشکلات نئی تشریحات اور رموز کا باعث بنی ہیں۔ وہ سوال جو آج اس کے سامنے کھڑا ہے اور جس سے دیگر مسلم ممالک کا آنے والے وقت میں واسطہ پڑے گا یہ ہے کہ کیا اسلامی قانون عصر حاضر کے تقاضے پورا کرسکتا ہے۔ اس سوال کے جواب کے لئے زبردست مفکرانہ جدوجہد اور عزم کی ضرورت ہوگی۔"

تاریخ بتاتی ہے کہ اقبال کی یہ خوش امیدی تھی۔ بجائے اس کے کہ مسلمان اقبال یا مصر کے عبدالرازق سے رہنمائی حاصل کرتے اور یہ چھڑی مولانا مودودی اور حسن البنا جیسے اسلام پسندوں کے ہاتھ سے چھین لیتے آج یہ عمل آیت اللہ خمینی کے پیروکاروں اور دنیا بھر میں اسلام پسندوں کی تحریکوں کی شکل میں دکھائی دے رہا ہے۔ وہ جس معاصر اسلامی ریاست کا نمونہ پیش کرتے ہیں وہ خالصتاً اسلام پسندوں کے غلبے کی سیاسی تحریک ہے۔

جہاں اسلام آفاقیت کا واضح طور پر حامی ہے اور قرآن کا بھی یہی مقصد ہے وہاں اسلامی کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کے 5 اگست 1990ء کو قاہرہ میں 45 اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ نے انسانی حقوق کا جو اعلامیہ جاری کیا وہ کئی سوالیہ نشانات چھوڑ گیا۔ اگرچہ اس کے بعد انسانی حقوق پر منظور کئے جانے والے اعلامیوں کو انسانی حقوق کے اصولوں سے مماثل قرار دینے کی کوشش کی گئی لیکن او آئی سی کے ان اعلامیوں اور مغربی آئینی طرز حکمرانی کے درمیان کئی تضادات موجود ہیں۔ سب سے اہم فرق مذہب کو ریاستی اور سماجی امور سے الگ نہ کرنا ہے۔ 1981ء میں برطانیہ میں اسلامی کونسل کی طرف سے یونیورسل اسلامک ڈیکلریشن آف ہیومن رائٹس کے پیش لفظ میں کہا گیا ہے کہ اسلام کی بنیاد اس عقیدے پر ہے کہ صرف اور صرف اللہ کی ذات قانون بنانے والی ہے اور وہی تمام انسانی حقوق کا منبع ہے۔

لامحالہ اس تصور کا نتیجہ مذہبی اور سیاسی حاکمیت کے دھندلے انضمام کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہی صورتحال ماضی میں امام اور خلیفہ کی ذات کے بارے میں رہی۔ اگرچہ ترکی کے نو آموز انقلاب نے 1924ء میں ہی خلافت کو خیر باد کہہ دیا تھا تاہم مغرب زدہ افریقی ملک مراکش میں آج بھی بادشاہ کو آئین میں امیر المومنین قررا دیا جاتا ہے۔ یوں

انسانی حقوق کی تعریف اور نفاذ کا انحصار ان کے شرعی قوانین سے مماثل ہونے پر ہے۔ اکثر اسلامی ممالک شریعت کو کسی بھی قانون کی تشریح کا واحد ذریعہ سمجھتے ہیں۔ 1990ء میں قاہرہ میں اسلام میں انسانی حقوق پر جاری کئے گئے اعلامیہ کے آرٹیکل 23 اور 24 میں کہا گیا ہے کہ تمام حقوق اور آزادیوں کا تعلق اسلامی شریعت سے ہے جو واحد ماخذ ہے۔ اس فریم ورک کے اندر انسانی حقوق اپنی غیر مشروط حیثیت اور انفرادی تحفظ کا اختیار کھو دیتے ہیں۔ اس ماڈل کا واضح عکس اسلامی ممالک کے دساتیر اور قانونی و سیاسی امور میں نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ نسبتاً سیکولر اسلامی ملک بھی اس سے مبرا نہیں ہیں۔ مراکش کے شاہ حسن خود کو حضرت محمدؐ کا خلیفہ قرار دیتے ہیں۔ البتہ مذہبی اصولوں کا انتہائی غلبہ ایرانی آئین میں نظر آتا ہے۔ اس دستور کے آرٹیکل نمبر 2 میں لکھا ہے۔

اسلامی جمہوریہ کا نظام اس عقیدے پر استوار ہے کہ ایک خدا (جیسا کہ کلمے میں لا الہ الا اللہ) کے اس کی مطلق حاکمیت اور قانون سازی میں اس کا مطلق حق اور اس کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت ہے۔

قوانین کی تیاری میں وحی اور اس کی بنیادی روح پیش نظر رکھنا۔

☆ روز قیامت خدا کی طرف واپس لوٹنا اور خدائی احکامات کی بجا آوری میں اس عقیدے کا تعمیری استعمال۔

☆ تخلیق میں اور قانون سازی میں خدا کا انصاف شامل ہے۔

☆ اسلامی انقلاب کے غیر متزلزل عمل کو یقینی بنانے کے لئے قیادت اور رہنمائی کا تسلسل۔

☆ انسان کی قدر و منزلت اور وقار اور آزادی، اس کی خدا کے سامنے جوابدہی۔ جس میں مساوات، انصاف، سیاسی، معاشی، سماجی اور ثقافتی آزادی اور قومی یکجہتی محفوظ ہو۔ مقدس شخصیات جو ضروری قابلیت رکھتی ہوں کی مسلسل قیادت جو قرآن و سنت کے مطابق ہو۔ ان سب پر سلام۔

اسی طرز پر عرب ممالک کے بیشتر دساتیر میں قانون سازی کیلئے شریعت کو بنیاد یا کم از کم ایک بڑا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ یوں خود کو اسلامی ریاستیں ظاہر کرنے والے بیشتر ممالک 1948ء میں اقوام متحدہ کے یونیورسل حقوق انسانی کے اعلامیے کے معیار پر پورے

MashalBooks.org

نہیں اترتے۔ یہ دساتیر نسلی اور مذہبی برتری کو قانونی جواز بھی فراہم کرتے ہیں۔ اس طرح ایک ریاست کی حدود کے اندر قیام پذیر نسلی اور مذہبی اقلیتوں کو امتیازی سلوک کا نشانہ بننا پڑتا ہے اور شہریت کے معیار قائم کئے جاتے ہیں۔ نتیجتاً ان ملکوں میں کمزور طبقے، اقلیتوں، خواتین، معذوروں اور لاچاروں کے انسانی حقوق ندامت کے کسی احساس کے بغیر بری طرح کچلے جاتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کو قید کر کے تشدد کا نشانہ بنانا یا مار دینا معمول بن چکا ہے۔ اس طرح ایسے پسے ہوئے شہری اسلام کی خلاف ورزی کے خوف میں مبتلا ہوتے ہیں اور انہیں اپنے حقوق کا ٹھیک سے پتہ تک نہیں ہوتا۔ ان کی شناخت غیر محفوظ ہوتی ہے۔ اس طرح انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں جاری رہتی ہیں۔ دوسرے پہلو سے جائزہ لیا جائے تو دانشور طبقہ اور مڈل کلاس اس میں خود بھی ملوث ہے کیونکہ وہ اسے نظر انداز کرتا ہے یہ لوگ اپنی بے عملی کو حب الوطنی قرار دیتے ہیں جہاں وہ اسلامی ریاست کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس گمراہ کن خیال کے اسیر ہوتے ہیں کہ انسانی حقوق کے لئے آواز بلند کرنے والے مغربی سامراج اور یہود وعیسائی تہذیب کے مفادات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

انسانی حقوق کی آفاقی حیثیت سے انکار صرف دنیا کے 56 اسلامی ملکوں کی اشرافیہ تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ روایتی مسلمان تنظیموں کے رہنماؤں میں بھی عام ہے۔ ان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اگر اقوام متحدہ کے 1948ء کے اعلامیے کی آفاقی حیثیت کا احترام نہیں کرتے تو کم از کم اسے اپنے تحفظ کا مسئلہ ہی سمجھ لیں لیکن ایسا نظر نہیں آتا۔ دسمبر 2006ء میں ٹورانٹو میں پیدا ہونے والے ایک مسلمان وکیل جو انتاریو کی عائلی عدالتوں میں شرعی قوانین متعارف کرانے کے ذمہ دار ہیں نے ''کاؤنٹ پنچ'' میگزین میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلامیے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ یہ اعلامیہ مغرب کی تخلیق ہے اور اسلامی دنیا کے لئے صحیح معنوں میں موزوں نہیں ہے۔

اسلام پسندوں کی طرف سے مغرب کی مذمت نہ تو سامراجیت کی مخالفت کا اظہار ہے نہ نو آبادیاتی نظام کے تباہ کن مضمرات کے خلاف غم وغصے کی علامت ہے۔ اس کے برعکس اسلام پسند سرد جنگ کے تمام عرصے میں امریکہ کے بہی خواہ رہے ہیں۔ درحقیقت اسلام پسندوں کی طرف سے یورپ کی مذمت کا معاملہ یورپی نشاۃ ثانیہ کو مسترد کرنے پر مشتمل ہے۔ مولانا مودودی نے اپنے کتابچے ''جدید دور کی اقوام عالم'' میں نشاۃ

MashalBooks.org

ثانیہ کے حوالہ سے کہا ہے کہ:

> ''مختصر یہ کہ مادر پدر آزادی کا یہ مہلک بیج یورپی نشاۃ ثانیہ کے دور میں بویا گیا اور اس نے آنے والی صدیوں میں ایک تناور اور ہلاکت خیز درخت کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے پھل میٹھے مگر زہریلے ہیں۔ اس کے پھول خوشنما لیکن کانٹوں سے بھرے ہیں۔ اس درخت کے تنے اور شاخیں ہری بھری ہیں لیکن یہ ایسی مہلک ہوا دیتی ہیں جو آہستہ آہستہ پوری بنی نوع انسان کو خون کے زہر آلود کر رہی ہے۔ اہل مغرب جنہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے یہ زہر آلود درخت لگایا تھا اب اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ اس آزادی نے ان کی روز مرہ زندگی میں اتنی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں کہ ہر بار اس الجھن سے نکلنے کی کوشش میں نئے مسائل بیدار ہو جاتے ہیں۔ ایک شاخ کاٹو کئی اور بلکہ پہلے سے زیادہ زہریلی شاخیں نکل آتی ہیں۔ مسائل کے حل کی کوششیں نسوانی برتری اور برتھ کنٹرول پر منتج ہوئی ہیں۔ سماجی برائیوں کو قانون کے ذریعے ختم کرنے کا نتیجہ قانون شکنی اور جرائم کی شرح میں اضافے کی صورت میں نکلا ہے۔ مختصر یہ کہ تہذیب وتمدن کے اس زہریلے درخت سے نہ ختم ہونے والی مشکلات نے جنم لیا ہے اور ان مشکلات نے اہل مغرب کی زندگی کو جہنم بنا کر رکھ دیا ہے۔''

مودودی کی یہ فکر نہ صرف دمشق اور قاہرہ کے اسلام پسندوں کا موقف ہے بلکہ ٹورانٹو، لندن اور نیویارک میں ان کے بھائیوں کا بھی یہی نقطۂ نظر بن چکا ہے۔ اسلام پسندوں کے نزدیک یہ مغرب کے سامراجی عزائم یا سرمایہ دارانہ ہوس نہیں بلکہ مادر پدر آزاد خیالی اور شخصی آزادی ہے جو تشویش کا باعث ہے۔ مختصر یہ کہ جہادی عناصر کے نزدیک مغربی تہذیب اصل مسئلہ ہے نہ کہ اس کے اثرات۔ یہ عناصر نشاۃ ثانیہ کے اس زہریلے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینک کر اس کی جگہ شریعت کا نیا بیج بونے کا حل پیش کرتے ہیں تاکہ اس کی کوکھ سے اسلامی ریاست جنم لے سکے۔

کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے جو اسلام پیش کئے ہیں وہ دو ہیں۔ ایک وہ جو امن، روحانیت اور دوسرے کے احترام کو قرآن کی روح کے عین مطابق کا درس دیتا ہے۔

MashalBooks.org

جیسا کہ آیت مبارکہ ہے۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔ وہ اسلام جس نے لوگوں کو انتہائی متاثر کیا کیونکہ انہوں نے اس کے اندر مسلمانوں کی دیانت، شفافیت، ایمانداری اور سماجی انصاف کا پرتو دیکھا۔ یہ وہی اسلام ہے جس نے انڈونیشیا کو 25 کروڑ آبادی کے ساتھ دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک بنا دیا ہے۔ کسی عرب یا ترک فوج نے کبھی جزائر کے اس مجموعے کو ختم نہیں کیا۔ کسی مغل شہنشاہ نے جاوا میں ہاتھیوں کی فوج نہیں بھیجی۔ نہ کسی عباسی خلیفہ کو سماٹرا دیکھنا نصیب ہوا۔ یہ معزز حسب نسب والے لوگ نہیں تھے جو مشرقی ایشیا میں اسلام لائے۔ یہ وہ عام سے تاجر اور روحانی بزرگ تھے جنہوں نے قابل تقلید مثالیں قائم کیں۔ انہوں نے کبھی مکی عربوں کے خون سے ناتا جوڑنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے رویے اور کردار کی عظمت اور اپنے اعمال سے متاثر کیا۔ ان لوگوں کی وجہ سے کروڑوں لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ انہوں نے مسلمان ہو کر بھی اپنی زبان، روایت اور اپنی ثقافت نہیں چھوڑی۔

تاہم اس روحانی اسلام کے متوازی ایک سخت گیر اور احساس برتری کے حامل فلسفے پر مشتمل جنگجو گروہ بھی پروان چڑھ رہا تھا۔ یہ لوگ نہ صرف مفتوح اقوام بلکہ مخالف مسلمانوں کے مفادات پر بھی ریاست، سیاسی قوت اور حاکمیت سے برتری چاہتے تھے۔ روحانیت اور الوہیت سے محبت سے فرار کے پس پردہ نسلی، قبائلی، عصبی برتری کے عوامل کار فرما تھے جنہوں نے ان گنت شاہی نسلوں کو جنم دیا۔ یہ سب ایک دوسرے سے برسر پیکار رہے لیکن ہر کوئی اپنے مقصد کے لئے اسلام کا نام استعمال کرتا رہا۔ اگر حضرت محمدؐ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ کس طرح آپؐ کے آفاقی پیغام کو حصول طاقت اور لوگوں پر جبر کے لئے استعمال کیا گیا تو شاید آپؐ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے، اسلامی تاریخ میں بلکہ آج کے دور کے حکمرانوں کے نزدیک اقتدار پر گرفت مضبوط کرنے کے لئے اسلام کا نام استعمال کرنا ایک آسان ترین نسخہ ہے۔ چاہے یہ علما میں سے تھے یا حکمران خاندان کے لوگ، اپنے عقیدے کے مخالفین کو دشمن قرار دے کر چن چن کر مار ڈالا گیا۔ یہ بھی درست ہے کہ یہ سب کچھ صرف مسلمان حکمران خاندانوں میں نہیں ہوتا رہا بلکہ دنیا بھر کے خطوں میں بلاتفریق مذہب بھائیوں نے بھائیوں کے گلے کاٹے، فرق صرف یہ ہے کہ جہاں بیشتر انسانی معاشروں نے نسلی اور مذہبی حکومتوں کے مہلک اثرات کی پہچان کر لی ہے وہاں آج

MashalBooks.org

کے دور کے اسلام پسند اس خودغرضانہ ماضی کو اپنے مستقبل کے منشور کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

آج جو مسلمان قبائلی، نسلی یا خاندانی پس منظر سے بالا ہو کر آزادانہ طور پر اپنے عقیدے پر عمل کر رہے ہیں وہ بھارت، جنوبی افریقہ، کینیڈا اور دیگر یورپی سیکولر جمہوریتوں میں رہنے والی ننھی منی اقلیت ہیں۔ لیکن سیکولر معاشرے کے ثمرات سے مستفید ہونے کے باوجود کئی مسلمان وہاں بھی اسلامی ریاست قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ خلافت راشدہ کا سنہری دوران کے ذہن پر چھایا ہوا ہے اور وہ اسے واپس لانے کے خیال میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ بہت کم ایسے ہیں جو اس مطالبے کے مضمرات پر غور کرنے کو تیار ہیں۔ اسلامی ریاست کے اپنے مقدمے کو تقویت پہنچانے کے لئے اس کے مبلغین ساتویں صدی عیسوی میں پیغمبر اسلامؐ کے مدینہ کے قبائل کے ساتھ معاہدے کو ''دنیا کا پہلا تحریری آئین'' قرار دیتے ہیں۔ 1941ء میں محمد حمید اللہ نے قریش مکہ اور قبائل مدینہ کے مابین میثاق مدینہ کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ ایک ایسی دستاویز جس میں قبائلی معاشرے سے تعلق رکھنے والے فریقوں کی ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا تھا کو ایسی دستاویز کے طور پر پیش کیا گیا جو بیسویں صدی میں کسی اسلامی دستور کے حصہ کی بنیاد ہونا چاہئے۔ اگر یہ ''آئین'' واقعی ایک اسلامی دستور اور آنے والی مسلمان نسلوں کے لئے نمونہ تھا تو پھر اسے 630ء میں فتح مکہ کے بعد شہر مکہ میں حکومت کے لئے بھی ماڈل قرار دیا جانا چاہئے تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی 632ء میں خلافت کا منصب سنبھالنے پر اسے حکومتی بنیاد نہیں بنایا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میثاق مدینہ محض ایک مخصوص دور کے لئے تھا اور اس کے مندرجات پر حضورؐ کی زندگی میں پھر کبھی اعادہ نہیں ہوا۔ تاہم اس کے باوجود اس دستاویز کو غلط طور پر دنیا کا پہلا تحریری آئین قرار دینے پر اصرار کیا جاتا رہا اور اسے پوری اسلامی دنیا میں شائع کرا کے تقسیم کیا گیا۔

حضرت محمدؐ ریاست کے سربراہ یا پیغمبرؐ؟

مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد آخر ایک ایسی سیاسی ہیئت حاکمہ قائم کرنے کے لئے کیوں بے قرار ہے جس کے بغیر وہ سمجھتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کے پیغام پر عمل نہیں کیا جا

MashalBooks.org

سکتا؟ حضورؐ کی بعثت کا مقصد کیا تھا؟ کیا انہیں زمین پر اسلامی دنیا کا حکمران یا مسلمانوں کا بادشاہ بننے کے لئے بھیجا گیا؟ یا وہ زمین پر اللہ کے نبی بنا کر بھیجے گئے، تمام انسانیت کے لئے پیغمبر جنہوں نے اپنے بعد مساوات، انصاف اور اخلاقیات پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے ایک اخلاقی پیمانہ چھوڑا؟ دوسرے لفظوں میں کیا وہ مسلمانوں کے لئے بیک وقت قیصر اور مسیح تھے؟

مجھے اس بات پر کوئی شک نہیں کہ حضورؐ کا اسلام کا پیغام مذہبی اتحاد کے لئے تھا اور مسلمانوں سے توقع کی گئی تھی کہ وہ ایک وسیع تر انسانی کنبے کے حصے کے طور پر روحانی وحدت ہوں گے۔ حضرت محمدؐ بلاشبہ مسلم امہ کے سربراہ تھے۔ اللّٰہ کا پیغام پھیلانے کے لئے آپؐ نے کلام اور تلوار دونوں کا سہارا لیا اور رحلت سے پہلے آپ نے مسلمانوں تک یہ آخری وحی پہنچائی...... ''آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔''

حضرت محمدؐ نے مکہ اور مدینہ کے لوگوں میں 23 سال تک خدا کی کتاب...... قرآن...... کی تبلیغ کی اور اس دوران کئی بار اللہ کی طرف سے حضورؐ اور مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی گئیں۔ ان قرآنی آیات کے مطالعے سے مسلمانوں کو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت محمدؐ کی بعثت کا مقصد انہیں ایک سیاسی ریاست کا سربراہ بنانا تھا یا مذہبی گروپ کا قائد؟ یا پھر دونوں۔

مصری سکالر علی عبدالرازق اپنی کتاب ''الاسلام واصول الحکم'' میں لکھتے ہیں کہ:

'' قرآن اس بات کی تصدیق فرماتا ہے کہ پیغمبر اسلام کو سیاسی حاکمیت سے چنداں دلچسپی نہیں تھی۔ حکم الٰہی کے تابع ان کے تمام افعال پیغام رسانی کی حدود سے باہر نہیں نکلے۔ آپؐ کے ذہن میں حکمرانی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اپنے نکتے کو ثابت کرنے کے لئے وہ ان قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہیں:

☆ جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے رب کی اطاعت کی اور جو شخص روگردانی کرے تو ہم نے آپ کو ان کا نگراں کر کے نہیں بھیجا۔ (النسا آیت نمبر 80)

☆ اور آپؐ کی قوم اس کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ یقینی ہے۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا۔ (الانعام۔ آیت 66)

☆ آپؐ خود اسی طریقے پر چلتے رہیے جس کی وحی آپ کے رب کی طرف سے آپ

کے پاس آئی ہے اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور مشرکین سے احتراز کیجئے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران نہیں بنایا اور نہ آپ ان پر مختار ہیں۔ (الانعام۔ آیت 107-106)

☆ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو، حق تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس پہنچ چکا ہے۔ پس اگر کوئی راہ راست پر آئے گا اور جو شخص گمراہ رہے گا تو اس کا گمراہ ہونا اسی پر پڑے گا اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا۔ (یونس۔ آیت 108)

☆ تم سب کا حال تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تم پر رحمت فرمائے یا اگر وہ چاہے تو تم کو عذاب دینے لگے اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر مبعوث نہیں فرمایا۔ (الاسریٰ۔ آیت 54)

☆ ہم نے آپ پر یہ کتاب ان لوگوں کے نفع کیلئے اتاری جو حق کو لئے ہوئے ہیں۔ جو شخص راہ راست پر آئے گا وہ اپنے نفع کے واسطے اور جو شخص گمراہ رہے گا تو اس کا بے راہ ہونا اسی پر پڑے گا اور آپ ان پر مسلط نہیں کئے گئے (سورۃ نمبر 39، الذمر، آیت 41)

☆ اگر یہ لوگ اعتراض کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگران کر کے نہیں بھیجا۔ آپ کے ذمے تو صرف (پیغام) پہنچانا ہے۔ (سورۃ نمبر 42: الشوریٰ۔ آیت 48)

☆ پس انہیں نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں اور آپ ان پر مسلط نہیں ہیں۔ (سورۃ 88: الغاشیہ۔ آیت 24-21)

اگر پیغمبر اپنی امت پر نگران مقرر نہیں ہوئے تو وہ یقیناً ایک سیاسی لیڈر یا کسی ملک کے حکمران بھی نہیں۔ قرآن فرماتا ہے: ''حضرت محمدؐ تم میں سے کسی شخص کے باپ نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور خاتم النبین ہیں اور خدا ہر چیز سے باخبر ہے۔'' (33-40)

مسلمانوں کو یہ سمجھنے اور سوچنے کی ضرورت ہے کہ آنحضورؐ کی رحلت کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے جو حکومت قائم کی تھی وہ پہلی اسلامی حکومت نہیں بلکہ پہلی عرب ریاست تھی۔ اس ریاست کا دائرہ کار محض جزیرہ نما عرب تک تھا اور اس نے عربوں کو ان کی کامرانی پر احساس تفاخر سے نوازا۔ اس نے دیگر بڑی تہذیبوں کی طرح عرب تہذیب کو انسانی تمدن میں اپنا کردار ادا کرنے کا موقع دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پہلی عرب ریاست کی وجہ سے ہی

جو بعد میں بنو امیہ خلافت بنی، اسلام بھی پھیلا اور مستحکم ہوا لیکن اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ اس ریاست کی شناخت عربوں اور قریش سے منسلک تھی۔ آفاقیت اور مساوات کے اسلامی اصولوں کی حیثیت ثانوی تھی (اس موضوع پر کتاب کے باب 6 میں بحث ہو گی) اگر وہ اسلامی ریاست ہوتی تو سندھی یا بربر مسلمانوں سے دوسرے درجے کے شہریوں جیسا سلوک نہ کیا جاتا اور ان سے غیر مسلموں کی طرح زبردستی جزیہ وصول نہ کیا جاتا۔

اسلام کو ایک سیاسی قوت میں تبدیل کر کے عرب اس قابل ہو گئے کہ صحرائے عرب سے باہر پھیل سکیں، بازنطینی اور ایرانی سلطنت کو شکست دیں، مصر اور سپین کو فتح کر سکیں اور اپنا اثر ونفوذ چین اور ہندوستان تک وسیع کر سکیں۔ البتہ چونکہ مسلمانوں نے مذہب کا استعمال اپنی سیاست کے لئے جائز قرار دیا اس لئے وہ اپنے بے لچک عقائد میں سمٹ کر رہ گئے وہ اس بدلتی دنیا کا ساتھ نہ دے سکے جو پرنٹنگ پریس اور بعدازاں بھاپ کے انجن کی ایجاد سے انقلاب برپا کر چکی تھی۔ امریکہ، فرانس کے عوامی اور برطانیہ کے صنعتی انقلاب مذہبی اداروں سے پہلو بچا کر نکل گئے۔ یوں کیتھولک چرچ اور اسلام کے مشائخ محض خاموش تماشائی بنے کھڑے رہے۔

ایک طرف جہاں یورپ نے صنعتی بنیادوں پر نیا سیاسی نظام وضع کیا وہاں اسلامی دنیا نے اس کے برعکس راہ اختیار کی اور وہ قرون وسطیٰ کی سوچ، دیو مالاؤں، توہم پرستی اور اپنے ہی لوگوں کے گریے کے بوجھ تلے دب گئی۔ وہ علوم جن سے مسلمانوں نے مغرب کو روشناس کرایا بھوت بن کر ان پر ہی چھا گئے کیونکہ علما نے سائنسی ایجادات اور سیکولر تعلیم کو کافروں کا ورثہ قرار دے کر قرآن کو ہی چیلنج کر رکھا تھا۔ اس دوڑ میں پیچھے رہ جانے اور انسانی زندگی کے کئی محاذوں پر خواہ وہ کھیل ہوں یا خلائی جستجو، اپنی شکست دیکھتے ہوئے اسلام پسندوں نے اسلامی ریاست کے قیام کو اپنا مطمح نظر بنا لیا جہاں وہ شریعت کا قانون نافذ کر سکیں اور یہی وہ چیز تھی جس کے لئے انہیں مغرب سے کچھ مستعار لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

مسلم دنیا کو جس تشدد نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اس کا مرکزی نقطہ اسلامی ریاست ہے۔ اسلام کے فروغ کے لئے خلافت کا وجود ضروری قرار دیا گیا جو ان کے نزدیک فروغ اسلام کے لئے ضروری ہے۔ اسلامی ریاست کے مخالفین میں سے ایک

MashalBooks.org

سوڈان نژاد امریکی پروفیسر عبدالہٰی النعیم ہیں جو اٹلانٹا کی ایموری یونیورسٹی میں قانون کے استاد ہیں اپنی شاہکار تصنیف Towards an Islamic Reformation میں انہوں نے اسلامی ریاست کے غیر حقیقی اور تخیلاتی خواب کے موضوع پر لکھا ہے کہ:

''خلیفہ کی حاکمیت کے بارے میں تصور کیا جاتا تھا کہ اسے کسی اصول کے بغیر عام لوگوں کی حمایت حاصل تھی حالانکہ اس مقبول حمایت کے آزادانہ استعمال یا اس کی دستبرداری کا کوئی طریقہ طے نہیں تھا۔ میرے نزدیک اسلامی ریاست کے شرعی ماڈل آئینی مسائل کی ایک وجہ تھی۔''

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں کہ عبدالہٰی النعیم جیسے دانشور مسلمان دائیں بازو کے اسلامی مذہبی دھڑے کا پہلا نشانہ ہیں۔ اسلام پسند عناصر سیکولر، لبرل، ترقی پسند یا کلچرل مسلمانوں کو حتیٰ کہ قدامت پرست صوفیا کو مغرب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام پسندوں کے ایجنڈے کے مخالف مسلمانوں کو اس طرح بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا جس طرح بائیں بازو کے سادہ لوح لبرل سیاستدانوں کو بنایا جا سکتا ہے۔ دراصل بنیاد پرست جہادی اور ان کے اسلام پسند حمایتی کئی عشروں سے اپنے ساتھی مسلمانوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ مغرب سے ان کا ٹکراؤ تو کل کی بات ہے۔ سامراج مخالف چولا پہننے سے قبل یہ اسلام پسند امریکہ کے وفادار سپاہی تھے۔ وہ بائیں بازو کے اور سیکولر مسلمانوں کے علاوہ ہر اس شخص کو اپنا نشانہ بناتے تھے جو ان کے فاشسٹ ایجنڈے اور ان کے سعودی وہابیوں کے فنڈز سے رابطوں کو بے نقاب کرتا تھا۔ آج ہی اسلام پسندوں کا پہلا ہدف وہ ساتھی مسلمان ہیں جو اسلام کو بالادست سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی مخالفت کرنے سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔ وہ مسلمان جو اسلام پسندوں کی راہ میں کھڑے ہونے کی جرأت کرتے ہیں انہیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔

اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ مسلمانوں کے دلوں میں جھوٹی امید پیدا کرتا ہے۔ مولانا مودودی اور سید قطب (اخوان المسلمون کے مرحوم رہنما) کے پیروکار مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے جنت کا لالچ دے رہے ہیں۔

سیدھی سی بات ہے کہ اگر اللہ کو کسی اسلامی ریاست کا قیام منظور ہوتا تو یہ کب کی مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہوتی۔ تاریخ میں کئی ایسے دیانتدار لیڈر گزرے ہیں جو اپنے خطے

MashalBooks.org

کو حقیقی اسلامی ریاست میں بدل سکتے تھے لیکن جس کسی نے بھی ایسی کوشش کی اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن میں کسی اسلامی ریاست کے قیام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت محمدؐ نے اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پھیلانے کا حکم تو دیا لیکن اسلامی ریاست قائم کرنے کی کوئی ہدایت جاری نہیں فرمائی۔ ہم مسلمانوں کو جو پیغام دیا گیا ہم نے اس پر کان نہیں دھرے۔ یہی وقت ہے کہ ہم اسلامی ریاست بنانے کی باتوں سے دور ہو جائیں اور اس کی جگہ ہر شخص اپنے اندر اسلام کی ریاست قائم کرنے کی کوشش کرے۔

MashalBooks.org

دوسرا باب

پاکستان ایک اسلامی ریاست کی ناکامی

سوال بالکل سیدھا سادہ تھا، اگر آپ سے کسی مسلمان ملک میں رہنے کا پوچھا جائے تو آپ ان ممالک میں سے کس میں قیام کو ترجیح دیں گے: ایران، پاکستان، سعودی عرب، ترکی یا انڈونیشیا۔ فیس بک پر ہونے والا یہ سروے ممکن ہے کہ سائنسی بنیادوں پر نہ کرایا گیا ہو لیکن انٹرنیٹ کی اس سوشل ویب سائٹ پر اظہار خیال کرنے والے 500 افراد کے خیالات سے یہ ضرور اندازہ ہوسکتا ہے کہ عام لوگ مسلم دنیا کو کیسے دیکھتے ہیں۔

سروے میں شامل 78 فیصد افراد نے سیکولر ملک ترکی یا نسبتاً روشن خیال ملک انڈونیشیا کو ترجیح دی جبکہ خود کو اسلامی ریاست قرار دینے والے ملکوں ایران، پاکستان اور سعودی عرب کو کم لوگوں نے درخوا‌عتناء جانا۔ ایران کو تو محض 3 فیصد افراد نے ترجیح دی۔

اگر کبھی کسی اسلامی ریاست کے قیام کے خلاف کوئی مقدمہ پیش کیا گیا تو سعودی عرب، ایران اور پاکستان اس کی واضح مثال کے طور پر سامنے آئیں گے۔ یہ تینوں ملک اگرچہ اسلامی ہونے کے دعویدار ہیں لیکن ان تینوں ملکوں کا طرز حکمرانی ایک دوسرے سے قطعی مختلف اور اسلام سے متعلق متنازعہ نظریات پر مبنی ہے۔ ایک چیز جو ان تینوں میں مشترک ہے وہ ہے شہریوں پر جبر، گزشتہ 1400 سال میں دنیا کے نقشے پر کئی مسلم معاشروں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ دریائے وولگا کے کنارے آباد تاتارستان سے مغربی افریقہ میں سینی گال تک اور یورپ اور ایشیا کے سنگم پر واقع ترکی سے بحیرہ احمر کے دہانے پر قائم ملک صومالیہ تک اس کے علاوہ چیچنیا، کوسوو، ٹرینی ڈاڈ اور فجی تک۔ لیکن جس جوش و خروش کے ساتھ ایران، سعودی عرب اور پاکستان میں انسانی روح کو کچلنے کے لئے اسلام اور سیاست کو

MashalBooks.org

گڈمڈ کیا جاتا ہے اور کہیں نہیں کیا جاتا۔ ان تین ملکوں میں سے دو تو تیل کے سمندر پر بیٹھے ہیں جبکہ تیسرا پاکستان ایٹمی طاقت ہے۔ ان تینوں کا ثقافتی اور تہذیبی پس منظر نہایت شاندار ہے اور یہ مابعد نو آبادیاتی دور میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی درخشاں مثال بن سکتے تھے لیکن شریعت کی اپنی تشریح کے تحت حکمرانی کے جوش میں ان ملکوں کے حکمران طبقے نے اسلام کی ساکھ اور حضرت محمدؐ کے ورثے کو بدنام کیا ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایران، فلسطین میں بھی اسلامی ریاست قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

اسلامی کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کے رکن 54 مسلمان ممالک میں سے صرف ایک ملک اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اور وہ ہے پاکستان۔ اگست 1947ء میں خون آلود قیام کے بعد دسمبر 2007ء میں بے نظیر بھٹو کے قتل تک پاکستان کی تاریخ، شورش، جنگ اور خانہ جنگی پر محیط رہی ہے۔ حتیٰ کہ کئی ایسے مواقع بھی آئے جب خوشی کے لمحوں کا بھی اختتام المناک طریقے سے ہوا۔ ایسا ہی ایک واقعہ فروری 2008ء کے الیکشن کے بعد رونما ہوا جس سے پوری قوم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مرحومہ بے نظیر بھٹو کی پیپلز پارٹی اور سابق وزیراعظم نواز شریف کی مسلم لیگ نے پاکستان کے ملا ملٹری اسٹیبلشمنٹ اتحاد کو کچل دیا لیکن کیا یہ فیصلہ کوئی وزن رکھتا ہے؟ پاکستانیوں کی خواہشات کو فوج اور ملاؤں کا راستہ ہموار کرنے کے لئے ہمیشہ کچلا گیا ہے۔ اپنی 60 سالہ تاریخ میں ہر الیکشن میں پاکستانیوں نے ان عناصر کو مسترد کر دیا جو مذہب کو اپنی سیاست کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ 1970ء کے تاریخی انتخابات میں 301 رکنی پارلیمنٹ میں اسلام پسندوں کو صرف 4 نشستیں ملی تھیں۔ تاہم اپنی شکست کے برعکس انہوں نے فاتح جماعتوں کو اقتدار سے دور رکھنے کے لئے فوج کے ساتھ گٹھ جوڑ کیا اور اس طرح (مشرقی پاکستان میں) اپنے تقریباً 10 لاکھ ہم وطنوں کی ہلاکت کا باعث بنے۔ 37 سال بعد پاکستانیوں نے ایک بار پھر بھاری اکثریت سے اپنے ملک کے لئے اسلام پسند مستقبل کو مسترد کر دیا۔ طالبان نواز اسلام پسندوں کی بدترین شکست اور افغانستان کی سرحد کے ساتھ رہنے والے قدامت پسند پٹھانوں میں بھی سیکولر جماعتوں کی جیت ملاؤں، فوج اور باقی ماندہ دنیا کے لئے ایک پیغام ہے۔ پاکستانی دیگر بیشتر مسلمانوں کی طرح قرون وسطیٰ کے اسلامی انتہا پسندوں والی حکمرانی نہیں چاہتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا کوئی اس پیغام پر توجہ دے رہا ہے؟

MashalBooks.org

ہندوستان کی مسلمان اقلیت کے لئے اپنے علیحدہ وطن کا تصور مسلمان دانشوروں، جاگیرداروں اور چھوٹے سے کاروباری طبقے کی طرف سے 1930ء میں منظر عام پر آیا۔ اسلامی قوانین پر مبنی اسلامی ریاست کے قیام سے زیادہ یہ خیال جمہوری مسلم ریاست قائم کرنے پر مبنی تھا۔ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک ایسا ملک جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں۔ اس خیال کے روح رواں عظیم فلسفی شاعر محمد اقبال تھے۔ اگرچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ ایسا پاکستان ہرگز نہیں چاہتے تھے جو ہمسایہ ملک بھارت سے مخاصمت رکھتا ہو اور جہاں سکھوں اور ہندوؤں کی آبادی کا صفایا کر دیا جائے۔

اس خطے کے اندر پاکستان بنانے کی تحریک میں 1940ء کی دہائی تک کم ہی پیشرفت ہوئی۔ پے در پے انتخابی ناکامیوں کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی سیکولر قیادت نے یہ نعرہ لگانا شروع کر دیا کہ ''اسلام خطرے میں ہے۔'' انہوں نے پارٹی میں مذہبی سکالر شامل کر لئے جنہوں نے یہ خدشات پھیلانے شروع کر دیئے کہ انگریزوں کے رخصت ہونے کے بعد ہندو اکثریت کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

اس مذہبی جنون کی شدت کی وجہ سے 5 سال کے اندر اندر ایک خود مختار ہندوستانی ریاست کا خواب چکنا چور ہو گیا اور دو حصوں پر مشتمل پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھر آیا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان 1600 کلو میٹر کا بھارتی علاقہ حائل تھا۔ ہندوستان کی ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی یہودی اور پارسی آبادی جس نے کبھی مصنوعی سرحدوں کا منہ نہیں دیکھا تھا اب 3 مختلف حصوں میں منقسم تھی۔ جب انگریزوں نے ہندوستان کے تین ٹکڑے کر کے اسے آزاد کیا تو اس وقت وہ 5 ہزار سال سے ایک وحدت تھا۔ انگریزوں نے پنجاب کو دو ٹکڑوں میں کاٹ ڈالا اور ان دونوں حصوں میں اتنی گہری نفرت پیدا کر دی کہ آج دونوں حصے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شاید قدرتی طور پر ہی ایسے بنے تھے، مشرق میں بنگال، ہندوستان کی نشاۃ ثانیہ کے نقیب کو قصاب کے تختے پر چڑھا کر دیہات تک کو تقسیم کر دیا گیا۔ اس طرح رابندرناتھ ٹیگور اور قاضی نذر الاسلام کے بیٹوں اور بیٹیوں کے خون سے گنگا ڈیلٹا نہا گیا۔

''تقسیم کرو اور حکمرانی کرو'' کے اس بڑے کھیل میں سب سے زیادہ نقصان ہندوستانی مسلمانوں کا ہوا۔ اسلام کے نام پر انہیں تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے

MashalBooks.org

سے کاٹ ڈالا گیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ تقسیم اتحاد کے نام پر کی گئی۔

آج جنوبی ایشیا کے 15 کروڑ مسلمان پاکستان میں، 14 کروڑ بنگلہ دیش میں اور 16 کروڑ بھارت میں رہ رہے ہیں۔ اس کے باوجود 1930-1940 کی دہائی میں مسلمانوں کی تقسیم کی تحریک جس نے مسلمانوں کو 3 حصوں میں تقسیم کیا کی صفائیاں پیش کرنے والے اس تباہی کو فتح گردانتے ہیں۔

تقسیم کے المیوں سے قطع نظر پاکستان دنیا کے دیگر ممالک کے لئے ایک مثال بن کر ابھر سکتا تھا۔ 14 اگست 1947ء کو پاکستان کا جنم اس وقت ہوا جب دنیا بھر کے دیگر مسلمان سامراجی طاقتوں کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ مڈل کلاس اور دانشور طبقے نے ایسی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھا جس سے ان کے شہریوں کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔ پاکستان کا قیام ایک ایسی چنگاری سمجھی گئی جس سے آزادی اور خودمختاری کے لئے مسلم دور کا شعلہ بھڑک سکے۔ پاکستان سب سے بڑا اسلامی ملک تھا۔ ایک جمہوریت، کثیر القومی اور مختلف زبانیں بولنے والوں کا مرکز۔ اس کے شمال میں دنیا کا عظیم ترین پہاڑی سلسلہ ہمالیہ تھا۔ اس کی سرزمین کو سندھ اور گنگا کا پانی سیراب کرتا تھا۔ اس کی شاعری کا خمیر تیرہویں صدی کے صوفی شاعر رومی اور بیسویں صدی کے نوبیل انعام یافتہ ادیب رابندر ناتھ ٹیگور کی شاعری سے اٹھا۔ اس کے لوگ بنگالی، پشتو، پنجابی، سندھی اور اردو جیسی بھرپور اور رسیلی زبانیں بولتے تھے۔ پاکستان دراصل ہندوستانی سرزمین کا حصہ تھا تاہم عرب سے منسلک تھا۔ اس کے ہمسائے میں ایک طرف ایران اور دوسری جانب چین تھے۔ دریائے گنگا کے ڈیلٹا میں نمو پانے والے سندر بن میں رائل بنگال ٹائیگر دھاڑتا تھا جبکہ پانچ ہزار سال پرانی تہذیب کی علامت موئنجوداڑو دریائے سندھ کے کنارے جگمگا رہا تھا۔ بحیرہ عرب اور خلیج بنگال کے پانی اس کے ساحلوں کو چومتے تھے۔ یہ چاہتا تو ان سب کا امتزاج بن سکتا تھا۔ اس کے برعکس پاکستان کی اشرافیہ نے ملک کو مقامی ثقافتوں اور زبانوں کے قبرستان میں تبدیل کر دیا۔ مذہب کی قربان گاہ پر تاریخ کی بلی چڑھا دی گئی جبکہ ایک متحرک جمہوریت کا گلا مطلق العنان فوجی آمروں نے گھونٹ دیا۔

پاکستان کا قیام تضادات کے حامل ملک کے طور پر ہوا۔ قیام پاکستان سے چند روز قبل بانی پاکستان محمد علی جناح نے ایک حیران کن طور پر ایک سیکولر بیان جاری کیا۔ انہوں

MashalBooks.org

نے اعلان کیا کہ آپ وقت گزرنے کے ساتھ جان جائیں گے کہ نہ ہندو ہندو رہیں گے اور نہ مسلمان مسلمان رہیں گے۔ مذہبی پس منظر میں نہیں کیونکہ مذہب ہر فرد کا انفرادی عقیدہ ہوتا ہے بلکہ سیاسی حوالے سے ریاست کے شہری کے طور پر۔''

جناح کے بیان نے ان کے ہم وطنوں میں امید کی نئی شمع روشن کر دی کہ وہ مسلمانوں کی الگ شناخت کے لئے نئے جذبے کے ساتھ جدوجہد کریں۔ وہ شناخت جو دنیا کے لئے رشک کا باعث بن سکے۔ انگریزی بولتے ہوئے (جناح اردو روانی سے نہیں بول سکتے تھے) انہوں نے ماضی کی تلخیوں کا بار بار حوالہ دیا اور پاکستانیوں سے اپیل کی کہ وہ ماضی کو بھلا کر نفرتیں دفن کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ مستقبل کے پاکستانی باشندوں کو بلا تفریق رنگ، مذہب اور نسل تمام حقوق اور مراعات حاصل ہوں گی اور ان کی ذمہ داریاں بھی ایک ہوں گی۔ مذہب کا ریاستی امور سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔ یہ محض کسی شخص کا انفرادی فعل ہوگا۔

لیکن چند ماہ کے اندر ہی جناح کا لہجہ بدل گیا اور انہوں نے قرون وسطیٰ کے کسی امیر کی طرح بولنا شروع کر دیا۔ انہوں نے اپنے اہل وطن سے کہا کہ وہ آگے بڑھ کر اسلام کا دفاع کریں۔ اس طرح انہوں نے اپنا ہی وعدہ بھلا دیا۔ ان کے نفیس ولایتی (Saville Row) سوٹ تلف کر دیئے گئے اور انہوں نے روایتی مسلمان کا روپ اختیار کر لیا۔ سکاچ اور سگار کی جگہ جناح کیپ، Bacon روایتی شلوار قمیض نے لے لی۔ ایک سال کے اندر ہی ملک کے ورزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل جو دلت ہندو تھے جان بچا کر بھارت بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

جوگندر ناتھ منڈل (1906-1956) ایک بنگالی سیاستدان تھے جن کا تعلق نچلی ذات کے ہندو اچھوتوں (دلتوں) سے تھا۔ وہ انڈین نیشنل کانگریس کے زبردست مخالف تھے جس پر وہ سمجھتے تھے کہ اونچی ذات کے ہندوؤں کا غلبہ تھا اور یہ لوگ دلتوں کے سیاسی حقوق کے تحفظ کا وعدہ پورا کرنے میں سنجیدہ نہیں تھے۔ جوگندر ناتھ منڈل اس کے بعد مسلم لیگی محمد علی جناح کے قریب ہو گئے اور تقسیم کے بعد پاکستان کے پہلے وزیر قانون کے طور پر کام کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ تاہم 1948ء میں پاک بھارت جنگ، بنگال میں ہندو مسلم فسادات اور جناح کے انتقال کے بعد انہیں کابینہ کے وزراء کی طرف سے بے توجہی کا نشانہ بنایا گیا اور حساس فائلوں تک ان کی رسائی روک دی گئی۔ جب پہلے وزیر اعظم لیاقت

MashalBooks.org

علی خان نے اسلام کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دینے کی تجویز منظور کی تو منڈل نے محسوس کیا کہ اب ان کے دن گنے جا چکے ہیں۔ زبانی اور جسمانی حملوں کے بعد بالآخر وہ اکتوبر 1950ء میں کلکتہ چلے گئے اور بھارت میں پناہ لے لی۔ انہوں نے اپنے استعفے کے خط میں جناح کے جانشینوں کی اقلیتوں کے مستقبل اور حقوق کا خیال نہ رکھنے پر مذمت کی۔

ملک بننے کے صرف ایک سال بعد تک قائداعظم زندہ رہے لیکن اس مختصر عرصے میں انہوں نے اوپر سے نیچے آنے والا انتظامیہ کا معیار متعین کر دیا۔ انہوں نے جمہوری رہنماؤں کی بجائے مغل شہنشاہوں کا طرزِ عمل اختیار کیا۔ انہوں نے اس کی شروعات اس فیصلے سے کی کہ وہ ملک کے پہلے وزیراعظم نہیں بنیں گے بلکہ انہوں نے ملکہ کے نمائندے کے طور پر ملک کا پہلا گورنر جنرل بننا پسند کیا۔ کسی بھی پارلیمانی معیار سے گورنر جنرل کا منصب محض نمائشی ہوتا ہے جیسے کینیڈا کی گورنر جنرل مشیل جین کا عہدہ علامتی ہے۔ اس کی شان و شوکت تو بہت ہوتی ہے لیکن اس کے پاس بہت کم انتظامی اختیارات ہوتے ہیں۔ بہرحال متحدہ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کے الفاظ میں ''جناح ریاست کے سب سے اعلیٰ منصب کی جس کے حصول کے لئے انہوں نے بہت کوشش کی تھی، شان و شوکت کے لالچ سے اپنے آپ کو نہیں بچا سکے تھے۔'' جب ماؤنٹ بیٹن نے جناح کو سمجھانے کی کوشش کی کہ پاکستان کے عبوری آئین کے تحت پاکستان کے گورنر جنرل کا عہدہ صرف اعزازی ہے اور اصل اختیارات وزیراعظم کے پاس ہیں تو جناح نے رکھائی سے جواب دیا ''پاکستان میں خود میں گورنر جنرل ہوں گا اور وزیراعظم وہی کرے گا جو میں چاہوں گا'' اور یہی وہ چیز ہے جو ان کے اگلے پورے ایک برس کی تاریخ میں ہمیں نظر آتی ہے۔ جناح نے مسلم لیگ کی پارلیمانی پارٹی کا اختیار مسترد کرتے ہوئے خود ملک کا نیا وزیراعظم نامزد کیا۔ نئی کابینہ کے لئے وزراء کے نام بھی انہوں نے خود چنے۔ صرف یہی نہیں بلکہ گورنر جنرل کی حیثیت سے کابینہ کے اجلاسوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جناح ایک مقبول لیڈر تھے اور ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون تھا۔ تاہم دیگر تمام مقبول آمروں کی طرح انہوں نے جمہوریت کا ادارہ چھوڑنے کے بجائے مطلق العنانیت کی مثالیں ورثے میں چھوڑیں جو آج بھی قوم پر مسلط ہیں۔

اس سے یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں: کیا اسلامی ریاست کا یہی نمونہ تھا جس کا

MashalBooks.org

بیسویں صدی کے مسلمان انتظار کر رہے تھے؟ یہاں اب نئے زمانے کے خلیفہ کی جگہ گورنر جنرل نئے انداز میں اقتدار پر فائز تھا۔ جس کے سامنے کوئی اپوزیشن نہیں تھی اور جو سیکولرازم کے اس وعدے پر لایا گیا تھا جس کا اس نے چند ماہ پہلے اعلان کیا تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ہونے والی خونریزی کے نتیجے میں ہندو اور سکھ پاکستان سے بھاگ کر بھارت جا رہے تھے اور لاکھوں مسلمانوں نے بھارت سے پاکستان آنا شروع کر دیا تھا۔ جب خون خرابے کا یہ کھیل ختم ہوا تو 5 لاکھ کے قریب ہندو، مسلمان اور سکھ مارے جا چکے تھے۔ اگلے 25 برس میں بنگلہ دیش کی تحریک آزادی میں 10 لاکھ مزید افراد موت کا شکار ہو گئے۔ کیا اس کے باوجود ہمیں مذہب اور سیاست کو گڈ مڈ کرنے کی کسی اور مثال کی ضرورت ہے؟ یہ محض ایک خطرناک سیاسی ہتھکنڈا ہے جس کے تباہ کن نتائج نکلے ہیں۔

تقسیم کے بعد لاکھوں ہندو پاکستان چھوڑ کر چلے گئے۔ تاہم جو المیہ سکھوں کے ساتھ رونما ہوا وہ زیادہ ہولناک اور قابل بیان ہے۔

جس طرح اسلام کی جڑیں خطہ عرب میں پیوستہ ہیں اس طرح سکھ ازم پندرہویں صدی کا مذہب جس نے پنجاب میں جنم لیا اور اس کی مذہبی نمو اور تاریخ پنجاب کی قسمت کے ساتھ وابستہ ہے۔ سکھ، مسلمان اور ہندو صدیوں شہروں اور دیہات میں اکٹھے مقیم رہے۔

سکھوں کے نزدیک پنجاب کے شہر لاہور، گوجرانوالہ، ننکانہ صاحب اور راولپنڈی ان کے آبائی شہر تھے جن کی تاریخ سے ان کے گروؤں کا ناتا تھا، لیکن تقسیم سے نہ صرف پنجاب دو ٹکڑے ہوا بلکہ پاکستان کے پنجاب سے سکھوں کا بھی صفایا کر دیا گیا۔ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد سکھوں کی ان کے مقدس مقامات گردوارہ جنم استھان ننکانہ صاحب، گردوارہ پنجہ صاحب، حسن ابدال، گردوارہ ڈیرہ صاحب کرتارپور (جائے وفات بابا نانک) اور لاہور میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سمادھی تک رسائی روک دی گئی۔

جب 1947ء کی قتل و غارت تھم گئی تو لاہور میں ایک بھی سکھ نظر نہیں آتا تھا۔ یقیناً مشرقی پنجاب میں بھی مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا لیکن انہیں اپنے مقدس مقامات مکہ اور مدینہ سے تو محروم نہیں کیا جا رہا تھا۔ اگرچہ مسلمان یروشلم پر اسرائیلی قبضے سے افسردہ ہیں تاہم خود مسلمان اب بھی مسجد اقصیٰ اور گنبد خضریٰ کے ارد گرد آباد ہیں لیکن سکھوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ ان کے کرب کو محسوس کرنے کے لئے ہمیں تصور کرنا ہوگا کہ

اس وقت ہماری کیا حالت ہو گی اگر خدانخواستہ، خدانخواستہ مکہ اور مدینہ سے مسلمانوں کا مکمل طور پر صفایا کر دیا جائے اور وہاں ایتھوپیا وغیرہ کا قبضہ ہو جائے تو پھر ہم سکھوں کو ان کے مقدس ترین مقامات سے دور کر کے کیسے پرسکون ہو سکتے ہیں؟ یہ دراصل بھارت سے الگ اسلامی ریاست قائم کرنے کے ہمارے جوش وخروش کا نتیجہ ہے۔ ہم مسلمان مقبوضہ اسلامی علاقوں کی آزادی کا کیونکر مطالبہ کر سکتے ہیں جبکہ ہم نے سکھوں کو ان کے مذہبی مقامات سے دور کرنے اور ان کی نسل کشی کو ایک اسلامی ریاست کے اندر جائز قرار دیا، وہ مسلمان جو سکھوں سے ہمدردی نہیں رکھتے کیا خود سے پوچھ سکتے ہیں کہ ایسا کیوں کیا گیا تھا؟

1947ء سے قبل پنجابی مسلمان سکھ مت کو کوئی دشمن مذہب نہیں سمجھتے تھے کیونکہ مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے سکھ مت تصوف کی تعلیمات جس کی جڑیں اسلامی فکر میں ہیں اور بھگتی تحریک جس کا ماخذ ہندو فلسفہ ہے کا امتزاج ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ مغل شہنشاہوں کا رویہ بالخصوص سکھوں کے مذہبی رہنماؤں کے ساتھ ظالمانہ اور بے رحمانہ تھا لیکن وہ مغل اسلام کی نمائندگی نہیں کر رہے تھے۔ ان کا یہ سلوک صرف سکھوں کے ساتھ بہیمانہ نہیں تھا بلکہ ان کے ہم مذہب بھی سخت سزاؤں سے محفوظ نہیں رہ سکے تھے۔

قیام پاکستان کے ساتھ سکھوں کو شاید اپنے مذہبی مقامات سے زیادہ ایک قیمتی چیز سے ہاتھ دھونا پڑا اور وہ تھے سکھوں کے ذیلی نیم ثقافتی فرقے۔ ان میں سے ایک فرقہ سیوا پنتھی تھا جو پنجاب، سندھ اور بلوچستان سرحد کے ساتھ علاقے صحرائے تھل میں پھل پھول رہا تھا۔ سیوا پنتھی عقیدہ 1947ء تک بارہ نسلوں سے جنوب مغربی پنجاب میں فروغ پاتا رہا۔ یہ فرقہ جیسے سیوا پنتھی، سیوا داسیے اور ادن شاہی کے نام سے جانا جاتا تھا کی بہترین شناخت بھائی گھنیہ تھے جنہوں نے دسویں گرو کی مغل فوج کے ساتھ جنگ کے دوران زخمی ہونے والے سکھوں اور مسلمانوں کو بلاتفریق طبی امداد فراہم کی۔ سیوا پنتھی فرقے کے پیروکار منفرد سفید چادر باندھتے تھے۔ انہوں نے برصغیر کے مذہبی فلسفوں میں ایک رخ متعارف کرایا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ''ضرورت مندوں کی مدد کرنا، روحانی مراقبے کی افضل ترین شکل ہے، مقدس کتاب اور اشلوک پڑھنے سے بھی زیادہ افضل۔ پاکستان بننے سے سیوا پنتھیوں کو زبردست نقصان پہنچا کیونکہ وہ نئے مشرقی پنجاب میں پھر کبھی اپنے قدم نہ جما سکے۔ فلسفوں اور زمین کے درمیان نامیاتی رشتے کے فروغ کے لئے آبائی دھرتی کی ضرورت ہوتی ہے۔

MashalBooks.org

انیسویں اور بیسویں صدی کے ایسے دیگر سکھ فرقوں اور دھڑوں میں جن میں نام دھاری، رادھا سوامی، نرنکاری، نرملئے اور سدھ شامل تھے انہیں یا تو بہت محدود کر دیا گیا یا تقسیم ہند کے بعد بالکل ہی مٹا دیا گیا۔

سکھ لیڈر بذات خود بھی اس المیے کے ذمہ دار تھے۔ درحقیقت یہ وہ خود تھے جنہوں نے پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ کیا۔ کوتاہ نظری اور عاقبت نااندیشی کے معاملے میں جناح تنہا نہیں تھے۔ 8 مارچ 1947ء کو انڈین نیشنل کانگریس نے دہلی میں ہونے والے اپنے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی جس میں پنجاب کی تقسیم کے حوالے سے سکھ بنیاد پرستوں کے مطالبے کی حمایت کی گئی۔ کانگریس اور اس کے سکھ اتحادیوں نے مطالبہ کیا کہ انگریزوں کی رخصتی کے بعد پنجاب کے غیر مسلم اکثریتی علاقوں کو الگ کر کے نیا صوبہ مشرقی پنجاب بنا چاہیئے اور اسے پاکستان کی بجائے بھارت کا حصہ ہونا چاہیئے۔

سکھوں کے ان کے مقدس مقامات سے دور کرنے کے المیے نے سکھ اور مسلمان دونوں کو متاثر کیا۔ کوئی بھی انسانی جسم کے اعضاء کو الگ کر کے یہ توقع نہیں کر سکتا کہ کاٹے گئے اعضا زندہ رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ پنجابی ثقافت زندہ رکھنے پر سکھوں کے لئے میرے تحسینی جذبات کے باوجود میں سکھوں کی الگ ریاست خالصتان کے قیام اور بھارت کی مزید توڑ پھوڑ کا مخالف ہوں۔ بہتر ہو گا کہ سرحدیں کھول کر لوگوں کی آزادانہ آمدورفت یقینی بنائی جائے۔ اس میں مہاجرین کے بچوں اور ان کی اولادوں کی آبائی علاقوں میں واپسی بھی شامل ہے۔

پنجاب کی تقسیم کے المیے کی بہترین منظر کشی ممتاز پنجابی شاعرہ اور ادیب امرتا پریتم نے کی ''اج آکھاں وارث شاہ نوں'' کے عنوان سے یہ نظم انہوں نے تقسیم کے وقت پاکستان سے اپنے خاندان کے ساتھ لاہور سے بھارت جاتے ہوئے ٹرین میں کہی:

اج آکھاں وارث شاہ نوں، کتھوں قبراں وچوں بول
تے اج کتاب عشق دا کوئی اگلا ورقہ پھول
اک روئی سی دھی پنجاب دی، توں لکھ لکھ مارے وین
اج لکھاں دھیاں روندیاں، تینوں وارث شاہ نوں کین

MashalBooks.org

اٹھ درد منداں دے دریا اٹھ تک اپنا پنجاب
اج بیلے لاشاں وچھیاں تے لہو دی بھری چناب

1947ء کے موسم گرما میں نئی کابینہ اور وزیراعظم کے حلف اٹھانے کے بعد جب پاکستانی قوم عید الفطر منا رہی تھی تو جناح نے جمہوریت کا ایک اور مقدس اصول توڑ ڈالا۔ انہوں نے شمال مغربی سرحدی صوبے میں دو بار منتخب ہونے والے ڈاکٹر خاں صاحب کی حکومت توڑ ڈالی۔ حالانکہ ڈاکٹر خان صاحب کو ایوان میں واضح اکثریت حاصل تھی لیکن قائداعظم نے وہاں اپنی پارٹی کی حکومت قائم کر لی۔ جب اس کو اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے برطرف ارکان کو گرفتار کرا کے مصنوعی اکثریت حاصل کر لی۔

پاکستان کے شروع میں ہی این ڈبلیو ایف پی کے پختون عوام سے معاشرے کے بیکار افراد جیسا سلوک کیا گیا اور ان کی اس بے گانگی نے کئی زخم چھوڑے۔ 1970ء کی دہائی تک جاری رہنے والی اس تنہائی نے پختون قوم پرستی کو جنم دیا۔ بعد ازاں ان جذبات کو اسلام پسندوں نے یرغمال بنا کر آج کے طالبان کی بنیاد رکھی۔

صوبہ سرحد کی حکومت برطرف کرنے کے نو مہینے بعد جناح نے اپنے غیر محدود اختیارات کا ایک بار پھر استعمال کیا۔ اس بار انہوں نے صوبہ سندھ کی حکومت برطرف کر دی جو ان کی اپنی جماعت مسلم لیگ کی تھی۔ اور گویا ابھی ان کی تسلی ہوئی ہو انہوں نے پنجاب حکومت کے اندر بغاوت کرانے کی بھی کوشش کی۔ ایک سال کے عرصے میں وہ شخص جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک جمہوری ملک پاکستان قائم کیا تھا نے جمہوریت کی روح کے منافی اقدامات کئے۔ انہوں نے احتجاج کرنے والوں کا محاسبہ کرنے کے لئے اسلام کا نام استعمال کیا اور اپنے انتقال سے محض چند ہفتے پہلے انہوں نے اکثریتی آبادی بنگالیوں کی مادری زبان بنگالی کو قومی زبان نہیں بنایا۔ قائداعظم کی طرف سے ''صرف اردو'' کے حوالے سے تقریر کے بعد ہونے والے لسانی فسادات نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کے قیام کی راہ ہموار کر دی۔

1948ء میں جناح کے انتقال کے بعد مطلق العنانی کی یہ روایت مضبوط تر ہو گئی۔ اگر بابائے قوم نے خود لامحدود اختیارات کی مثال قائم کی ہو تو پھر ان کے سامنے کھڑا ہونے کی کس میں مجال تھی؟

MashalBooks.org

جمہوریت کا پہلا امتحان مئی 1949ء میں آیا جب مشرقی پاکستان کے علاقے تنگیل میں ضمنی انتخابات ہوئے۔ حکمران جماعت مسلم لیگ کو اپوزیشن کی کامیابی سے سخت صدمہ پہنچا۔ اس نشست سے ہاتھ دھونے پر دلبرداشتہ وزیراعظم لیاقت علی خاں نے اسے ذاتی رسوائی سمجھا اور نتائج مسترد کرتے ہوئے نومنتخب رکن سمیت اپوزیشن کے دیگر کئی ارکان کو جیل بھجوا دیا۔ ان میں ممتاز کمیونسٹ لیڈر مونی سنگھ بھی شامل تھے۔ ان کی زندگی کے 22 سال جیل یا پھر روپوشی کی حالت میں گزرے۔ انہیں پھر 1971ء میں اس وقت آزادی ملی جب پاکستان دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔

قائداعظم کے انتقال کے بعد اسلام پسند ہلاکت آفرینی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ وہ عناصر جنہوں نے اس وقت ملک کے قیام کی مخالفت کی تھی اب اس کے ٹھیکیدار بن گئے۔ ملک کے لئے جدت پسند دستور تیار کرنے کی تمام امیدیں دم توڑتی گئیں کیونکہ دنیا بھر کے اسلام پسندوں نے پاکستان پر نظریں گاڑتے ہوئے اس کی تازہ مٹی کو خلافت کی بحالی کے خواب کی تعبیر کے لئے موزوں قرار دے دیا۔ مصر کے اسلام پسند سعید رمضان (جن کا بیٹا طارق سوئس مسلم تنظیم کا بانی ہے اور اب حکومتوں کی مشاورت کرتا ہے) پاکستان کو ''اسلامیانے'' کے لئے کراچی آئے۔ یہی کچھ پولینڈ کے نومسلم محمد اسد نے کیا اور پاکستان کی بقا کے لئے بنیادی اصول تحریر کرنے میں لگ گئے۔

الف لیلوی داستانوں والی احمقوں کی جنت میں رہتے ہوئے اسلام پسندوں نے زمینی حقائق اور عام پاکستانیوں کی خواہشات کو قطعی نظر انداز کر دیا۔ پاکستان کی تمام مقامی زبانوں کو ایک طرف کر کے یہ تجویز دی گئی کہ ملک کی قومی زبان عربی ہونی چاہئے۔ (وہ زبان جو پاکستانی بول بھی نہیں سکتے۔)

جہاں ایک طرف اسلام پسند آستینیں چڑھا رہے تھے اور ایک آئینی بحران زور پکڑ رہا تھا وہاں ملک کے نئے گورنر جنرل غلام محمد جو ایک بیمار شخص اور برٹش سول سروس کے سابق افسر تھے نے 1952ء میں وزیراعظم کو برطرف کر کے کابینہ تحلیل کر دی اور اپنے فرمان جاری کر کے حکومت چلانا شروع کر دی۔ 1954ء تک ملک ایک بحران سے نکل کر دوسرے میں داخل ہوتا رہا۔ صوبائی انتخاب میں حکمران جماعت کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا جب 25 دسمبر 1954ء کو کرسمس کے روز قوم بابائے قوم کا جنم دن منا رہی تھی تو

MashalBooks.org

گورنر جنرل نے آئین ساز اسمبلی توڑ دی۔ اگر گورنر جنرل جناح صوبائی اسمبلیاں تحلیل کر سکتے تھے تو ان کا جانشین وفاقی اسمبلی بھی توڑ سکتا تھا۔

اس محلاتی سازش کے بعد یہ سلسلہ پھر کبھی رک نہ سکا۔ اقتدار کی اس کشمکش کے دوران پہلے مارشل لا کا مزہ اس وقت چکھنا پڑا جب ملک میں احمدیوں کے قتل عام کی مہم زوروں پر تھی۔ پاکستان کو ایک ماڈل جمہوریہ بنانے کے وہ تمام خواب ہوا ہو گئے جن کا عہد قائداعظم نے 11 اگست 1947ء کو اپنی تقریر میں کیا تھا۔ 1953ء تک یہ تصور مدہم پڑ گیا اور پھر بالکل بھلا دیا گیا کیونکہ اسلام پسندوں کے ہجوم نے ساتھی مسلمانوں کو نشانہ بنانا اور انہیں اسلام کے نام پر قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

جب اس فرقہ وارانہ ہلاکتوں کی تحقیقات کرنے والی ایک حکومتی کمیٹی نے علماء اور سکالروں سے یہ سوال کیا کہ کیا وہ جناح کے تصور کے مطابق پاکستان کو ایک سیکولر جمہوریت بنانا چاہتے ہیں تو سب نے بلا جھجک کہا، ہرگز نہیں، انکوائری کے روبرو ایک بیان میں جماعت اسلامی نے کہا کہ سیکولرازم کی بنیاد پر قائم ریاست شیطان کی تخلیق ہے۔ کئی مہینے بحث ومباحثے کے بعد 1953ء میں پنجاب کے ہنگاموں پر مشہور جسٹس منیر کمیشن رپورٹ جاری کی گئی۔ رپورٹ میں جو نتائج اخذ کئے گئے وہ کافی اہم ہیں۔ پاکستان کے ائمہ اور اسلامی سکالروں میں کوئی دو بھی اسلامی ریاست یا مسلمان کی بنیادی تعریف Defination پر متفق نہیں تھے۔

رپورٹ میں پھر یہ خطیبانہ سوال اٹھایا گیا ''آخر وہ اسلامی ریاست کیا چیز ہے جس سے متعلق ہر کوئی باتیں کرتا ہے لیکن کوئی اس حوالے سے سوچتا نہیں؟'' جب علماء سے یہ سوال کیا گیا کہ وہ اسلامی تاریخ میں کسی اسلامی ریاست کے وجود کی مثال دیں تو انہوں نے متضاد آراء کا اظہار کیا۔ البتہ اکثریت نے اس طرز حکومت کی طرف اشارہ کیا جو حضرت محمدؐ کی رحلت کے بعد خلافت کی صورت میں 30 سال سے بھی کم عرصے تک رائج رہا۔

کمیشن نے مستقبل کی اسلامی ریاست کی نوعیت کے حوالے سے اسلام پسندوں کے ذہن میں موجود تضاد اور ابہام کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہاں ایک گواہ ماسٹر تاج الدین انصاری کا بیان درج کیا جاتا ہے:

سوال: کیا آپ کے نزدیک اسلامی طرز حکومت کے لئے خلافت ضروری ہے؟

MashalBooks.org

جواب: جی ہاں۔
سوال: گویا آپ پاکستان میں خلافت کے قیام کے حامی ہیں؟
جواب: جی ہاں۔
سوال: کیا مسلمانوں کے ایک سے زیادہ خلیفہ ہو سکتے ہیں؟
جواب: نہیں
سوال: کیا پاکستان کا خلیفہ پوری دنیا کے مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا؟
جواب: ہونا تو چاہئے لیکن ہو نہیں سکتا۔

انکوائری کمیشن نے اسلامی ریاست کی مشترکہ تعریف وضع کرنے کے لئے سینکڑوں اسلامی سکالروں کے انٹرویو کئے لیکن آخر کار اسے ناممکن کام قرار دیتے ہوئے کہا:

''اس طرح یہ سوال بنیادی اہمیت کا حامل ہے کہ کیا کوئی شخص مسلمان ہے یا نہیں؟ یہی وجہ ہے کہ ہم نے کئی ممتاز علمائے کرام سے یہ سوال پوچھا تاکہ مسلمان ہونے کی تعریف سامنے آ سکے۔ ان علما کی اکثریت احمدیوں کو کافر سمجھتی ہے لیکن ان سب کو اسی موقف کی بنیاد اور مسلمانوں کی تعریف پر بالکل واضح ہونا چاہئے کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ فلاں طبقہ اسلام سے تعلق نہیں رکھتا اس وقت قابل غور ہو سکتا ہے جب مسلمان ہونے کی بالکل ٹھیک ٹھیک تعریف پر اتفاق ہو۔ بہرحال اس حوالے سے انکوائری کا نتیجہ تسلی بخش رہا۔ البتہ اگر ہمارے علماء کے ذہن میں اتنے چھوٹے سے معاملے پر ابہام برقرار رہتا ہے تو تصور کر سکتے ہیں کہ باقی پیچیدہ امور پر کتنے اختلافات ہوں گے۔''

پاکستان کے ممتاز سکالروں سے سوال و جواب کرنے کے بعد کمیشن کے رکن دونوں جج صاحبان نے مایوسی کے عالم میں لکھا:

''علماء کی طرف سے کی گئی تعریفوں (Definitions) کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم صرف یہی تبصرہ کر سکتے ہیں کہ کوئی دو عالم بھی باہم متفق نہیں ہیں۔ اگر ہم اپنی طرف سے کوئی تعریف کرتے ہیں جیسا کہ ہر عالم نے کی اور وہ تعریف دوسرے علما سے مختلف ہوئی تو ہم سب دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے اور اگر ہم کسی ایک عالم کی تعریف اپناتے ہیں تو ہم ایک عالم کے نزدیک مسلمان رہیں گے لیکن دیگر تمام علماء کے نزدیک کافر قرار پائیں گے۔''

MashalBooks.org

نتیجہ یہ ہوا کہ سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل کمیشن جس نے پاکستان کے پہلے مسلم کش فسادات کی انکوائری کی نے اپنی رپورٹ میں لکھا:

''ایک عام آدمی پاکستان کو اسلامی ریاست سمجھتا ہے۔ اگرچہ یہ اسلامی ریاست نہیں ہے۔ اس سوچ کو اس لئے تقویت ملتی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے تمام حلقوں کی طرف سے اسلام یا اسلامی ریاست کے مسلسل نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ اسلامی ریاست قائم کرنے کا خیال مسلمانوں کے ہر دور میں موجود رہا ہے۔ اس کے پیچھے مسلمانوں کا وہ شاندار ماضی ہے جب اسلام عرب کے صحراؤں سے اٹھ کر آندھی کی طرح دنیا پر چھا گیا اور ان کے دیو قامت خداؤں کو اوندھے منہ گرا دیا جو انسان کی تخلیق کے وقت سے ان پر حکمرانی کر رہے تھے۔ اسلام نے صدیوں پرانے اداروں، توہمات اور ان رسوم و رواج کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا جو انسانیت کو غلام بنائے ہوئے تھے............''

''یہ عرب بدوؤں کا ہی عظیم کارنامہ تھا جو دنیا نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آج کے مسلمان ماضی میں رہتے ہیں اور اس سنہری دور کی واپسی کے لئے بے چین ہیں۔ آج کا مسلمان ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ اس کے گرد ماضی کی چادر ہے اور پیٹھ پر صدیوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔ وہ مایوس اور پریشان ہے۔ وہ مخمصے میں ہے کہ کس طرف جائے۔ مذہب کی تازگی اور سادگی جس نے اس کے ذہن کو قوت ارادی اور جسم کو تحریک بخشی اب اس سے روٹھ چکی ہے۔ اس کے پاس فتح کرنے کی صلاحیت اور وسائل موجود نہیں اور فتح کرنے کو مزید ملک بھی دستیاب نہیں۔ اسے اس بات کا بہت کم ادراک ہے کہ اس وقت جو قوتیں اس کے خلاف میدان میں ہیں وہ ان طاقتوں سے قطعی مختلف ہیں جس سے اس کا ابتدائی دور میں واسطہ پڑا تھا۔ اور اس کے آباؤ اجداد نے انسانی ذہن کو جو راستے دکھائے تھے اور ان سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ انہیں نہیں سمجھ سکتا............صرف اسلام کے جرأتمندانہ احیاء اور حرکت کو جمود سے الگ کرنے سے ہی اسلام کو

MashalBooks.org

عالمی سطح پر پذیرائی مل سکتی ہے اور مسلمان آج کی پستی سے نکل کر حال اور مستقبل کے شہری بن سکتے ہیں۔ یہ محض واضح اور جرأتمندانہ سوچ کی کمی، سمجھنے اور فیصلے کرنے سے معذوری ہے۔ جس نے پاکستان میں اس ابہام اور فکری ژولیدگی کو جنم دیا ہے جس کی ہم انکوائری کر رہے ہیں۔ اس طرح کے حالات اس وقت تک رونما ہوتے رہیں گے جب تک ہمارے رہنما اپنے نصب العین کا واضح تعین نہیں کرتے اور اس کے حصوں کا طریقہ وضع نہیں کرتے۔ یہ بات محسوس کرنے کے لئے کسی تخیل کی ضرورت نہیں کہ زمینی حقیقت، زمینی حقیقت ہی رہے گی چاہے ہم اس پر یقین کریں یا نہ کریں یا اس کے متضاد چلنے کی خواہش کریں۔ جب تک ہم ریگ مال کی جگہ ہتھوڑے سے کام لیتے رہیں گے اور مسائل کے حل کے لئے اسلام کو مسلط کرنے کی کوشش کریں گے مایوسی اور ناامیدی ہمارے قدم روکے گی۔ اسلام کا ارفع مذہب اس وقت بھی زندہ رہے گا جب ہمارے لیڈر اس کے نفاذ کے لئے موجود نہ ہوں گے۔ یہ عقیدہ فرد کے اندر باقی رہے گا اس کی روح کے اندر اور خدا سے اس کا تعلق بھی مہد سے لحد تک باقی رہے گا۔ اور ہمارے سیاستدانوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جب الوہی احکامات بھی کسی فرد کو مسلمان رہنے پر آمادہ نہیں کر سکتے تو ان کے قوانین کیسے کر سکتے ہیں......؟''

یہ الفاظ صدا بصحرا ثابت ہوئے۔ اس ملک کے سیاستدان اسلام کو بطور سیاسی ہتھیار استعمال کرنے کی وقعت سے آگاہ تھے اور وہ سونے کی اس چڑیا سے ہاتھ دھونے پر ہرگز آمادہ نہیں تھے۔ اسلام پسندوں کی طرف سے اسلام کے ٹھیکیدار ہونے کے دعوے کے باوجود عام پاکستانیوں نے انہیں ایک کے بعد دوسرے صوبائی انتخابات میں مسترد کر دیا۔ اس کی بجائے انہوں نے سنٹر لیفٹ کے اتحادیوں کو ووٹ دیئے۔ 1956ء میں ملک کا پہلا آئین تیار ہونے کے باوجود پاکستان کی حکمران اشرافیہ نے عام انتخابات کا التواء برقرار رکھا۔ وزرائے اعظم کی بار بار تبدیلی پر ہمسایہ ملک بھارت میں ہمارا مذاق اڑایا گیا۔

کمیونزم کے خلاف امریکہ کی جنگ میں شامل ہو کر نئے اسلامی ملک کا استحکام

MashalBooks.org

حاصل کیا گیا۔ پاکستان میں بھی بائیں بازوں کے ارکان کو چن چن کر نشانہ بنایا گیا، معروف مارکسسٹ حسن ناصر کو تشدد کے بعد قتل کیا گیا۔ پاکستان نے کمیونزم مخالف تنظیم سنٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن (سینٹو) میں شمولیت اختیار کر لی، جس سے ترکی، ایران اور پاکستان امریکی کمان کے ماتحت ہو گئے۔ پاکستان ساؤتھ ایسٹ ایشیا ٹریٹی (سیٹو) میں بھی شامل ہوا جس کے رکن برطانیہ، امریکہ پاکستان، فلپائن اور تھائی لینڈ تھے۔ یہ دونوں امریکہ کی زیر قیادت نیٹو کی طرز پر فوجی اتحاد تھے۔ پاکستان کے برطانیہ اور امریکہ کے ساتھ فوجی تعلقات نے اس کے عرب دوستوں کو ناراض کر دیا۔ جب اسرائیل، برطانیہ اور فرانس نے نہر سویز پر 1956ء میں حملہ کیا تو پاکستانی حکومت نے مصر کی حمایت کرنے کی بجائے حملہ آور فوجوں کی شرمناک حمایت کی۔

ایک عشرہ بے کار ضائع کرنے کے بعد پاکستان نے مارچ 1959ء میں پہلے عام انتخابات کا اعلان کیا لیکن اس فیصلے سے امریکہ، پاکستان کی حکمران اشرافیہ اور اسلام پسند سیاسی جماعتوں میں بے چینی محسوس کی گئی۔ تمام اندازوں سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی تھی کہ اگر مارچ 1959ء میں صاف اور شفاف انتخابات ہو جاتے تو نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) کی زیر قیادت سنٹر لیفٹ کا اتحاد پاکستان کے دونوں حصوں میں بہت اچھی حمایت حاصل کر لیتا۔ نیپ کا قیام بائیں بازو کے کئی گروپوں اور کالعدم کمیونسٹ پارٹی کے اتحاد سے عمل میں لایا گیا تھا۔ اس بات کی امید تھی کہ یہ سیاسی اتحاد مشرقی پاکستان، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان میں اچھی کارکردگی دکھائے گا جبکہ پنجاب کی ٹریڈ یونین تحریک بھی اس کے ساتھ تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ نیپ نے پاکستان کے سینٹو اور سیٹو اتحاد سے نکلنے کا مطالبہ کیا تھا۔

اس وقت تک پاکستان کی مسلح افواج نے امریکی محکمہ دفاع پینٹا گون سے قریبی تعلقات استوار کر لئے تھے اور سی آئی اے نے پشاور کے قریب اپنے اڈے بنا لیے تھے جہاں سوویت یونین پر بلاتعطل پروازیں کرنے والے امریکی جاسوس طیارے یو -2 تھے موجود رہتے۔ نیپ کی کوئی بھی کامیابی امریکہ کے لئے سٹرٹیجک خطرہ تھی کیونکہ نیپ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ پاکستان کے امریکہ کے ساتھ فوجی تعاون کے معاہدے ختم کر دے گی۔ اسی طرح NAP کی کوئی کامیابی جماعت اسلامی کے اسلام پسندوں کی ساکھ کو بھی متاثر کرتی کیونکہ انہیں پورے ملک میں شاید ایک بھی نشست نہ ملتی۔ 1970ء میں بالآخر جب

MashalBooks.org

انتخابات ہوئے تو جماعت اسلامی کو 301 رکنی پارلیمنٹ میں صرف 4 نشستیں مل سکیں۔

چند برس قبل سی آئی اے کو اسی قسم کی صورتحال کا سامنا ایران میں کرنا پڑا تھا جہاں بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے رہنما محمد مصدق نے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تھی۔ بعد ازاں محمد مصدق کو ایک خونریز بغاوت کے ذریعہ ہٹادیا گیا۔ پاکستان میں امریکہ نواز فوج نے محمد مصدق کے تجربے سے سبق سیکھا۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ اندرونی سیاست بھی اپنا کھیل کھیل رہی تھی۔ صدر سکندر مرزا جانتے تھے کہ نئی پارلیمنٹ انہیں بطور سربراہ مملکت قبول نہیں کرے گی اور اگر الیکشن ہوئے تو ان کے دن گنے جا چکے۔ یوں امریکہ کی حمایت یافتہ فوج اور صدر سکندر مرزا نے سنیٹر لیفٹ کی متوقع کامیابی کے آگے پیشگی بند باندھ دیا۔ 7 اکتوبر 1958ء کو فوج نے بغاوت کر دی اور ملک کا آئین منسوخ کر دیا گیا اس طرح آنے والے انتخابات ملتوی ہو گئے۔ اس وقت کے ایئر چیف اصغر خان نے 1983ء میں اپنی شاہکار تصنیف ''جنرلز ان پالیٹکس'' میں لکھا ہے:

> ''7 اکتوبر کو رات 9 بجے صدر نے مجھے طلب کیا۔ جب میں ایوان صدر پہنچا تو ایوب خان اور دیگر فوجی افسر بھی وہاں موجود تھے، ان میں بریگیڈیئر یحییٰ خان بھی شامل تھے۔ مجھے (صدر) سکندرز مرزا نے بتایا کہ انہوں نے آئین منسوخ کر دیا ہے، مارشل لاء نافذ کیا جا چکا ہے اور فوج اقتدار سنبھالنے والی ہے۔ مجھے پہلے سے اس منصوبے کی بھنک نہیں پڑی تھی مجھے حکم دیا گیا کہ میں اگلے چند گھنٹے تک وہیں بیٹھا رہوں۔ شاید اس لیے کہ اس عرصے میں سارا کام مکمل ہو جائے۔''

پاکستان کا پہلا آئین بگڑ چکا تھا— اگلے روز ملک کے چیف جسٹس نے بھی اسے آشیر باد دی اور آئندہ دو ہفتے میں جنرل ایوب خان نے صدر سکندر مرزا کو چلتا کیا اور 27 اکتوبر 1958ء کو خود صدر بن گئے۔ اس روز پاکستان میں جمہوریت کی موت واقع ہوگئی- اس کے بعد بعض مواقع پر جمہوریت دوبارہ بحال کرنے کی کوشش کی گئی لیکن اسے پاکستان کی مسلح افواج نے جمہوریت کو یرغمال بنائے رکھا اس کام میں اسے اسلام پسندوں کی مکمل حمایت رہی۔

اپنے اقتدار کو جمہوریت کا رنگ دینے کے لئے 1965ء کے موسم بہار میں

MashalBooks.org

جنرل ایوب خان جو اب فیلڈ مارشل بن چکے تھے نے صدر کا الیکشن لڑا۔ انتخابات میں دھاندلی کی۔ اس سے عوام بالخصوص مشرقی پاکستان کے لوگوں میں زبردست اشتعال پھیل گیا۔طلبا ٹریڈ یونین کے ارکان، وکلاء اوراساتذہ نے گلیوں میں ''ایوب کتا ہائے ہائے'' کے نعرے لگائے۔

بڑے پیمانے پرخون خرابے کا خدشہ محسوس کرتے ہوئے فیلڈ مارشل (جو امریکی صدر آئزن ہاور، جان ایف کینڈی اورلنڈن جانسن کے اچھے دوست تھے) نے وہی آزمودہ ہتھیار استعمال کیا جوتمام آمر استعمال کرتے آئے ہیں۔انہوں نے پاکستان کا پرچم اپنے گرد لپیٹ لیا۔لوگوں کا غم وغصہ کافر''دشمن'' بھارت کے خلاف جنگ کی طرف موڑ دیا۔

اس طرح اگست 1965ء میں انہوں نے آپریشن جبرالٹر شروع کیا، سویلین کپڑوں میں ہزاروں فوجیوں کو بھارت کے زیرانتظام کشمیر میں بھیجا گیا۔ بھارت نے اس کا جواب 6 ستمبر کو پاکستان پر حملے کی صورت میں دیا جس کے نتیجے میں جنگ 17 روز تک جاری رہی اور پھر معاملہ لٹک گیا۔

چند ماہ تو ایوب خان ہیرو بنے رہے، مخالف مظاہرین کو غدار قرار دے دیا گیا اور وہ منظر عام سے غائب ہو گئے۔ ایسا نظر آنے لگا کہ ایوب خاں پاکستان کے نجات دہندہ بن کر اگلے ایک اورعشرے تک پاکستان پرحکومت کریں گےلیکن ایسا نہ ہو سکا۔ چار سال کے اندر ہی ایوب خان کو زبردست عوامی احتجاج لے ڈوبا، اس دوران ایک لاکھ کے لگ بھگ لوگ گرفتار ہوئے اورسینکڑوں ہلاک ہوئے۔

فیلڈ مارشل کے مداحوں میں اس وقت ایک طالب علم بھی تھا جو کراچی کے سینٹ پیٹرک ہائی سکول میں زیرتعلیم تھا، اس کا نام تھا پرویز مشرف۔ مستقبل میں ایوب خان کی طرح اس نے بھی ایک منتخب حکومت کا تختہ الٹا اور امریکہ کا خطے میں قریبی اتحادی بنا۔

ان دونوں فوجی جنرلوں کے ادوار کے مابین ایک اور کردار بھی نمودار ہوا اور دنیا کی اسلام پسند تحریک کے اتحاد اورکمیونزم کے خلاف امریکی جنگ کی علامت کے طور پر ابھرا۔ یہ جنرل محمد ضیاء الحق تھا۔''1970ء میں اردن میں فلسطینیوں کے قتل عام کا منصوبہ ساز تھا۔ اس واقعے کو اب بھی سیاہ ستمبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ضیاء الحق افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جنگ میں امریکہ کا سب سے بڑا اتحادی بن گیا۔ یہی آمر

پاکستان کے ثقافتی اور تاریخی ورثے کی تباہی اور ملک کو عرب نما ریاست میں تبدیل کرنے کا باعث بنا۔ حتیٰ کہ صدیوں پرانی ''خدا حافظ'' کہنے کی رسم غیر اسلامی اور ممنوع قرار دے دی گئی۔ کسی اور سیاستدان یا آمر نے بیک وقت اسلام پسند نظریے اور خطے میں امریکی مفادات کے خدمات کو اس طرح یکجا نہیں کیا جس طرح ضیاء الحق نے کیا۔''

حال ہی میں 2007ء میں اسلام آباد میں لال مسجد کا محاصرہ پاکستان میں سیاست کی اسلامائزیشن کے دیوالیہ پن کا بہترین عکاس ہے اور اس سے مُلّا ملٹری گٹھ جوڑ طشت از بام ہو گیا۔

یہ بات جاننا ضروری ہے کہ لال مسجد دراصل پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کی تخلیق تھی جو کئی دہائیوں تک مسلم جہادیوں کی بھرتی کے لئے استعمال کی گئی یہ امریکہ کے حمایت یافتہ ضیاء الحق ہی تھے جنہوں نے لال مسجد کے جہادیوں کو فری ہینڈ دیا تا کہ وہ اسلام کے نام پر انتہا پسندی کا قابل نفرت نظریہ معاشرے میں پھیلائیں۔

دونوں بھائی جنہوں نے لال مسجد کی بغاوت کی قیادت کی، ان میں سے ایک جو برقعہ پہن کر فرار ہوتے دھر لیا گیا جبکہ دوسرا لڑائی میں مارا گیا۔ یہ دونوں ایجنسیوں کے لئے کام کرتے تھے۔ ان کے والد بھی ایک سرکاری ملازم تھے اور اپنے قتل تک اسلام آباد میں اپنی اس جاگیر کا انتظام چلاتے رہے۔

لال مسجد کے ملا اور بنیاد پرست جہادی بھی اس کھیل کے کھلاڑی تھے۔ جب تک یہ مسجد اسلام پسندوں کی سرگرمیوں کا گڑھ بنی رہی جنرل مشرف مغرب کو یہ باور کراتے رہے کہ مغرب کو دہشت گردی کے خلاف لڑائی میں ان کی ضرورت ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے صدر ایوب خان نے امریکی انتظامیہ کو قائل کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان کے بغیر پاکستان کمیونزم کی گود میں چلا جائے گا۔ جنرل مشرف نے صدر بش کو قائل کیا کہ ان کے بغیر پاکستان ایک بڑی لال مسجد بن جائے گا جہاں اسلام پسند جہادی بھرے ہوں گے اور ملک کو اسلامی ایٹمی طاقت بنا ڈالیں گے۔

جو بات انہوں نے ظاہر نہ کی وہ یہ تھی کہ لال مسجد میں اتنا اسلحہ ان کی حکومت کے علم میں لائے بغیر جمع نہیں ہو سکتا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اسلام آباد کے عین مرکز میں اور حکومتی وزارتوں کے بالکل قریب مشین گنوں، راکٹ لانچروں اور گولہ بارود کا اتنا ذخیرہ

MashalBooks.org

جمع کر لیا جائے اور ہوشیار سکیورٹی ایجنسیوں کو پتہ ہی نہ چلے۔

آخر کار مشرف اپنے پیشرو امریکہ نواز جنرلوں کی طرح اپنے ہی پھندے میں پھنس گئے وہ جہادی جن کو دوبارہ بوتل میں نہ بند کر سکے اس لئے انہیں ہلاک کرنا پڑا۔ ممکن تھا کہ وہ وائٹ ہاؤس اور پاکستان کی حکمران اشرافیہ کی نظر میں ہیرو بن جاتے لیکن تاریخ کا رومانس کافی مختصر ثابت ہوا۔

وہ لوگ جو اسلامی انتہا پسندوں اور ان کے جہادی سپاہیوں کو ختم کرنے کے خواہاں ہیں انہیں یہ بات سمجھنا ہوگی کہ ملیریا سے نمٹنے کے لئے گندے نالوں کا پانی خالی کرنا ضروری ہوتا ہے نہ کہ مچھروں کو انفرادی طور پر مارنا۔ 10 لاکھ سے زائد افراد کا بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی پر ان کے استقبال کے لئے نکلنا اس بات کی واضح شہادت تھی کہ پاکستان کے عوام اسلامی انتہا پسندی کو مسترد کرتے ہیں اور ایک لبرل ترقی پسند اسلام چاہتے ہیں۔ تاہم ان عام پاکستانیوں کو زبردست مالی امداد حاصل کرنے والے اسلام پسندوں کے گٹھ جوڑ کا سامنا ہے جو سول اور ملٹری دونوں اداروں میں سرایت کر چکے ہیں۔ وہ عناصر جنہوں نے اکتوبر 2007ء میں بے نظیر بھٹو کو قتل کرنے کے لئے خودکش بمبار بھیجے اور جو بالآخر انہیں 2 ماہ بعد قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے دراصل یہ ہولناک پیغام بھیجا کہ کوئی بھی مسلمان جو جہادیوں کے سامنے آنے کی کوشش کرے گا مٹا دیا جائے گا۔ بے نظیر بھٹو اب زندہ نہیں ہیں، لیکن اسلام اور اسلام پسندوں کے درمیان جنگ ختم نہیں ہوئی۔ یہ لڑائی عام مسلمان صرف اس صورت میں جیت سکتے ہیں کہ وہ اسلام پسندوں کے سامنے ڈٹ جائیں۔ وہ اسلام پسندوں کے سامنے نہ جھکیں اور نہ بزدلی کے ساتھ ان سے کوئی سمجھوتہ کریں۔

پاکستان میں اسلامی ریاست کے حوالے سے تجربے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چیز صرف قرون وسطیٰ دور کا ایک خواب ہے جو آج کے جمہوری معیاروں جیسے اخلاقیات، عالمی انسانی حقوق اور قانون کی حکمرانی سے میل نہیں کھاتا۔ یہ معیار وہ ہیں جن کی ہم مسلمان کینیڈا، فرانس، ہندوستان یا جنوبی افریقہ جیسی سیکولر جمہوریتوں میں توقع کرتے ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کے تجربے سے سبق سیکھا جائے اور اس نتیجے پر پہنچا جائے کہ اسلامی ریاست کی دیو مالا اسلام یا عام شہریوں کا نہیں بلکہ اسلام پسندوں کے فسادات کا

MashalBooks.org

تحفظ کرے گی۔ یقیناً یہاں کے غیر مسلم آبادی کا بھی کوئی بھلا نہیں ہوگا۔

1947ء میں پاکستان کے قیام سے مسلم لیگ کی قیادت اور ہندوستان کی مسلمان اشرافیہ میں تو خوشی کی لہر دوڑ گئی ہو گی کیونکہ وہ جلد ہی نئے ملک میں اہم عہدوں پر قابض ہونے والے تھے البتہ کروڑوں ایسے مسلمان جنہوں نے اس جنت کے لئے ہندوستان چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا ان کے لئے پاکستان ایک طعنہ اور بوجھ بن گیا جس سے انہیں اور ان کی آنے والی نسلوں کا پالا پڑتا رہا حالانکہ اس میں ان کا اپنا کوئی قصور نہیں تھا۔ تقسیم کے بعد بھارتی مسلمانوں کو ان کے بھارتی تہذیب و ثقافت کے فروغ میں کردار اور بے انتہا قربانیوں کے باوجود ہندو قوم پرستوں نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ 1950ء اور 1960ء کے عشروں کے دوران جن سنگھی ارکان اور آج کی شیوسینا اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے عناصر نے بھارتی مسلمانوں کی حب الوطنی پر شبہہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا اور انہیں کہا جاتا رہا کہ ''پاکستان چلے جاؤ۔''

جناح کی بھاری انا کے باعث شاید ایک اسلامی ملک تو بن گیا ہو لیکن دیگر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ بھارت کے 16 کروڑ مسلمانوں کے کاندھوں پر بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے۔ صرف یہی ایک وجہ ایسی ہے کہ ہندوستان سے کاٹ کر اسلامی ریاست بنانے کا اعلان مسلمانوں کے لئے نعمت کے بجائے بوجھ بن گیا۔

اگر بھارتی مسلمانوں کو انتہا پسند ہندو قوم پرستوں کے ہاتھوں مشکلات اٹھانا پڑیں تو پاکستان میں ہندوؤں کی حالت زار اس سے کہیں بڑھ کر اور منظّم مربوط طریقے سے خراب کی گئی ہے۔ ایشین سنٹر فار ہیومن رائٹس نے پاکستان کے مایوس کن انسانی حقوق پر اپنی اگست 2007ء میں ایوارڈ دیتے ہوئے کہا کہ ''پاکستان کی حکومت اپنی پالیسیوں، پروگراموں اور قوانین میں صرف مذہبی اقلیتوں کو تسلیم کرتی ہے اور ملک میں رہنے والی نسلی، لسانی اور قومیتی اقلیتوں کو درخوراعتنا نہیں سمجھتی۔'' مذہبی اقلیتوں کی حالت بھی کوئی زیادہ بہتر نہیں ہے۔

پاکستان کا آئین مذہب کی بنیاد پر اپنے شہریوں میں تفریق کرتا ہے اور مسلمانوں سے ترجیحی سلوک کرتا ہے- آئین کا آرٹیکل 2 اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب، قرآن و

MashalBooks.org

سنت کو پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں میں قانون سازی کے لئے رہنما اور سپریم قانون قرار دیتا ہے۔ آرٹیکل (2) 41 کے تحت صرف ایک مسلمان ہی صدر مملکت بن سکتا ہے، آرٹیکل 260 مسلمان اور غیر مسلم میں فرق کرتا ہے اور اس طرح مذہب کی بنیاد پر امتیاز کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ آئین پر اس طرح عمل درآمد انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا باعث بن سکتا ہے۔

پاکستانی آئین مسلمان اکثریت سے اتنا ترجیحی سلوک کرتا ہے کہ ایک ہندو جج کو بھی اپنا منصب سنبھالتے ہوئے اللہ کے نام پر حلف اٹھانا پڑتا ہے۔ 24 مارچ 2007ء کو جسٹس رانا بھگوان داس کو ان قرآنی دعا کے ساتھ پاکستان کے قائم مقام چیف جسٹس کا حلف اٹھانا پڑا: ''اللہ میرا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔'' ذرا تصور کریں کہ بھارت، امریکہ یا کینیڈا میں کسی مسلمان جج کو انجیل مقدس یا گیتا پر حلف اٹھانے پر مجبور کیا جائے تو کیا ہوگا۔ آپ کو پوری دنیا میں مشتعل مظاہرین سڑکوں پر نعرے لگاتے نظر آئیں گے۔ یہ مظاہرین اس وقت کہاں تھے جب جسٹس بھگوان داس کے مذہبی جذبات کو سرعام کچلا گیا؟

پاکستان کے ضابطہ فوجداری میں توہین رسالتﷺ پر سخت سزا مقرر کی ہے۔ یہ توہین رسالتﷺ کے قوانین دستور پاکستان کی کئی شقوں سے متصادم ہیں۔ ان میں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اعلان اور عبادت (آرٹیکل 20) قانون کی نظر میں تمام شہریوں کا بلاتفریق تحفظ (آرٹیکل 25) اور اقلیتوں کے جائز حقوق اور مفادات کا تحفظ (آرٹیکل 36) شامل ہیں اور گویا پاکستان کے غیر مسلموں کو دوسرے درجے کا شہری بنانے کے لئے موجودہ قوانین کافی نہیں تھے کہ مئی 2007ء میں پاکستانی پارلیمنٹ میں اسلام پسندوں نے تحفظ ناموس رسالت بل متعارف کرایا جس میں دیگر چیزوں کے علاوہ مرتد مرد کے لئے سزائے موت اور مرتد خاتون کے لئے عمر قید کی سزا تجویز کی گئی ہے۔

اگر سعودی عرب میں نصابی کتب یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف نفرت کی تعلیم دیتی ہیں تو پاکستانی کتابوں میں ہندوؤں اور ہندومت کے خلاف نفرت پڑھائی جاتی ہے کئی درسی کتابوں میں تو ہندوؤں کو ''اسلام کا دشمن'' قرار دیا گیا ہے۔

صرف ہندو ہی نفرت کے اس ماحول سے متاثر نہیں ہو رہے ہیں بلکہ احمدی فرقے کو کافر قرار دیدیا گیا ہے اور کھلے عام اس عقیدے پر چلنے کو اسلام کے خلاف سمجھا

MashalBooks.org

جاتا ہے۔ 2006ء میں توہین رسالتﷺ کے 99 واقعات سامنے آئے ان میں پولیس نے صرف 48 مقدمات درج کئے ان میں سے 27 ملزم مسلمان، 10 عیسائی اور 11 احمدی کمیونٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ عیسائی، ہندو اور احمدی مسلمان مل کر کل آبادی کے 4 فیصد سے بھی کم ہیں لیکن انہیں ان کے تناسب سے زیادہ توہین رسالت قوانین کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

یہ حقیقت کہ ایک ریاست جو قرآن اور احادیث محمدﷺ سے رہنمائی کا دعویٰ کرتی ہے اس کی طرف سے اقلیتی شہریوں کے حقوق کی پامالی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کو ایمان کا ذریعہ بنانے کی بجائے ایک بار پھر محض اختیارات کا آلہ کار بنایا جا رہا ہے۔

چاہے یہ کراچی کا شیو مندر ہو جسے مذبح میں تبدیل کر دیا گیا ہو یا لاہور کا کرشنا مندر جسے مسمار کر کے ایک کمرشل پلازے کی تعمیر کی راہ ہموار کی گئی۔ پر یہ ان لوگوں کی مجرمانہ خاموشی ہے جو اسلام کو اپنی کردار سازی کا منبع قرار دیتے ہیں۔ انہوں نے اسلام کو لندن، دہلی اور تل ابیب میں تیار کی گئی نام نہاد سازشوں سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔

2007ء کے موسم سرما میں جب لال مسجد کو اسلام پسندوں سے خالی کرا لیا گیا تو شمال مغربی سرحدی صوبے میں کئی مسیحی خاندانوں کو اسلامی جنگجوؤں کی طرف سے دھمکی آمیز خط کے بعد نقل مکانی کرنا پڑی۔ خط میں دھمکی دی گئی کہ آپ لوگ 10 روز کے اندر اسلام قبول کر لیں یا نتائج بھگتنے کے لئے تیار رہیں۔ یہ فعل ہر لحاظ سے شرمناک ہے لیکن میرے مذہب اسلام کے نام پر یہ حرکت کی گئی اس لیے یہ اور بھی زیادہ افسوسناک ہے۔

پاکستان میں بلوچستان کے غریب مگر غیرت مند عوام نے فوج اور ملاؤں کے ہاتھوں جو تکلیف اٹھائی ہے اور کسی اور کمیونٹی نے نہیں اٹھائی۔ میں بلوچوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ 1970ء میں 19 سالہ سیاسی قیدی کی حیثیت سے میں نے کافی عرصہ پہاڑی علاقے میں واقع مچھ جیل میں گزارا- میں بلوچستان کی اس تحریک کا حصہ تھا جو اس خطے کو صوبے کے درجہ دلانے اور اس کی زبان کی شناخت کے لئے شروع کی گئی۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن پر پاکستان کو فخر کرنا چاہیے۔

بہت کم پاکستانی اس حقیقت سے باخبر ہوں گے کہ 11 اگست 1947ء کو برطانیہ کے تولیتی علاقے بلوچستان نے آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ 3 روز بعد پاکستان بھی آزاد ملک

MashalBooks.org

بن گیا۔لیکن یہ دونوں آزاد ریاستیں ایک سال سے بھی کم عرصے کے لئے ایک ساتھ رہیں۔ مارچ 1948ء میں پاکستانی فوج نے حملہ کر کے بلوچستان پر قبضہ کر لیا۔گرفتاری کے خوف سے روایتی بلوچ سردار خان آف قلات میر احمد یار خان نے الحاق کی دستاویز پر دستخط کر دیئے۔اس کے بعد ایک خانہ جنگی شروع ہوگئی لیکن غیر منظم اور مناسب اسلحے سے محروم بلوچ پاک فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔اس طرح بلوچستان پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ بن گیا۔ اس کا ایک تہائی رقبہ ایرانی عملداری میں رہا۔ بلوچ بغاوت کے لیڈر کو اس کے ساتھیوں سمیت گولی مار دی گئی۔اس طرح بلوچستان کے پاکستان کے ساتھ افسوسناک الحاق کا آغاز ہوا۔ بلوچ رہنماؤں کے خون میں ڈوبا آغاز آج 60 سال سے بلوچستان پاکستانی فوج کے قبضے میں ہے۔ اس دوران بلوچوں نے 2 بار گوریلا کارروائیاں کیں۔ ایک کی قیادت ممتاز لیڈر شیر محمد مری جنہیں ''جنرل شیروف'' کے نام سے شہرت حاصل ہوئی نے کی۔ دوسری لڑائی 1970ء کے عشرے میں چھڑی، جو بائیں بازو کے نوجوانوں اور ممتاز بلوچ سیاستدانوں نے منتخب حکومت کی برطرفی پر شروع کی۔

بلوچستان تقریباً پاکستان کے کل رقبے کا نصف ہے اور معدنی وسائل سے مالا مال ہے۔ ان میں تیل، گیس، کوئلہ، تانبا اور سونا شامل ہیں لیکن اتنی عظیم معدنی دولت کے باوجود بلوچستان پاکستان کے غریب ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔ اس کی بیشتر آبادی اچھی خوراک، تعلیم اور دیگر سہولتوں سے محروم رہی ہے۔ نیم محکوم لوگ تنگ و تاریک گھروں میں بجلی، پانی کی سہولتوں کے بغیر رہ رہے ہیں۔ کیا حضرت محمدؐ نے مسلمانوں کو اسلام اور اللہ کے نام پر دوسرے مسلمانوں سے ایسے سلوک کے لئے کہا تھا؟ ان زیادتیوں پر اکثر شور مچانے والے مسلمان کہاں ہیں؟

پاکستان اسلامی ریاست کے نظریے کے دیوالیہ پن کا زندہ ثبوت ہے لیکن اس کی کامیابیاں محنتی اور مہمان نواز شہریوں کی مرہون منت ہیں جو ریاستی ناکامی کے برعکس ہیں۔ پاکستان کو اسلام پسند دھوکے بازوں کے شکنجے سے نکالنے کے امکانات کا ذرا تصور کیجیے۔

18 فروری 2008ء کی صبح جب پاکستانی طویل عرصے سے متوقع انتخابات میں ووٹ ڈالنے کی تیاری کر رہے تھے تو کراچی کے انگریزی اخبار ''ڈان'' نے ''بنانے یا بگاڑنے پر رائے دہی ہوگی'' کی شہ سرخی لگائی۔ شام تک جب نتائج آنا شروع ہو گئے تو

MashalBooks.org

پاکستانی قوم کا فیصلہ واضح طور پر سامنے آ گیا۔ انہوں نے بیک جنبش قلم طالبان کو مسترد کر دیا اور جہادی انتہا پسندی کو بھی طرح دھتکار دیا۔ جنرل مشرف کے خلاف عدم اعتماد ظاہر کر دیا۔ اب یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ کیا اسلام آباد کا ملا ملٹری گٹھ جوڑ عوام کی خواہشات کے سامنے سر جھکائے گا؟

MashalBooks.org

تیسرا باب

سعودی عرب: اسلامی ریاستوں کا سرپرست

ایک عرب کہاوت ہے کہ ''نجد سے کبھی خیر کی خبر نہیں آئی۔'' نجد وسطی سعودی عرب کا صوبہ اور سعودی شاہی خاندان کا آبائی علاقہ ہے- یہیں پر اٹھارہویں صدی کے شدت پسند وہابی فرقے کے بانی محمد بن عبدالوہاب کی پیدائش ہوئی۔ اسلام کی پوری تاریخ میں یہ بیشتر صحرائی اور جزوی طور پر پہاڑی علاقہ پسماندہ خطہ سمجھا جاتا رہا ہے اور اس نے عرب سیاست میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا۔ حتیٰ کہ پیغمبر اکرمؐ کے دور میں نجد کا منفی تصور اس کے سخت موسمی حالات سے مماثل رہا اور خود حضورؐ کی ایک حدیث ہے کہ: ''میں نجد میں زلزلے اور فتنہ رونما ہوتے دیکھ رہا ہوں، وہیں سے شیطان کے سینگ نمودار ہوں گے۔'' روایت ہے کہ حضورؐ سے وہاں کے لئے دعا کرنے کی تین بار درخواست کی گئی لیکن انہوں نے اس سے گریز کیا۔ البتہ کئی دیگر احادیث کی طرح یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ روایت بھی سچی ہے یا ابن سعود شاہی خاندان کے مخالفین نے گھڑی ہے۔

سعودی عرب ان 2 جدید ریاستوں میں سے ایک ہے جسے کسی شخصیت سے موسوم کیا گیا ہے، آج کے اسلام کا قلعہ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس کے بادشاہ خود کو خادم حرمین وشریفین قرار دیتے ہیں۔ لیکن اسلام کے نام کی آڑ میں اس خطے پر پانچ ہزار شہزادے اور شاہی خاندان کے ارکان حکومت کر رہے ہیں جس پر بزور طاقت قبضہ کیا گیا ہے اور یہاں نسل پرستی، دہشت اور تشدد کے بل بوتے پر کنٹرول قائم رکھا گیا ہے۔ آج تیل کی دولت اور امریکہ کی غیر متزلزل حمایت جو اس ملک پر آل سعود کی حکمرانی کی ضامن ہے کے باعث شاہی خاندان نہ صرف اسلام کی سخت ترین اور بانجھ تشریحات نافذ کرنے

MashalBooks.org

کے قابل ہے بلکہ پوری اسلامی دنیا اور مغرب کے اسلامی حلقوں میں اپنے مکتبہ فکر کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اسلامی دنیا میں اس خاندان کا نفوذ اتنا موثر ہے کہ محض چند مسلمان ہی اس مملکت سعودی عرب کی جائز حیثیت پر شک وشبہ کرتے ہیں۔ آل سعود اور ان کے وہابی اتحادی 1924ء تک پورے عرب پر نہیں بلکہ صرف نجد کے خطے میں حکومت کرتے رہے۔ بالآخر 1924ء میں ہمسایہ ریاست حجاز پر حملے کے بعد ان کی باقی شہروں مکہ اور مدینہ پر حکومت ممکن ہوسکی۔ انہوں نے ساتھی مسلمانوں کا قتل عام کر کے ہاشمی خاندان کے صدیوں پرانے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔ بین الاقوامی قانون یا اسلامی روایت دونوں طرح سے سلطنت نجد کا حجاز پر قبضہ غیر قانونی، غیر اخلاقی، غیر اسلامی اور غیر منصفانہ تھا۔

بالکل اسی طرح جیسے ان دنوں مسلمان آج عراق پر امریکی جارحیت پر غضبناک ہیں 1920ء کے عشرے میں پوری دنیا کے مسلمانوں میں سرزمین حجاز پر ہونے والے حملے پر سراسیمگی پھیل گئی تھی۔ 968ء سے سلطنت نجد کے قبضے تک امیر مکہ حجاز کے بیشتر خطے پر حکومت کرتے تھے اور حضورؐ کے پوتے حضرت حسنؓ بن علیؓ کی نسل سے تعلق رکھنے والا یہ حکمران شریف مکہ کہلاتا تھا۔ عباسی دور میں امارات کو خود مختاری کا درجہ حاصل تھا۔یہی صورت حال مصری (مراد فاطمی دور) اور عثمانی خلافت کے دوران برقرار رہی۔ نجد کی پوری تاریخ میں کبھی اس کی مکہ، مدینہ پر حکمرانی نہیں رہی لیکن آج ان مقدس ترین مقامات پر سعودی حکمرانی پر کوئی مسلمان اعتراض نہیں کرتا۔ اسلام کے کس نظریے کے تحت ریاض کے ابن سعود قبیلے نے 1925ء میں سلطنت حجاز پر حملہ کر کے قبضہ کیا اور اپنی حکومت قائم کی؟ اس پر کوئی سوال نہیں کیا جاتا۔ اگر آج سعودی عرب، بحرین یا متحدہ عرب امارات پر قبضہ کر لے تو کیا مسلمان اسے جائز اقدام قرار دیں گے؟ 1990ء میں جب صدام حسین نے کویت پر حملہ کیا تو ان کے پاس اس اقدام کا کافی موزوں جواز موجود تھا کیونکہ کویت عراق کا ہی ایک صوبہ رہا تھا۔ اس کی یہ کارروائی عبدالعزیز السعود کے حجاز پر حملے سے بہرحال بہتر تھی اور اگر نجد کو حجاز پر حملہ کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرنے کا حق حاصل تھا تو پھر سعودی کویت پر صدام حسین کے حملے کی مخالفت کیوں کرتے رہے۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران نجد کے عبدالعزیز بن سعود اور ہمسایہ حجاز کا شریف خاندان دونوں انگریزوں سے مل کر خلافت عثمانیہ کو کمزور کرنے میں لگے رہے۔ ترک آج

MashalBooks.org

بھی برطانیہ کی حمایت سے ہونے والی بغاوت کوعرب مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کے مترادف سمجھتے ہیں، مثال کے طور پر ترکی کے تاریخی شہر برصہ میں سڑک کنارے کافی شاپ کے ایک ترک ملازم نے اسی واقعے کے تذکرے پر ایسے غصے کا اظہار کیا جیسے حجاز اورنجد کی ''عرب بغاوت'' کا واقعہ 80 برس پہلے کی نہیں کل ہی کی بات ہو، اس نے مجھ سے پوچھا ''انہوں نے اسلام کے نام پر ساتھی مسلمانوں کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ اس نے پاکستان کی تعریف کی جبکہ عربوں سے نفرت کا اظہار کیا۔

1916ء میں نجد کے ابن سعود نہ حجاز کے شریف حسین کے ذہن میں اسلام یا مسلمان تھے جب انہوں نے مسلمان ترکوں کو ہلاک کرنے کے لئے برطانیہ سے سونا اور اسلحہ لیا۔ بلاشبہ نجد اور حجاز دونوں نے اسلامی اصولوں کے بجائے قبائلی بیعت کی بنا پرخود مختار حیثیت میں اپنے قومی تشخص کا اظہار کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ نجد کے ابن سعود نے ترکوں کے خلاف لڑائی کے لئے حجاز کے شریف حسین کو اونٹوں اور گھوڑوں کا تحفہ بھیجا، اسی برس کچھ عرصہ بعد شریف حسین نے ابن سعود کو ایک اور درخواست بھیجی کہ ہمیں افرادی قوت اور دیگر سازوسامان مہیا کیا جائے۔ اس کی فوج عثمانی ترکوں کو ہراساں کرنے میں لگی تھی اور اس نے عمان سے مدینہ آنے والی ریلوے پٹڑی کا ایک حصہ تباہ کر دیا۔ ابن سعود نے امداد دینے کے لئے شرط لگائی کہ شریف حسین نجد میں مداخلت نہ کرنے کا وعدہ کرے۔ برطانیہ کے دفتر خارجہ میں موجود تاریخی حوالہ جات سے ملنے والی دستاویزی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں ہمسایہ ریاستیں مخالفت کے باوجود ایک دوسرے کو خودمختار تسلیم کرتی تھیں۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام یا مسلم امہ کی بجائے ابن سعود کو اپنے اقتدار اور ریاست سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اس کے بعد حجاز پر نجد کے مستقل قبضے کا واقعہ کوئی بہت پرانا نہیں جیسا کہ بعض مسلمان سمجھتے ہیں۔ 1925ء میں آل سعود کا حملہ بیسویں صدی میں اسلام کے 2 مقدس ترین مقامات پر قبضے کا واقعہ ہے۔ یہ اسی طرح کا قبضہ تھا جو 40 سال بعد اسرائیل نے اسلام کے تیسرے مقدس ترین مقام مشرقی یروشلم پر کیا۔

لیکن ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا کہ وہابیوں نے مکہ اور مدینہ پر حملہ اور قبضہ کیا ہو۔ 1802ء میں وہ نجد کے بے آب و گیاہ صحرا سے اٹھے اور انتہا پسند جہادیوں کی زیر قیادت مکہ اور مدینہ کو تباہ کیا اور قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کر کے اسلام کو بدنام کیا۔ آج جب

MashalBooks.org

اسلام پسند انتہا پسند اللہ کی رضا پانے کے لئے معصوم شہریوں کو قتل کرتے ہیں تو وہ دراصل اٹھارہویں صدی کے اپنے مرشد محمد ابن عبدالوہاب (1703-92) کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں۔

سعودی شاہی خاندان (آل سعود) اور وہابی علما (ال شیخ) جو شاہی خاندان کو دانشورانہ دوام فراہم کرتے ہیں دونوں خود کو اصل اسلام کے مشعل بردار سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ سے پہلے اسی مکتبہ فکر کے اسلام کا بول بالا ہو۔لیکن وہابیت ایک بے کیف اور بانجھ عقیدہ ہے اور انسانی روح سے اس قدر دور ہے کہ یہ لوگ موسیقی کی آواز کے بھی دشمن ہیں اور تالی بجانے کو بھی شیطان کی آواز قرار دیتے ہیں۔

محمد بن عبدالوہاب 1703ء میں ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے ان کے والد عوینیہ کے علاقے میں قاضی تھے۔اس وقت عرب (مراد موجودہ سعودی عرب) میں اسلامی رسوم نسبتاً کھلی ڈلی تھیں حتیٰ کہ حج کے موقع پر موسیقی، جلوس نکالنے اور گانے بجانے کا کام بھی ہوتا تھا۔صوفی ازم عام تھا اور نجد اور حجاز کے عربوں کے لئے درباروں پر حاضری کی روایت عام تھی۔ 12 سال کی عمر میں شادی کے بعد عبدالوہاب قرآن حفظ کر کے چھوٹے موٹے مبلغ بن گئے۔اپنے ارد گرد جو اسلام انہیں نظر آتا اس سے انہیں بہت کوفت ہوتی تھی۔ انہوں نے بالخصوص تیرہویں صدی عیسوی کے سکالر ابن تیمیہ کی تعلیمات پر توجہ دی جو منگولوں کے ہاتھوں عباسی خلافت کی بربادی سے پیدا ہونے والے خلا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کی سخت اور انتہا پسند تشریح کرتے تھے۔

ابن تیمیہ کا کہنا تھا کہ خدا نے اسلامی تعلیمات سے مسلمانوں کی روگردانی کی بنا پر انہیں سزا دی ہے۔

عبدالوہاب نے ایران، کردستان اور مصر کا سفر کیا اور 1730ء میں نجد کو واپس آئے لیکن اس مرتبہ ان کا مسکن حریمالا کا قصبہ تھا جہاں ان کے والد آباد ہو چکے تھے، انہوں نے علاقے کے لوگوں میں اپنے سخت پیغام کی تبلیغ شروع کر دی لیکن انہیں جلد اندازہ ہوا کہ وہاں کے لوگ زیادہ دیر تک ان کی تبلیغ برداشت نہیں کریں گے۔ نوشتۂ دیوار پڑھ کر محمد عبدالوہاب وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس دوران انہوں نے اپنی تبلیغ جاری رکھی۔ 1744ء میں ان کی ملاقات دیریما کے علاقے میں ایک قبائلی سردار محمد ابن سعود سے ہوئی۔جس نے

MashalBooks.org

اس بنیاد پرست مبلغ کے پیغام کے لئے پسندیدگی کا اظہار کیا، دونوں حضرات نے مل کر جزیرہ نما عرب میں اصلاحاتی تحریک شروع کرنے پر اتفاق کیا۔ 1740ء سے 1750ء کی دہائی میں شروع کی گئی اس تحریک کو آج ہم وہابی تحریک کے نام سے جانتے ہیں۔ ''مواحدون'' کے نام سے اس تنظیم میں وحدانیت پر سختی سے زور دیا گیا، اس کے علاوہ وہاب اور محمد ابن سعود کے پیروکار خود کو سلفی کہلوانا بھی پسند کرتے تھے، جو دراصل صحابہ کرام کے جانشینوں سے نسبت کا اظہار تھا۔ ایک طرف جہادی محمد ابن سعود نے امیر نجد کا خطاب اختیار کر لیا وہاں دوسری طرف محمد بن عبدالوہاب نے اس سے بھی بڑا خطاب شیخ الاسلام اپنا لیا، سعود، وہاب شراکت داری اس وقت مزید مضبوط ہوگئی جب امام (عبدالوہاب) کی بیٹی امیر (ابن سعود) کے عقد میں دے دی گئی۔

جب شیخ الاسلام نے ایسے تمام مسلمانوں کو جو ان کے نظریات سے متفق نہیں تھے مشرک قرار دیا تو ان کے نزدیک اس مقصد کے لئے ہمسایہ عرب ریاستوں اور نجد کے علاقوں کے اندر جہاد جائز ہوگیا۔ یہ بات محمد ابن سعود کے مفادات میں تھی۔ جو حرکتیں پہلے رہزنوں کے طور پر کی جاتی تھیں اب ان کی پشت پر اسلام کی طاقت آ گئی تھی۔ شعلہ بیان مبلغ اور پرعزم قبائلی سردار کے مہلک اتحاد نے چند برسوں کے اندر پورے عرب میں وہابی نظریہ پھیلا دیا۔ جیسے جیسے شہر پر شہر حملہ آوروں کے قبضے میں آتے گئے سلطنت عثمانیہ اور کلکتے میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے جھلستی ریت میں بڑھتی ہوئی اس بغاوت کو محسوس کیا۔ ابن سعود جہاں بھی گئے لوگوں سے کہا گیا کہ اطاعت کرو یا پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ وہابیوں کی اپنے ساتھی سنی عربوں جو نرم فقہ حنفی کے پیروکار تھے کے خلاف نفرت اس قہر سے بھی زیادہ تھی جو وہابیوں نے شیعہ مسلمانوں اور ان کے مزاروں کے خلاف ظاہر کی۔

1802ء میں ابن سعود کے ہم نام پوتے سعود نے شیعوں کے مقدس شہر کربلا پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا اور حضرت امام حسینؓ کا مزار شہید کر دیا۔ پیغمبر اسلامؐ کے نواسےؓ اور شیعوں کے امام کے مزار کی بے حرمتی اور قتل عام پر اسلامی دنیا میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ اس واقعے کے عینی شاہدین اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں کہ:

> ''ہم نے حال ہی میں وہابیوں کی ظالمانہ انتہا پسندی کی ہولناک مثال دیکھی ہے...... مزار امام حسینؓ میں جو بھاری دولت موجود تھی وہ وہابی

MashalBooks.org

> قیادت کو عرصہ دراز سے للچا رہی تھی...... وہ اس شہر کو مستقل طور پر لوٹنے کے خواب دیکھ رہے تھے اور انہیں اپنی کامیابی کا اتنا پختہ یقین تھا کہ انہوں نے سرمایہ فراہم کرنے والوں کو قرضے کی واپسی کے لئے اس دن کا حوالہ بھی دے دیا تھا۔ وہ دن بھی آخر آ گیا...... 12 ہزار وہابیوں نے اچانک روضہ امام حسینؓ پر اچانک حملہ کر دیا۔ اپنی سابق کامیابیوں سے کہیں زیادہ اس مقام سے اشیاء چھین کر انہوں نے آگ وتلوار کا خونی کھیل شروع کر دیا۔ بوڑھے، عورتیں اور بچے ہر کوئی بربری تلواروں کے سامنے کٹ رہا تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دو کسی حاملہ عورت کو دیکھتے تو اس کا پیٹ پھاڑ دیتے اور اس کا بچہ نکال کر ماں کی خون آلود لاش پر پھینک دیتے، اس پر بھی ان کے قہر کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی، انہوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کئے رکھا اور خون پانی کی طرح بہاتے رہے۔ اس خونریز المیے کے نتیجے میں 4 ہزار افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔حملہ آور وہابی لوٹ مار کا مال 4 ہزار اونٹوں پر لاد کر لے گئے۔قتل عام اور لوٹ مار کے بعد انہوں نے امام حسینؓ کا مزار شہید کر ڈالا۔ سب سے زیادہ نقصان منیاروں اور گنبد کو پہنچایا۔ان کا خیال تھا کہ یہ سونے کی اینٹوں سے بنے ہوئے ہیں۔''

اس سے پہلے کہ استنبول میں خلیفہ اس بہیمانہ اقدام کا جواب دے سکتا وہابیوں نے اپنی توجہ مکہ اور مدینہ کی طرف مبذول کر لی۔ 1804ء میں سعود ابن سعود (جو اب امیر نجد بن چکا تھا، کی قیادت میں وہابی فوج نے حجاز پر چڑھائی کر کے دہشت پھیلا دی، ساتھی مسلمانوں کو قتل کیا۔ انہوں نے آثار قدیمہ اور گنبد والی مساجد کو تہہ وبالا کر دیا۔ مدینہ منورہ میں انہوں نے نبی اکرمﷺ کی صاحبزادی فاطمۃ الزہراؓ کا روضہ شہید کر دیا۔ اسلام کے 2 مقدس شہروں پر قابض ہونے کے بعد وہابیوں نے وہاں عازمین کے داخلے پر پابندی لگا دی، انہوں نے شام اور مصر سے آنے والے حج کے قافلوں کو مشرک قرار دے کر واپس بھجوا دیا)۔

عثمانی خلیفہ نے پہلے سمجھا کہ بھرے ہوئے قبائلی لوٹ مار کرنے کے بعد جلد

MashalBooks.org

واپس لوٹ جائیں گے لیکن جب یہ واضح ہو گیا کہ مکہ اور مدینہ پر قبضہ مستقل ہے تو اسے خطرے کا احساس ہوا۔ خلیفہ نے 1811ء میں مصر کے عثمانی حکمران محمد علی پاشا کو وہابیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا جس نے 1815ء میں عثمانی عملداری بحال کرنے میں کامیابی حاصل کر لی، نجد کا نیا امیر عبداللہ ابن سعود گرفتار کر کے پا بجولاں قسطنطنیہ بھیج دیا گیا۔ اس نے ترکی کے سنی علماء اور مشائخ کے ساتھ اسلام کی خود ساختہ تشریح پر مباحثے سے انکار کر دیا جس پر اس کا سر قلم کر کے لاش سر عام لٹکا دی گئی۔ نجف میں وہاب کے پوتے کو زبردستی موسیقی سنا کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا، اس کا سر بھی اڑا دیا گیا۔ اس طرح جدید دور کی پہلی جہادی اسلامی ریاست اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ وہابیت اور سلفیوں کی تحریک وقتی طور پر دفن ہو گئی لیکن ایک صدی سے بھی کم عرصے میں اس کا دوبارہ احیاء ہونے والا تھا۔

عبدالوہاب کی تعلیمات صرف عرب تک محدود نہیں تھیں۔ اس وقت جب وہاب نے ابن سعود کے ساتھ ہاتھ ملائے، ہندوستان میں ایک اور مسلم سکالر مغل سلطنت کا زوال ہوتے دیکھ رہا تھا۔ شاہ ولی اللہ 1703ء میں پیدا ہوئے۔ 23 سال کی عمر میں وہ ہندوستان سے حج کے لئے عرب روانہ ہوئے اور نجد اور حجاز میں اپنے 2 سالہ قیام کے دوران ان کی عبدالوہاب سے ملاقات ہوئی۔ وہ ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ شاہ ولی اللہ نے عرب میں 14 ماہ کا عرصہ گزارنے کے بعد 1732ء میں دہلی کو واپسی اختیار کی، جہاں انہوں نے برصغیر میں سلفی اسلام کی داغ بیل ڈالی۔ عبدالوہاب کا پیغام اب ہندوستان بھی پہنچ چکا تھا۔

شاہ ولی اللہ سیاسی بدامنی اور مسلمانوں کی کمزور ہوتی حالت دیکھ کر دل گرفتہ تھے لیکن بجائے اس کے کہ وہ شہنشاہ اورنگزیب کی زیادتیوں اور انتہا پسندی کو ذمہ دار ٹھہراتے انہوں نے قرار دیا کہ اس کی وجہ مسلمانوں کا اکثریتی ہندوؤں سے سخت رویہ اختیار نہ کرنا ہے۔ ان کا مقصد برصغیر ہند میں اسلامی ثقافت کی بالادستی کا احیاء کرنا تھا۔ انگریز مصنف ولفریڈ کینٹ ویل سمتھ لکھتے ہیں کہ:

> ''ولی اللہ مغل سلطنت کا زوال ہوتے دیکھ کر جوان ہوئے، عبدالوہاب کے برعکس انہوں نے کسی بیرونی ماضی کی بجائے اندرونی حال کے بارے میں سوچا............ ان کا سیاسی مقصد ہندوستان میں کم و بیش مغلیہ طرز پر اسلامی اقتدار کی بحالی تھا۔ وہ خالص اسلام کے ذریعے مسلم معاشرے کو

MashalBooks.org

دوبارہ طاقتور بنانے کے خواہاں تھے۔''

ابن عبدالوہاب کے نظریے کی تبلیغ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے سچے اسلام کے احیاء پر زور دیا، اپنی آواز کو مزید موثر بنانے کے لئے اب شاہ ولی اللہ نے خود کو عرب النسل کہنا شروع کر دیا۔ انہوں نے شریعت پر عمل کرنے کے لئے عبدالوہاب کے کٹر اور بے لچک مسلک کی حمایت کی۔ ہندوستانی قومیت پاک مسلمانوں کے لئے کسی بھی سرحد کی پابندی کو مسترد کرتے ہوئے شاہ ولی اللہؒ نے اس وقت کے افغان حکمران احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی۔ شاہ درانی کے نام اپنے خط میں انہوں نے لکھا:

> ''اس وقت (ہندوستان میں) تمام طاقت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے کیونکہ صنعت وحرفت پر ان کی اجارہ داری ہے۔ امارات اور خوشحالی بھی ان کا مقدر ہے جبکہ مسلمان بے چارے، غریب اور پسے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں آپ ہی وہ واحد شخص ہیں جس کے پاس موقع، بصیرت، طاقت اور ایسی صلاحیت ہے جو دشمن کو شکست دے کر مسلمانوں کو کافروں کے شکنجے سے چھڑا سکتی ہے۔ خدانخواستہ اگر ہندوؤں کی بالادستی برقرار رہی تو مسلمان اسلام کو بھول کر غیر مسلموں کے درمیان اپنی شناخت کھو بیٹھیں گے۔''

اس آواز پر لبیک کہتے ہوئے ابدالی نے 4 مرتبہ ہندوستان پر حملے کئے اور اگرچہ اس نے پانی پت کی شہری لڑائی میں بیشتر ہندو مہاراجوں کی فوجوں کو شکست دے دی تھی لیکن اس نے لاہور کو بھی جلا کر راکھ کر دیا، کشمیر پر حملہ کیا اور 1756ء میں مغلوں کے دارالحکومت دہلی کو تباہ کر ڈالا۔ اس نے نہ صرف مغل شہنشاہ کو گرفتار کر کے اس کی آنکھیں نکالیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو بھی تہہ تیغ کر ڈالا۔ ابدالی کی بربریت آج بھی یاد کی جاتی ہے (پاکستانی فوج نے بلاسوچے سمجھے ایٹمی میزائل کا نام ابدالی رکھ دیا ہے، یہ نہیں غور کیا کہ ابدالی کے ظلم وستم کا اصل شکار آج کے پاکستان میں شامل علاقوں کے مسلمان تھے۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی وہابی تعلیمات نے دراصل اس اسلامی اقتدار کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی جسے وہ اپنے تئیں بچانے چلے تھے)۔

افغان فوج کے ہاتھوں تخت دہلی کی تباہی کے بعد مغل سلطنت دوبارہ کبھی نہ

MashalBooks.org

سنبھل سکی۔ کہا جاتا ہے کہ ابدالی کی فوج میں شامل طالبان قسم کے انتہا پسند جنگجوؤں نے عصمت دری اورلوٹ مار کا اتنا بازار گرم کیا کہ مسلمان اس آفت کے بارے میں بات کرتے بھی گھبراتے تھے جو ان کے اپنے شاہ ولی اللہ، محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مسلط کردہ تھی۔

1901ء میں پہلے وہابیوں کی طرف سے ان کے اپنے بانجھ اور خشک اسلام کی ترویج کے ایک صدی بعد عبدالعزیز السعود (1953-1879) نے ابن سعود کے مشن کا اعادہ کرتے ہوئے ریاض پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس وقت وہاں الرشید قبیلے کے حکمران خاندان کی حکومت تھی۔ السعود کے فوجی اور اس کے اپنے درجنوں بیٹے جزیرہ نما عرب میں پھیل گئے، انہوں نے عثمانی سلطنت کی کمزوری اور انگریزوں کی حمایت سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ سلطان عبدالعزیز السعود نے پورے خطے میں طوفان برپا کر دیا، امارات مکہ (اس وقت سلطنت حجاز کہتے تھے) پر حملہ کرتے ہوئے انہوں نے طائف میں ایک بار پھر قتل عام کیا اور اہل مکہ کو پیغام بھیجا کہ اطاعت کر لو یا مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مکہ پر قبضے کے بعد انہوں نے مسلمان اولیاء اور ائمہ کے مزارات مسمار کرنا شروع کر دیئے۔ مدینہ میں اپنے آباؤ اجداد کی طرح انہوں نے جنت البقیع میں پیغمبرؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا دوبارہ تعمیر کیا ہوا روضہ شہید کر دیا۔ یہ قبرستان صدیوں سے مسلمانوں کے لئے انتہائی مقدس مقام رہا تھا لیکن 1925ء کو عبدالعزیز السعود کی وہابی ملیشیا نے ہر قبر اور حضورؐ کے محترم خاندان کی ہر نشانی صفحہ ہستی سے مٹا دی۔ قبرستان میں ایک چھوٹا سا گھر بھی تھا۔ جہاں روایت کے مطابق حضرت فاطمہ اپنے والد کی رحلت کا سوگ مناتی تھیں اور حضورؐ کے بعض صحابہ کی طرف سے بدسلوکی پر وہاں قیام کیا کرتی تھیں۔ وہ گھر بھی مسمار کر دیا گیا۔

وہابیوں کا عقیدہ تھا اور اب بھی ہے کہ پیغمبرؐ اور ان کے خاندان کے افراد کے روضوں پر حاضری شرک کی ایک قسم ہے جس کی سزا موت ہے۔ بات صرف جنت البقیع کی مسماری تک محدود نہ رہی۔ انہوں نے راستے میں آنے والی ہر مسجد پر حملہ کیا۔ حتیٰ کہ مسجد نبویؐ اور روضہ رسولؐ کو (خدانخواستہ) شہید کرنے کی بھی کوشش کی گئی لیکن یہ ارادہ بعد ازاں ترک کر دیا گیا۔ 1818ء میں عثمانی خلیفہ نے پہلے حملے میں تباہ ہونے والی مقدس زیارتوں کی تعمیر نو کرا دی اور شہر کی عظمت رفتہ بحال کر دی لیکن ایک بار پھر وہابیوں نے تعمیر شدہ

روضوں اور قبروں کو مسمار کر دیا۔ وہ قبرستان جہاں حضورؐ اپنے رشتہ داروں اور صحابہ کی قبروں کے درمیان چلا کرتے تھے ان کی عظمت دوبارہ پھر کبھی بحال نہ ہوسکی، وہابی ان قبروں کی شناخت مٹا کر اور ماضی کی یادوں اور تاریخ کو مسخ کر کے فخر محسوس کرتے ہیں۔ خوشی اور مسرت سے نفرت اسلام پسندوں کا خاصہ ہے۔

1925ء میں خوشیوں کی یہ دشمن گورکن اور تاریخ کے قاتل بن گئے، آج انہی جنونیوں نے مکہ میں حضورؐ کی اقامت گاہ پر نظریں گاڑ رکھی ہیں۔

1932ء میں عبدالعزیز السعود نے نجد اور حجاز کی سلطنتوں کو مدغم کر کے دولت سعودی عرب قائم کر لی اور خود ایک بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ وہ سرزمین جہاں حضرت محمدؐ آزادی کی آواز بن کر ابھرے تھے وہاں اب ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔

سعودی جو چاہیں کر سکتے ہیں، ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں۔ مثال کے طور پر مکہ میں حضورؐ کے 1400 سال پرانے گھر کو بھی سعودی شہید کرنے کے درپے ہیں، اس سے بھی بڑھ کر ہولناک امر یہ ہے کہ اس گھر کو جبل عمر پراجیکٹ کی راہ میں رکاوٹ سمجھا جا رہا ہے جس کے تحت ایک پارکنگ لاٹ 2 عدد 55 منزلہ عمارتوں، 7 عدد 35 منزلہ اپارٹمنٹ بلاک تعمیر کیا جانا ہے۔ یہ علاقہ مسجد الحرام کے بالکل قریب ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ مقدس مقام کسی غیر مسلم یا قابض فوج کے ہاتھوں شہید کیا جاتا تو پوری اسلامی دنیا مشتعل ہو جاتی لیکن اس گھر کو شہید کرنے کی خبر کو بہرے کانوں کے ساتھ سنا گیا۔ نومبر 2007ء تک کسی ایک مسلمان ملک، کسی آیت اللہ، کسی مفتی، کسی بادشاہ حتیٰ کہ کسی امریکی یا کینیڈین امام نے بھی احتجاج کی جرأت نہیں کی یہ ہے مسلمانوں پر اثر و رسوخ کی سعودی طاقت۔

اس واقعے کا دسمبر 1992ء کے ان واقعات سے موازنہ کریں جب بھارتی شہر ایودھیا میں ڈیڑھ ہزار ہندو قوم پرست ہجوم نے سولہویں صدی کی تاریخی مسجد پر دھاوا بول دیا، چند گھنٹوں کے اندر ہی مسجد کو زمین بوس کر دیا گیا۔ بعد میں ہندو مسلم فسادات میں ہزاروں افراد مارے گئے۔ اسلامی دنیا نے بھی غم و غصے سے ردعمل کا اظہار کیا۔ ان ممالک میں سعودی عرب بھی شامل تھا۔ امریکہ اور کینیڈا میں ائمہ نے جذباتی تقریریں کیں اور احتجاجی جلوس نکالنے پر زور دیا۔ کئی برس گزرنے کے بعد بھی تلخی کی فضا برقرار رہے۔ پوری دنیا میں مسلمان بے بسی محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے اس تاریخی مذہبی مقامات کی حفاظت

MashalBooks.org

نہیں کر سکے۔

ایسا کیوں ہے کہ جب ایودھیا میں بابری مسجد شہید کی گئی تو پوری دنیا میں کروڑوں مسلمان احتجاجاً سڑکوں پر نکل آئے لیکن جب سعودی حکام نے مکہ میں ہمارے پیارے رسولؐ کا مکان گرانے کا منصوبہ بنایا تو کہیں ایک سرگوشی تک نہیں ہوئی۔

کیا یہ اس لئے کہ مسلمان سعودی ریال سے اتنے مرعوب ہو چکے ہیں کہ آج ہماری تمام عزت نفس اور جرأت ہوا ہو چکی ہے؟ یا پھر ہم مسلمانوں کے، مسلمانوں کے خلاف تشدد، مسلمانوں کی مسلمانوں کے خلاف دہشتگردی اور مسلمانوں کے مسلمانوں پر جبر کو چھپانا چاہتے ہیں؟

بزدلی کے اس ماحول میں کچھ قد آور لوگ بھی موجود ہیں۔ ان میں سے ایک سمیع انگوی ہیں۔ یہ ممتاز سعودی آرکیٹکٹ اس ملک کے اندر بہادری کی علامت ہیں جہاں جرأت مفقود ہے۔ یہ شخص پیارے رسولؐ کا گھر بچانے کے لئے شاہی میدان میں کھڑا ہے۔

انہوں نے لندن کے اخبار ''انڈیپنڈنٹ'' کو بتایا کہ ''وہ گھر جہاں حضورؐ پر وحی نازل ہوتی تھی ختم ہو گیا اور کسی نے پروا نہ کی یہ مکہ اور مدینہ میں ان کی تاریخ اور ان کے مستقبل کا خاتمہ ہے۔''

اسلامی ورثے کے مقامات کا تہذیبی صفایا کوئی نیا مظہر نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گزشتہ 2 عشروں میں مکہ کی 92 فیصد ہزاروں سالہ قدیم عمارتوں کو مسمار کیا جا چکا ہے۔ اس کام میں سعودی عرب کے مذہبی جنونی تنہا نہیں ہیں بلکہ کمرشل ڈویلپرز بھی ان کا ساتھ دے کر لاکھوں کروڑوں منافع کما رہے ہیں، بڑی بڑی مہنگی مگر بدنما عمارتیں بنائی جا رہی ہیں جو حرم کعبہ سے بھی اونچی ہیں اور اس پر اپنا سایہ ڈال رہی ہیں۔ کینیڈا میں کچھ گنی چنی آوازیں بلند ہوئی ہیں۔ مسلم کینیڈین کانگریس نے سعودی حکومت کی اس پالیسی کی سخت مذمت کرتے ہوئے اسے محض کمائی کے لئے مسلمانوں کے ورثے کا قتل عام قرار دیا ہے۔ اوٹاوہ میں سعودی سفیر کے نام خط میں تنظیم نے ان قدیم عمارتوں کی مسماری فوری طور پر روکنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ آئندہ کسی بھی اسلامی تاریخی عمارت کو گرانے پر مستقل پابندی عائد کی جائے۔ خط میں کہا گیا ہے کہ تاریخی عمارت ''اسلام کے مقدس مقامات چاہے وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں پوری اسلامی برادری کا ورثہ ہیں اور جن ملکوں میں یہ مقامات واقع ہیں

وہ محض ان کے نگران ہیں وہ انہیں تباہ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے۔

ٹورانٹو کے اخبار ''گلوب اینڈ میل'' اور ''دی انڈیپنڈنٹ'' کے جواب میں 2005ء میں سعودی شہزادہ ترکی الفیصل نے ایسی خبروں کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے کہا کہ سعودی عرب دونوں مقدس مقامات کے تحفظ کے لئے 19 ارب (ریال) سے زائد خرچ کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم جانتے ہیں اس ورثے کا تحفظ کتنا اہم ہے، یہ صرف ہمارے لئے نہیں ہر سال یہاں آنے والی پوری دنیا کے لاکھوں مسلمانوں کے لئے بھی اہمیت کا حامل ہے۔ لہٰذا یہ بات بہت مشکل ہے کہ ہم کسی جگہ کو تباہ کرنے کی اجازت دیں گے۔''

لیکن ''دی انڈیپنڈنٹ'' نے 2006ء میں ایک اور رپورٹ شائع کی ''شہزادہ ترکی نے جو تردید کی ہے اس کی حقیقت آج شائع ہونے والی ان تصاویر سے عیاں ہو جاتی ہے۔ جو پہلے سامنے نہیں آئی تھیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اہم تاریخی مقامات کو مسمار کر کے ان کی جگہ پر سکائی سکر پیپر عمارتیں تعمیر کر دی گئی ہیں۔ دی انڈیپنڈنٹ کے صحافی ڈینیل ہاوؑڈن نے اسلامی ہیرٹیج فاوٗنڈیشن کے رواح رواں احمد العلوی کے حوالے سے ایک اور دلآزار انکشاف کیا۔ احمد العلوی نے اخبار کو بتایا کہ حضورؐ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کی قبر مبارک بھی شہید کر دی گئی ہے، ابوا کے مقام پر اس قبر کو مسمار کر کے اس پر پٹرول چھڑک دیا گیا، اگرچہ دنیا بھر سے مسلمانوں نے سعودی حکومتوں کو درخواستیں ارسال کیں لیکن سب بے کار ثابت ہوئیں۔

ہاوؑڈن نے لکھا کہ اب مکہ میں حضورؐ کے دور کی 25 سے بھی کم عمارتیں باقی رہ گئی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کا گھر مسمار کر کے بیت الخلا بنا دیے گئے، ابوبکر صدیقؓ کا گھر جس جگہ پر تھا وہاں اب ہلٹن ہوٹل ہے، حضورؐ کے نواسے علی عریض کے گھر اور مسجد ابوقبیس کی جگہ اب مکہ میں بادشاہ کا محل کھڑا ہے۔

کیا اس ثقافتی قتل عام پر قاہرہ کا اخبار ''الاہرام'' یا کراچی کے ''ڈان'' یا استنبول کا ''ملت'' کوئی خبر شائع نہیں کر سکتا تھا؟

وہ ایسا کر سکتے تھے لیکن انہوں نے خاموشی کا انتخاب کیا۔ یہ کام لندن کے ''انڈیپنڈنٹ'' نے کیا لیکن عام مسلمان یا مغرب میں موجود اسلامی برادری میں سے کسی نے غصے کا اظہار کیا نہ سعودی عرب کے پیسوں پر پلنے والی مسجد اسٹیبلشمنٹ کو چیلنج کرنے کی

MashalBooks.org

جرأت کی گئی۔

’’ دی کریڈل آف اسلام‘‘ کے جلا وطن سعودی مصنف ماعی یمنی نے اس صورتحال کی بہترین منظرکشی کی ہے: ’’جب ڈنمارک کے کارٹونسٹ نے حضورؐ کی شان میں گستاخی کی تو ہزاروں افراد سڑکوں پر احتجاجاً نکل آئے، لیکن وہ مقامات جن کا تعلق خود حضورؐ کی ذات سے تھا اور جو ہمارے مذہب اور ورثے کا حصہ تھے ان پر ہم نے کسی مسلمان میں تشویش کا عنصر نہیں دیکھا۔‘‘

آخر کوئی ملک رسول اکرمؐ کی صاحبزادی کی قبر مبارک اور حضورؐ کا گھر کیسے مسمار کرسکتا ہے؟ اور اُم المومنین کے گھر کے اندر بیت الخلاء کیسے تعمیر کرسکتا ہے؟ اور اسلام کے نام پر نبی اکرمؐ کی (نعوذ باللہ) والدہ کی قبر کو نذر آتش کرسکتا ہے؟ ذرا تصور کریں کہ اگر حضورؐ کے مکان کو شہید کرنے کا الزام امریکی مدد سے یہودیوں کی سازش پر لگایا جاتا تو مسلمانوں کا ردعمل کیا ہوتا؟ آخر ہم مسلمانوں نے اس دوہرے معیار کو اپنی روایت کیوں بنا لیا ہے؟

مجھے اس سلسلے میں 20 نومبر 1979ء کا ایک واقعہ یاد آتا ہے۔ جو سعودی عرب میں پیش آیا...... یہ وہ دن تھا جب دنیا بھر کے مسلمان نئی ہجری صدی 1400 کے آغاز کا خیر مقدم کررہے تھے، لیکن خوشی کا یہ موقع مایوسی میں بدل گیا۔

یہ میری 30 ویں سالگرہ تھی اور جیسے ہی میں اور میری اہلیہ نرگس جدہ کے متمول علاقے نبی مالک میں اپنے گھر سے کام پر جانے کے لئے نکلے تو ہم نے اس بارونق کمرشل علاقے میں خلاف معمول خاموشی محسوس کی۔ لوگ ایک دوسرے سے سرگوشیاں کررہے تھے۔ سڑک پر ٹریفک بھی کم تھی۔ تھوڑی دیر تک ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ وہاں اخبارات کبھی فراہم نہیں کئے جاتے، ریڈیو پر نیوز سروس ہی نہیں اور ٹیلی ویژن پر بلاتعطل قرآنی تلاوت چل رہی تھی۔ میں نے سوچا شاید ملک میں بغاوت ہوگئی ہے لیکن اگر یہ اندازہ ٹھیک تھا تو سڑکوں پر فوجی دستے کیوں موجود نہیں؟ ایک روز قبل سعودی ٹی وی نے ایران میں (فوجی سفارتکاروں کے) اغواء کی فلم چلائی گئی تھی اور ایسی افواہیں گردش کررہی تھیں کہ سعودی عرب کے مشرقی ساحل پر آباد شیعہ آبادی اٹھ کھڑی ہوئی ہے لیکن پندرہویں صدی کے آغاز پر ہمیں مکہ میں رونما ہونے والے کسی واقعہ کا علم نہ ہوسکا۔

MashaiBooks.org

اس روز سینکڑوں مسلح جہادی جنگجوؤں نے مکہ میں خانہ کعبہ کے اندر شورش برپا کر دی تھی۔ یہ لوگ سعودی حکمران کا تختہ الٹ کر پوری دنیا میں اسلامی خلافت قائم کرنا چاہتے تھے۔ حقیقت میں انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ امام مہدی نمودار ہو چکے ہیں اور سچا اسلام نافذ کر کے دنیا پر حکمرانی کے لئے تیار ہیں۔

ہماری خبروں کے دو واحد ذرائع بی بی سی اور وائس آف امریکہ نے ایسے ظاہر کیا جیسے کچھ بھی رونما نہیں ہوا۔ میں نے کام میں سے تھوڑا وقت نکال کر ریڈیو آن کیا جبکہ دوسرے ساتھی نے پولیس کے وائرلیس کو پکڑنے کے لئے سکینر چلایا۔ رات تک ہمیں محسوس ہوا کہ ہم طوفان کی زد میں ہیں اور کوئی ایسا واقعہ ہونے والا ہے جس سے تاریخ کا رخ مڑ جائے گا۔ مسجد الحرام کے اندر 300 سعودی، پاکستانی، مصری اور نومسلم امریکی مسلح افراد نے ایک لاکھ زائرین کو یرغمال بنا لیا تھا۔ مسجد کے ایک ہزار کمروں اور راہداریوں میں فائرنگ کا تبادلہ شروع ہو چکا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان دو جنگوں کے دوران میں پاکستان میں ہی تھا لیکن مجھے کبھی خوف محسوس نہ ہوا لیکن اس رات میں نے اپنی سالگرہ پر مدعو کئے گئے دوستوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے سخت خوف محسوس کیا۔ ایسے لگتا تھا کہ گھر میں مردے گھوم پھر رہے ہیں۔

افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ امام کعبہ کا سر قلم کر دیا گیا ہے اور کعبہ شریف کو شہید کر دیا گیا ہے لیکن اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا وہ سازش تھیوری کے حوالے سے مسلمانوں کی سوچ کا عکاس تھا۔ ہمیں سعودی دوستوں نے بتایا کہ اسرائیل اور امریکہ کے مشترکہ فضائی آپریشن سے (خدانخواستہ) خانہ کعبہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ ان دل دہلا دینے والی خبروں کے بعد ہمیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ اگلے روز آیت اللہ خمینی کے دفتر سے جاری بیان میں الزام لگایا گیا کہ امریکہ اور اسرائیل حملے کا منصوبہ بنا رہے ہیں جبکہ پاکستانی اخبارات نے رپورٹ دی کہ خانہ کعبہ پر حملے کے خدشات بڑھ گئے ہیں اور آپریشن کے لئے امریکی چھاتہ برداروں کو اتار دیا گیا ہے۔ اس کا ردعمل انتہائی اشتعال انگیز ظاہر کیا گیا۔ اسلام آباد میں امریکی سفارتخانے پر دھاوا بول دیا گیا اور ایک امریکی فوجی کو گولی مار دی گئی۔ راولپنڈی میں ایک عیسائی راہبہ کو نذر آتش کر دیا گیا جبکہ پان امریکہ اور امریکن ایکسپریس کے دفاتر کو آگ لگا دی گئی۔

MashalBooks.org

مکہ میں کعبہ شریف کے اندر باغیوں کی سرکوبی دو ہفتے تک جاری رہی اور القاعدہ کے ان بڑوں کو اس وقت قابو کیا گیا جب سعودی عرب کی درخواست پر فرانس کے خصوصی کمانڈوز نے کارروائی کر کے وہاں گیس چھوڑی۔ سعودی عرب والوں، جہادی گوریلوں اور حکومت دونوں نے اسلام کے مقدس ترین مقام کی بے حرمتی کی لیکن غصہ سعودی عرب کی بجائے امریکہ اور اسرائیل پر نکالا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو برا نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم دنیا کی کسی سیاسی تاریخی کتاب میں مکہ کی اس بغاوت کا کوئی ذکر نہیں۔

سعودیوں نے اس المیے کو ریکارڈ سے نکالنے کا پورا بندوبست کیا۔ آج بہت کم مسلمانوں کو پتہ ہو گا کہ نومبر اور دسمبر 1979ء کے دو ہفتوں کے دوران نئی صدی ہجری کا آغاز خانہ کعبہ کے اندر آگ وخون کے کھیل سے کیا گیا۔

اس کے باوجود کیا یہ بات حیران کن نہیں ہے کہ سعودی عرب حضرت محمدؐ کا گھر شہید کرے اور کوئی مسلمان چوں تک نہ کرے؟

MashalBooks.org

چوتھا باب

ایران ...... اسلامی ریاست

فارسی کی ایک کہاوت میں اس کیفیت کا بہترین اظہار کیا گیا ہے جس میں خارجی صورتحال کا تعلق داخلی کیفیت سے ہوتا ہے۔ اس کا ترجمہ اردو میں یہ بنتا ہے کہ:

''جہاں باہر سے منظر پرکشش نظر آتا ہے وہاں اندر کی حالت سرطان زدہ ہے۔''

1979ء میں ایران کے شاہ محمد رضا پہلوی کے خلاف بغاوت کے نتیجے میں ممتاز علما کے برسر اقتدار آنے کے بعد باہر کی اسلامی دنیا نے تو اسلامی جمہوریہ کے حکمران طبقے کی تعریف کی کہ وہاں دگرگوں حالات کا یہی تقاضہ ہے لیکن ایران کے اندر ان کے لاکھوں مسلمان بھائیوں کو جبر کا سامنا کرنا پڑا۔ ہزاروں افراد مارے گئے اور لاکھوں فرار ہوئے، اس منظر سے پوری دنیا کو یہ تاثر دیا گیا کہ ایران واحد اسلامی ریاست ہے جو امریکی بالادستی اور جدید دور کی آزاد خیالی کے سامنے ڈٹی کھڑی ہے۔ پان اسلام پسند حکومت نے صرف مسلمان دانشور طبقے کو ہی بے وقوف نہیں بنایا بلکہ مغرب کے بائیں بازو کے طبقے کو بھی اپنی طرف مائل کر لیا۔ ایرانی حکومت کے خواتین سے عدم مساوات کے رویے اور انسان دشمن اقدامات کے باوجود مغرب میں وینزویلا کے صدر ہوگو شاویز سمیت کئی بائیں بازو کے رہنماؤں نے ایرانی صدر محمود احمدی نژاد سے ہاتھ ملایا جبکہ ممتاز دانشور طارق علی نے احمدی نژاد کو وینزویلا کے انیسویں صدی کے رہنما سائمن بلیور کا پرتو قرار دیا۔

اگر مائیکل فوکو اور راجر گراڈی جیسے فرانسیسی دانشور ملاؤں کے سحر میں گرفتار ہو سکتے ہیں تو پھر عام بائیں بازو کے کارکنوں پر کون یہ الزام لگا سکتا ہے کہ وہ ایران میں ملاؤں کے زیر قیادت حکومت میں شہریوں کو غلام بنانے پر آواز نہیں اٹھاتے؟ انقلاب فرانس

MashalBooks.org

کی یہ اولاد ایران کی دور افتادہ تصویر کو الٹا دیکھنا چاہتی ہے۔

جب ایران میں ملک گیر ہڑتالیں ہو رہی تھیں تو فوکو نے اکتوبر 1978ء میں اسلام پسندی کو سیاسی تحریک قرار دیا۔ اس نے ''Nouvel Observation'' میں مضمون لکھا۔ اس میں اس نے اس تاثر کو مسترد کر دیا کہ آیت اللہ خمینی کی اسلامی حکومت سے کوئی خطرہ ہے۔ اس نے لکھا کہ ملاؤں میں پیر شاہی نظام نہیں ہے اور ان کا اپنے سننے والوں پر انحصار (حتیٰ کہ مالی انحصار بھی) ہوتا ہے۔ ان علماء کے ریاست یا حکومت پر کنٹرول کے کوئی عزائم نہیں ہیں۔ آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ ایک بات بالکل واضح ہونی چاہئے کہ اسلامی حکومت سے ایران میں کوئی یہ مطلب نہیں لیتا کہ وہاں ایسا سیاسی نظام نافذ کیا جائے جس میں ملاؤں کو نگرانی یا کنٹرول کی ذمہ داری سونپ دی جائے...... یہ طریقہ کار تو بہت قدیم ہے، گویا یہ رسول اکرمؐ کے دور والے اسلام کی طرف مراجعت ہے۔

فوکو نے ایرانی اسلام پسندوں کے خلاف ان الزامات کا بھی دفاع کیا کہ یہ لوگ در پردہ حقوق نسواں کے مخالف ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ ''مردوں اور عورتوں کے درمیان صنف کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہوگی۔ البتہ دونوں اصناف میں فرق ضرور ہے اور جو قدرتی امر ہے۔'' کیا فوکو یا یورپی اور امریکی بائیں بازو کے لوگ اور شاویز یا کاسترو اپنے ملک تو دور کی بات ہے اپنے خاندان میں یہ صنفی امتیاز پسند کریں گے۔

فوکو کی سادگی کا اس وقت اندازہ ہوا جب 8 مارچ 1979ء کو عالم یوم نسواں پر ایرانی خواتین نے زبردستی حجاب اوڑھنے کے حکم کے خلاف احتجاجی مارچ کیا تو چوکس اسلام پسند گروہوں نے ان پر حملہ کر کے نعرے لگائے ''پردہ کرو یا مار کھاؤ۔''

یہ بات تو ٹھیک ہے کہ لیفٹ کے کچھ لوگوں نے غلط اندازے لگائے لیکن دنیا بھر میں دیگر اسلام پسند قوتیں بھی نام نہاد اسلامی انقلاب اور خمینی کی ترجمان بن گئیں۔ صرف شیعہ مساجد ہی نہیں تھیں جو امام خمینی کو پورے عالم اسلام کے لئے مسیحا قرار دینے کا پراپیگنڈا کر رہی تھیں بلکہ جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون جیسی بنیاد پرست سنی تنظیموں کے پیروکار بھی ان کی حمایت کر رہے تھے۔

ٹورانٹو میں خمینی کے حامی اخبار ''کریسنٹ انٹرنیشنل'' نے قرار دیا کہ: ''ایران سے باہر مصر کی اخوان المسلمون'، پاکستان کی جماعت اسلامی اور ترکی کی ملی سلامت پارٹی

کے تجربے سے یہ بالکل واضح ہوگیا ہے کہ سیکولر جمہوریت یا فوجی آمریت میں شمولیت اسلامی تحریک کے لئے ''پھندے ہیں۔''

شیعوں کی تحریک احیا سے بالکل ہٹ کر ایرانی ملا خود کو عالمی اسلام پسند تحریک کا قائد سمجھتے اور دنیا پر حکمرانی کے لئے کی برتری چاہتے ہیں۔ اس کی عکاسی ایران میں گیارہویں جماعت کے تعلیمی نصاب میں شامل اس سبق سے ہوتی ہے:

> ''اسلام کی حکمرانی کا قیام انتہائی بنیادی اور اولین اسلامی مقاصد میں سے ہے، اس کے بغیر اسلام کا مکمل نفاذ ناممکن ہوگا۔ نہ ہی اسلام کو مٹنے کے خطرے سے بچا جا سکتا ہے...... لہٰذا حکمرانی کے بغیر اسلام کا نظریہ بدعت ہے جس کا پراپیگنڈہ مسلمانوں کے دشمنوں نے انہیں سیاسی طاقت اور اپنی خود مختاری اور منزل سے دور کرنے کے لئے کیا، اس طرح یہ طاقتیں مسلمانوں پر اپنی بالادستی اور حکمرانی میں توسیع چاہتی ہیں۔ اسلامی معاشروں میں پائی جانے والی تلخ حقیقتیں اس کا زندہ ثبوت ہیں۔''

آیت اللہ خمینی نے زمین پر مذہب اسلام کی سپریم بالادستی قائم کرنے کے اپنے وژن کو کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو محرومی سے نکلنے اور شہادت پانے کا یہ پیغام بھی ایرانی طلباء کو گیارہویں جماعت میں پڑھایا جا رہا ہے:

> ''دنیا بھر کے مسلمانو! غیر ملکی بالادستی کی وجہ سے بتدریج موت تم پر مسلط کی جا رہی ہے۔ موت کے خوف سے نکلو اور شہادت کے متمنی پر عزم نوجوانوں کی موجودگی اپنی بقا کے لئے استعمال کرو...... میں دوٹوک انداز میں پوری دنیا سے کہتا ہوں کہ اگر عالمی اژدھے تمہارے مذہب کے سامنے کھڑے ہوں تو ہم بھی ان کے سامنے ڈٹ جائیں گے اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے تک چین سے نہیں بیٹھیں گے...... چاہے ہمارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ کر دیئے جائیں ہم جابر قوتوں سے لڑنا بند نہیں کریں گے۔''

1979ء کا انقلاب جس کے تحت ایران کا نظام حکومت ایک جابر بادشاہت سے آیت اللہ روح اللہ خمینی کی زیر قیادت اسلامی حکومت کو منتقل ہوا کا آغاز جنوری 1978ء میں بڑے بڑے مظاہروں سے ہوا اور اختتام دسمبر 1979ء کو ایک مذہبی دستور کے نفاذ پر ہوا۔

MashalBooks.org

خمینی ملک کے سپریم لیڈر بن گئے جو کسی پارلیمنٹ کو نہیں بلکہ 6 آئینی شوریٰ پاسداران (کونسل آف گارڈین) کو جوابدہ تھے۔ ان میں سے 3 ارکان کا انتخاب خود سپریم لیڈر کرتا ہے۔

شاہ ایران کے خلاف شورش صرف علما کی بغاوت نہیں تھی اور درحقیقت مظاہروں میں تاجر اور طلباء تنظیمیں بھی پیش پیش تھیں۔ تاہم سیکولر، جدت پسند مسلمانوں، آزاد خیال اور بائیں بازو کی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی اور انقلاب پر کنٹرول کی صلاحیت کو خمینی کی مستعدی نے بے اثر بنا دیا۔ پہلے انہوں نے شاہ کا تختہ الٹنے کے لئے ان سب کو استعمال کیا۔ بعد ازاں دھیرے دھیرے ان کا بھی صفایا کر دیا۔ اصل میں ایرانی کمیونسٹوں کی ایک جماعت تودہ پارٹی نے خمینی سے ٹکرانے کی کوشش کی تو فدائین اور مجاہدین خلق جیسی ملیشیا اور ملاؤں نے پورے ملک میں حملے کر کے پارٹی قیادت کو ٹھکانے لگا دیا۔ اس زمانے میں بائیں بازو کے ایک صاحب بصیرت مفکر بیجان جزانی نے 1960ء کے عشرے میں اپنی کتاب ''تاریخ سالہ'' میں تنبیہی انداز میں خبردار کیا تھا کہ اگر بائیں بازو نے خود کو منظّم کرتے ہوئے لوگوں کو متحرک نہ کیا تو شاہ کی آمریت کے خلاف تحریک کو آیت اللہ خمینی جیسے ملا یرغمال بنا لیں گے۔

اور جب 1979ء میں ایرانی لیفٹ ایسے اترا رہا تھا جیسے اس نے زار (روس) کے سرمائی محل پر قبضہ کر لیا اور وہ خود کو بالشویک کہہ رہا تھا اور اسلام کا مذاق اڑا کر عوام کی حمایت سے محروم ہو رہا تھا۔ ٹھیک اس وقت آیت اللہ خمینی نے خود کو امام حسنؓ ابن علیؓ کا پرتو قرار دیتے ہوئے شاہ ایران کو امام حسین کا دشمن یزید بنا دیا۔ اس طرح شاہ ایران کی انٹیلی جنس ساواک نے بے رحمی سے بائیں بازو کو نشانہ بنایا جبکہ ملاؤں نے عام لوگوں غریبوں اور کسی حد تک قدامت پرست دہقانوں جو بعد میں ملاؤں کے مسلح دستے بن گئے سے اپنے رابطے مستحکم بنا لئے۔

البتہ ایران کے شہری علاقوں میں بائیں بازو کی طاقت برقرار رہی اور 1979ء کے یوم مئی پر تہران میں دس لاکھ عورتوں اور مردوں نے شہر میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا لیکن وہ اس طاقت کو اس موثر اتحاد میں تبدیل نہ کر سکے جو اسلام پسندوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کا بھرپور جواب دے سکتی۔

MashalBooks.org

ایک طرف بائیں بازو والے آپس میں دست و گریبان تھے تو دوسری جانب خمینی اسلامی جمہوریہ کے نظریے کو پروان چڑھا رہے تھے، اس کی بنیاد نظریہ ولایت فقیہ پر رکھی گئی تھی۔ جس کے مطابق یہ سوچ پیش کی گئی کہ جب تک امام غائب حضرت مہدیؑ ظاہر نہیں ہو جاتے اس وقت تک معاشرے کا انتظام و انصرام عبوری طور پر ایک سپریم لیڈر چلائے گا یہ سپریم لیڈر ایسا ممتاز عالم دین ہو گا جو شرعی قوانین کی تشریح کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس نظریے کے تحت مسلمانوں کو حکمرانی یا نگرانی کی شکل میں سرپرستی درکار ہے۔

اسی نظریے یا فلسفے کی بنا پر خمینی نے سپریم لیڈر کا منصب سنبھال لیا جبکہ باقی تمام لوگ انہیں جوابدہ تھے۔

ولایت فقیہ نے اس تصور کو مستحکم کیا کہ ایک اسلامی حکومت کی اطاعت دراصل خدا کی اطاعت کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا یہ عمل کسی حد تک نماز اور روزے سے زیادہ اہم قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اس کے بغیر حقیقی اسلام کی بقا ممکن نہیں، یہ ایک آفاقی کلیہ ہے اور صرف ایران تک محدود نہیں چونکہ پوری دنیا کو ایک منصفانہ (اسلامی حکومت) حکومت کی ضرورت ہے اس لئے امام خمینی نے اسلامی انقلاب کی برآمد کو انتہائی ضروری گردانا۔

لیکن خمینی یہی بات انقلاب کے اپنے ساتھی ارکان کے ساتھ نہیں کر رہے تھے، انہیں صرف یہی کہا گیا کہ خمینی حکومت میں صرف مشاورتی اور پدرانہ کردار ادا کریں گے کوئی اور پارٹی نہیں بلکہ ایرانی کمیونسٹوں کی تو وہ پارٹی اس فریب کا شکار ہوگئی اور کچھ عرصہ تک انہوں نے عمر رسیدہ آیت اللہ خمینی کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے اپنے لیفٹ ساتھیوں سے بھی دغا کی۔

یہ سمجھنے کے لئے کہ ایرانی حکومت کے جبر کی نوعیت کیا ہے اور یہ اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے اسلام کا نام کیوں استعمال کرتی ہے؟ پہلے ہمیں ایران کی تاریخ اس کا رآئینی ارتقاء اور ملک کے جمہوری اداروں کو پٹڑی سے اتارنے میں امریکہ اور برطانیہ کے کردار کو سمجھنا ہوگا۔ علاوہ ازیں ولایت فقیہہ کے ادارے پر بھی غور کرنا ہوگا کیونکہ اس ادارے کے تحت اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ چاہے ایرانی عوام کچھ بھی کر لیں وہ جمہوری طریقے سے اسلامی ملائیت کو اختیارات سے محروم نہیں کر سکتے۔

سیکولر روشن خیال طبقے اور بائیں بازو کے ارکان کو ایرانی تاریخ سے اچھی طرح

آگاہ ہونا چاہئے کہ 1920ء میں اپنے پر کٹنے تک ایران کے آیت اللہ صاحبان صدیوں سے حکمران طبقے کا لازمی جزو چلے آ رہے تھے اور مایوسی کے عالم میں وہ دوبارہ اپنی مراعات یا استحقاق کی بحالی چاہتے تھے۔ یہ شاہ رضا پہلوی ہی تھے جنہوں نے ملاؤں کو اقتدار کے تمام اہم ایوانوں سے نکال باہر کیا تھا۔ بیجان جزانی جو اپنے افکار میں بالکل واضح اور اسلام پسند ملاؤں کے خطرے سے آگاہ تھے کو چھوڑ کر باقی لفٹسٹ ارکان نے مسجد اسٹیبلشمنٹ سے لاحق خطرات کو نظر انداز کر دیا۔ 1920ء میں شاہ رضا پہلوی نے علماء سے کہا کہ وہ اپنی سرگرمیاں صرف مساجد اور مدارس چلانے تک محدود رکھیں۔ ان کی وسیع و عریض اوقات ضبط کر لی گئیں۔ ہمسایہ ملک ترکی میں مصطفیٰ کمال پاشا بھی ائمہ مساجد کا حکومتی معاملات میں عمل دخل ختم کرنے کے اقدامات کر رہے تھے۔ لہٰذا جب 1979ء میں ملا ایوان اقتدار میں داخل ہوئے تو ایسا سوچنا بھی حماقت تھا کہ وہ مکمل کنٹرول کی کوشش نہیں کریں گے۔

ایران کے بظاہر درویش نظر آنے والے مذہبی رہنماؤں کی دھوکہ باز فطرت اس وقت کھل کر سامنے آ گئی جب 53-1952ء میں منتخب وزیراعظم محمد مصدق اور شاہ ایران کے درمیان کشمکش زوروں پر تھی۔ اس دور میں آیت اللہ خمینی کے مرشد آیت اللہ کاشانی نے تقیہ کیا۔ انہوں نے کھلے عام شاہ نوازوں کی حمایت کی، انہوں نے برطانوی تیل کمپنیوں کے برطانوی خفیہ ادارے ایم آئی 5 اور امریکی سی آئی اے کی زبان بولتے ہوئے اپنے پیروکاروں سے کہا کہ وہ محمد مصدق کی بھرپور مخالفت کریں۔ اس کے لئے انہوں نے وزیراعظم مصدق پر کمیونسٹ اور مشرک ہونے کا جھوٹا لیبل چسپاں کر دیا۔ آیت اللہ حضرات کے نزدیک جمہوریت اتنی اہم نہیں تھی بلکہ زیادہ اہم یہ چیز تھی کہ کون ان کے اپنے اقتدار کے لئے بہتر ثابت ہوسکتا ہے۔ امریکی سامراج اور اینگلو تیل کمپنیوں کی طرف سے کی جانے والی پیشکش بھی کسی اصول کے تحت نہیں تھی۔ ان کی سرگرمیوں کی دستاویزی شکل میں کرمٹ روز ویلٹ نے اپنی کتاب Counter Coup: The Struggle for the control of Iran یا پھر سٹیفن کنزر نے اپنے شاہکار .All the Shah's men میں تحریر کیا ہے۔

آیت اللہ کاشانی نے ایرانی تیل پر کنٹرول رکھنے والی برطانوی کمپنیوں کی قومیانے کی بھرپور مخالفت کی اور ایسے کسی بھی اقدام کو غیر اسلامی قرار دے دیا (وزیراعظم مصدق کی آیت اللہ حضرات کے ہاتھوں تضحیک کی بہترین عکاسی آیت اللہ خمینی کی 1979ء

میں ایران واپسی کے موقع پر دیئے گئے ریمارکس سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ مصدق وہ شخص ہے جسے اسلام نے تھپڑ مارا۔)

1953ء میں وزیراعظم محمد مصدق کا تختہ الٹنے میں سی آئی اے کی مدد سے کی جانے والی سازش میں آیت اللہ حضرات اور شاہ کے قریبی تعاون کے بعد دونوں فریقوں میں تعلقات بہتر ہو گئے۔ ہر فریق یقین دلا رہا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے دائرہ کار میں مداخلت نہیں کرے گا۔

پھر 1960ء کی دہائی میں شاہ رضا پہلوی کا ''سفید انقلاب'' آیا جس کے تحت زرعی اصلاحات کی گئیں اور خواتین کے حقوق سے متعلق قوانین متعارف کرائے گئے۔ حقوق نسواں کی بات کرنے پر ملا بھڑک اٹھے اس کے علاوہ زرعی اصلاحات سے بھی بعض مذہبی رہنماؤں کے مفادات پر زد پڑتی تھی۔ آیت اللہ خمینی وہ پہلے رہنما تھے جنہوں نے سفید انقلاب کے نام پر ملنے والے نئے حقوق کی کھلے بندوں مخالفت کی۔ انہوں نے کہا کہ زمین کے غیر حاضر مالکان سے اراضی چھین کر کاشتکاروں کو دینا غیر اسلامی ہے۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ کاشتکاروں کو ملنے والی اراضی ''غاشی'' ہے اور کسان اس پر کاشت نہ کریں۔

لیکن کاشتکار ملاؤں کی باتوں پر کان دھرنے کی بجائے صورت احوال سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ خمینی جو ماضی میں شاہ کی آمریت اور جبر پر خاموشی سے بیٹھے رہے تھے انہوں نے اس وقت بغاوت کر دی جب ملاؤں سمیت جاگیردار طبقے کے مفادات پر زد پڑ رہی تھی۔ اس کے ساتھ، ساتھ ایرانی خواتین میں بیداری سے بھی اونٹ کی کمر ٹوٹ سکتی تھی۔ یوں خمینی نے 1962ء سے شاہ کی حکمرانی کے خلاف مہم کا آغاز کیا اور خواتین کو ووٹ کا حق دینے کے نئے قانون کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اس فیصلے کو اسلامی اقدار سے متصادم قرار دیا اور سفید انقلاب کے خلاف فتویٰ دے دیا، خمینی کو 1964ء میں گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا گیا۔

1979ء میں وطن واپسی پر خمینی نے اپنی توجہ ملک کا نیا آئین تخلیق کرنے کی طرف مرکوز کی۔ اگرچہ آئینی کمیٹی میں تمام اقسام کے انقلابی موجود تھے تاہم اس کمیٹی کی سربراہی خمینی کے پاس تھی۔ کچھ ہی عرصے بعد انہوں نے سیکولر ارکان کو غیر موثر کر دیا اگرچہ کمیونسٹوں اور روشن خیال ارکان نے اس رویے پر احتجاج کیا لیکن اقلیت اور کمزور ہونے کی

MashalBooks.org

وجہ سے وہ صورتحال میں کوئی تبدیلی نہ لا سکے۔ مذہبی یا سیکولر بعض افراد نے خمینی کی ولایت فقیہ یا مجلس شوریٰ قائم کرنے کے منصوبے کی حمایت نہ کی، بعض عناصر تو اس منصوبے سے سرے سے آگاہ ہی نہیں تھے۔

اسلامی جمہوریہ کے عبوری دستور کی اصلی مسودے میں ولایت فقیہ یا سپریم لیڈر کے عہدے کی کوئی شق شامل نہیں تھی لیکن اس کے بعد جب ترمیمی مسودوں میں اس کا انکشاف ہوا تو بند کمروں میں اور سڑکوں پر احتجاج کیا گیا۔ خمینی اور ان کے اتحادیوں نے اپنے دیرینہ ساتھیوں کو ٹھوکر ماری اور ترمیمی مسودہ آئین پر کام جاری رکھا۔ ایسے اخبارات جنہوں نے بند کمروں کی کارروائی پر تنقید کی ان پر حملے کئے گئے جبکہ نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ اور مسلم پیپلز ری پبلکن پارٹی جیسے اپوزیشن گروپ کالعدم قرار دے دیئے گئے۔

اس مسودہ آئین میں آیت اللہ صاحبان کا ایجنڈا مخفی تھا۔ مسودے میں ایک بار پھر ترمیم کرتے ہوئے اس میں شوریٰ پاسداران تشکیل دینے کی تجویز دی گئی۔ یہ شوریٰ پارلیمنٹ کی منظور کردہ کسی بھی قانون سازی کو ویٹو کر سکتی تھی (جو اس نے بعد ازاں اکثر کیا) اس کے علاوہ کسی بھی ''غیر اسلامی'' شخص پر عوامی منصب کے دروازے بند کر دیئے گئے۔

نومبر 1979ء میں ریفرنڈم کے ذریعے اسلامی جمہوریہ کے نئے دستور کی منظوری دی گئی۔ (امام) خمینی نے خود کو سپریم لیڈر مقرر کر لیا۔ اچانک وہ انقلاب جس سے ایران کے ایک نئے دور کے آغاز کی توقع تھی ایک دائرے میں گردش کرتا ہوا قرون وسطیٰ کے زمانے کی طرف پیچھے جانے لگا۔

ولایت فقیہ کا ادارہ اور نام نہاد شوریٰ پاسداران ایک ایسا آلہ بن گئے جس کے ذریعے ملاؤں کی اقتدار پر گرفت مضبوط ہوگئی، اگرچہ ایران میں پارلیمنٹ ہے، صدر ہے، باقاعدگی سے انتخابات ہوتے ہیں اور ہنگامے بھی ہوتے ہیں لیکن یہ سب محض نمائشی ہیں............ ایک محتاط طریقے سے سٹیج کردہ ڈرامہ، جہاں قانون ساز ارکان کی حیثیت اداکار سے زیادہ نہیں اور جو محض خانہ پری کی کارروائی کرتے ہیں۔ عوام اور بیرونی دنیا کی تفریح کے لئے ملا حضرات آیت اللہ خاتمی جیسے ''لبرل'' لیڈر (بطور صدر) سامنے لاتے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسکراہٹوں اور نفیس لباس کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔

بالخصوص مغرب کے بائیں بازو پر بہرحال وہ لوگ جو ''ایران کونترا'' تماشہ کر سکتے

MashalBooks.org

ہیں اور جمی کارٹر کی انتخابات میں شکست کے لئے یرغمالیوں کو رہائی سے روک سکتے ہیں وہ بڑی آسانی سے ایسا شور کر سکتے ہیں جو مغربی مبصرین اور دو سو غیر ایرانی پان اسلام پسند دیکھنے کے خواہاں ہیں۔

مغرب میں مقیم وہ مسلمان طبقہ جو ایرانی آیت اللہ حضرات کو بارہویں صدی کے فاتح یروشلم صلاح الدین ایوبی کا پرتو سمجھتا ہے اس سے یہ سوال ہے کہ: آپ کی آنکھیں کھولنے کے لئے ان عبا پہننے والے ملاؤں کے ہاتھوں مزید کتنے ایرانی مسلمانوں کی موت ہونی چاہئے؟

1988ء میں مجاہدین خلق کے جنگجوؤں کی شورش کے بعد ایرانی قیدیوں کے قتل عام کے بعد خمینی نے عدالتی حکام کو ایک فرمان جاری کیا کہ وہ ہر سیاسی قیدی کی پڑتال کریں اور ایسے افراد کو مار ڈالیں جو حکومت مخالف سرگرمیوں پر معافی نہ مانگیں، ایران، عراق جنگ کے فوری بعد 1988ء میں جاری ہونے والے اس فتوے میں کہا گیا تھا: ''ملک بھر کی جیلوں میں قید وہ تمام لوگ جنھوں نے شر پسندی کی اور اب بھی کفر کا ارتکاب کر رہے ہیں وہ شر پسند ہیں لہٰذا وہ سزائے موت کے مستحق ہیں۔''

آیت اللہ حسین علی المنتظر ی جو آج تک گھر میں نظر بند ہیں، اپنی یادداشت میں تحریر کرتے ہیں کہ خمینی کے فتوے کے نتیجے میں 30 ہزار سے زائد سیاسی کارکنوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ 2 ماہ تک کھیلے گئے اس خونی کھیل میں 13 سال کی عمر تک کے بچوں کو بھی پھانسی دے دی گئی۔

لندن کے اخبار ٹیلی گراف کی سفارتی نامہ نگار کرسٹینا لیمب نے ایران سے سمگل شدہ خفیہ دستاویزات کے حوالے سے جون 2001ء میں اپنی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا کہ قیدیوں کی زیادہ تعداد کے پیش نظر 6,6 کے گروپوں میں آدھے، آدھے گھنٹے کے وقفے سے سیاسی کارکنوں کو لفٹر ٹرکوں پر لاد کر کرینوں سے پھانسی دی گئی۔ کرسٹینا لیمب المنتظر ی کی یادداشت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتی ہیں کہ پھانسیوں کے پہلے پندرھواڑے کے بعد 3800 افراد کو لٹکا دیا گیا تو انہوں (منتظری) نے خمینی کو خط لکھا کہ ہلاکتوں کا سلسلہ بند ہونا چاہئے کہ اسے انتقام سمجھا جائے گا اور حکومت کی مخالفت میں اضافہ ہوگا، انہوں نے لکھا کہ: ''چند روز میں سینکڑوں افراد کو تختہ دار پر لٹکانے سے مثبت اثرات مرتب نہیں ہوں گے اور یہ

MashalBooks.org

ایک بڑی غلطی ہو گی۔''

آخر کوئی مسلمان اسلامی اخوت کے نام پر ایسا جبر اور قتل عام کیسے کر سکتا ہے؟ وہ لوگ جو ایرانی انقلاب کی انقلابی خوبیوں کے سحر میں مبتلا ہیں اور اس کے سامراج مخالف تصور سے متاثر ہیں وہ ان 30 ہزار بے گناہ افراد کے بارے میں سوچیں جنہیں 1988ء کی گرمیوں میں ملاؤں نے یکے بعد دیگر پھانسی چڑھا دیا۔

ایک طرف جہاں ہوگو شاویز اور فیڈل کاسترو جیسے غیر مسلم رہنماؤں نے ملاؤں سے ہاتھ ملایا ہے وہاں دوسری طرف اسلامی دنیا کے کسی معتبر لیفٹ نے ان کی حمایت نہیں کی۔ وہ فریب کی دھند کے پار دیکھ سکتے ہیں جس نے ان کے مغربی (لیفٹ کے) ساتھیوں کو گمراہ کر رکھا ہے۔ تیسری دنیا اور عرب کے ممتاز مارکسسٹ دانشور سمیر امین جو ان دنوں سینی گال میں مقیم ہیں نے ایران کی ''پگڑی بردار آمریت'' کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

سیاسی اسلام کے ناقد کے طور پر وہ کہتے ہیں: ''ایران کا سیاسی اسلام ڈیڈلاک کی سطح پر پہنچ چکا ہے...... گاہے بگاہے اسلام پسند جماعتوں اور یورپ کی کرسچین ڈیموکریٹک پارٹیوں کا موازنہ کیا جاتا ہے (مثلاً یہ کہ کرسچین ڈیموکریٹس نے اگر 50 برس تک اٹلی پر حکومت کی تو مصر اور الجزائر پر ایک اسلامی پارٹی حکومت کیوں نہیں کر سکتی؟) لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ کسی بھی جگہ پر جب اسلام پسند حکومت بنتی ہے تو وہ فوری طور پر ہر قسم کی سیاسی اپوزیشن کا یقینی خاتمہ کر دیتی ہے۔''

سمیر امین کی تنقید کو نظر انداز کرتے ہوئے بائیں بازو کے بعض لوگ اسلامی جمہوریہ (ایران) کے رومانس میں مبتلا ہیں اور اسے جارج بش کے خلاف غم و غصے کے اظہار کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ سوویت یونین کے نقش قدم پر چلتے ہیں جس نے امریکہ کو نیچا دکھانے کے چکر میں ایرانی ملاؤں کا ساتھ دیا۔

جب 1979ء میں شاہ ایران فرار ہو کر بیرون ملک چلے گئے تو نہ صرف ایرانیوں بلکہ دنیا بھر کے ترقی پذیر عوام نے یہ توقع کی کہ اب ایران میں آزادی اظہار اور آزادی صحافت کو فروغ ملے گا لیکن ایسا نہیں ہوا، خمینی نے اپوزیشن اخبارات کی بندش اور مظاہرین انقلابیوں پر حملوں کا دفاع کرتے ہوئے کہا تھا: ''قلم اور زبان کے کلب باقی ماندہ کلبوں میں بدترین ہیں جن کی بدعنوانی دیگر کلبوں کے مقابلے میں 100 گناہ زیادہ ہے۔

MashalBooks.org

حالیہ 2 عشروں کے دوران ایران کے 30 لاکھ سے زائد مسلمان اور غیر مسلم ملک چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ میرے چند ایسے دوست بھی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزر کر گولیوں سے بچنے کے لیے اور مشکل حالات میں ترکی اور پھر کینیڈا پہنچے۔ بعض دیگر مشرق کی سمت میں بلوچستان سے کراچی اور لاہور فرار ہو گئے تا کہ اسلامی چوکیداروں کے مظالم سے بچ سکیں۔ کیا یہی کچھ اسلامی ریاست میں ہوتا ہے؟ کیا کینیڈا یا برطانیہ میں پیدا ہو کر ایرانی انقلاب کے حق میں نعرے لگانے والا کوئی بھی مسلمان ایران میں ایک دن بھی رہ سکتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی نے بھی ایران کی امیگریشن کا سوچا تک ہے؟ انہیں بالخصوص کالی رنگت والے پاکستانیوں، بھارتیوں یا صومالیہ کے باشندوں کو ایسی کوشش کرنی چاہیئے، انہیں اپنے میزبان ایرانیوں کی طرف سے ''کاکا سیاہ'' کا خطاب سن کر پتہ چلے گا کہ ایران اسلام اور سنت نبویؐ کا آئینہ دار نہیں، بلکہ وہاں خود ساختہ اشرافیہ ویسے بے ہودہ طریقے سے اقتدار پر قابض ہے جیسے سعودی عرب میں شاہی خاندان حکمران بنا ہوا ہے۔ تیل کے سمندر پر تیرنے والے ملک میں مطلق غربت میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ بات حیران کن نہیں کہ وہاں غریب دنگا فساد کرتے رہتے ہیں وہ اپنی کچی آبادیاں مسمار کرنے اور مہنگائی پر احتجاج کرتے ہیں۔ جنگ کے دوران معذور ہونے والے ریٹائر فوجی متروکہ املاک فاؤنڈیشن (Foundation of Disinherited) کی بدانتظامی کے خلاف سراپا احتجاج ہیں جبکہ عام بس ڈرائیور اور نانبائی سڑکوں پر مظاہرے کرتے ہیں کیونکہ ان کے لیڈر اسلامی جمہوریہ کے نظام کے باعث اچانک غائب ہو کر جیل پہنچ جاتے ہیں۔

کینیڈا کے مسلمانوں کے لئے ایرانی قیدی زہرا کاظمی کی موت ضمیر کو جھٹکا لگانے کے لئے کافی ہونی چاہیئے، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہوتا۔ اس معاملے میں وہی ایرانی کہاوت صادق آتی ہے کہ ''بیرونی حالت جہاں پرکشش نظر آتی ہے وہاں اندرونی کیفیت سرطان زدہ ہوسکتی ہے۔''

مرحومہ زہرا کاظمی ایرانی نژاد کینیڈین فری لانس فوٹو گرافر تھیں اور ان کا تعلق مونٹریال سے تھا، 23 جون 2003ء کو انہیں تہران کی بدنام زمانہ ایون جیل کے سامنے سے گرفتار کرلیا گیا، اس وقت وہ جیل میں اسیر طالبعلم رہنماؤں کی رہائی کے لئے مظاہرہ کرنے والے طلباء کی تصویر بنانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

MashalBooks.org

اگلے 90 روز تک اس کی کوئی خیر خبر نہ ملی اور پھر ایرانی حکام نے اعلان کیا کہ زہرا دوران حراست حادثاتی طور پر مرچکی ہے لیکن وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ 44 سالہ زہرا کاظمی کو جنسی زیادتی اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور سر پر گہری چوٹ کے نتیجے میں ان کی کھوپڑی چٹخ گئی تھی۔

میرے نزدیک ان کی موت خصوصی معنی رکھتی ہے۔ اگرچہ میں اس دلیر عورت سے زندگی میں کبھی نہیں ملا۔ وہ میری ہم عمر تھیں اور میری ہی جنریشن سے تعلق رکھتی تھیں۔ وہ نہ صرف میری ہم پیشہ تھیں بلکہ سب سے بڑھ کر انہوں نے میری ہی طرح مجبوراً ایک جابر اسلامی معاشرے سے ہجرت کر کے کینیڈا میں ٹھکانہ تلاش کیا تھا۔ امید یہ کی جا رہی تھی کہ ان کی موت پر کینیڈا میں مسلمانوں کی تنظیمیں اکٹھی ہو جائیں گی اور ان کے قاتلوں اور ان کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا جائے اور کہا جائے کہ ان کی میت ان کے بیٹے حوالے کی جائے۔ لیکن 2002ء میں شام میں ماہرارار پر تشدد کے قضیے کے برعکس زہرا کاظمی پر تشدد اور ان کی موت پر کینیڈین ایرانی کمیونٹی کے ساتھ دیگر مسلمانوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ میرا خیال ہے کہ زہرا کاظمی مشرق وسطیٰ کی روایتی برقعہ پوش خاتون کے تصور پر پورا نہیں اترتی تھی کچھ صاحبان نے تو یہ تک فرما دیا کہ زہرا دراصل اپنی موت کی خود ذمہ دار تھی۔

اگرچہ اسلامی جمہوریہ اصرار کرتی ہے کہ زہرا کی موت اتفاقی تھی اور حزب اللہ کے ایک کینیڈین عرب نے ٹی وی پر آ کر کہا کہ محترمہ کے ساتھ زیادتی نہیں کی گئی لیکن جیل کے سابق ملٹری سٹاف ڈاکٹر شاہرم اعظم نے بتایا کہ انہوں نے خود لاش کا معائنہ کیا تھا، خاتون کے ساتھ نہ صرف زیادتی کی گئی تھی بلکہ بدترین تشدد کا بھی نشانہ بنایا گیا انکی کھوپڑی چٹخی تھی، ناک ٹوٹی اور ایڑی کچلی گئی تھی، انگلیاں توڑی گئی تھیں جبکہ ناف والے حصے پر گہری خراشیں تھیں۔ لیکن زہرا کاظمی تو محض ان ہزاروں افراد میں ایک فرد تھیں جنہیں 1979ء میں ملاؤں کے ہاتھوں یرغمال بنائے گئے انقلاب کے بعد ایران کی اسلامی جمہوریہ نے ہلاک کر ڈالا۔ آج تک زہرا کے بیٹے اور کینیڈا کی حکومت کے بار بار مطالبے کے باوجود مرحومہ کی میت ان کے حوالے نہیں کی گئی۔ کیا یہی وہ اسلامی ریاست ہے جس کے لئے اسلام پسند مرے جا رہے ہیں؟ اگر وہ کسی اسلام کی ریاست (State of Islam) میں ہوتے تو شہر

MashalBooks.org

کے ''اسلامی'' رہنما اور ائمہ مساجد اوٹاوہ میں ایرانی سفارتخانے کے باہر مستقل دھرنا دے کر انصاف کا تقاضہ کرتے لیکن بدقسمتی سے کینیڈا کے اسلام پسند اور مغرب بالعموم ملاؤں کی امریکہ کے ساتھ جعلی لڑائی کے رومانوی سحر میں مبتلا ہیں۔

بہت کم لوگوں کو ایران میں حکمرانی کے ڈھانچے کی خفیہ نسل پرست نوعیت کا علم ہو گا، اس کی عکاسی ولایت فقیہ بننے والے مرد حضرات کے نسلی پس منظر کے پیمانے سے ہوتی ہے۔ اس نسلی کردار کو زیادہ تر مذہبی پردے میں چھپایا جاتا ہے اور اس کی مخالفت کو اسلام پر حملے کے مترادف قرار دیا جاتا ہے۔ بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ سپریم لیڈر بننے کے دروازے ان تمام ایرانیوں پر بند ہیں جو عرب النسل نہیں لیکن ایرانی تہذیب کے بیٹے اور بیٹوں کے لئے ایسی پابندی ہضم کرنا شاید مشکل ہونا چاہئے لیکن بظاہر ایسا نہیں۔

ایران کے موجودہ رہنماؤں نے پگڑیوں کے مختلف رنگوں کے ذریعے بھی نسلی پس منظر کے تناظر میں الگ تھلگ شناخت قائم کی ہوئی ہے۔ محمد خاتمی اور خامنہ ای جیسے رہنما سیاہ پگڑی باندھتے ہیں۔ جو ان کی بالادست عرب جڑوں کی علامت ہے۔ ان کے علاوہ ایرانی النسل کسی عالم کو سیاہ عمامہ باندھنے کی جرأت نہیں۔ ایسے علما صرف سفید عمامہ باندھ سکتے ہیں۔ ایسی غیر حقیقت پسندانہ اور قابل اعتراض نسلی تقسیم کو کبھی موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔

سپریم لیڈر بننے کے لئے محض عرب النسل ہونا ہی روٹین شرط نہیں بلکہ اس منصب کے امیدوار کے لئے اپنی نسلی جڑیں ساتویں صدی کے مکہ میں مقیم (حضورؐ کے دور کے) عربوں میں ثابت کرنا لازمی ہے اور صرف مکی عرب نہیں بلکہ اس کا تعلق قریش قبیلے سے ہونا چاہئے اور صرف قریشی نہیں اس کا ہاشمی ہونا از بس ضروری ہے اور محض ہاشمی نہیں اسے اپنا تعلق رسول اکرمؐ سے براہ راست ثابت کرنا ہو گا اور صرف حضورؐ سے تعلق بھی کافی نہیں بلکہ سپریم لیڈر صرف حضورؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ہونا چاہئے۔ انہیں سید کہا جاتا ہے۔ صرف ایران کا کوئی سید عرب ہی ملک کا روحانی پیشوا ہو سکتا ہے اور جیسے ولایت فقیہہ بننے کے لئے نسلی پس منظر کی شرط کافی نہیں تھی کہ ملک کے پہلے صدارتی انتخابات میں بھی یہ تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت ایک امیدوار جلال الدین کو الیکشن لڑنے سے محض اس لئے روک دیا گیا کیونکہ ان کے والد افغانستان میں پیدا ہوئے تھے۔ میرا

MashalBooks.org

خیال ہے کہ نسل پرستی کی منڈی میں افغان خون کی قیمت عرب خون سے سستی ہے۔

اسلامی جمہوریہ میں نسل پرستی کے اس منفرد مظاہرے پر خمینی کا حامی رسالہ ''کریسنٹ انٹرنیشنل'' دفاع کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''نئے آئین کے دفاع میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ صدارت کا منصب خالصتاً ایران کے لئے ہے لیکن ایرانی النسل ہونے کی شرط اعلیٰ ترین منصب ولایت فقیہہ یا مجلس شوریٰ کے ارکان کے لئے ضروری نہیں کیونکہ یہ دونوں ادارے وسیع تناظر میں اسلامی دنیا سے متعلق ہیں جبکہ ایرانی صدر محض مقامی ادارہ ہے۔''

ایک طرف جہادی قرآن اور حضرت محمدؐ تمام مسلمانوں کی رنگ ونسل سے بالاتر برابری کی بات کرتے ہیں اور تقوے کو رنگ، قبیلے اور نسل پس منظر پر برتری دی جاتی ہے تو دوسری طرف سات کروڑ ایرانیوں کی قسمت میں نسل پرستی کا نمایاں کردار ہے۔ ملک فارس جس نے ایک دور میں اسلام کے کئی نامور دانشور اور مفکر پیدا کئے اور عباسی دور میں مسلمانوں کو اوج ثریا پر پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا وہ اب اسلام پسندوں کے ہاتھوں اپنے اعلیٰ ورثے کی بربادی دیکھ رہا ہے۔ حکمران آیت اللہ حضرات نے نہ صرف اقتدار کے لئے اسلام کو یرغمال بنا لیا بلکہ انہوں نے عقیدے کی عظمت پر ظلم اور غیر انسانی سزاؤں کا داغ لگا دیا ہے۔

اگر یہی وہ جمہوریت ہے جو کسی اسلامی ریاست کی روح ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے تو اس میں کوئی حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ اکثر ایرانی ایسے سیاسی اسلام سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ جب ایرانی ملا نسل پرستی کو اسلامی آفاقیت کے نیچے کیموفلاج کر کے اسے اسلامی ریاست کی بنیاد ہونے پر بھونپو بجاتے ہیں تو وہ دراصل 1948ء کے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے اعلامیے سے دھوکا کر رہے ہوتے ہیں جس کی روح مساوات انسانی کا اقرار ہے۔

ایران میں تمام آیت اللہ موجودہ قیادت سے متفق نہیں۔ دراصل یک قالب ہونے کی بجائے ایرانی مذہبی رہنما ریاست، مذہب اور ولایت فقیہ کے بنیادی سوال پر منقسم ہیں اور عین ممکن ہے کہ وہ تبدیلی جو ایرانی عوام چاہتے ہیں وہ مذہبی اسٹیبلشمنٹ کے اندر سے ہی رونما ہو۔ ایران کے مقدس شہر قم کے مذہبی مدارس پاکستان اور سعودی عرب کے سنی مدارس کی طرح طلبا کو رٹے رٹائے انداز میں نہیں پڑھاتے۔ ان متحرک اداروں میں 50 ہزار سے زائد طلباء اسلامی فقہ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ قم ہی

MashalBooks.org

ہے جہاں سے اس فقہی اصول یعنی ولایت فقیہہ جو حکومت کی بنیاد ہے کو چیلنج کیا جائے گا۔

شیعہ مسلمان حضرت محمدؐ کے داماد حضرت علیؓ کو اپنا پہلا امام سمجھتے ہیں۔ ان کے بعد ان کی اولاد میں سے دس مزید آئمہ کرام آئے جنہیں مختلف ادوار میں خلفا نے شہید کر دیا۔ اس طرح اپنی جان کے خطرے کے پیش نظر بارہویں امام پردہ غیب میں چلے گئے اور قیامت کے قریب دوبارہ ظاہر ہوں گے۔ شیعہ علماء کا عقیدہ ہے کہ امام مہدی کے ظاہر ہونے سے پہلے کے دور میں کسی شخص کے پاس جائز سیاسی اتھارٹی نہیں، ایرانی انقلاب سے صدیوں پہلے شیعہ علماء کا یہ موقف رہا کہ امام مہدی کے ظاہر ہونے تک مذہبی رہنماؤں کو سیاسی سرگرمیوں سے اجتناب کرنا چاہئے۔

لیکن ولایت فقیہہ کا جو نیا ادارہ خمینی نے متعارف کرایا ہے وہ اس دیرینہ موقف سے متحارب ہے جس سے قم کے مذہبی حلقوں میں کافی بحث چھڑ گئی ہے۔ بعض شیعہ علماء میں اس تصور پر عدم اطمینان پایا جاتا ہے کہ ولایت فقیہہ اپنا اختیار صرف خدائی رہنمائی کے تحت استعمال کرتا ہے اور وہ عوام کو جوابدہ نہیں ہے۔

ان منحرف علماء میں سب سے معروف نام آیت اللہ علی المنتظری کا ہے، جو پہلے امام خمینی کے جانشین تھے لیکن سیاسی قیدیوں کی اندھا دھند پھانسیوں پر اعتراض کرنے پر انہیں ان کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا۔ ایک اور منحرف عالم حجۃ الاسلام محسن قدیور کا کہنا ہے کہ ایران کے موجودہ رہنما جو کچھ کر رہے ہیں وہ اسلام نہیں۔ 1990ء کی دہائی میں جب انہوں نے کہا کہ ایران میں ملائیت کی حکمرانی نہیں ہوسکتی بلکہ جمہوریت ہونی چاہئے تو انہیں جیل بھیج دیا گیا۔ انہوں نے حکمران آیت اللہ حضرات کے اقتدار کو آمرانہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ وہ آزادی نہیں جو ایرانی عوام نے 1979ء کے انقلاب میں مانگی تھی۔

اس کے علاوہ عراق میں جلاوطن ایرانی آیت اللہ سیستانی ہیں جن کے پیروکاروں کا حلقہ بہت وسیع ہے انہوں نے صدام دور کے بعد عراق کے آئین کی منظوری دی جس کے تحت حکومتی اتھارٹی علماء کی بجائے عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کی گئی، یہ بات امام خمینی کی مقرر کردہ سمت سے واضح انحراف ہے۔

قم میں جامعہ مفید کو ایک لبرل ادارہ خیال کیا جاتا ہے۔ وہاں کے ایک سرکردہ استاد حجۃ الاسلام فضل معبودی ہیں، انہوں نے ایک برطانوی رسالے کو انٹرویو میں وہ کچھ کہا جس کی

MashalBooks.org

ایرانی ملاؤں سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ وہ یہ کہ تمام سیاسی نظریات اسلام سے اخذ نہیں کئے جانے چاہئیں۔ انہوں نے اسلام اور سیاست کو الگ کرنے کی تجویز دیتے ہوئے کہا کہ سیاست ایک تجرباتی اور انسان کی بنائی ہوئی سرگرمی ہے اور اسلام کو اس کا احترام کرنا چاہیئے۔

آیت اللہ علی المنتظری اور فضل معبودی جیسے لوگ شاید چند ہی ہوں گے لیکن جب تک ایسے ایرانی علماء اپنے ضمیر کی آواز پر بولتے رہیں گے اور جب تک ایرانی خواتین ملاؤں کی نفرت کے خلاف بغاوت کرتی رہیں گی، ایرانی انقلاب کو اس کی منزل تک پہنچنے کی امید زندہ رہے گی۔ وہ سیکولر جمہوری ایران جو اپنا تاریخی کردار ایک بار پھر ادا کر سکے۔ ایک آزاد اور جمہوری ایران جہاں ملا عوام کے لئے جلاد ثابت ہونے کی بجائے اخلاقی رہنما ثابت ہوں، اس طرح پوری اسلامی دنیا میں نشاۃ ثانیہ کی تحریک میں زندگی کی نئی لہر دوڑ جائے گی، اگر ایسا ہوگیا تو وہی سروے جس میں صرف 3 فیصد افراد نے ایران میں رہنے کو ترجیح دی تھی کی شرح بدل جائے گی۔ اس وقت تک ہمیں بہادر ایرانی طلباء اور عام خواتین کے ساتھ یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا جو تن تنہا اس قاتل حکومت کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔

ایران ملاؤں کی حکمرانی ایک ایسی اسلامی ریاست ہے جس کا بڑا نشانہ ایرانی عوام، ایرانی روح اور بدقسمتی سے اسلام خود ہے۔

☆ آیت اللہ خمینی نے یہ خیراتی ادارہ سابق شاہ کی ملکیت اثاثہ جات کی غریب خاندانوں کو منتقل کرنے کے لئے بنایا تھا، اس وقت یہ ادارہ بہت بڑی تعداد میں فیکٹریوں، تجارتی اداروں، زرعی فارموں اور کرائے کی عمارتوں کی نگرانی کا کام سرانجام دے رہا ہے۔

MashalBooks.org

پانچواں باب

فلسطین...... مستقبل کی اسلامی ریاست؟

یہ 1969ء کے آخری ایام کی بات ہے اس وقت پاکستان پر فوجی آمر جنرل یحییٰ خان کی حکومت تھی۔ فوجی دستوں نے سختی سے مارشل لا نافذ کر رکھا تھا، کسی سیاسی سرگرمی کی اجازت نہیں تھی، نعرے لگانے مارچ کرنے اور لٹریچر کی اجازت نہیں تھی۔ یہ سختی بالخصوص ہوائی اڈوں اور فوجی تنصیبات کے قریب زیادہ تھی لیکن کراچی ایئرپورٹ پر سردیوں کی اس رات ایک چاق و چوبند لیفٹیننٹ کرنل اس سختی میں تھوڑا سا استثنیٰ دینے والا تھا۔ ''صرف 5 منٹ کے لئے ایک سیکنڈ بھی زیادہ نہیں'' کرنل بولا، ہم تقریباً 20 نوجوان انٹرنیشنل ارائیول ٹرمینل کے باہر کھڑے بے چینی سے ایک اہم مہمان کا انتظار کر رہے تھے۔ پرجوش کارکن کامریڈ بی ایم کُٹی نے فوجی افسر کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے میری بات مان لی۔ ہم صرف اس خاتون کو پاکستان آمد پر خوش آمدید کہنا چاہتے ہیں، وہ افسر انگریزی چھوڑ کر اردو میں بولا: ''مجھے مشکل میں نہ ڈال دینا، کیونکہ ہر قسم کے مظاہروں پر پابندی ہے۔''

ٹرمینل کے دروازے سے باہر آتی ہوئی۔ لیلیٰ خالد کی تصویر آج تک میرے ذہن میں تازہ ہے۔ میں ان کروڑوں پاکستانیوں میں شامل تھا جو ان سے محبت کرتے تھے، وہ ہمارے گروپ میں شامل سینئر فلسطینی طلباء احمد شولی اور محمد مصطفیٰ سے ملتے ہوئے مسکرائیں، مجھے وہ دونوں طالبعلم بالخصوص سرخ بالوں والا احمد شوی آج تک یاد ہیں، احمد نے مجھے سکھایا تھا کہ ''Internationale'' کیسے گایا جاتا ہے، ''فلسطین، فلسطین'' ہم نے نعرے لگائے، فلسطین، پاکستان دوستی زندہ باد۔

اس وقت ہم بھی کم عمر تھے اور فلسطین کی عمر بھی کم تھی۔ یہ ہمارا نصب العین بھی تھا

MashalBooks.org

اور ہم میں سے بعض پاکستانی اسرائیلی قبضے کے خلاف لڑنا چاہتے تھے جبکہ لیلیٰ خالد جدوجہد کی عملی تفسیر تھیں۔ وہ اپنی تصاویر کے برعکس زیادہ دبلی پتلی تھیں لیکن ہمارے نزدیک وہ یونانی دیوی سے بھی کہیں بڑی تھیں۔

ایک امن پسند ہونے کے ناتے مجھے جسمانی تشدد سے نفرت تھی، یہی میرے دوستوں کا حال تھا لیکن 1969ء میں لیلیٰ خالد کی طرف سے دمشق جانے والے ٹی ڈبلیو اے کے طیارے کا اغواء ہمارے نزدیک دہشت گردی سے ہٹ کر کوئی اقدام تھا۔ اول یہ کہ وہ ایک ایسی مسلمان خاتون تھیں جو خواتین کے بارے میں اسلام پسند مفروضوں اور عقائد کو کچل رہی تھیں دوم یہ کہ تمام آزادی پسند محکوم لوگوں کے جذبات کو انہوں نے مثال بنا کر پیش کیا۔

وہ کرنل ہمیں چپ کرانے کے لئے تھوڑی دیر بعد ہماری طرف بڑھا اور کہا کہ ہم وہاں سے چلے جائیں۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا اور کسی کو یہ پتہ نہیں تھا کہ لیلیٰ خالد کسی نامعلوم منزل کی طرف جاتے ہوئے خفیہ طور پر تھوڑی دیر کے لئے کراچی رُکی تھیں، پاکستان کی فوجی حکومت نے اگرچہ انہیں اترنے کی اجازت دی تھی لیکن وہ ان کی موجودگی یا حکومتی اجازت کا کھلے عام اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی، فلسطین وہ واحد کاز ہے جس پر پاکستانی بلاتخصیص متحد ہو جاتے ہیں۔ انتہائی بائیں بازو سے انتہائی دائیں بازو تک جب فلسطین کی بات ہوتی ہے تو قوم ایک ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ اتنی یکجہتی کشمیر کے مسئلے پر بھی نظر نہیں آتی۔

فلسطین سے میرے رابطے اس وقت استوار ہوئے جب 1967ء میں پہلی بار ایک فلسطینی سے ملا، یہ کراچی یونیورسٹی میں میرا پہلا دن تھا جب احمد شولی سے میرا ٹاکرا ہوا، میں کیمپس میں حکومت مخالف مواد تقسیم کر رہا تھا کہ احمد نے ایک پرچہ مجھ سے لے لیا، یہ پاکستانی یونیورسٹی میں اس کا بھی پہلا روز تھا۔ اس نے پیپر پڑھ کر عربی میں پوچھا، انت سوشلسٹ میں نے کہا جی ہاں! وہ بولا، ماشا اللہ، میں بھی سوشلسٹ ہوں۔

اس روز سے آزاد فلسطین کے لئے جدوجہد میری اپنی جدوجہد بن گئی کیونکہ میں ان لوگوں سے رشتے میں بندھ گیا تھا جنہیں ان کی اپنی قیادت نے دھوکہ دیا، عربوں نے ان کا سودا کر کے مشکلات میں مبتلا کیا اور اس سے بھی بدتر یہ کہ انہیں دشمنوں سے زیادہ دوستوں کی زیادتی کا نشانہ بنایا گیا۔ کئی برسوں سے اسرائیلی قبضے میں رہنے اور اپنی ہی

MashalBooks.org

سرزمین پر اجنبی ہونے کے بعد فلسطینی بہتر سلوک کے مستحق ہیں۔

قبل ازیں موسم گرما میں میرے سپنوں کی دنیا اس وقت بکھر گئی جب 6 روزہ جنگ چھڑی اور ہم اس حقیقت سے آشکار ہوئے کہ عرب فوج دیوتا کا ایسا مجسمہ ہے، جسے دیمک اندر سے کھوکھلا کر چکی ہے۔ میرا ہیرو، مصر کا جمال عبدالناصر کاغذی شیر نکلا، اسرائیلیوں نے عربوں کو بھرپور طریقے سے شکست دی۔ کراچی میں ایک بوڑھا اس ہزیمت پر ایسے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا جیسے اس کا ذاتی نقصان ہوا ہو، ایک ننھا سا ملک اسرائیل آخر کس طرح 20 ملکوں میں پھیلے ہوئے 20 کروڑ عربوں کو شکست دے سکتا تھا؟ خود ہم پاکستانی بھی تازہ تازہ جنگ سے باہر نکلے تھے لیکن ہمارا جو ''دشمن'' بھارت ہے وہ ہم سے 5 گناہ بڑا ہے۔

سازش کے ان نظریوں سے قطع نظر کہ امریکہ نے جنگ میں اسرائیل کی مدد کی تھی، میرے اندر گہری سوچ یہ پیدا ہوئی کہ کوئی چیز سرزمین عرب کو اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹ رہی ہے۔ کراچی میں میرے فلسطینی ساتھیوں نے مجھے جو تعلیم دی تھی، ذہین، بہادر، باہمت اور خوبصورت جوان فلسطینیوں نے میرے اندر جذبات کی جو آگ بھڑکائی تھی وہ آج تک جل رہی تھی۔ انہوں نے ان بدعنوان عرب بادشاہتوں اور جعلی سوشلسٹوں کو بے نقاب کیا جو فلسطینیوں کے مصائب میں کئی گنا اضافے کے ذمہ دار ہیں اور انہوں نے سانحہ فلسطین کو اپنے ایجنڈے کے لئے استعمال کیا۔ انہیں اخوان المسلمین کے ان اسلام پسندوں کے بارے میں بھی پتہ ہے جو سیکولر فلسطینیوں کو اپنے فرضی دشمن اسرائیل سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں آنے والے فلسطینی یونیورسٹی کیمپس میں اسلام پسندوں کی طاقت دیکھ کر حیران تھے۔ انہیں جماعت اسلامی کے آہنی ہتھکنڈوں اور پرفریب طریقوں پر صدمہ پہنچا، انہوں نے مجھے بتایا کہ اردن اور مغربی کنارے میں اخوان المسلمین کا کوئی اثر نہیں۔

انہیں شاید اس بات کا بہت کم علم تھا کہ فلسطین کی آزادی کی جدوجہد کو اسلام پسندوں نے کس طرح یرغمال بنا لیا۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عرب دنیا کے انتہائی سیکولر، تعلیم یافتہ اور روشن خیال افراد بنیاد پرست مسلمان سید قطب اور حسن البنا کے سحر کا نشانہ بن جائیں گے۔ اگر 1960ء کے عشرے میں فلسطین کی تحریک عوام کی آزادی کی پکار تھی تو 40 سال بعد یہ اسلام کے بین الاقوامی کاز کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ بجائے

اس کے کہ اسلام پسند اسرائیلی قبضہ ختم کرانے کے لئے مزاحمتی تحریک چلاتے انہوں نے یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی تحریک شروع کردی۔ 1960ء کی دہائی میں فلسطین کے ترقی پسند اور سیکولر حلقوں میں صیہونیت کے خلاف جذبات کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسرائیلی قبضے پر گہری تلخی پائی جاتی تھی لیکن میں نے کبھی یہودیوں کے خلاف غیر مہذب الفاظ نہیں سنے تھے۔ دوسری طرف اسلام پسندوں کا لب و لہجہ نفرت اور منافرت سے کبھی پاک نہیں رہا۔

ایک دیمک کی طرح جتنی مرتبہ بھی فلسطین کو چاٹا گیا، اس کا حجم سکڑتا گیا ہے۔ اگر یہ رجحان جاری رہتا ہے تو فلسطین ممکنہ ریاست بننے کی بجائے دہکتا اور لرزتا ہوا بنتستان (Bantustan) بن جائے گا۔ ہم ایک ریاست کے خواب کو تحفظات میں بدلنے کے خطرے سے دو چار ہیں جہاں مستقبل کے سیاح تاریخی دیہات کا دورہ کر کے فلسطینی کشیدہ کاری اور دستکاری کی تعریف کریں گے اور ''رابکا'' میں نوجوان مرد اور عورتیں رقص کر کے انہیں محظوظ کریں گی، اسلام پسند جیت جائیں گے اور فلسطینی ہار سکتے ہیں........... ہمیشہ کے لئے۔

ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیئے، اسرائیلی قبضہ ختم کرنے کے لئے آج فلسطینی مرد و خواتین کو چاہیئے کہ وہ آزادی کی تحریک اسلام پسندوں اور ان کے ایرانی حامیوں سے واپس اپنے ہاتھ میں لے لیں، کیونکہ فلسطینی مزاحمت اگر اسلامی جدوجہد سے بڑھ کر کچھ نہیں تو پھر فلسطینی ریاست کی کوئی ضرورت نہیں۔ بنیاد پرست صیہونی دلیل دیتے ہیں کہ جب دنیا بھر میں درجنوں اسلامی ممالک موجود ہیں تو پھر ایک اور ملک کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر یہ معاملہ اسلام کے تیسرے مقدس ترین مقام مسجد اقصیٰ کا ہے جہاں سے مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق حضرت محمدؐ آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے (معراج شریف) تو ہم مسجد تک مسلمانوں کی بآسانی رسائی کی ضمانت دینے کو تیار ہیں۔ اگر فلسطین محض ایک اسلامی ریاست قائم کرنے کی جدوجہد ہے تو اس کاز کو اسلامی دنیا سے باہر کبھی پذیرائی نہیں ملے گی۔

مکہ اور مدینہ پر قابض سعودی عرب یروشلم یا القدس کی ''آزادی'' سے قبل اپنی

سرزمین پر فلسطینیوں سے سلوک بہتر بنائے اور ان کی عزت نفس کا احترام کرے۔ ایران اسرائیل کو بین الاقوامی قوانین اور فلسطین کی آزادی کا لیکچر دینے سے پہلے اپنے شہریوں کے انسانی حقوق کا احترام کرنا سیکھے۔ سعودی عرب اور ایران جیسے دوستوں کی موجودگی میں فلسطینیوں کو شاید ہی دشمنوں کی ضرورت ہوگی۔

لیلیٰ خالد نے اپنی زندگی اس لئے خطرے میں نہیں ڈالی تھی کہ فلسطینی خواتین کو ٹی وی پر خبریں پڑھتے ہوئے حجاب نہ اوڑھنے پر جان سے مارنے کی دھمکیاں دی جائیں۔ جارج حبش اور نائف حواتمے نے اس فلسطین کے لئے اپنی جانیں قربان نہیں کی تھیں جہاں شرعی قوانین نافذ کئے جائیں۔ رام اللہ، بیت الحم اور یروشلم کے عیسائیوں نے فلسطین کے لئے اس لئے جدوجہد نہیں کی کہ انہیں بتایا جائے کہ مستقبل کی اسلامی ریاست میں انکی حیثیت ''ذمی'' جیسی ہوگی۔ اور کیا ایڈورڈ سعید جیسے دانشور اور کارکن جو فلسطین کے قیام کی توانا آواز تھے شرعی قانون کے زیر سایہ زندہ رہنا پسند کرتے؟ ایڈورڈ سعید کے نام پر فلسطینیوں کو اپنا اسلام پسند کاز ترک کر دینا چاہیئے۔

جب راک بینڈ The Teardrop Explodes نے 1980ء کے عشرے میں محبت کا گیت ''Just Like Leilakhalid said'' تیار کیا تو ان کے پیش نظر وہ فلسطین نہیں تھا جہاں حماس کے وزیر تعلیم نے فوک داستانوں کی ایک کتاب کو محض اس لئے ممنوع قرار دے دیا کیونکہ اس میں محبت کے ''غیر اسلامی'' حوالے دیئے گئے تھے۔

سوینڈر اینسن کینیڈا کے پہلے رکن پارلیمنٹ تھے جنہوں نے ہم جنس پرست ہونے کا اعتراف کیا وہ کینیڈین سیاستدانوں میں سے بھی فلسطین کے حامیوں کی معتبر ترین آواز تھے۔ ان کے ذہن کو اس وقت کتنا جھٹکا لگا ہوگا جب حماس کے وزیر خارجہ محمود ظاہر کو سی این این کو انٹرویو میں یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ ہم جنس پرست مرد و خواتین گمراہ لوگ اور ذہنی و اخلاقی طور پر بیمار ہیں۔ ظاہر نے کہا کہ فلسطین کو ایک ''اسلامی'' معاشرے کی ضرورت ہے کیونکہ ایک سیکولر نظام ہم جنس پرستی، بدعنوانی اور ایڈز جیسی قدرتی مدافعت کے نقصان کے پھیلاؤ کا باعث بنتا ہے۔ انہوں نے انٹرویو میں مردوں اور خواتین کے رقص کی بھی مذمت کی۔

MashalBooks.org

یہ شمالی امریکہ کے فلسطینی کاز کے سب سے جذباتی وکیل کے منہ پر کیسا طمانچہ تھا۔ ایک بار رام اللہ کے قریب جب سوینڈ رابنسن اسرائیلی فوجی کے ساتھ الجھ رہے تھے تو میں نے ان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ فلسطین کے ہم جنس پرست بڑی تعداد میں اسرائیل کے اندر پناہ لے رہے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ فلسطینی معاشرے میں ہم جنس پرست افراد (Gays) کے خلاف قانونی کارروائی کا پڑھ کر بہت افسردہ ہیں لیکن انہیں امید ہے کہ اچھی سوچ چھائے گی، انہوں نے کہا کہ ''کوئی انسانی حقوق کا تقاضا کر کے کسی اقلیت کے ساتھ مخاصمانہ سلوک نہیں کرسکتا۔ یہ فلسطین کے لئے ایک افسوسناک دن ہوگا لیکن ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ مغرب تک میں ''گے'' حقوق کی قبولیت میں کئی عشرے لگے ایک بار فلسطین کو آزادی اور خودمختاری دے کر دیکھیں، مجھے یقین ہے کہ یہ عرب معاشرے کا سب سے روشن خیال ملک بن کر ابھرے گا۔''

آج ماضی سے کہیں زیادہ فلسطینیوں کو چاہئے کہ وہ اسلام پسندوں کو گہرے شکوک کے ساتھ دیکھیں، بالخصوص مارکسسٹ حلقوں کے وہ لوگ جنہوں نے اسلام پسندوں کے بقول ''بزرگ شیطان'' کے قلب میں بیٹھ کر اسلام پسند حماس تحریک کی حمایت کی۔ حالانکہ یہ لوگ امریکہ میں اپنی رہائش اور آسانیاں ترک کرنے پر تیار نہیں۔ کسی کاز کے متلاشی بدقسمت بائیں بازو والوں کو فلسطینی تحریک کو دھندلا کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ وہ لوگ جو فلسطین سے محبت کرنے سے زیادہ اسرائیل سے نفرت کرتے ہیں مسئلے کے حل کا حصہ نہیں ہو سکتے۔ جب سامراجیت کے یہ متمول مخالفین فلسطین سے ہمدردی جتاتے ہیں تو اس کے پیچھے کسی عزم کا عمل دخل نہیں بلکہ محض بناوٹ ہوتی ہے۔

حماس کے قرون وسطیٰ دور جیسے اقدامات کی مذمت کرنے کی بجائے فلسطین میں بائیں بازو کے دھڑے اسلام پسندوں پر تنقید کرنے والوں کو صیہونیت کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں۔ ان عناصر کو اپنے فلسطینی بھائیوں کی آواز پر کان دھرنے چاہئیں جو حماس اور اخوان المسلمون کے غزہ اور مغربی کنارے میں ایجنڈے کی حمایت نہیں کرتے، اس کے لئے وہ تحریک مزاحمت کے نمایاں رہنماؤں کو بخشنے پر بھی تیار نہیں۔

فلسطینی شاعر محمود درویش اپنی قوم کی جدوجہد کی علامت ہیں لیکن اس کے باوجود اسلام پسند اور ان کے حامی مارکسسٹ انہیں بھی نہیں بخشتے، ان پر بھی طعن وتشنیع کے تیر

MashalBooks.org

برسائے گئے۔ کیچڑ اچھالا گیا، محض اس لئے کہ انہوں نے ایک قوم پرست سیکولر رہنے کی گستاخی کی اور حماس سمیت دیگر اسلام پسند گروپوں کی مخالفت کی۔

بائیں بازو کے فلسطینیوں کے جو حماس کے امریکہ میں ترجمان بن گئے ہیں سرخیل، کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر جوزف مساعد ہیں۔ وہ محمود درویش کی مخالفانہ مہم کے قائد ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ درویش کی صدر محمود عباس کے ساتھ وفاداریاں مخلصانہ نہیں، محمود درویش کا مذاق اڑاتے ہوئے امریکی پروفیسر لکھتے ہیں:

> ''محمود درویش کی سعودی اخبار ''الحیات'' کے صفحہ اول پر بغاوت (حماس حکومت کی صدر محمود عباس کے ہاتھوں برطرفی) کی حمایت میں نظم شاید ان ماہانہ چیکوں کا نتیجہ ہے جو وہ ہر ماہ فتح کے زیر کنٹرول فلسطینی اتھارٹی سے وصول کرتے ہیں اور اس ''کارخیر'' میں وہ تنہا نہیں............ وہ سیکولر عناصر جو آمروں اور سامراجیوں کے حامی ہیں کو اپنی پرآسائش زندگی سے دلچسپی ہے جو الفتح غداری، بدعنوانی اور چوری سے فلسطینی قوم کے خزانے سے حاصل کر کے اپنے رہنماؤں اور دانشوروں کو عیاشی کراتی ہے۔''

امریکہ کے ایک اور عرب استاد اسعد ابوخلیل جو کیلی فورنیا یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں کا بھی دعویٰ ہے کہ محمود درویش اپنا سودا کر چکے ہیں۔ اپنے بلاگ میں وہ طنزیہ انداز میں کہتے ہیں: ''(اسرائیل اور فلسطین کے درمیان معاہدہ) اوسلو پر محمود درویش کا موقف اس وقت مزید واضح ہو گیا جب مرحوم یاسر عرفات نے انہیں رام اللہ میں ایک گھر خرید کر دیا اور ان درویش سے) اپنی سخاوت میں اضافہ کر دیا۔ مجھے تو لگتا ہے کہ محمود درویش کسی بھی روز اسرائیلی وزیراعظم (ایہود اولمرٹ) کو صیہونیت کے ہیرو (Knight) کا خطاب دے دیں گے۔'' ابوخلیل نے بری طرح جل کر کہا کہ درویش کی حالیہ نظم جو حیفہ میں پڑھی گئی کو ترجمہ کر کے ایسا پڑھنا چاہئے............''میں نوبیل ایوارڈ چاہتا ہوں، پلیز مجھے نوبیل دے دیں، میں واقعی نوبیل چاہتا ہوں، براہ کرم یہ فوراً مجھے دے دیں'' اگر آپ مجھے نوبیل انعام دے دیں گے تو میں بار بار یہ گنگناتا رہا ہوں گا کہ عربوں کو اسرائیل کے جوہری ہتھیاروں سے محبت ہے۔''

MashalBooks.org

جب امریکہ میں فلسطینی اساتذہ (دانشور) محمود درویش کا تمسخر اڑاتے ہیں تو وہ اور کچھ نہیں محض اپنی گستاخانہ خود ساختہ پاکیزگی کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں، اسلام پسندوں اور مارکسسٹوں کا گٹھ جوڑ کسی بدنما عفریت کو ہی جنم دے سکتا ہے۔ یہ لوگ اس درویش کی قربانیوں سے موازنہ کرنے کے لئے اپنی مراعات ترک کرنے کی جرأت نہیں کریں گے جو بقول حسین ابش (امریکن ٹاسک فورس برائے فلسطین والے) رام اللہ کے مشکل حالات میں بھی سینہ سپر ہیں حالانکہ وہ چاہتے تو نیویارک یا کیلی فورنیا میں محفوظ اور آرام دہ زندگی بسر کر سکتے تھے۔

امریکہ میں فلسطینی کاز کے بہت بڑے ترجمان حسین ابش امریکہ میں حماس کے حامیوں کی کڑی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''درویش پر یہ رکیک اور سوقیانہ حملے اس فلسطینی سیاست کی اپروچ کو ظاہر کرتے ہیں جو حماس کا دفاع کرنے والے بائیں بازو اور سیکولر عناصر نے قائم کر رکھی ہے۔ یہ لوگ فلسطینیوں اور عربوں اور ان کے حامیوں کی غدار، جسم فروش، دشمن کا ایجنٹ اور سازشی جیسے سخت ترین الفاظ سے مذمت کرتے ہیں۔ یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ یہ الزامات بعض تناظر میں تشدد کے لئے اشتعال دلانے کا باعث بنتے ہیں۔''

ہاں کچھ دیگر بہادر لوگ حماس اور فلسطین میں اسلام پسندوں کے ایجنڈے کی مذمت کرنے کے لئے بھی آگے آئے ہیں، شام کے شاعر آدونس بھی عرب دنیا اور فلسطین میں بڑھتی ہوئی سیاسی اسلامائزیشن کے خلاف دانشوروں کی مہم میں شریک ہیں۔ مارچ 2006ء کو انہوں نے دبئی ٹی وی سے ایک انٹرویو میں عرب سوسائٹی اور مذہب کو ریاست میں گڈ مڈ کرنے کے بارے میں گہرائی سے جائزہ لیا ہے۔

جب ان سے فلسطین میں جمہوریت جس کے نتیجے میں حماس کو حکومت ملی کے بارے میں تاثرات پوچھے گئے تو آدونس نے کہا کہ وہ اس کی حمایت کرتے ہیں لیکن چاہے حماس کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو میں مذہب کی بنیاد پر کسی بھی ریاست کے قیام کا مخالف ہوں۔ انٹرویو کرنے والے نے سوال کیا کہ اگر مذہب اور سیاست کو ملانے والے فلسطین کو

آزاد کرا لیں تب بھی آپ اس کی مخالفت کریں گے؟ تو انہوں نے کہا، بالکل! کیونکہ ایسی صورت میں میرا یہ فرض ہوگا کہ میں اس مذہبی ریاست کے خلاف لڑوں۔ جون 2007ء میں غزہ کا اقتدار سنبھالنے سے بہت عرصہ قبل حماس ملیشیا نے فتح سے تعلق رکھنے والے زخمی مسلح افراد کو ہلاک کر کے جنگی جرائم کا ارتکاب کیا، جس مذہبی ریاست کے وجود کے بارے میں آدونس نے 2006ء میں خوف کا اظہار کیا تھا وہ 2007ء میں معرض وجود میں آ گئی۔

آدونس نے تو شاید دبئی ٹی وی سے انٹرویو میں اپنے خیالات کے اظہار کی جرأت کی تھی لیکن شمالی امریکہ اور یورپ میں معدودے چند نے ان کی حمایت کی، اس کے برعکس انہوں نے ان کے خاص عربوں میں سے ''کمیونٹی سے وفاداری'' کا راستہ اختیار کیا جو اسلام پسندوں کو تو کھلی چھٹی دیتا ہے لیکن آدونس کی سوچ کا خون کرتا ہے۔ ٹی وی انٹرویو میں اس شامی شاعر نے عرب دنیا کی ایک تاریک تصویر بھی پیش کی اور کہا کہ عرب اب صفحہ ہستی سے مٹنے کے مرحلے میں ہیں۔ اس تناظر میں کہ اب دنیا میں ان کی کوئی تخلیقی فکر کی موجودگی نہیں ہے۔

جب انٹرویو کرنے والے نے بات کاٹنے کی کوشش کی اور کہا کہ آپ کے خیالات انتہائی خطرناک ہیں تو انہوں نے پہلے سے بھی بڑھ کر سخت پیش گوئی کی: ''معاف کیجئے! مسلمان آج مذہب کی قبول شدہ تشریح کے ساتھ سب سے پہلے خود اسلام کو تباہ کریں گے، جبکہ وہ لوگ جنہیں ملحد مشرک اور کافر کہا جاتا ہے، وہ اسلام کے اندر توانائی (Vitality) پر یقین کریں گے جس سے نئی زندگی مل سکتی ہے، یہ کافر مسلمانوں سے زیادہ اسلام کی خدمت کرتے ہیں۔''

آدونیس جیسے دانشوروں کا ایسے خیالات پر اسلام پسند فوراً تمسخر اڑاتے ہیں، پھر بدترین اور غیر متعلقہ انداز میں انہیں اسلام دشمن اور مرتد قرار دے دیا جاتا ہے۔ ایک منظّم کوشش کے تحت لبرل سیکولر مسلمانوں کو امریکہ کا ایجنٹ کہا جاتا ہے جو امت مسلمہ کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ سماجی دباؤ کے علاوہ یقیناً اب انہیں قتل کی دھمکیاں بھی دی جاتی ہیں۔

کیا شریعت کے ان بالشویکوں نے فلسطین میں بنیاد پرست تحریک کی جڑوں (Origins) کے بارے میں نہیں پڑھا؟

اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کے سابق افسر وکٹر آسٹروفسکی جو'' The other side

MashalBooks.org

of Deception'' کے عنوان سے کتاب کے مصنف ہیں نے اس الزام کا جواب دیا ہے کہ کس طرح فلسطین لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کی تحریک آزادی کو نقصان پہنچانے کے لئے اسرائیل نے اسلامی بنیاد پرستی کے شدت پرست عناصر کی حمایت کی جو خطے میں موساد کے جنرل پلان کے حق میں تھی۔ بنیاد پرستوں کے ہاتھوں میں چلنے والی عرب دنیا مغرب سے مذاکرات میں شامل نہیں ہوسکتی، اس طرح خطے میں صرف اسرائیل ہی جمہوری اور عقلی دلائل کا حامل ملک باقی رہ جاتا ہے اور اگر موساد اس بات کا اہتمام کرے کہ حماس............ فلسطینی سڑکوں کا کنٹرول پی ایل او سے لے لے تو یہ تصویر مکمل ہو جاتی ہے۔''

ایسا دعویٰ صرف وکٹر آسٹروفسکی نے نہیں کیا بلکہ برزیت یونیورسٹی (Bir Zeit Universty) کے زیاد ابو عمرو نے بھی لکھا ہے کہ کس طرح حماس اور اخوان المسلمون والے پی ایل او کو یونیورسٹی کیمپوں میں نیچا دکھانے کے لئے اچانک نمودار ہو گئے۔ جب پی ایل او نے اسلامی بنیاد پرستوں سے مذاکرات کی کوشش کی تو ''اخوان المسلمون کی قیادت نے فتح پر زور دیا کہ وہ اپنی صفوں سے مارکسسٹ عناصر کو نکال باہر کرے اور سیکولر ازم کے خطرے کو پہچاننے اور اسلامی گروپوں سے قریبی تعاون کرے۔''

1980ء کے عشرے میں یروشلم میں امریکی قونصلیٹ میں تعینات رہنے والے فلپ ولکوکس نے مصنف رابرٹ ڈریفس سے انٹرویو میں کہا: ''ایسی ٹھوس افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ اسرائیلی سیکرٹ ایجنٹوں نے حماس کو درپردہ تعاون فراہم کیا کیونکہ انہیں پی ایل او کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔

پی ایل او اور فتح اس گٹھ جوڑ سے باخبر تھے، پی ایل او کے رہنما یاسر عرفات نے حماس کے لیڈر شیخ یاسین پر الزام لگایا کہ انہوں نے مخالف عرب حکومتوں کی براہ راست حمایت کے ساتھ اسرائیلی قبضے کے حوالے سے خفیہ معاہدہ کیا۔ انہوں نے 2001ء میں اطالوی اخبار ''Corriere Della Sera'' سے انٹرویو میں کہا: ''حماس اسرائیل کی پیداوار ہے، جس نے وزیراعظم شمیر کے دور میں انہیں پیسہ اور سکولوں، یونیورسٹیوں اور مساجد سمیت 700 اداروں کا کنٹرول دیا۔'' عرفات نے مزید کہا کہ: ''اسرائیلی وزیراعظم آئزک رابن نے حماس کے لئے اسرائیلی حمایت کا خود میرے سامنے اعتراف کیا اور اس وقت مصر کے صدر حسنی مبارک بھی وہاں موجود تھے۔'' یاسر عرفات کہتے ہیں کہ آئزک رابن نے اسرائیل

MashalBooks.org

کے اس اقدام کو ''مہلک غلطی'' قرار دیا تھا۔

اسرائیل نے صرف اسلام پسندوں کی پرورش میں ہی کردار ادا نہیں کیا بلکہ اس نے فلسطین کی ہر اس سیکولر اور جمہوری قیادت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جو ریاست اسرائیل کے وجود کے حامی تھے، یہ لوگ یہودی ریاست کے ساتھ دوستی نہیں تو کم از کم امن کے حامی تھے جب اسرائیل یہ شکوہ کرتا ہے کہ اسے امن کا کوئی پارٹنر دستیاب نہیں تو وہ جھوٹ کہتا ہے۔ معاہدہ اوسلو پر عمل درآمد کے لئے اسرائیل کو 10 سال ملے لیکن اس دوران اس نے ساری توجہ یہودی بستیاں تعمیر کرنے، یاسر عرفات کو رام اللہ میں ان کے گھر پر محصور رکھنے اور فتح کے رہنما مردان برغوتی کو جیل میں قید کرنے پر مرکوز رکھی، آخر اسرائیل اس خلا کو کس کے ذریعے پر کرنا چاہتا ہے؟ کیا گاندھی سے؟

اسرائیل کی ہٹ دھرمی نے 10 سال کا عرصہ اور ہر طرف سے خیر سگالی کا جذبہ ضائع کر دیا۔ کینیڈین عرب فیڈریشن کے سابق ایگزیکٹو ڈائریکٹر جہاد علی جو فتح کے حامی ہیں اور جو مقبوضہ مغربی کنارے میں پیدا ہوئے تھے نے مجھے بتایا کہ: ''ایک عرب ضرب المثل ہے کہ تہی دامن کسی کو کچھ نہیں دے سکتا، معاہدہ اوسلو سے قبل میں جو فلسطینی کی حیثیت سے ہیبرون میں رہ رہا تھا اور مغربی کنارے میں کہیں بھی آ جا سکتا تھا، یروشلم، ناظرہ اور غزہ بھی جا سکتا تھا، لیکن معاہدہ اوسلو کے نتیجے میں غزہ آج ٹورانٹو سے بھی زیادہ ہیبرون سے دور ہو چکا ہے۔ حالانکہ دونوں کے درمیان صرف 50 میل کا فاصلہ ہے۔ اب کوئی یروشلم نہیں جا سکتا، کیا آپ اب فلسطینیوں کو ایک ریاست کے حل کے مطالبے پر مورد الزام ٹھہرا سکتے ہیں؟

آج فلسطین پہلے سے کہیں زیادہ کمزور ہے۔ فلسطین کو آزاد کرانے کی ان کی صلاحیت اس روز مر گئی تھی جب انہیں غیر مسلح کر کے لبنان بدر کر دیا گیا اور انہیں تیونس، سوڈان اور خدا جانے کہاں، کہاں کے دور افتادہ کیمپوں میں بکھیر دیا گیا۔

جب فلسطینی نوجوان رو رہے تھے اور ان کے حامیوں کے دل مایوسی میں ڈوب گئے تو عرب ریاستیں محض تماشہ دیکھ رہی تھیں، تب ایک دن میں نے جدہ کے اخبار ''عرب نیوز'' میں پڑھا کہ پی ایل او کا ایک جنگجو سوڈان میں ایک بندر کے حملے میں بے بسی کی موت مارا گیا ہے۔ میرا جی چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں، ہمیں اپنی

MashalBooks.org

صفوں کے اندر اور باہر دونوں طرف سے شکست دی گئی، وہ جنگجو جس نے اپنی ساری زندگی ایک جنگ لڑنے میں گزاری تھی کا آتشیں اسلحہ ضبط کر کے اسے ایک خون آشام بندر کے مقابلے میں اپنا دفاع کرنے کے بھی قابل نہ چھوڑا گیا۔

فلسطینیوں کو حماس اور اسکے اسلام پسند ایجنڈے کی حمایت کے مضمرات سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو وہ اپنی ریاست کی قربانی دے کر خطے میں ایران کے جیو پولیٹیکل مفادات کی خدمت کریں گے۔ فلسطینیوں کو مصر کے مارکسسٹ سمیر امین کی آواز پر کان دھرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے اسلام پسند جماعتوں کو ایسی تنظیمیں قرار دیا تھا جن کا مقصد ریاستی طاقت فتح کرنا ہے، اس سے کم اور اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

سمیر امین نے کہا تھا کہ ''ان جماعتوں کا اسلامی لبادہ اوڑھنا سادہ اور صاف الفاظ میں موقع پرستی ہے۔'' انہوں نے واضح کیا تھا کہ ''سیاسی اسلام'' کوئی ''نظریہ آزادی'' نہیں، جس کا رشتہ لاطینی امریکہ سے جوڑا جاتا ہے بلکہ سیاسی اسلام تو نظریہ آزادی کا الٹ ہے، یہ جدوجہد کی بجائے اطاعت کرنے کی وکالت کرتا ہے، انہوں نے کہا کہ حماس جیسی تحریکیں جو سیاسی اسلام کی تشکیل کرتی ہیں، وہ مختصر پروگرام دینے سے انکار کرتی ہیں جو ایک روایتی سیاسی زندگی میں دستیاب ہوتا ہے۔ بجائے اس کے کہ یہ لوگ سماجی اور اقتصادی زندگی کے ٹھوس سوالات کا جواب دیں، سیاسی اسلام صرف ''اسلام مسئلے کا حل ہے'' کا کھوکھلا نعرہ بار بار بلند کرتا ہے۔

اس کے باوجود امید ابھی زندہ ہے۔ اس بات کا امکان موجود ہے کہ صدر محمود عباس اسرائیلی حکومت کے ساتھ با مقصد اور نتیجہ خیز مذاکرات میں کامیاب ہو جائیں۔ اسرائیل غائب نہیں ہوگا اور وہ لوگ جو ہمیں قائل کرتے ہیں کہ ''اللہ یہودیوں کو سمندر میں غرق کرنے میں ہماری مدد کرے گا'' جھوٹ بول رہے ہیں۔ اسرائیل نے فلسطینیوں کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا، اس نے 1948ء کے ''نکبہ'' میں ''عظیم تباہی'' کی بنیاد رکھی، لیکن اس کام میں اسرائیل تنہا نہیں، یہ سیاستدان نوری السعید کے عراقی تھے جنہوں نے جزیرہ رہوڈز میں خفیہ ڈیل کے بعد فلسطین بیچ ڈالا۔ یہ اردن کے شاہ عبداللہ تھے جو اسرائیلی وزیراعظم گولڈا مائیر کے ساتھ خفیہ ڈیل کی کوشش کرتے رہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ ہمارا تکبر اور

MashalBooks.org

خود ساختہ نیکوکاری تھی جس نے ہمارے رستے میں آنے والے ہر موقع سے ہمیں فائدہ اٹھانے سے روکا، ہر جنگ ہاری اور اسرائیلی چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تعلیم یافتہ، جمہوری سیکولر معاشرے کی تشکیل میں ناکام ہوئی۔ میں نے یہاں تمام اور بے مقصد حکمت عملی کا ذکر کیا ہے، تمام سے مراد بادشاہتیں اور ملا ہیں اور بے مقصد کا مطلب فلسطینی ہیں۔

شمالی امریکہ کے وہ لوگ جو ''ایک ریاست'' کا حل پیش کرتے ہیں اور اپنی سوچ کو بامعنی اور منصوبے کو سوچا سمجھا قرار دیتے ہیں یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کے موقف کو اسرائیل مشرق وسطیٰ کے نقشے سے یہودی ریاست کو مٹانے کی ایک اور درپردہ حکمتِ عملی تصور کرے گا، جو جنگ نہیں بلکہ ڈیموگرافکس سے تیار کی گئی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اسرائیل ''ون سٹیٹ'' کا حل کبھی قبول نہیں کرے گا۔ ایک طرف جہاں شمالی امریکہ (مراد ریاستہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا ہے) میں حماس کے یہ سپورٹر صدر محمود عباس کی مدد کرنے کی بجائے ان راہ میں ہر ممکن رکاوٹ کھڑی کرتے ہیں تو دوسری طرف عام فلسطینی کی زندگی مسلسل جہنم بنی ہوئی ہے، عربوں کے نزدیک اسرائیل شاید ایک شیطان ہی ہو گا لیکن تل ابیب کے چیلنج پر ہمارا جواب کیا ہو گا؟

فلسطینی جو چاہتے ہیں وہ دراصل بین الاقوامی قانون پر عمل درآمد ہے جو واضح طور پر اسرائیل سے مقبوضہ علاقوں میں اپنا قبضہ اور یہودی آبادیاں ختم کرنے کا تقاضا ہے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 242 اور 338 مستقبل کے امن معاہدے کی بنیاد فراہم کرتی ہیں لیکن جب تک ایران اور دیگر اسلام پسند مداخلت کرتے رہیں گے اس ضمن میں کوئی پیشرفت نہیں ہوسکتی، یہ کوئی مذہبی تنازعہ نہیں بلکہ یہ قوموں کے درمیان ایک چھوٹے سے خطہ اراضی پر مختلف موقف پر مشتمل اختلاف ہے۔ اس تنازعے میں مذہبی رنگ شامل کرنے سے فلسطینی موقف کمزور ہوا ہے۔ بالفرض اگر یہ تنازعہ دو الہامی صحیفوں کی بنیاد پر حل کرنا مقصود ہے تو تورات، اسرائیل کے لئے زمین کا اس سے زیادہ مضبوط کیس پیش کرتی ہے جتنا قرآن میں فلسطینیوں کا کوئی مقدمہ ہوسکتا ہے۔ دراصل الہامی صحیفوں پر انحصار کر کے حماس اور اس کے ایرانی اور اخوان المسلمون حامیوں نے احمقانہ طور پر اسرائیل کے 1967ء کی سرحدوں پر دعوے کی توثیق کی ہے بلکہ اس میں اب مغربی کنارہ بھی شامل ہو چکا ہے۔ فلسطین کے مقدمے کو اسرائیل کی محفوظ سرحدوں میں بقا پر سوال سے مزید پیچیدہ نہیں

MashalBooks.org

بنانا چاہیے، اسے اپنی تباہی کا مستقبل خوف لاحق نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بجائے فلسطینیوں اور ان کے حامیوں کو یہ پوچھنا چاہیے کہ اسرائیل خود کیا چاہتا ہے، وہ ہے تحفظ اور وقار جو فلسطینیوں کو بھی دینا ہوگا۔

اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے درمیان نظر انداز کئے گئے معاہدوں میں دسمبر 2003 کا جنیوا اکارڈ نمایاں ہے، یہ معاہدہ سابق اسرائیلی وزیر انصاف یوشی بیلن اور سابق فلسطینی وزیر اطلاعات یاسر عابد رابع کی مشترکہ کاوش تھی۔

دونوں اپنے اپنے ملک کی طرف سے بات چیت کے لئے نمائندہ مقرر کئے گئے تھے لیکن فروری 2001ء میں ایریل شیرون کے اسرائیلی وزیراعظم منتخب ہونے کے بعد دونوں نے غیر سرکاری طور پر رابطہ جاری رکھا۔ اس کا نتیجہ ایک تفصیلی معاہدے کی صورت میں نکلا جو یکم دسمبر 2003ء کو منظر عام پر لایا گیا، اس معاہدے کو سابق امریکی صدور جمی کارٹر، بل کلنٹن اور پولینڈ کے لیڈر لیک ویلیسا کی حمایت حاصل تھی۔ وہ معاملہ جس پر سیاستدان متفق نہ ہو سکے وہ سول سوسائٹی نے حل کر دکھایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسرائیل اور فلسطین میں گہرے اختلافات کے باوجود اور قابض اور محکوم کے درمیان غیر منصفانہ تعلقات کے باوجود، دونوں طرف ایسے لوگ موجود ہیں جو نفرت اور جنگ کو ختم کر کے امن کی خواہش کر سکتے ہیں۔ جنیوا معاہدے میں بیلن اور رابو دونوں نے اپنے خواب کی تعبیر پر آمادگی ظاہر کی ہے۔ اسرائیل میں ''تیع'' کی ناکامی سے امن کا کیمپ کمزور ہوا تو فتح کی کرپشن کے نتیجے میں اور غیر سنجیدگی کے نتیجے میں حماس مضبوط ہوئی، لیکن اس بات کو دونوں اطراف نے محسوس کیا کہ سمجھوتہ بہرحال ہونا چاہئے اور انہوں نے سمجھوتہ کیا۔

معاہدہ جنیوا کی منفرد بات یہ ہے کہ اس میں حتمی سرحدوں کی قبولیت یروشلم کا مسئلہ اور فلسطینی پناہ گزینوں کے مستقبل کے سوال جیسے سخت سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔ فلسطین کی طرف سے صدر محمود عباس نے خاموشی سے اس کی منظوری دیتے ہوئے یاسر عابد رابو کو اپنی غیر سرکاری حمایت سے نوازا، تاہم یوشی بیلن کو اسرائیل میں ایسی خوش قسمتی نصیب نہ ہوئی۔ اسرائیل کے سیلانی سیاسی منظر نامے میں محض چند سیاستدان ہی بیلن کے اتنے شاندار کام کی حمایت کو آگے بڑھے۔ آموس اوز اور چند دیگر اسرائیلی دانشوروں نے بیلن رابو دستاویز کی توثیق کی لیکن یہاں تک کہ رابو کی اپنی پارٹی لیبر پارٹی نے اس منصوبے کی

توثیق سے انکار کر دیا اور کہا کہ یوشی بیلن چھوٹے سیاستدان ہیں۔

اگر یہ معاہدہ نافذ العمل ہو جاتا تو اسرائیل مشرقی یروشلم پر فلسطینی حاکمیت تسلیم کرنے کی قربانی دینے پر مجبور ہو جاتا۔ اس سمجھوتے میں کہا گیا تھا کہ یروشلم کی نواحی یہودی آبادی اسرائیلی کنٹرول میں جبکہ عرب علاقے فلسطینی کنٹرول میں دیئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ فریقین نے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ اہل یروشلم جو فی الحال اسرائیل کے مستقل رہائشی سمجھے جاتے ہیں، فلسطینی اتھارٹی کو کنٹرول منتقل ہونے پر اس سٹیٹس سے محروم ہو جائیں گے۔ معاہدے کے تحت اسرائیل کو تسلیم کرنا کہ ٹیمپل ماؤنٹ کو ''مساجد کا ساحل'' کے نام سے پکارا جائے گا۔

اگر اسرائیلی مشرقی یروشلم کو فلسطین کا دارالحکومت تسلیم کرنے پر رضامند ہو جاتے تو انہیں اس کے بدلے فلسطینیوں سے بہت زیادہ رعایتیں ملنی تھیں، اس معاہدے میں فلسطینیوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اسرائیل کو واپسی کے اپنے حق سے دستبردار ہو کر صرف نئی فلسطینی ریاست میں رہیں گے۔ یہ بہت زیادہ رعایت تھی۔

معاہدے میں بیک وقت قابل قبول فلسطینی ریاست اور محفوظ سرحدوں کے ساتھ جائز اسرائیل کے قیام پر زور دیا گیا تھا۔ اس معاہدے میں بڑی تفصیل سے حد بندی کی گئی تھی اور زیتون کے ایک ایک درخت کو بھی نشان زدہ کیا گیا تھا، معاہدے کے تحت جہاں اسرائیل کو اکثر بستیاں مسمار کرنا تھیں وہاں اسے گرین لائن (1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد اسرائیل اور عربوں کے درمیان حد بندی) سے باہر اور مشرقی یروشلم میں یہودی علاقوں میں چند بستیاں برقرار رکھنے کا بھی حق ملتا، اس کے بدلے 1967ء سے پہلے کی زمین کے بدلے 1:1 کی شرح سے اسرائیل کو فلسطین کو متبادل اراضی فراہم کرنا تھا۔ پلان میں بڑی احتیاط سے ان بستیوں کی نشاندہی کی گئی تھی جنہیں مسمار کیا جانا تھا، ان میں گرین لائن اور یروشلم والی بستیاں بھی شامل تھیں۔

جیسا کہ ایک مبصر نے کہا کہ جنیوا پلان محض دیوانے کا خواب نہیں تھا۔ یہ تخیلاتی دنیا نہیں ٹھوس منصوبہ تھا، جس پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی اور دیوانگی کی حد تک احتیاط بھی۔

بدقسمتی سے جنیوا معاہدہ تنازعے کی سیاست کی نذر ہو گیا، دو سول سوسائٹیوں کی طرف سے اپنی قیادت کے لئے عملیت پر مبنی سیاست کا سبق فریقین کے سخت گیر عناصر نے

ضائع کر دیا اور انہوں نے تجاویز کے میرٹ پر غور کئے بغیر بیلن اور رابو کا تمسخر اڑا دیا۔ اسرائیلیوں اور فلسطینیوں کے لئے رکاوٹیں کافی اونچی تھیں۔ اگر فلسطینی عوام مسئلے کے پرامن حل کے لئے اپنے صدر (محمود عباس) کے پیچھے کھڑے ہو کر ان کا مینڈیٹ مستحکم نہیں کریں گے تو دنیا میں ایک ہی جگہ باقی ہو گی جہاں فلسطین کا نام ملے گا اور وہ ہے امریکی قصبہ ٹیکساس جہاں 2003 میں تباہ شادہ کولمبیا شٹل کے ٹکڑے گرے تھے اور اسرائیل کے لئے تو چیلنج اس سے بھی بڑھ کر ہے، اگر کئی جنگوں میں فتح یاب ہو کر بھی اسرائیلی مشرقی یروشلم کے بطور دارالحکومت آزاد اور قابل عمل فلسطینی ریاست کے قیام میں معاون ثابت نہیں ہو سکتا تو پھر اسے ہمیشہ ایک ایسے ملک کے طور پر جانا جائے گا جس نے ایک اور ملک اور قوم کو نگل لیا۔ اس سے جو دشمنی پیدا ہو گی وہ سینکڑوں نسلوں تک برقرار رہے گی اور مستقبل میں کسی موڑ پر عرب متحد ہونے کی صلاحیت دوبارہ حاصل کر لیں گے اور اپنی جیو پولیٹیکل حیثیت کا بہتر استعمال کر سکیں گے۔

شمالی امریکہ کے فلسطینی آج اس منفرد پوزیشن میں ہیں کہ وہ فلسطین کی بطور بنیادی انسانی حقوق اور تنازعے کے حل کے لئے بین الاقوامی قانون پر عمل درآمد کی بحث کی تیاری میں مدد کر سکیں۔ چیلنج صرف یہ ہے کہ اسرائیل کو فلسطینیوں کا خون چوسنے والے عفریت کے تصور کی مزاحمت کی جائے۔ کیونکہ یہ ہتھکنڈا جتنی بار استعمال کیا گیا ناکام ہوا۔ اس کی سب سے بدنام مثال 1999ء میں ہلیری کلنٹن کی موجودگی میں سوہا عرفات کا ٹی وی انٹرویو تھا (سوہا نے اسرائیل پر الزام لگایا کہ وہ فلسطینی ہوا اور پانی کو زہر آلود کر کے کینسر کا باعث بن رہا ہے، اس کے بعد ہلیری نے ان کا بوسہ لے لیا)۔ یہ رویہ نہیں چلے گا، اتنی سی بات سمجھنا کوئی راکٹ سائنس نہیں کہ امریکیوں کو قائل کرنے کا کوئی بھی پیغام اس لئے ناکام ہو جائے گا کہ اس پیغام میں امریکیوں کو بار بار یہ جتایا جائے کہ وہ اپنے فیصلے مرضی سے نہیں بلکہ صیہونی سازش کے زیر اثر کرتے ہیں۔ بالفرض محال اگر یہ سچ بھی ہے تو امریکیوں کو یہ کہنے سے کیا فائدہ ملے گا کہ اب جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہم آپ سے نفرت کرتے ہیں لیکن آپ کب ہماری مدد کرنا شروع کریں گے؟

امریکیوں کی خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتے ہوئے ان پر چلانے کا کوئی جواز نہیں، جب ڈیٹر بوان اور مشی گن میں ایک ہجوم ایران کے آیت اللہ حضرات

MashalBooks.org

سے یکجہتی کے طور پر حزب اللہ اور حماس کے پرچم اٹھائے ''مردہ باد امریکہ'' کے نعرے لگائے تو کوئی امریکی ان کی آواز نہیں سنے گا۔ یہ آزاد اور خودمختار فلسطین کے قیام کی نہیں بلکہ تباہی کی ترکیب ہے۔

فلسطینیوں کو سمجھنا ہو گا کہ وہ لوگ جو اسرائیلی شہریوں کے خلاف دہشتگردی کا دفاع کرتے ہیں بظاہر فلسطینی کاز کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں لیکن درحقیقت دہشتگردی کے نتائج اس کاز کو ناقابل تلافی نقصان پہنچاتے ہیں۔ 22 اکتوبر کو جب کینیڈین ٹی وی کے میزبان مائیکل کورن نے کینیڈین اسلامی کانگریس کے محمد المصری سے پوچھا کہ ''کیا اسرائیل میں صنف کے فرق سے قطع نظر 18 سال سے زائد عمر کا ہر فرد دہشتگردی کا جائز ہدف ہے؟ تو کینیڈین عالم دین نے فوراً کہا، جی ہاں! 3 سال بعد اسی نظریے کی پیروی کرتے ہوئے ایک نوجوان فلسطینی نے یروشلم میں ایک یہودی مدرسے میں گھس کر 8 طلباء کو قتل کر ڈالا۔ کیا اس حملہ آور نے کوئی مقصد حاصل کیا؟ نہیں کچھ نہیں اور گویا یہ بہیمانہ اقدام فلسطینی ریاست کی جدوجہد کو نقصان پہنچانے کے لئے کافی نہیں تھا کہ اس قتل عام پر حماس کے حامیوں نے جشن مناتے ہوئے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔

امریکہ میں مقیم امریکن ٹاسک فورس برائے فلسطین کے دو انتہائی معتبر اور قابل احترام فلسطینیوں زیاد اصافی اور حسین ابش نے ایک حکمت عملی تیار کی ہے جو فلسطینی کاز کے لئے مفید ہو سکتی ہے، لیکن جیسا کہ ابش کہتے ہیں:

> ''یقیناً فلسطینی امریکیوں اور ان کے اتحادیوں کو اس بات کا ادراک کرنا پڑے گا کہ ان کی روایتی سوچ ناکام ہو چکی ہے انہیں پتہ ہونا چاہئے کہ کسی مثبت پہلو سے مبرا الزام تراشی، مذمت اور تنقید کتنی کھوکھلی اور بے اثر ثابت ہوئی ہے۔ اندرونی بہتان طرازی اور باہمی طعن و تشنیع ایک دوسرے کو غدار اور بکاؤ مال کہنا کسی مثبت نتیجے کے لیے کوئی حکمت عملی نہیں۔''

کیا کہنے! ابش نے پیشنگوئی کی کہ حماس کے ساتھ رومانس ختم ہونا چاہیے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: حماس کے ہمدرد، لبرل اور لیفٹسٹ حلقوں کو حمایت ترک کر کے خود سے پوچھنا چاہئے کہ کیا وہ مشرق وسطیٰ میں ایک اور ملائیت کی پیدائش کی حمایت کر رہے ہیں؟ کیا

آزادی اسی کا نام ہے؟ پاکستان کے انقلابی شاعر فیض احمد فیض نے اپنی مشہور نظم ''طلوع آزادی'' میں ایک بار ایک اور اسلامی ملک کے جنم پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا:

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں

مجھے امید ہے کہ فیض کے لئے فلسطین کا جنم پاکستان سے زیادہ مایوس کن نہیں۔ فیض کے نزدیک فلسطین ایک ایسا کاز تھا جس کے لئے انہوں نے زندگی بھر کام کیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ان کی زندگی کے بہترین لمحات وہ تھے جب انہوں نے بیروت میں جریدے ''لوٹس'' کی ادارت کی اور فلسطینیوں کے درمیان وقت گزارا۔

شاید جنیوا معاہدہ اپنے آغاز پر ہی مردہ ہو گیا لیکن اس کی روح بدستور زندہ ہے اور انہیں امریکہ کے دو سابق صدور کلنٹن اور جمی کارٹر کی حمایت حاصل ہے۔ 40 سال قبل پہلی بار ایک فلسطین سے میری محبت کے بعد اب تک وہ میرے پہلو سے دور ہے اسے اسرائیل نے قید کر لیا۔ اسرائیل سے میں کہوں گا کہ تاش کے اس کھیل میں سارے پکے تمہارے پاس ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آنے والی نسلیں فلسطینی بچوں کے ساتھ امن کے ساتھ رہیں تو اپنا قبضہ فوراً ختم کر دو۔ میں یہ ایک ایسے شخص کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں جو فلسطین سے اپنی گہری محبت اور چاہت کے باوجود یہودیوں اور انسانی تہذیب کے فروغ میں ان کی بے انتہا کردار کا اتنا ہی معترف ہے اور ان کے محفوظ، ریاست اسرائیل کے حق کا حامی ہے۔

لیکن فلسطینی بھی ایک ریاست اور وقار کے مستحق ہیں انہیں ان کا ملک لوٹا دو۔ میری محبت آزاد کر دو تاکہ میں مرنے سے پہلے ایک بار اسے گلے لگا لوں۔ فلسطینی مرد و خواتین کو اسی طرح آزادی سے گھومنے پھرنے دو جیسے انبیاء کرام اس سرزمین پر چہل قدمی کرتے تھے۔ میں ہر اسرائیلی سے کہتا ہوں کہ وہ گیلیلی میں پیدا ہونے والے محمود درویش کی پکار پر کان دھرے۔ انہیں اس فلسطینی شاعر سے محبت کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس کی مزاحمت کی روح سے آشنا ہونا چاہئے کہ فلسطینی منظر سے غائب نہیں ہوں گے۔ یہاں میں ان کی شاعری کا ایک نمونہ پیش کر رہا ہوں جس سے ان کی محکوم قدم کی لافانی روح کا اظہار ہوتا ہے:

MashalBooks.org

سن لو!
میں ایک عرب ہوں
میرا شناختی کارڈ نمبر 50000 ہے
میرے 8 بچے ہیں
اور گرمیوں کے بعد نوواں اس دنیا میں آنے والا ہے
کیا تم غصہ کرو گے؟
سنو!
میں ایک عرب ہوں
میرا نام کسی شناخت کے بغیر ہے
اس ملک میں بیمار ہوں
جہاں کے لوگ غضب ناک ہیں

MashalBooks.org

MashalBooks.org

حصہ دوم

بنیاد

MashalBooks.org

MashalBooks.org

چھٹا باب

حضورؐ کی رحلت

اسلام انسانیت کو مذہبی ٹھیکیداروں کے شکنجے سے نکالنے کے لئے آیا تھا۔اس کے برعکس امن کا مذہب جنگ کا قیدی بن گیا اور یہ مذہب جس رہبانیت کا خاتمہ کرنے کے لئے آیا تھا اسی کے ہاتھوں یرغمال بن گیا۔مسلمان کو صدیوں سے دو اطراف سے بے وقوف بنایا گیا ہے۔لیڈر اور مُلّا ان سے جھوٹ بولتے رہے جن کے ہاتھوں میں فرضی طور پر جنت کی کنجیاں تھیں۔

دروغ آشنا مسلمانوں کو زبردستی نہ صرف اپنے عقیدے بلکہ قبل از اسلام تاریخ کے غلط حقائق بتائے گئے،ہمیں یہ پڑھایا جاتا رہا ہے کہ ہمارے مذہب نے غلامی کو ممنوع قرار دے دیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ 1400 سال سے ہم نے اسے ادارہ جاتی حیثیت دی ہے۔ہمیں بتایا گیا کہ ہمارے آباؤ اجداد نے عورتوں کو مساوی حقوق دیئے لیکن ہم اپنی ماؤں اور بیٹیوں سے انسانیت سوز سلوک کا دفاع کرتے ہیں۔بچپن سے پروان چڑھتے ہوئے ہمیں کہا گیا کہ خدا کی نظر میں تمام مسلمان برابر ہیں لیکن ہم نے دیکھا کہ ہم تو کسی انسان کی نظر میں بھی برابر نہیں۔ہمیں سکھایا گیا کہ جب ہم دوسرے ملکوں پر حملہ کرتے ہیں تو یہ ان ملکوں کی بہتری کے لئے ہوتا ہے لیکن جواب میں جب ہم پر چڑھائی کی جائے تو یہ غلط ہے۔مسلم تہذیب کی ان گنت شاندار کامیابیوں پر ہم سب فخر محسوس کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہر آنے والی نسل میں ہم بے شمار جھوٹوں سے گھنائے رہے جو ہمارے ذہنوں کے اندر اتارے گئے۔جب ایک جھوٹ ہزار سال تک چلتا رہے تو بدقسمتی سے اسے الہامی سچ کا درجہ مل جاتا ہے۔

MashalBooks.org

مسلمانوں پر پہلا تنازعہ ہمارے علماء نے حضرت محمدﷺ کی رحلت (632 عیسوی) کے فوراً بعد رونما ہونے والے واقعات کے حوالے سے مسلط کیا۔ تقریباً تمام اسلامی سکالروں بالخصوص معاصر دانشوروں نے کسی جھجک کے بغیر بار بار ہمیں یہ تاریخی واقعہ بتایا کہ اللہ کے رسولؐ کے انتقال کے بعد مسلم رہنماؤں (صحابہ کرامؓ) نے تمام رات مشاورت کے بعد خلیفۃ الرسول کا اتفاق رائے سے ''انتخاب'' کر لیا۔ مثال کے طور پر ابو الاعلیٰ مودودی (1903-1979) لکھتے ہیں کہ یہ حضرت عمرؓ تھے جنہوں نے ابوبکرؓ کا نام حضورؐ کے جانشین اور روحانی لیڈر کے طور پر پیش کیا اس کے بعد مدینہ کی پوری آبادی (جو تمام عملی مقاصد کے لئے پورے ملک کی نمائندہ تھی) نے کسی دباؤ یا لالچ کے بغیر محض ابوبکرؓ کے لئے اپنی محبت کے تحت ان کی بیعت کر لی۔ بعض مورخوں کے مطابق اس دور کی یہ تصویر صحیح نہیں ہے۔ اس کے باوجود چند مسلمان ہی حقیقت سے آگاہ ہوں گے یا اس پر بحث کرنا چاہیں گے۔ لیکن بہرحال میں تو کروں گا۔

اسلام کے کئی سکالروں نے مجھے تنبیہہ کی کہ میں حضورؐ کے صحابہؓ سے متعلق بحث کرنے سے گریز کروں کیونکہ اس موضوع پر لکھنا خطرے کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ سپاہ صحابہ جیسی دہشتگرد تنظیم بنی ہی اس مقصد کے لئے تھی کہ وہ لوگ جو صحابہ پر تنقید کرتے ہیں انہیں ٹھکانے لگایا جائے۔ اس گروہ نے پاکستان میں سینکڑوں مسلمانوں کو اس الزام پر ہلاک کر دیا کہ انہوں نے حضورؐ کے صحابہؓ کی توہین کی تھی۔

ایک اور بات کی جو بچپن سے ہمارے ذہنوں میں اتاری جاتی ہے وہ یہ روایت ہے کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد سرزمین عرب میں اہلیت اور آفاقیت کا ایک ایسا دور شروع ہوا جس میں مردوں اور عورتوں کے درجات کا تعین رنگ، نسل یا قبائلی پس منظر کی بجائے صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ میں پھر کہتا ہوں، یہ سچ نہیں۔ حضورؐ کے انتقال فرمانے کے چند گھنٹے کے اندر ہی قبائلیت انگڑائی لے کر جاگ اٹھی اور اقتدار پر قبضے اور مخالفین کو دبانے کے لئے نسلی تعلق کا سہارا لیا جانے لگا۔ یوں آج تک وہ نسل پرستی جو اسلام نے ممنوع قرار دی تھی اور جو قبل از اسلام معاشرے کا خاصہ تھی پوری دنیا میں اسلامی برادری کو اس کی تمام تاریخ کے دوران کینسر کی طرح لاحق رہی۔

اسلام پسند دلیل دیتے ہیں کہ حضرت محمدﷺ کی رحلت کے بعد شروع ہونے

MashalBooks.org

والا دور اسلام کا سنہری دور تھا اور ہم مسلمانوں کو آج کی دنیا میں رائج سیاسی نظام کی جگہ اسی زمانے کی خلافت کا از سرِ نو نفاذ کرنا چاہیئے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں برملا یہ کہوں کہ جب مسلمانوں نے حضورؐ کی تدفین کی تو اس کے ساتھ کئی ایسی آفاقی اقدار بھی دفن کر دی گئیں جن کی وہ تبلیغ فرماتے رہے۔ اسلام کی تاریخ کو بلاشبہ حصول اقتدار کی نہ ختم ہونے والی کشمکش کی تاریخ بھی قرار دیا جا سکتا ہے جس میں حضورﷺ کا جانشین ہونے کے دعوے کے لئے ایک دوسرے کو قتل کیا گیا۔ یہ کشمکش ایک ایسی دردناک داستان ہے جو نبی اکرمؐ کے ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرنے کے چند گھنٹے کے اندر شروع ہو گئی تھی۔ یہ سب کو بتانے کی ضرورت ہے، میرا یہ پختہ یقین ہے کہ تاریخی حقائق سے روشناس ہونے کے لئے قرآن کا پیغام بہت جامع ہے۔ یہ میرا فیصلہ ہے کہ مسلمان سچ کا سامنا کرنے کے لئے اپنی شناختوں میں محفوظ اور بالغ نظر ہیں اور یہ ہے وہ کہانی!

حضرت محمدﷺ نے جس وقت رحلت فرمائی اس وقت انسانی تاریخ بہت بڑی تبدیلی سے گزر رہی تھی۔ صرف خطہ عرب ہی ابھر کر سامنے آنے والی ریاست نہیں تھی۔ چین کچھ ہی عرصہ قبل 589 عیسوی میں متحد ہوا تھا اور اس کے بعد تانگ خاندان (618-907) کا اقتدار قائم ہوا جسے مورخ چینی تہذیب کا نقطۂ عروج قرار دیتے ہیں۔ یہ اسی چین کی تصویر تھی جس کے پیش نظر حضورﷺ نے فرمایا کہ ''علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین کیوں نہ جانا پڑے۔'' کئی سمندر پار ہندوستان میں گپتا خاندان کی سلطنت سائنس، ریاضی، علم فلکیات اور فلسفے کی بلندیوں تک پہنچ گئی تھی، ان لوگوں نے صفر (زیرو) کا تصور، لامحدودیت (Infinity) اور ایک سے 9 تک کے ہندسے ایجاد کر لئے۔ یہی اعداد بعد ازاں عربوں نے تجارت کے ذریعے ان سے سیکھے اور انہیں عرب اعداد کہا جانے لگا۔ یہ وہی اعداد ہیں جو ہندو ریاضی دانوں نے ایجاد کئے اور اسلامی دنیا میں قرآنی نسخوں کے ہر صفحے پر لکھے ہیں۔ یہ ایک عالمگیر (Globalized) دنیا تھی جس میں حضرت محمدﷺ جیسی بین الاقوامی ہستی نے قبائلیت سے مغلوب عربوں کو آگے بڑھایا۔

انسانی تہذیبوں کے اس دوراہے پر خطہ عرب اور مسلمانوں نے خود کو مستقبل سازی کے کردار میں ایک دوسرے کا ساجھے دار پایا۔ شمالی سرحدوں پر عربوں کو اس زمانے کی دو عظیم طاقتوں سلطنت ایران اور بازنطینی سلطنت کا سامنا تھا، اس دور میں جب

MashalBooks.org

حضرت محمدؐ ابھی جوان تھے اور اپنی اہلیہ حضرت خدیجہؓ کا سامان تجارت لے کر سفر کیا کرتے تھے، باز نطائن اور ایران کے درمیان 603ء عیسوی میں چھٹی جنگ چھڑ گئی۔ اس دور کی دونوں سپر پاورز مشرقی روما اور نئی سلطنت فارس کے درمیان مغربی ایشیا پر کنٹرول کی سرتوڑ کوششیں کر رہی تھیں، 627 میں جب حضرت محمدؐ جزیرہ نما عرب میں اپنے مخالفین کے خلاف فتوحات مستحکم کر رہے تھے بازنطینی شہنشاہ ہراقلیس نے ایرانی فوج کو شکست دے کر ایشیا مائنر، یروشلم اور مصر کا قبضہ دوبارہ حاصل کر لیا۔ ایران میں شہنشاہ، کیقباد دوم نے بازنطینوں کی طرف امن کا ہاتھ بڑھاتے ہوئے آرمینیا، بازنطینی میسوپوٹیمیا (عراق وقرب و جوار کا خطہ) شام، مصر اور فلسطین انہیں واپس کر دیئے۔ مغربی دشمن طاقتوں کے ساتھ مسلسل جنگوں سے کمزور ہونے والا ایران اس وقت مزید اندرونی خلفشار کا شکار ہو گیا جب 628ء عیسوی میں نئے ایرانی شہنشاہ خسرو پرویز دوم کو اس کے اپنے بیٹے نے قتل کر دیا۔ چند ہی عشروں میں صدیوں سے باہم برسر پیکار طاقتیں باز نطائن اور ایران تھک کر عرب کی ابھرتی ہوئی نئی طاقت سے شکست کھا گئیں۔

حضرت محمدﷺ نے 8 جون 632ء میں وفات پائی جس وقت آپؐ نے آخری سانس لی، اس وقت مدینہ میں سورج کی گرمی قیامت ڈھا رہی تھی۔ آپؐ نے کس جگہ داعی اجل کو لبیک کہا یہ بھی متنازعہ ہے تاہم ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ان کی گود میں سر رکھا تھا جبکہ آپؐ کے داماد، قابل اعتماد ساتھی، شاعر، فلسفی اور جنگجو علی ابن طالبؓ نے فرمایا کہ آخری وقت میں حضورؐ کا سر میرے کندھے پر تھا، بعض روایات کے مطابق دونوں شخصیات کا کہنا درست ہو سکتا ہے۔

لیکن حضرت محمدؐ کی زندگی کے آخری لمحات سے متعلق متضاد موقف کوئی ایسا اتفاق نہیں تھا جس کے تحت حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان محض 24 سال بعد عراقی شہر بصرہ میں اسلام کی پہلی سول وار ہونے والی تھی۔

حضورؐ نے انتقال سے پہلے ایسی کوئی واضح ہدایات نہیں چھوڑی تھیں کہ آپ کے بعد لوگوں کو کیا کرنا ہو گا، لہٰذا ان کے انتقال کے چند گھنٹے کے اندر ہی اقتدار کی ایک ایسی کشمکش شروع ہو گئی جو آج تک برقرار ہے اور ان 1400 سال کے دوران ان گنت مسلمانوں کی ہلاکت کا باعث بنی۔ حضورؐ کی رحلت کی شام جب مدینہ میں سورج غروب ہوا

MashalBooks.org

تو سوگ اور ملال کی جگہ بحث اور گہرے اختلافات نے لے لی۔ سیاست نے تقوی کی جگہ لے لی اور قبائلیت ایک بار پھر سر ابھار کر سامنے آ گئی۔

وہ حضرات جو مثالی کردار کے حامل تھے اور اپنے جذبہ خیر سگالی کے لئے مشہور تھے اور جو آج اکیسویں صدی میں بھی ایک ارب مسلمانوں کے نزدیک محترم ہیں، شیر خوار مسلم امہ کی قیادت کے حصول کے لئے خاندانی پس منظر ابھارنے میں مصروف تھے۔ پیغمبرؐ کے اس پیغام کے کہ ''بلاتفریق رنگ ونسل اور زبان تمام مسلمان برابر ہیں، کسی عربی کو کسی عجمی اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں'' کے بمشکل 2 ماہ بعد آپ کے پیروکار اپنی قبائلی جڑوں کی بنیاد پر لیڈر شپ کے دعوے کر رہے تھے اور مخالف کو صرف اس بنیاد پر مسترد کیا جا رہا تھا کہ اس کی پیدائش کسی اور جگہ پر ہوئی۔

آج مسلمان اپنی تاریخ کے اس تکلیف دہ پہلو پر بات کرنے میں نہایت حساس ہیں لیکن کچھ سر عام اس معاملے پر بحث کی جرأت کرتے ہیں۔ اگرچہ قرآن مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی خوف کو خاطر میں لائے بغیر سچ بولیں چاہے اس سے تمہیں یا تمہارے خاندان کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے لیکن حضورؐ کی رحلت کے بعد بلکہ ان کی تدفین سے بھی پہلے جانشینی کی جو جنگ شروع ہوئی اسے زیر بحث لانے کو ممنوع سمجھا جاتا ہے۔

جون 632ء کی گرمی میں رونما ہونے والے افسوسناک واقعات یرغمال بنائے گئے مذہبی جلوسوں کے سامنے تو وعظ کے طور پر بیان کئے جاتے ہیں لیکن کسی خوف یا سزا کے ڈر سے آزاد ہو کر کھلے عام زیر بحث نہیں لائے جاتے۔ اگر کوئی سخت سوالات کرے یا یہ کہنے کی جرأت کرے کہ ان واقعات سے صرف یہ سبق ملتا ہے کہ سیاست کو مذہب سے دور رکھا جائے، تو تذلیل اس کا مقدر ہوتی ہے اور عین ممکن ہے کہ سوال کرنے والے کے خلاف مرتد ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا جائے اور مرتد کی سزا موت ہے۔

حضرت محمد ﷺ یہ دیکھ لیتے تو ان پہ سکتہ طاری ہو جاتا کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے صحابہ نے اقتدار کے لئے جھگڑے شروع کر دیئے، تلواریں سونت لی گئیں، یہاں تک کہ ان کی پیاری صاحبزادی فاطمہؓ کا گھر نذر آتش کرنے کی دھمکی دی گئی۔ ان کے عزائم نیک ہوں گے، کردار مثالی ہوگا اور ان کی وابستگی بھی مشکوک نہیں وہ نوزائیدہ مذہب کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے اور اس کی سرحدوں کو اسلام کے دشمنوں سے بچانا چاہتے تھے لیکن ان کے

MashalBooks.org

طریقہ ہائے کار انتہائی ناقص تھے، ابتدائی دور کی اس داستان کے اثرات آج تک قائم ہیں اور اسلامی دنیا میں شاید ہی کسی خون خرابے کے بغیر اقتدار کی منتقلی ممکن ہوتی ہو۔

مسلمانوں کے لئے حکومت کا کوئی سیاسی نمونہ نہ چھوڑنے کے پیچھے شاید نبی اکرمؐ کی یہ سوچی سمجھی دانائی کارفرما تھی کہ ان کے پیروکار اپنے اپنے سماجی معاشی Socio-economic حالات کے تحت حکومتی نظام رائج کر لیں گے کیونکہ یہ پیغمبرؐ اسلام خود تھے جنہوں نے دستور مدینہ تیار کیا اور جو مدینہ شہر کے ریاستی امور چلانے کے قواعد تھے لیکن انہوں نے یہی دستور فتح مکہ کے بعد وہاں رائج نہیں کیا۔

اگر حضورﷺ کی زندگی میں 2 مختلف شہروں میں نظام حکومت کے نفاذ میں جغرافیے اور مقامی حالات کو مدنظر رکھا گیا تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کے مسلمان ایک ایسی اسلامی ریاست کا ماڈل کیوں تلاش کر رہے ہیں جس کی مثال ماضی میں موجود نہ ہو؟ اگر ایسا ماڈل موجود تھا تو آخر نبیؐ نے میثاق مدینہ کیونکر مکہ میں رائج نہیں کیا؟ کیا اسلامی ریاست کا تصور محض ایک سراب ہے؟ اور ہمیں اس کے پیچھے دوڑنے کو کہا جاتا ہے؟ جی ہاں، دونوں لحاظ سے ایسا ہی ہے۔

مسلمانوں پر کس طرح اور کون حکومت کرے؟ وہ سوالات تھے جنہوں نے حضورﷺ کے انتقال کے بعد مسلم برادری کو پریشان کئے رکھا۔ یہی سوالات آج بھی اس تصادم کو جنم دیتے ہیں جو مسلمان کو مسلمان کے سامنے لا کھڑا کرتے ہیں۔ تقریباً 1400 سال بعد بھی یہ مسئلہ بدستور حل طلب ہے۔

اب جبکہ مسلمان اسلام کے ابتدائی تنازعات کے حوالے سے پریشان ہوں گے لیکن چند لوگ بالخصوص اسلام پسند قیادت میں سے، اوائل دور کے مسلمانوں کے درمیان اختلافات کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ اختلافات اسلام کی ریاست نہیں بلکہ اسلامی ریاست کے لئے تھے۔ مبصرین میں اس بات پر کوئی اختلاف رائے نہیں کہ نئے مذہب کے اصول ہر گزرتے روز کے ساتھ ہزاروں افراد کو متاثر کر رہے تھے۔ صحابہ کرام میں تقریباً اس بات پر اتفاق پایا جاتا تھا کہ ''اطاعت'' کے لائق ذات صرف خدا ہے لیکن آپؐ کی رحلت کے چند گھنٹے بعد تمام انسانوں کے برابر ہونے کی قرآن کی برملا آواز بھلا دی گئی۔ متحارب دھڑے اقتدار کے لئے باہم دست و گریبان تھے۔ یوں انہوں نے جو مثال قائم کی اس پر

MashalBooks.org

آج بھی عرب دنیا میں عمل کیا جاتا ہے۔

یہ وہ موضوع ہے جس پر کھلے عام بحث کرنے یا اس کا بے لاگ تجزیہ کرنے پر چند ہی مسلمان تیار ہوں گے۔ ان تنازعات کو تاریخی حوالوں میں خاموش تناظر میں بیان کیا گیا ہے جہاں تنازعے کے ایک یا دوسرے فریق کو سربستہ المیوں کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔ صرف چند ہی مسلم مورخین نے اس قضیے کی وجوہات پر روشنی ڈالی ہے جو حضورؐ کے انتقال کے فوراً بعد مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوا تھا۔

ایسے ہی ایک عالم مرحوم ایرانی سکالر علی دشتی تھے۔ انہوں نے لکھا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں تنازعات کی وجہ یہ تھی کہ:

''مذہب کے لئے جذبے کی جگہ قیادت (اقتدار) کے عزائم نے لے لی تھی۔''

اسی ابتدائی دور کے حوالے سے دشتی نے اپنی کتاب ''23 سال'' میں بے لاگ اور کاٹ دار تجزیہ کیا لیکن اس کتاب پر شاہ ایران اور خمینی دونوں کے دور میں پابندی لگا دی گئی، مصنف کو قید کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پھر ملک بدر کر دیا گیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''اسلام کی تاریخ کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اقتدار کی ایسی کشمکش تھی جس میں شامل امیدواروں نے مذہب کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا...... اس طرح حضورؐ کی وفات کے بعد یہ روایت مضبوط ہوتی چلی گئی اور مذہب کو حکمرانی اور قیادت کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔''

آج مذہب کو سیاسی طاقت کے لئے ایک آلے کے طور پر استعمال کرنے کی مثالیں ہمیں سعودی عرب اور ایران دونوں میں نظر آتی ہیں۔ دونوں ملکوں میں عوام کی بالادستی کی بجائے اختیارات کو بادشاہ (سعودی عرب میں) اور سپریم لیڈر (ایران میں) کی ذات میں مرتکز کر دیا گیا ہے۔ ایران میں یہ ولایت فقیہہ بظاہر صرف خدا کو جواب دہ لیکن اصل میں وہ صرف خود کو جوابدہ ہے۔

آپؐ کو پتہ چل گیا تھا کہ اس دنیا میں آپؐ کے چند روز ہی باقی رہ گئے ہیں۔ وہ کچھ عرصے سے علیل تھے اور اپنے پیروکاروں کو اس وقت کے لئے تیار کر رہے تھے جب آپؐ دنیا میں نہیں ہوں گے۔ اس وقت کے مسلمانوں میں عرب کے قبائل، افریقہ کے آزاد کردہ غلام اور ایران، یمن اور حبشہ سے آنے والے تارکین وطن، اسلام کے زیرسایہ نئی نئی با اختیار ہونے والی خواتین، بے زمین اور ایسے غریب افراد تھے جن سے زندگی میں پہلی مرتبہ

MashalBooks.org

انصاف اور مساوات کا سلوک ہو رہا تھا۔ ان لوگوں نے غلامی، تقسیم اور توہم پرستی کے بت پاش پاش کر دیئے وہ ایک نیا جوش و جذبہ محسوس کر رہے تھے۔

انتقال سے 2 ماہ قبل آپؐ نے حج کے لئے مکہ کا آخری مرتبہ سفر کیا اور عازمین حج سے خطاب میں اپنے مقصد (دین) کی تکمیل کا اعلان کیا۔ آپ نے فرمایا: ''سنو لوگو! کیونکہ شاید میں اگلے سال اس مقام پر تمہارے درمیان موجود نہ ہوں۔'' یہ حضورؐ کی زندگی کے آخری الفاظ تو نہیں تھے لیکن ان کا آخری باضابطہ خطاب ضرور تھا۔ اس وقت سامنے ہزاروں افراد کا ہجوم دم سادھے کھڑا تھا۔ حضرت محمدؐ نے اس وقت جو الفاظ کہے وہ آج بھی مسلمانوں کی منفرد روح کے طور پر گونج رہے ہیں اور ان لوگوں کو بھی متاثر کرتے ہیں جو اسلام کو مذہب کی بجائے محض کلچر قرار دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''کسی پر جبر کرو نہ بے انصافی برداشت کرو۔'' اس طرح آپؐ نے ایک ایسی دنیا میں سماجی انصاف کی داغ بیل ڈال دی جہاں کروڑوں انسان عدم مساوات کو اپنا مقدر سمجھ رہے تھے۔ حضرت محمدؐ نے اعلان فرمایا کہ اللہ کی نظر میں تمام انسان بلاتفریق رنگ و نسل برابر ہیں: ''اے لوگو! تمہارا اللہ ایک ہے اور باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدم اور حوا کی اولاد ہو جو مٹی سے پیدا کئے گئے۔ اللہ کی نظر میں بڑا وہ حصہ جو متقی و پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ سمیع و بصیر ہے (القرآن: 49/3)

کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری نہیں، ماسوائے تقویٰ کے۔''

مساوات کی روح اور لسانی و نسلی برتری سے انکار کو حضورؐ پر پہلی وحی میں واضح کر دیا گیا تھا۔ ''اے بنی نوع انسان! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت (جوڑے) سے پیدا فرمایا، اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں بھی اس لئے تقسیم کیا کہ تم (آسانی سے) ایک دوسرے کو پہچان سکو (نہ کہ ایک دوسرے سے نفرت کرو) بے شک اللہ کی نظر میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور باخبر ہے۔

شمالی امریکہ اور یورپ میں نسل پرستی کی ممانعت اور کثیر الثقافت معاشرے کی بنیاد اور مساوات کا عمل بیسویں صدی میں شروع ہوا لیکن یہ پیغمبر اسلامؐ تھے جنہوں نے (1300 سال پہلے) ساتویں صدی میں ہی نسلی مساوات کے بیج بو دیئے تھے۔ حضرت محمدؐ کو اس معاشرے میں مبعوث فرمایا گیا تھا جہاں انسانی شناخت کا اولین زینہ نسل تھا اور مخالف

MashalBooks.org

نسل ہونے کا مطلب تھا کہ وہ شخص اگر غلام نہیں تو زندگی بھر کے لئے اچھوت ضرور قرار پائے گا۔ افسوس یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اور حضرت محمدؐ کی ان تعلیمات کو آپ کی رحلت کے چند گھنٹوں کے اندر ہی یکسر بھلا دیا گیا۔

اس دن میدان عرفات کو واپس آتے ہوئے آپؐ نے حجاج سے ایک مرتبہ پھر خطاب فرمایا اور حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے نازل ہونے والی آخری وحی کی تلاوت فرمائی۔ اس آیت نے قرآن کی تکمیل کر دی۔ وہ کتاب جس کے الفاظ نے انسانی تاریخ کا دھارا ہی بدل کر رکھ دیا اور ایک زمانے میں علم و عرفان کے چشمے پھوٹنے لگے لیکن آج محض اسلامی انتہا پسندی کے نظریات کو اس سے تقویت مل رہی ہے۔ یہ آخری وحی 23 سال پہلے شروع ہونے والے عمل کا اختتام تھا جب ایک روز فرشتوں کے سردار جبرئیلؑ نے حضرت محمدؐ کو غار میں مراقبے سے بیدار کیا اور کہا کہ ''اقراء'' پڑھو۔ یہی قرآن کا اولین لفظ تھا۔

اس کے بعد محمدؐ کی مشکلات اور کامیابیوں کا طویل سفر شروع ہو گیا۔ سکالروں نے حضرت محمدؐ کی طرف مذہب کی تکمیل کے بعد خلافت کے قیام کو دین میں اضافہ قرار دیا ہے۔ اس طرح سلاطین اور خلفا اسلام کے اوپر تہہ در تہہ اضافہ کرتے رہے حالانکہ اللہ نے محمدؐ پر آخری وحی میں کہا تھا کہ آج دین مکمل ہو گیا ہے۔اس طرح آج تک مسلمان اس قانون کے مطیع ہیں جس کا قرآن میں اللہ نے کبھی کوئی اختیار دیا نہ حضورؐ کی احادیث میں اس کا ذکر ہے۔

خواتین کی سنگساری، بادشاہت کا تصور، ولایت فقیہہ اور بے شمار دیگر تصورات عقیدہ اسلام میں ایک کے بعد دوسرا حکمران شامل کرتا رہا ہے اور سیاسی طاقت کے لئے مذہب کا نام استعمال کر کے امت کو اس اسلامی ریاست کے سبز باغ دکھائے گئے جو 1400 سال بعد بھی حقیقت بن کر سامنے نہیں کر سکی۔

اگر مسلمان یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ ہمارا سیاسی نظام آخر ناکام کیوں ہوا یا اسلام کے خلفائے راشدین کے رائج کردہ سیاسی فریم ورک کی طرف یہ نظام نافذ کرنے کا مطالبہ ایک ناکام ترکیب کیوں ثابت ہوئی تو پھر ہمیں 632 میں جو کچھ ہوا اس پر از سر غور کرنا چاہئے۔ اسلام پسند ساتویں صدی کی سیاسی مہم جوئی پر مبنی اسلامی سیاسی نظام متعارف کرانے کا مطالبہ کرتے ہیں، خونریزی کا باعث بننے والے نامکمل عمل کا تجزیہ کرنے کے خواہاں نہ یہ

MashalBooks.org

ماننے کو تیار ہیں کہ وہ خون خرابہ دراصل سیاسی عزائم کا نتیجہ تھا۔ اسلام کا پہلا حکمران خاندان اُمیہ اس وقت ابھرا جب پیغمبرؐ کے اپنے خاندان کا خون بہایا گیا (سانحہ کربلا) لیکن نسل در نسل کے بعد کے حالات میں مسلمان اس پہلو پر دوسری طرح غور کرتے ہیں۔ ابتدائی دور کے خلفا کو زیر بحث لانا توہین آمیز سمجھا جاتا ہے۔

اگر اسلام کے سنہری دور میں چاروں خلفائے راشدین کا متعارف کردہ سیاسی نظام ان میں سے تین کی شہادت کا باعث بنا، کئی خانہ جنگیں ہوئیں، تصادم کی گہری لہر اٹھی اور حضورؐ کے خاندان کے لوگ کربلا کے دشت میں بھوک پیاس کے دوران شہید کئے گئے تو پھر یقیناً آج یہ نظام کل کے لئے نمونہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس دور کی تاریخ اگر مسلمان اپنانا چاہتے ہیں تو وہ صرف حضرت محمدؐ کے صحابہؓ کا ذاتی کردار ہے۔ ان کے دور کے اخلاقی اصول ان کی شفاف زندگی اور تصنع و بناوٹ سے بیزاری آج کے کئی مسلمان رہنماؤں کو شرم دلانے کے لئے کافی ہے۔ ان کی سچائی اور عاجزی مسلمانوں کے لئے قابل تقلید ہے۔ یہ وہ عظیم انسان تھے جنہوں نے اپنی موت کے بعد اپنے خاندان کے لئے بہت کم ورثہ چھوڑا۔ مساوات اور سماجی انصاف سے ان کی وابستگی غیر متزلزل تھی لیکن جو سیاسی نظام انہوں نے تخلیق کیا اور پھر اسی کے ہاتھوں زندگی سے ہاتھ دھوئے ایسا موضوع ہے جس کو زیر بحث لانا مورخین کے لئے انتہائی موزوں ہوگا۔ نہ کہ اسے اسلامی دنیا کی بیمار کیفیت کے علاج کا نسخہ سمجھا جائے۔

شاید انتقال سے پہلے حضورؐ نے بھانپ لیا تھا کہ ان کی دنیا سے رخصت ہونے کے بعد شورش برپا ہو سکتی ہے اور انہوں نے علامت کے دوران بیماری اور سر درد شدید ہونے سے پہلے اس حوالے سے بات بھی کی تھی۔ انتقال سے چند رات پہلے آپ مدینہ کے نواح میں تشریف لے گئے (جہاں آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ، صاحبزادی رقیہؓ اور کئی صحابہ کرام مدفون ہیں، اسی مقام پر وہ گھر تھا جہاں بعد ازاں ان کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ حضورؐ کے انتقال کا سوگ مناتی رہیں۔) اس وقت آپؐ کے ساتھ صرف آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو مورہبہؓ تھے۔ جب یہ دونوں قبرستان پہنچے تو حضرت ابو موریبہ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''تم پر سلامتی ہو، اے اہل قبور، خوش رہو کیونکہ تم ان لوگوں سے بدرجہا افضل ہو جو زندہ ہیں۔ (مسلمانوں میں) تقسیم تاریکی کی لہروں کی طرح آ گئی

MashalBooks.org

ہے اور ہر لہر پہلی سے زیادہ بدتر ہوگی۔''

پیغمبر اسلام کی زندگی پر کتاب لکھنے والے مصری محقق محمد حسین ہیکل نے حضورؐ کے ان الفاظ کو ذرا مختلف پیرائے میں بیان کیا ہے: ''تم پر سلامتی ہو، ان قبروں کے مکینو، قبر میں تمہاری موجودہ حیثیت پر رحمت ہو جو زمین پر رہنے والوں کی حالت سے اس حالت میں تبدیل ہوئی، باغیانہ حملے سیاہ لہروں کی طرح پے در پے کئے جا رہے ہیں اور ہر حملہ پہلے سے زیادہ بدتر ہے۔''

''تقسیم'' کی پیغمبرانہ پیشنگوئی اس وقت سامنے آنا شروع ہوگئی جب رسول خداؐ قبرستان سے واپس گھر کو تشریف لا رہے تھے کسی نے ان سے یہ پوچھنے کی جرأت نہیں کی کہ آپؐ نے کسی کو اپنا جانشین منتخب کیا ہے، نویں صدی کے اندلسی مورخ عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کے آخری وقت میں آپؐ کے چچا زاد عبداللہ بن عباس حضرت علیؓ سے ملے اور ان سے کہا کہ ''آپؐ کے انتقال کا وقت آن پہنچا ہے، لہٰذا آ جاؤ اور ان سے پوچھو کہ یہ ذمہ داری (خلافت) ہماری ہوگی تو آپؐ اس کا اعلان فرما دیں اور اگر یہ کسی اور کے حصے میں آتی ہے تو وہ (خلیفہ) کم از کم ہمارے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔''

مورخ آگے جا کر بیان کرتا ہے کہ ابن عباس نے اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ سے ملاقات کر کے دریافت کیا کہ حضورؐ نے اپنے جانشین سے متعلق کوئی وصیت کی ہے۔ ان دونوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہ سن کر ابن عباسؓ واپس حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا: ''اپنا ہاتھ آگے بڑھاؤ تاکہ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کر سکوں۔ میرے بعد تمہارے دیگر رشتہ دار بیعت کریں گے اور پھر سب لوگ ان کی تقلید کریں گے۔ حضرت علیؓ نے محتاط انداز میں اور اتفاق رائے کے لئے اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا، کیا اس معاملے میں کوئی ہمارے ساتھ جھگڑا تو نہیں کرے گا؟''

اگلے دن حضورؐ کے سر درد میں شدت آ گئی جس سے ان کی حالت مزید تکلیف دہ ہوگئی۔ جس وقت وہ عرب کی قیامت خیز گرمی سے پسینے میں شرابور تھے وہ ''تقسیم'' جس کی انہوں نے پیشنگوئی کی تھی ان کے قابل اعتماد سپاہیوں اور ان کے کمانڈروں کے درمیان سر اٹھا رہی تھی۔

صاحب بصیرت اور ایک سٹیٹس مین کے طور پر حضرت محمد ﷺ نے اپنے آخری

MashalBooks.org

ایام میں بھی عرب کے مٹی سے جسم لینے والی قبائلی روایات سے نئی قوم ڈھالنے کی نہایت احتیاط سے کوشش کی۔ 26 مئی 632ء کو مرض الموت میں مبتلا ہونے سے چند روز قبل انہوں نے اپنی آخری فوجی مہم جوئی کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل طاقتور دستے کو موجودہ دور کے اردن کے قریب بازنطینی سرحد پر حملے کا حکم دیا تھا۔ چند برس قبل جنگ موطا میں حضرت محمدﷺ کے متبنیٰ صاحبزادے حضرت زیدؓ بازنطینی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے اور اب وہ اس کے انتقام میں دشمن کو فوری جواب دینا چاہتے تھے۔

تاہم لشکر کشی کی قیادت کے معاملے پر اختلافات کھل کر سامنے آ نکلے۔ حضرت محمدﷺ نے تمام روایات توڑ کر ایک سیاہ فام بیس سالہ افریقی نوجوان کو تجربہ کار اور سینئر کمانڈروں پر ترجیح دیتے ہوئے منتخب کیا۔ اس فیصلے پر چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں، کئی مسلمان اسامہ بن زید کی قیادت میں لڑنے کو تیار نہیں تھے۔ انہوں نے پیغمبرؐ کے فیصلے پر کھلے عام ناراضگی کا اظہار کیا۔

روایت ہے کہ حضرت محمدﷺ نے اپنے ہاتھوں سے جنگی پھریرا تیار کیا اور اسے نوجوان کمانڈر اسامہ کے سپرد کر دیا، اس کے بعد لشکر مدینہ سے پانچ کلومیٹر کی مسافت پر ''جورف'' کے مقام پر شام جانے والے راستے پر خیمہ زن ہو گیا۔ انہوں نے مدینہ میں تمام (بالغ مرد) افراد کو لشکر میں شمولیت کا حکم دیا اور معتمد صحابہؓ کو بھی کوئی استثنیٰ نہیں دیا گیا۔ روایت ہے کہ صرف انہوں نے اپنے بااعتماد ساتھی اور داماد حضرت علیؓ کو مدینہ میں قیام کا حکم دیا۔

اسامہ کی زیر کمان شام پر لشکر کشی کے لئے مہم جوئی میں شمولیت کے حکم کے تقریباً ایک ہفتے بعد آپؐ نے محسوس کیا کہ لوگوں کی اس حوالے سے دلچسپی غیر تسلی بخش ہے لہٰذا آپؐ نے ایک بار پھر اہل مدینہ سے لشکر میں شامل ہونے کو کہا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ آپؐ کی صحت گرتی جا رہی تھی اور لشکر کشی کا معاملہ بھی آپ کے ذہن پر طاری تھا۔

اس وقت کمسن اسلامی برادری مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پر مشتمل تھی۔ دونوں دھڑوں کے سینئر ارکان حبشہ کے سیاہ فام غلام کو خود پر ترجیح دینے سے ناخوش تھے اور سرعام ان کی قیادت میں لڑنے پر ہچکچاہٹ کا اظہار کر رہے تھے۔ ان چہ مگوئیوں سے علیل پیغمبرؐ ناراض ہوئے اور سخت بخار اور تکلیف وہ سر درد کے باوجود آپ نے اپنی ازواج مطہرات

MashalBooks.org

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سے کہا کہ انہیں غسل کرنے میں مدد دی جائے۔ اس کے بعد دونوں نے آپؐ کو مسجد جانے میں بھی سہارا دیا جہاں وہ منبر پر تشریف لے گئے اور مسلمانوں سے خطاب کیا، اسامہ بن زید کے انتخاب پر صحابہ میں عدم اطمینان پر ملول پیغمبرؐ نے کہا: ''اے لوگو! اسامہ کے لشکر میں شامل ہو جاؤ، اگرچہ تمہیں اس کی اور اس کے باپ کی قیادت پر اعتراض ہے لیکن وہ اس کمان کا مستحق ہے، اس طرح اس کا باپ اس کی اہلیت رکھتا تھا۔ آپؐ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ مسلمانوں کی یہ عدم دلچسپی نافرمانی کے زمرے میں آتی ہے اور یہ کہ اسامہ بن زید کا انتخاب بہترین ہے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ مسلمان شام کی سرحد پر لشکر کشی کے لئے تیار ہو جائیں۔

آپؐ کی واضح ہدایت کے بعد لوگوں نے اسامہؓ کی فوج میں شامل ہونا شروع کر دیا تاہم حضورؐ کے واضح حکم کے باوجود لشکر نے شام کی طرف روانہ ہونے کی بجائے مدینہ کے نواح میں قیام جاری رکھا۔ حضورؐ کے براہ راست حکم سے بغاوت ایک غیر معمولی بات تھی، یہ دراصل آنے والے ان واقعات کی طرف اشارہ تھا جن میں اقتدار کی کشمکش جنم لینے والی تھی۔

شیعہ مورخین کے مطابق یہ محض نوعمر اسامہؓ کی عمر یا نسلی پس منظر کے حوالے سے انحراف نہیں تھا، یہ جانتے ہوئے کہ حضرت محمدؐ کی اس جہاں سے رخصتی قریب ہے۔ چند صحابہ اس خوف سے مدینہ نہیں چھوڑنا چاہتے تھے کہ کہیں ان کی عدم موجودگی میں حضرت علیؓ حضورؐ کے جانشین بن جائیں۔ شیعہ سکالروں کے نزدیک حضرت محمدؐ کو پتہ تھا کہ ان کا آخری وقت آن پہنچا ہے اور وہ ایسے وقت میں علیؓ اور خاندان کے افراد کو قریب رکھنا اور دیگر صحابہؓ کو دور بھیجنا چاہتے تھے، تاہم ان حوالوں میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ آخر رسولؐ نے اپنے سسر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بحیثیت جانشین اپنی عدم موجودگی میں نماز کی امامت کرانے کے لئے کیوں کہا؟ نماز کے اجتماع سے خطاب میں حضرت محمدؐ نے کہا: ''مسجد کی طرف کھلنے والے ان دروازوں کی طرف دیکھو اور ابوبکرؓ کے گھر کو جانے والے دروازوں کے سوا سب دروازے بند کر دو کیونکہ میرے نزدیک ان سے بہتر کوئی اور نہیں۔'' بعد ازاں آپؐ نے ابوبکر کو اپنی جگہ امامت کرانے کے لئے مقرر کر دیا۔ یہ ایک ایسی ذمہ داری تھی جسے حضورؐ کے ممکنہ جانشین ہونے کا اشارہ سمجھا جا سکتا تھا۔

MashalBooks.org

یہ کہنا کافی ہوگا کہ آخری وقت میں حضرت محمدؐ کا ہر لفظ اور آپؐ کا ہر عمل آپ کے جانشین کے حوالے سے اشارے کے طور پر لیا گیا۔علیؓ آپ کے قریب ترین اور بااعتماد صحابی تھے جن کے ساتھ آپ کا قریبی رشتہ تھا۔حضرت محمدؐ نے ہمیشہ حضرت علیؓ کی تعریف کی، ایک بار آپؐ نے فرمایا، میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں، اس کے بعد مکہ میں آخری حج کے بعد مدینہ کو واپسی پر حاجیوں سے خطاب میں آپؐ نے چھوٹی سی جھیل غدیر خم کے کنارے پڑاؤ کے دوران کہا کہ: ''اے میرے لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں اہل ایمان کا مولا ہوں اور مجھے ان کی زندگیوں کی نگہبانی کا ممتاز اختیار دیا گیا ہے اور جس جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؓ مولا ہے، اے لوگو جو کوئی علیؓ سے محبت کرے اس سے محبت کرو اور جو حضرت علیؓ سے نفرت کرے اس سے نفرت کرو۔''

رسولؐ کے ان الفاظ کو صدیوں سے اہل تشیع سنیوں پر اپنے تاریخی دعوؤں کی توثیق کہتے ہیں اور سنی اس کی مخالفت میں استعمال کرتے ہیں۔تاہم ان دعوؤں سے قطع نظر اسلام میں تقسیم تقوے نہیں سیاست کی بنیاد پر ہے۔وہ سوال جو بدستور حل طلب ہے کہ پیغمبرؐ نے آخر مستقبل کے لئے قیادت کے انتخاب کے نظام اور اپنے جانشین کی نامزدگی کا واضح تعین کیوں نہیں کیا، یا پھر آپؐ کی خاموشی سے یہ اخذ کر لیا جائے کہ آپؐ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی انسانی تہذیب کے فروغ میں زبردست کردار کے باوجود تقسیم اور اختلاف ان کا مقدر بنے گا۔شاید پیغمبرؐ اسلام کو ایک سیاسی قوت کے طور پر ابھرتا نہیں دیکھنا چاہتے تھے بلکہ چاہتے تھے کہ یہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری انسانیت کے لئے سماجی انصاف کی فراہمی اور خالص عقیدہ توحید کی تحریک بن جائے۔کیونکہ قرآن خدا کو رب المسلمین نہیں بلکہ رب العالمین کہتا ہے۔آپؐ کے آخری الفاظ جو مورخ ابن اسحاق نے بیان کئے ہیں، نہایت اہم ہیں: ''میں نے انہی کاموں کی اجازت دی، جس کی قرآن نے اجازت دی اور ان کاموں سے روکا جن سے قرآن نے روکا۔'' اگر مسلمان ان الفاظ پر اس کی حقیقی روح کے مطابق عمل پیرا ہوتے تو انہیں اس الجھن کا شکار نہ ہونا پڑتا جس نے انہیں دیومالاؤں کا سحر توڑنے کی صلاحیت نہ دی بلکہ مسلمان باہم دست و گریبان رہے۔

کیا ایسا ہے کہ حضرت محمدؐ علالت کے دوران اپنی آخری وصیت اور بیان لکھوانا چاہتے تھے لیکن انہیں اس سے روک دیا گیا؟ اس موضوع پر آنجہانی فرانسیسی مورخ میکسن

روڈنسن نے کافی تحقیقی کام کیا ہے اور یہ وہی مصنف ہیں جن کی کتاب ''محمدؐ'' کو معاصر نقاد ایڈورڈ سعید نے حضورؐ کی حیات مبارک پر ایک جامع کتاب اور انتہائی قابل مطالعہ قرار دیا ہے۔ ایرانی مورخ علی دشتی نے بھی اپنی کتاب ''23 سال'' میں حضورؐ کے آخری لمحات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

علی دشتی نے لکھا ہے کہ: ''آخری وقت کو قریب محسوس کرتے ہوئے آپؐ غنودگی سے بیدار ہوئے اور ارد گرد بیٹھے اصحاب سے کہا'' کاغذ اور پنسل لاؤ تا کہ میں تمہیں کچھ لکھوا سکوں جس کے بعد مستقبل میں تم گمراہ نہیں ہو گے۔'' افسوس پیغمبرؐ کے اس آخری حکم پر عمل نہ کیا گیا، وہاں موجود افراد پہلے ششدر رہ گئے پھر آپس میں بحث کرنے لگے۔ حضرت عمرؓ نے کاغذ لانے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ، آپؐ کا بخار بہت تیز ہے، تمہارے پاس قرآن موجود ہے اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔

میکسن روڈنسن لکھتے ہیں!

''کچھ دیر بعد وہ (محمدﷺ) جذبات میں آ گئے، انہوں نے بظاہر دستاویز لکھنے کے لئے چیزیں لانے کو کہا تھا تا کہ مومنین کو ممکنہ گمراہی سے بچایا جا سکے، وہاں موجود لوگ اس بات پر سیخ پا ہو گئے اور اس حیرت کا اظہار کیا کہ کیا وہ ایک بیمار شخص کی ابنارمل کیفیت پر اعتماد کر لیں، انہوں نے اپنے طور پر اخذ کیا کہ نئی تحریر قرآن سے متصادم ہو سکتی ہے اور یقیناً آپؐ کے اس عمل سے تقسیم اور بداعتمادی کی بنیاد تک پڑے گی؟ کیا وہ آپؐ پر اس وقت اعتماد کریں جب آپؐ کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں؟ انہوں نے اتنی زور سے تکرار کی کہ آپؐ نے لکھوانے کا ارادہ ترک کر دیا اور انہیں وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

اس سلسلے میں محمد حسین ہیکل نے لکھا ہے کہ حضرت محمدﷺ نے وہاں موجود لوگوں کو غصے سے وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا، آپؐ کے چچا عباسؓ کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر آپؐ کو لکھنے کا سامان فراہم نہ کیا گیا تو مسلمان کسی بہت اہم چیز سے محروم ہو جائیں گے تاہم حضرت عمرؓ سختی سے اپنے فیصلے پر قائم رہے کہ خدا کی اپنی مقدس کتاب کافی ہے کیونکہ اس کتاب میں سب کچھ ہے۔

تھوڑی دیر بعد آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ (حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمدؐ نے اپنی آنکھیں کھولیں، چھت کی طرف مسلسل دیکھتے ہوئے دعا پڑھی اور ہمیشہ کے لئے

ہمیں چھوڑ گئے)۔ جب ماتم کرنے والی خواتین کی آواز بلند ہوئی تو صحن اور گھر سے باہر ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ روای بیان کرتے ہیں کہ لوگوں میں خوف و ہراس پایا جاتا تھا۔ حالانکہ خود رسولؐ یا ان کے کسی صحابی نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ پیغمبر اسلام لافانی ہیں لیکن اس کے باوجود مسلمان ایک غیر یقینی صورت حال سے دوچار تھے۔ وہ شخصیت جنہوں نے انہیں مشرکانہ ماضی سے باہر نکالا اور ان کی تمام روایتوں کو مسترد کیا اور انہیں اتنا طاقتور بنا ڈالا کہ وہ اس وقت کی دنیا کی بڑی طاقتوں ایران، روم، مصر اور حبشہ کے سامنے کھڑے ہو گئے وہ اچانک ان کو چھوڑ کر رخصت ہو گئی۔ اب کون ان کی قیادت کرے گا؟ ان کا کیا بنے گا؟

خوف اور صدمے میں مبتلا نخلستان کے باسیوں نے معمولات زندگی ترک کر دیئے اور حضورؐ کے گھر کی طرف چلے۔ موت کی خبر سن کر حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آ رہا تھا اور وہ فوری طور پر حضورؐ کے حجروں کی طرف چلے گئے، وہ سیدھے حضورؐ کے بستر کے قریب گئے اور آپؐ کے چہرہ مبارک کو دیکھا۔ اس وقت جبکہ خواتین شدت غم سے نڈھال تھیں اور سینہ کوبی کر رہی تھیں تو حضرت عمرؓ نے سمجھا کہ آپؐ کومے کی حالت میں ہیں اور جلد سنبھل جائیں گے، جب ایک اور صحابی نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت محمدؐ اب ہم میں موجود نہیں رہے تو حضرت عمرؓ نے غصے سے کہا ''تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔''

اس کے بعد وہ مسجد چلے گئے اور با آواز بلند کہنے لگے حضرت محمدؐ عارضی طور پر گئے ہیں اور واپس آئیں گے، انہوں نے خبردار کیا کہ جو کوئی نبیؐ کی موت کی بات کرے گا کہ میں اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دوں گا۔

مسجد میں لوگ گومگو کی حالت میں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ حضورؐ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں لیکن ان کے قریب ترین صحابی بڑی سختی سے اس کی تردید کر رہے تھے۔ اس دوران ابوبکرؓ کو انتقال کی خبر ملی تو وہ مدینہ واپس آ چکے تھے۔ وہ پہلے آپؐ کے گھر گئے اور رسولؐ کو آخری خراج عقیدت پیش کیا، انہوں نے آپ کا چہرہ مبارک چادر سے ڈھانپا اور پھر مسجد چلے گئے جہاں حضرت عمرؓ بدستور مسجد میں مسلمانوں سے صدمے میں محو کلام تھے۔ ابوبکرؓ نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

اس کوشش میں ناکامی پر ابوبکرؓ غیر معمولی قدم اٹھاتے ہوئے کھڑے ہوئے اور لوگوں کو حضرت عمرؓ کے آہ وفغاں سے دور لے گئے، اس کے بعد آپ نے لوگوں سے خطاب

MashalBooks.org

کیا۔اس اہم تقریر میں آپ نے رسولؐ اور اللہ کے درمیان واضح فرق کی نشاندہی کی، ابوبکرؓ نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ حضرت محمدؐ نے بار بارہمیں حکم دیا تھا کہ ہم اس طریقے سے انہیں احترام نہ دیں جس طرح عیسائی حضرت عیسیٰؑ کا احترام کرتے ہیں۔آپؐ دیگر انسانوں کی طرح فانی ہیں۔انہوں نے کہا''اے لوگو! اگرتم میں سے کوئی محمدؐ کی عبادت کرتا تھا تو وہ مر چکے ہیں اور اگر کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو سن لو اللہ باقی ہے اور اسے کوئی فنا نہیں، اس کے بعد آپ نے وہ آیت پڑھی جو جنگ احد(22 مارچ 625ء کولڑی گئی) میں حضورؐ پر نازل ہوئی تھی، اس وقت بھی افواہ اڑائی گئی کہ حضرت محمدؐ شہید ہو چکے ہیں جن سے سراسیمگی پھیل گئی۔

''محمدؐ صرف نبی ہیں اور ان سے پہلے کئی انبیاء گزر چکے ہیں، تو اگر وہ مر جاتے ہیں یا قتل ہو جاتے ہیں تو کیا تم فوراً اپنی پیٹھ موڑ لو گے؟

لیکن جو منہ موڑے گا اور فوراً اپنا راستہ بدل لے گا اس کے عمل سے اللہ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن خدا ان لوگوں کو اجر دے گا جو اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔''

مجمع حیرت سے مکمل خاموشی کے ساتھ تقریر سن رہا تھا۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ

''ابوبکرؓ کی دانشمندانہ تقریر اور قرآنی آیت کے حوالے نے حضرت عمرؓ کی ہیجانی کیفیت ختم کر دی۔حضرت ابوبکرؓ کا خطاب سن کر حضرت عمرؓ کو یقین ہو گیا کہ رسولؐ ہمیشہ کے لئے دار فانی سے تشریف لے جا چکے تھے۔انہوں نے گھٹنے ٹیکے اور وہ عظیم جنگجو مسجد میں گر گئے۔غصہ کی جگہ خوف نے لے لی اور خاموشی نے وعظ کی جگہ لے لی۔سکون بحال ہو چکا تھا تاہم یہ تلاطم خیز واقعہ آنے والے گھنٹوں اور دونوں میں پیش آنے والے واقعات کے سامنے ہیچ ہونے والا تھا۔

632ء کے اس دن جو کشمکش شروع ہوا چاہتی تھی، مسلم نفسیات پر ایسا گہرا زخم لگانے والی تھی جو آج بھی مندمل نہیں ہو سکا۔مسلمان کے ضمیر پر لگنے والا داغ ان لوگوں کی وجہ سے چھپا رہا ہے جو ایسی بدنمائی کے وجود کے منکر ہیں اور شاید اسی لئے امہ کی اکثریت اپنے ورثے کے اس افسوسناک پہلو سے بے خبر رہی اور یا کوئی سبق سیکھنے سے گریز کرتی رہی یا کوئی سبق سیکھ نہ سکی۔لیکن جب کچھ، کچھ برسوں کے وقفے سے یہ زخم کھلتے رہے تو ہزاروں افراد موت کا شکار ہو گئے۔صرف 2006ء کے دوران 30 ہزار عراقی اسی سنی شیعہ

MashalBooks.org

منافرت کا نشانہ بن گئے جو پیغمبر کے انتقال کے بعد اقتدار کی کشمکش سے پیدا ہوئی تھی۔

حضرت محمدؐ کی آخری پیشنگوئی کہ ''تقسیم'' تاریکی کی لہروں کی طرح آئے گی، ہر لہر پہلے والی سے زیادہ بدتر ہو گی۔ حقیقت بننے والی تھی۔

جب لوگ مسجد نبویؐ سے نکلنا شروع ہوئے تو ان کے راستے جدا ہو چکے تھے۔ انصار مدینہ بشمول قبائل اوس اور فزاج کا رخ بنو سیدا التعفہ کے احاطے کی طرف تھا، وہ اپنے علیل لیڈر سعد بن عبیدہؓ کی قیادت میں جمع تھے تاکہ حضرت محمدﷺ کی رحلت کے بعد مسلم برادری کی لیڈر شپ اور مستقبل میں انصار کے کردار کا منصوبہ بنایا جا سکے۔ دوسری طرف مہاجرین مکہ............ اہل قریش ابوبکرؓ کے گھر پر اکٹھے ہو چکے تھے جہاں حضرت عمرؓ زور دے رہے تھے کہ حضرت محمدؐ کا جانشین صرف مہاجرین مکہ میں سے ہونا چاہئے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس تمام عمل میں حضرت محمدؐ کے قریب ترین لوگ اہل بیت اور قبیلہ بنو ہاشم کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔ جب اہل مدینہ اور اہل مکہ اقتدار کے لئے محاذ آرائی شروع کر رہے تھے تو حضورؐ کے داماد حضرت علیؓ کی زیر قیادت اہل بیت اس سے لاتعلق ہو کر نبیؐ کی تدفین کے زیادہ مقدم کام کی تیاری میں مصروف تھے۔ علیؓ کی قیادت میں اس چھوٹے گروپ میں ابن العباس، محمدؐ کے متبنیٰ صاحبزادے اسامہ اور حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ جیسے قریش کے بااعتماد ارکان شامل تھے۔

اس روز رونما ہونے والے واقعات دلچسپ اور تغیر پذیر تو تھے لیکن ایک چیز واضح تھی کہ انصار مدینہ اور مہاجرین مکہ کے درمیان باہمی بحث و مباحثہ تلخی سے بھرپور تھا اور رات گئے تک جاری رہا، افسوس کہ اللہ کے پیغمبر کا نام ان کی فہرست میں سب سے آخر پر تھا، میکسن روڈنسن کے شرمسار کرنے والے الفاظ میں ''جیسے جیسے رات گہری ہوتی گئی، ہر کوئی یہ بھولتا گیا کہ میت ابھی تک حضرت عائشہؓ کے حجرے میں پڑی ہے۔''

حضرت محمدﷺ کے اہل بیت میں سب سے زیادہ ان کی صاحبزادی فاطمہؓ نے مشکلات برداشت کیں۔ اپنے والد محترمؐ کے انتقال کے بعد انہیں اس جائیداد سے ہاتھ دھونے پڑے اس کے بعد ان کے شوہر حضرت علیؓ کو شہید کر دیا گیا، ان کے بڑے صاحبزادے حسنؓ کو زہر دے دیا گیا اور سب سے زیادہ المناک واقعہ جو پوری تاریخ اسلام پر چھایا ہے، یہ ہوا کہ حضرت فاطمہؓ کے چھوٹے صاحبزادے حسینؓ کا سر قلم کر دیا گیا جبکہ

MashalBooks.org

خاندان کے دیگر افراد کو مسلمانوں نے ہی تہہ تیغ کر دیا۔ آج تک کروڑوں مسلمان دختر رسولؐ پر ٹوٹنے والی قیامت کا سوگ مناتے ہیں اور وہ لوگ جو اسلام میں خواتین کے مساوی حقوق کا لامتناہی ڈھنڈورا پیٹتے ہیں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ آخر ایک خاتون جو انصاف کی مستحق تھی کو اس سے کیوں محروم رکھا گیا۔ حضرت فاطمہؓ مسلمانوں کی جون آف آرک تھیں اور جس وقت مرد حصول اقتدار کے لئے باہم دست وگریبان تھے اور آج بھی اقتدار کے متمنی ہیں اس وقت فاطمہ اپنے دکھ کی آگ میں تنہا جلتی رہیں۔ یہ لوگ آج تک اقتدار کے سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ بنت محمد ﷺ کی شخصیت آج بھی ہم مسلمانوں پر سایہ فگن ہے اور ہمیں ان غیر قانونی اقدامات سے روک رہا ہے جو ہمارے بڑوں سے سرزد ہوئے۔ جب تک مسلمان اپنی ذمہ داری تسلیم کرتے ہوئے اسے قبول نہیں کرتے، جب تک وہ سچ کا سامنا کرتے ہوئے اور منافقت کو جھٹک نہیں دیتے۔ کیا وہ ہر شام آئینے میں اپنے چہرے کا سامنا کر سکیں گے۔ ہم وہ کچھ کیسے کر سکتے ہیں جو ہم نے نبیؐ کے خاندان کے ساتھ کیا؟ ہم آپؐ سے محبت کے دعویدار ہیں لیکن ہم اس انتہائی بے انصافی سے انکار کرتے ہیں جو آپؐ کی محبوب ترین شخصیت کے ساتھ کی گئی۔ آپؐ کی صاحبزادی فاطمہ کے ساتھ۔

اگر یہ غداری تھی جس نے اقتدار کے حصول کے لئے مسلمانوں کے رویے کا اظہار کیا۔ تو یہ نخلستان مدینہ کو گھیرے میں لینے والی جلتی ریت میں اس روز تحریک کا باعث بنی جب نبیؐ کا انتقال ہوا۔ بلاشبہ یہ ایک معجزہ تھا کہ مسلمان بحیثیت امت حصول اقتدار کی اس بدقسمت کشمکش سے نکل آئے اور قابل رشک طاقت بن کر ابھرے۔

مدینہ کے قبائلی سردار سعد بن عبیدہؓ کے دالان میں خیموں کے اندر جمع تھے اور مسلمانوں کے مستقبل اور ان کے متوقع حکمران کے حوالے سے غور کر رہے تھے۔ ان کے درمیان یہ واضح اتفاق پایا جاتا تھا کہ حضرت محمدؐ کا جانشین انصار مدینہ میں سے ہونا چاہئے جنہوں نے اس وقت پیغمبرؐ کو پناہ دی جب دشمن آپؐ کو قتل کرنے کے درپے تھے۔ ویسے بھی مسلمانوں کی اکثریت کا تعلق مدینہ سے تھا اور اس تناظر میں ان کا موقف تھا کہ حضرت محمدؐ کی رحلت کے بعد آپؐ کا جانشین انصار میں سے ہونا چاہئے۔

اہل مدینہ کے عزائم زیادہ دیر خفیہ نہ رہے اور ان کی آواز مہاجرین مکہ کے کانوں

تک پہنچ گئی جو ابوبکرؓ کے گھر پر جمع تھے حضرت عمرؓ نے محسوس کیا کہ قریش مکہ نے اگر جلد کوئی فیصلہ نہ کیا تو کھیل ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ انہوں نے ابوبکرؓ پر زور دیا کہ وہ ان کے ساتھ ہو جائیں اور مدینہ کے قبائلی سرداروں کے عزائم کا مقابلہ کریں، ابوبکرؓ جنہوں نے مسجد نبویؐ میں کچھ ہی دیر پہلے ایک سنگین تنازعے کا خطرہ ٹالا تھا اس تجویز پر رضا مند ہو گئے جسکے بعد دونوں صحابہ اپنے حامیوں کے ساتھ اس طرف جلدی جلدی روانہ ہوئے جہاں انصار کا اجلاس جاری تھا۔ یہاں ایک سوال ہے جس کا جواب آج تک نہیں دیا گیا۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ اہل مدینہ سے ملاقات کے لئے حضورؐ کے دیگر صحابہ کو ساتھ کیوں نہیں لے گئے؟ بہرحال علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ یہ سب مہاجرین مکہ کے ممتاز ارکان تھے، انہیں ساتھ کیوں نہیں رکھا گیا۔

جب وہ وہاں داخل ہوئے تو انصار کے علیل رہنما سعد بن عبیدہؓ اہل مدنہ پر زور دے رہے تھے کہ وہ مسلمانوں کی قیادت کا دعویٰ کر دیں، انہوں نے کہا کہ تم لوگ اس پر ڈٹ جاؤ کیونکہ تمہارا یہ دعویٰ بالکل حق بجانب ہے............

اہل مدینہ میں سے ایک شخص نے عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو خیمے میں داخل ہوتے دیکھ لیا اور کھڑے ہو کر بولا: ''ہم انصار ہیں، ہم خدا کے معاون اور اسلام کی فوج ہیں۔ جبکہ تم مہاجرین صرف اس فوج کا محض ایک حصہ (دستہ) ہو۔ بے شک تم میں سے ایک گروہ ہمیں فطری قیادت سے محروم کرنے کے لئے انتہا پر چلا گیا ہے اور ہمارے حقوق سے انکار کر دیا ہے۔''

اس مقرر نے اہل مدینہ کی خوبیاں گنوانا جاری رکھا تاہم اپنے مہمانوں یعنی قریش مکہ کو بھی شائستگی کے ساتھ خراج تحسین پیش کیا۔ ان تقریروں سے حضرت عمرؓ غصے میں آ گئے، روایت ہے کہ وہ اس مسئلے کو تلوار کے ساتھ ہمیشہ کے لئے حل کرنے کو تیار تھے۔ ایک بار پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے تحمل مزاجی نے کام دکھایا، انہوں نے حضرت عمرؓ کو منع فرمایا اور اجتماع سے خطاب کے لئے کھڑے ہو گئے۔

قبائلی فضیلت اور خاندانی پس منظر کی بالادستی کی حیران کن تبلیغ کرتے ہوئے جو قرآنی تعلیمات اور حضورؐ کے حجۃ الوداع کی روح کے منافی تھی انہوں نے دلیل دی کہ مسلمانوں کا اگلا لیڈر قریش مکہ میں سے ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اہل قریش نے سب

MashalBooks.org

سے پہلے اسلام قبول کیا اور عربوں میں ان کا شجرہ نسب بھی افضل ہے۔ لہٰذا وہ حضرت محمدؐ کے جانشین ہونے کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ انہوں نے وہاں جمع انصار مدینہ کو بتایا کہ: ''مہاجرین (مکی عرب) زمین پر خدا کی سچی عبادت کرنے والے اولین لوگ ہیں اور سب سے پہلے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے...... ان کے حق پر کسی گناہگار کے سوا کوئی اعتراض نہیں کرسکتا، چنانچہ ہم امراء تم (اہل مدینہ) وزراء ہو۔''

ابوبکرؓ نے مزید کہا کہ: ''عرب قبائل قریش کے سوا کسی اور کی بالادستی قبول نہیں کریں گے، شہزادے ہم میں سے ہوں گے اور تمہارا گروہ وزیر کے طور پر کام کرے گا۔''

مورخ طبری نے ابوبکرؓ کے ان الفاظ کو ذرا مختلف انداز میں بیان کیا ہے، تاہم اس کا بھی یہ مفہوم واضح ہے کہ ابوبکرؓ قریش مکہ کو انصار سمیت دیگر تمام مسلمانوں پر برتری دلا رہے تھے۔ ابوبکر نے مدینہ کے عربوں کی خوبیوں کو تسلیم کیا لیکن اپنے میزبانوں پر زور دیا کہ ان کے اعلیٰ مراتب کے باوجود وہ اہل مکہ کو اپنا لیڈر مان لیں اور خود صرف ''معاون'' کے طور پر کردار ادا کریں، اس کے بعد انہوں نے خبردار کیا کہ صرف ایک گمراہ شخص ہی میری بات سے اختلاف کرے گا۔

جیسے جیسے بات چیت میں تلخی بڑھی سامعین مکی عربوں کو نسلی برتری دینے پر غصے میں آ گئے اور ان میں سے ایک صحابی جو کئی غزوات میں شریک ہو چکے تھے نے اٹھ کر مشترکہ قیادت کی تجویز پیش کی۔ انصار نے حضرت محمدؐ کے دو جانشینوں کی تجویز پر زور دیا اور اہل مکہ کی قبائلی برتری کے تصور کو مسترد کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے دوہری جانشینی کے مشورے کو مسترد کرتے ہوئے اصرار کیا کہ چونکہ پیغمبر اسلام قریش میں سے تھے لہٰذا صرف وہی جانشینی کے حقدار ہیں، انہوں نے کہا: ''افسوس ہے! خدا کی قسم دو آدمی مساوی اختیار نہیں رکھ سکتے جس قوم سے رسول کا تعلق ہے اس کے سوا عرب کسی اور کی بالادستی قبول نہیں کریں گے۔ وہ صرف ان لوگوں کو اپنے معاملات چلانے کا اختیار دینے پر رضا مند ہوں گے جن سے نبوت کا ظہور ہوا اور وہ قریش مکہ ہیں۔''

دلائل میں چڑھائی اور پسپائی کا عمل جاری رہا اور کوئی بھی فریق اپنے موقف سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔ جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ روایتوں میں اس بات کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی کہ اس بحث میں کوئی بھی فریق تنازعے کے حل کے لئے قرآنی اصولوں

MashalBooks.org

سے رہنمائی نہیں لے رہا تھا۔ بہرحال قرآن (سورۃ:49: آیت نمبر 13) میں تمام انسانوں کے برابر ہونے کا برملا اظہار کیا گیا ہے: ''اے بنی نوع انسان! ہم نے تمہیں ایک جوڑے سے پیدا فرمایا (لہٰذا کسی کو ایک دوسرے پر برتری نہیں یقیناً اللہ کی نظر میں سب سے افضل وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور اللہ بے شک ہر چیز سے باخبر ہے۔)

مدینہ کیمپ سے ایک اور خدشے کا اظہار کیا گیا کہ دونوں گروہوں سے ہٹ کر کوئی اور جانشین اقتدار سنبھال سکتا ہے۔ یہ خدشہ 40 سال بعد اس وقت حقیقت بن گیا جب امیر معاویہؓ نے اقتدار سنبھال کر خاندان بنو امیہ کی حکمرانی کی بنیاد رکھی۔ ان (امیر معاویہؓ) کی زندگی میں حضورؐ نے انسانیت اور مساوات کا درس دیا اور نسلی اور قبائلی پس منظر کو مسترد کیا لیکن مدینہ میں اس شام جب سورج غروب ہوا تو کوئی یہ سوال نہیں کر رہا تھا کہ حضرت محمدؐ نے اپنی زندگی میں کیا کہا تھا؟

رات گہری ہو چلی تھی کوئی حل سجھائی نہ دیا تو ابوبکرؓ نے موضوع تبدیل کرتے ہوئے اہل مدینہ کو ان کی سابق دشمنیوں کے بارے میں یاد دلایا۔ انتہائی ذہانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہوں نے مدینہ والوں کے دو دھڑوں اوس اور خزرج کو ایک دوسرے کے سامنے کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ایک سوال اٹھایا کہ:

> ''اگر قیادت قبائل اوس کے سپرد کی گئی تو اہل خزرج اسے تسلیم نہیں کریں گے، اس طرح خزرج کو ذمہ داری دی گئی تو اوس کے قبائل اسے قبول نہیں کریں گے، کیونکہ دونوں کے درمیان قبل از اسلام کی لڑائیوں میں جو ہلاکتیں اور زخم تھے وہ کبھی مندمل نہیں ہو سکتے۔ اور اگر ان دونوں میں سے کسی کو قیادت سونپی گئی تو وہ گویا شیر کے جبڑوں کے درمیان پھنس جائے گا، ایک طرف اہل قریش اور دوسری طرف انصار کے مخالف دھڑے کے افراد ہوں گے۔''

یہ بات مؤثر ثابت ہوئی۔ مدینہ کے وہ دونوں قبیلے جو حضرت محمد ﷺ کی تبلیغ سے متحد ہو چکے تھے دوبارہ تقسیم ہو گئے اور یہ بحث شروع ہو گئی کہ اگر قریش دستبردار ہو جائیں تو اوس اور خزرج میں سے کون زیادہ قیادت کا حقدار ہو گا۔ اس کے بعد ممتاز صحابہ حضرت عمرؓ ابوعبیدہ بن جراحؓ کے ہاتھ کھڑے کر کے انہوں نے کہا کہ ان دونوں میں سے

MashalBooks.org

کوئی بھی مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہو گا، کسی ایک کو چن لو۔

اس ابہام کے درمیان قبیلہ اوس کا ایک ممتاز رکن اہل مدینہ کی صفوں کو توڑتے ہوئے ابوبکرؓ کی طرف بڑھا اور اس کی تقلید میں مزید کئی افراد آگے بڑھے لیکن اس بدامنی کے دوران حضرت عمرؓ نے اپنی تلوار سونت لی اور ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اعلان کیا: ''اے ابوبکرؓ اپنا ہاتھ آگے کرو تاکہ میں تمہاری بیعت کرلوں۔ کیا محمدؐ نے اپنی عدم موجودگی میں آپ کو مسلمانوں کی امامت کے لئے مقرر نہیں کیا تھا؟ آپ ہی ان کے جانشین ہیں، ہم آپ کو اس منصب پر منتخب کرتے ہیں۔''

اس کے بعد اہل مدینہ کی طرف سے ابوبکرؓ کی اطاعت کے لئے تانتا بندھ گیا، انہیں خدشہ تھا کہ تاخیر سے مستقبل میں کہیں ان کی وفاداریوں پر شبہے کا اظہار نہ کیا جائے۔ مدینہ کے دونوں قبیلوں کے بزرگ رہنما سعد بن عبیدہ جن کے صحن میں یہ کام ہو رہا تھا، کو ان کے اپنے ہی حامیوں نے پاؤں تلے روند ڈالا جس سے وہ اپنے بستر سے فرش پر گر پڑے۔ یہ وہ صحابی تھے جنہوں نے اہل مدینہ کو اسلام سے روشناس کرایا تھا۔

اس کے بعد مدنی عربوں کے رہنما کو ان کے گھر پہنچایا گیا، جہاں وہ کئی روز تک اقتدار کے حصول کے حالیہ واقعات اور اپنے ساتھ بدسلوکی پر انتہائی ملول رہے۔ کئی روز تک ان پر بیعت کے لئے دباؤ ڈالا گیا لیکن انہوں نے علیؓ ابن طالب کی طرح ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

یقیناً اس پر سعد کا دل ٹوٹا ہو گا۔ جب وہ فرش پر پڑے ہوں گے تو انہیں یقیناً مشرکین مکہ کی قید میں گزارے ہوئے تشدد سے بھرپور ایام یاد آئے ہوں، مشرکین نے انہیں پکڑ کر یہ اگلوانے کی کوشش کی کہ مدینہ میں کون محمدؐ کو امداد فراہم کر رہا ہے۔ اس وقت پیغمبر اور ان کے مٹھی بھر حامی مکہ کی گلیوں میں تنہا تھے، قریش نے آپؐ کا بائیکاٹ کر رکھا تھا اور سعدؓ نے اپنے گروپ سمیت خفیہ طریقے سے نبیؐ کو بحفاظت مکہ سے مدینہ پہنچانے کا بندوبست کیا۔

امریکی یونیورسٹی آف ڈینور کے اسلامیات کے پروفیسر لیاقت تکیم نے اپنی کتاب ''The Heirs of the Prophet'' میں قرار دیا ہے کہ حضورؐ کی جانشینی کے بحث مباحثہ کے دوران صحابہ اسی روایت پر لوٹ گئے تھے جس پر قبل از اسلام مشرکین عرب عمل کرتے

MashalBooks.org

تھے۔ وہ لکھتے ہیں: ''حضرت محمدؐ کے انتقال کے فوراً بعد حکمرانی کا قبل از اسلام طریقہ عود کر آیا اور آپ کے بعض صحابہ نے قبائلی سردار کے انتخاب والا طریقہ اپنایا، قبائلی کونسل کا اجلاس منعقد کرنا اور ابوبکرؓ کو حضرت محمدؐ کا پہلا خلیفہ منتخب کرنا اس پرانی روایت کا اعادہ تھا، اسی طرح یہ زمانہ کفر کے طریقہ سیاست کے احیاء کا پہلا واقعہ تھا۔

تنزانیہ نژاد کینیڈین لیاقت تکیم سمجھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ الرسول بننے کے بعد زمانہ کفر کی عرب روایات کا احیاء جاری رہا، مثال کے طور پر عمرؓ کے دور خلافت میں اسلام کی شناخت صرف عرب ٹھہرے اور غیر عرب مسلمانوں کو خطہ عرب بالخصوص مدینہ سے دور رکھا گیا۔ اقتدار کی اس کشمکش اور اس کے نتیجے میں ابوبکرؓ کی جانشینی کے عمل کے دوران پیغمبرؐ کے اہلخانہ کو ثقیفہ کے مقام پر ہونے والی جوڑ توڑ سے دور رکھا گیا اور وہ اپنے گھر تک محدود رہے لیکن ثقیفہ میں جمع ہونے والے افراد مایوسی کے عالم میں منتشر ہوئے۔ کچھ لوگوں نے ابوبکرؓ سے وفاداری کی بیعت کر لی جبکہ دیگر ناراضگی کی کیفیت میں روانہ ہو گئے۔ مدینہ کی مسجد نبوی میں اس عوامی اجتماع میں ابوبکرؓ نے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا:

> ''مجھے تم پر حکمرانی کے لئے چنا گیا ہے اگرچہ میں تم میں سے بہترین شخص نہیں۔ اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری تقلید کرو اور اگر میں انصاف سے فرائض انجام نہ دوں تو میری اصلاح کرو۔ سچائی ایمان کا جزو ہے جبکہ جھوٹ بے ایمانی ہے۔ جو قوم اللہ کی راہ میں لڑنے میں ناکام ہوئی اللہ نے اسے ذلیل کر دیا۔ گمراہی تباہی و بربادی کا ذریعہ بنتی ہے۔ جب تک میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کروں تم میری اطاعت کرتے رہنا اور اگر میں ایسا نہ کروں تو تم پر میری اطاعت کرنا واجب نہیں۔ اپنی نمازیں قائم رکھو، اللہ تم پر رحم کرے۔''

جہاں مسلمان اس بات پر یقین کرنا پسند کریں گے کہ ابوبکرؓ کی جانشینی ایک طویل مشاورت اور بحث مباحثے کے بعد انتخاب کے نتیجے میں عمل میں لائی گئی تو حقائق بتاتے ہیں کہ اس سارے مشاورتی عمل میں نبیؐ کے خاندان بنو ہاشم کے کسی ایک فرد کو بھی شامل نہیں کیا گیا۔ اسی طرح مکہ کے دیگر ہزاروں افراد اور صحرائی بدوؤں سے بھی کوئی مشاورت نہیں کی گئی۔ یہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں کہ ازدواج مطہرات اور حضور کی صاحبزادی سمیت کسی

MashalBooks.org

ایک عورت سے بھی جانشینی کے مسئلے پر مشورہ نہیں لیا گیا۔ یہ اعلان کر کے اقتدار پر حق صرف قریش مکہ کا ہوگا ابوبکرؓ نے آنے والی کئی صدیوں تک غیر عرب مسلمانوں پر عربوں کی نسلی اور قبائلی برتری کے تصور پر مہر ثبت کر دی۔

اس واقعے کے 400 سال بعد ابوبکرؓ کے ہم نام ماہر فقہ قاضی ابوبکر باقیلانی (وفات 1013ء) نے فیصلہ کر دیا کہ خلیفہ بننے کے لئے قریش قبیلے سے تعلق ہونا کوئی لازمی شرط نہیں۔ اس کے مزید 400 سال بعد عظیم ابن خلدون نے خلیفہ کے منصب کے لئے قریش مکہ کے ساتھ عرب پس منظر کی لازمی شرط کو بھی باطل قرار دے دیا۔ حضورؐ کے انتقال کے 800 سال بعد تک مسلمانوں پر صرف ایک عرب قبیلے کے فرزندوں کی بالادستی قائم رہی جبکہ دیگر تمام مسلمان بالخصوص غیر عربوں کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا رہا۔

اس تاریخی حقیقت سے قطع نظر کہ غیر عرب مسلمانوں کو صدیوں تک اقتدار کی دوڑ سے باہر رکھا گیا اکثر عرب مبصرین اور اسلامی مورخین حضرت ابوبکرؓ کے اس فرمان کے اثرات سے چشم پوشی کرتے رہے۔ یقیناً اہل تشیع ابوبکرؓ کی جانشینی کی قانونی حیثیت کو متنازعہ قرار دیتے ہیں لیکن جانشینی کا ان کا نظریہ سنی مکتبہ فکر سے بھی زیادہ تنگ نظری اور سختی پر مشتمل ہے۔ اہل تشیع بھی سمجھتے ہیں کہ صرف عرب النسل شخص ہی مسلمانوں کی قیادت کا حقدار ہے اور اس شخص کو وہ اپنا امام قرار دیتے ہیں، تاہم ان کے نظریے میں امام کا صرف عرب ہونا نہیں بلکہ اسکا پیغمبرؐ کی دختر حضرت فاطمہؓ سے براہ راست تعلق ہونا لازمی ہے۔ کیا یہ بات اب بھی حیران کن لگے گی کہ ایران کے تمام سپریم لیڈر ایرانی نہیں بلکہ عرب النسل ہونے کے دعویدار رہے ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ کی بطور خلیفہ نامزدگی کے ان تمام واقعات کو نظر انداز کرتے ہوئے ہماری درسی کتابیں اس تاثر سے بھری پڑی ہیں کہ مسلمانوں نے ابوبکرؓ کا انتخاب متفقہ طور پر کیا تھا۔ یہ تصور کہ قریشی عرب برتر ہیں کو شاذ ہی کبھی چیلنج کیا گیا۔

قریشی عربوں کی برتری کے حوالے سے آج کے دور میں پائی جانے والی سوچ کی ایک مثال ''اسلام اور نسل کا سوال'' کے عنوان سے کتابچے میں ملتی ہے۔ یونیسکو سے منظور شدہ یہ کتابچہ مصر کے سابق وزیر مذہبی و خیراتی مدارس عبدالعزیز کامل نے 1970ء میں لکھا۔ خلیفہ بننے کے امیدوار کے لئے درکار خوبیوں کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں کہ:

MashalBooks.org

''اسلامی سکالروں نے مسلمانوں کی امور کی نگرانی کے لئے خلیفہ کے اوصاف پر بحث ومباحثے کے بعد قرار دیا ہے کہ:

''خلیفہ صاحب دانش، انصاف پسند، قابل اور جسمانی و ذہنی طور پر صحت مند ہو۔ کیونکہ ذہنی اور جسمانی حالت انسان کے عمل اور فیصلے دونوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ تاہم پانچویں خصوصیت پر آراء متضاد ہیں۔ اس کا تعلق خلیفہ کے قبیلہ قریش سے رشتے کا ہے لیکن اس آخری شرط پر حضورؐ کے انتقال کے بعد ہونے والے اجلاس میں اتفاق کیا گیا تھا۔''

اس طرح عبدالعزیز کامل نے اس بات کو کسی حجت کے بغیر قبول کر لیا کہ ابوبکرؓ منتخب ہوئے تھے اور یہ انتخاب متفقہ تھا۔ انہوں نے اس بات کی یونیسکو سے توثیق کا بھی اہتمام کر ڈالا۔ وہ یہ بتانے میں ناکام رہے کہ حضرت محمدﷺ نے کبھی یہ شرط نہیں لگائی تھی کہ مسلمانوں کے لیڈر صرف قریش میں سے ہونے چاہئیں۔ کامل نے یہ بھی اقرار کیا کہ یہ شرط قرآن کی مساوات پر مبنی تعلیمات سے بھی متصادم ہے لہٰذا اسے اسلامی روایت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ کے اقتدار سنبھالنے کے بعد انصار مدینہ قریش مکہ کے درمیان تناؤ سے اختلافات کے واضح آثار دکھائی دے رہے تھے (کئی انصار ابوبکرؓ کی بیعت کر چکے تھے تاہم سعد بن عبیدہؓ بدستور اس سے انکار کر رہے تھے)۔ دوسری طرف پیغمبرؐ کے گھر میں بنو ہاشم جو میت کے گرد بیٹھے سوگ منا رہے تھے میں ناراضگی پائی جاتی تھی۔ قریش کے دیگر قبیلوں کی طرف سے نظر انداز کرنے پر یہ لوگ غصے میں تھے اور اسی غصے میں انہوں نے ایک غیر معمولی قدم اٹھایا اور پیغمبرؐ کو انہی کے گھر میں سپرد خاک کر دیا۔ انہوں نے کسی کو جنازے میں شرکت کی اجازت نہ دی۔ روڈبنسن لکھتے ہیں:

حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے دوست بظاہر ایسی کسی تقریب سے گریز کرنا چاہتے تھے جن میں ابوبکرؓ نماز جنازہ کی امامت کراتے اس طرح ان کی جانشینی کو قبولیت کی سند مل جاتی۔ پہلے یہ توقع کی جا رہی تھی کہ حضورؐ کو قبرستان بقیع میں آپ کے صاحبزادے ابراہیم، دختر رقیہؓ اور دیگر صحابہ کے قریب سپرد خاک کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ حضرت محمدؐ کی صاحبزادی کو بھی اس وقت خبر ہوئی جب حضرت علیؓ اور ان کے چچا عباسؓ آدھی رات کو لحد کھود رہے تھے۔

MashalBooks.org

اگرچہ انصار اور قریش کے مابین خلافت کا مسئلہ تو حل کر لیا گیا تھا لیکن محمدؐ کے داماد حضرت علیؓ نے اگلے کئی ماہ تک حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کو جائز قرار دینے سے گریز کیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے خود کو عوامی سطح پر الگ تھلگ کر لیا، وہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی مخالفت تو نہیں کر رہے تھے لیکن انہوں نے نئے خلیفہ سے وفاداری کی بیعت نہیں کی تھی لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ علیؓ نے ابوبکرؓ کی حاکمیت کو چیلنج نہیں کیا تھا۔ منگل کی رات حضرت محمدؐ کی تدفین کے بعد علیؓ اور فاطمہؓ نے مدینہ کے قبائلی سرداروں سے رابطہ کیا اور ان سے ابوبکرؓ کے خلاف مدد مانگی۔ قبائل مدینہ جنہوں نے ابھی، ابھی صفوں میں دراڑوں کا تلخ تجربہ کیا تھا نومولود مسلم امہ کے مابین اس بحران کو مزید طول دینے کے خواہاں نہیں تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر علیؓ، ابوبکرؓ اور عمرؓ پہلے ثقیفہ آئے ہوتے تو وہ انکے ہاتھ بیعت کر لیتے۔

اس موقع پر علیؓ نے جو ردعمل ظاہر کیا وہ اس تمام سیاسی عمل پر ان کی مایوسی کا عکاس ہے، انہوں نے کہا کیا میں پیغمبر خداؐ کی میت گھر میں چھوڑ کر آپؐ کی جانشینی کے جھگڑے میں شامل ہو جاتا؟ فاطمہؓ نے بھی اسی لہجے میں کہا: ابوالحسنؓ (علی) نے وہی کچھ کیا، جو انہیں کرنا چاہئے تھا لیکن اللہ ان (ابوبکرؓ اور عمرؓ) سے ضرور حساب لے گا۔

ایک روایت یہ ہے کہ اہل مدینہ سے تعاون کے حصول میں ناکامی کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت محمدؐ کے دیگر رشتہ دار حضرت فاطمہؓ کے گھر واپس پہنچ گئے۔ اگلے روز عمر اور مکہ کے بعض افراد نے گھر کا گھیراؤ کر کے دھمکی دی کہ اگر اہل بیت نے ابوبکر کی بیعت نہ کی تو گھر کو نذر آتش کر دیا جائے گا۔

اگلے روز کیا ہوا؟ اس حوالے سے کئی روایتیں پائی جاتی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ عمرؓ گھر کے اندر گئے اور علیؓ کو زبردستی باہر لائے۔ علیؓ نے جھکنے سے انکار کرتے ہوئے پوچھا، اگر میں بیعت نہ کروں تو کیا ہوگا؟ جس پر عمرؓ نے جواب دیا تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔ علی نے تلخی سے کہا "تو اس طرح تم پیغمبر خدا کے بھائی کو قتل کر دو گے۔

اس پر عمرؓ نے جو کہا اگر وہ درست بیان کیا گیا ہے تو اس سے علی کو سخت دھچکا لگا ہوگا۔ عمرؓ نے کہا "تم خدا کے بندے ہو اس کا ہم اقرار کرتے ہیں لیکن اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ تم پیغمبرؐ کے بھائی ہو۔ یقیناً علیؓ کو غصہ آیا ہوگا لیکن کہا جاتا ہے کہ انہوں نے تحمل کا مظاہرہ کیا اور یہی بعدازاں پسپائی کا باعث بنا۔

MashalBooks.org

اگلے چھ ماہ حضرت فاطمہؓ کی رحلت تک علیؓ مزاحمت کرتے رہے تاہم بعد ازاں انہوں نے دباؤ میں آ کر بیعت کر لی۔ ان سے اس عرصے میں اجنبیوں جیسا سلوک کیا گیا اور فاطمہؓ کی وفات کے بعد وہ مزید تنہا ہو گئے۔

حضرت فاطمہ کا انتقال بھی دکھ اور صدمے کی حالت میں ہوا۔ انہوں نے اپنے والد کی وراثت چھننے کے بعد ابوبکرؓ سے کبھی بات نہیں کی۔ انہوں نے فدک کے باغ جو نبیؐ کی زندگی میں فاطمہؓ کو مل گیا تھا کی واپسی پر ابوبکرؓ کو کبھی معاف نہیں کیا۔ جب علیؓ اور فاطمہؓ دونوں ابوبکرؓ کے پاس گئے اور مطالبہ کیا کہ فدک اصل ورثاء کو واپس کر دیا جائے تو ابوبکر نے ان سے کہا کہ میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ نبیؐ کی کوئی وراثت نہیں ہوتی اور جو کچھ انبیاء چھوڑتے ہیں وہ عوام کی ملکیت ہوتی ہے۔

یہ سن کر فاطمہؓ نے انتہائی لاچاری محسوس کی ہو گی کیونکہ حضورؐ کے انتہائی قریبی علیؓ اور فاطمہؓ نے کبھی حضورؐ کی یہ حدیث نہیں سنی جس کا ذکر ابوبکرؓ نے کیا۔

پیغمبر اسلامؐ کی صاحبزادی سے خاندانی وراثت چھین لینے سے یہ مثال قائم ہوئی کہ مسلم خواتین کو دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ محمدؐ نے اپنی زندگی میں منفی مساوات کا جو عمل شروع کیا وہ آپؐ کی رحلت کے فوراً بعد روک دیا گیا، اگر پیغمبرؐ کی صاحبزادی کو ان کی جائیداد سے محروم کر دیا گیا تو اسلام کی کروڑوں دیگر بیٹیوں کا کیا حال ہو گا۔ اسلامی قانون کے تحت جائیدادوں میں سے جائز حصہ دینے سے انکار کیا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ اور فاطمہؓ نے حق بجانب ہونے پر بھی مایوسی کے عالم میں تصادم سے گریز کیا۔ فاطمہؓ نے کبھی ابوبکرؓ کو معاف نہ کیا۔ اگرچہ علیؓ مسلمانوں کی قیادت کے اپنے دعوے سے دستبردار ہو گئے تھے اور ابوبکرؓ کو بطور خلیفہ تسلیم کر لیا لیکن وہ اپنے اور فاطمہؓ کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کو نہ بھلا سکے۔ مورخ مسعودی نے علیؓ اور ابوبکرؓ کے درمیان ایک مکالمہ کا ذکر کیا ہے کہ علیؓ نے کہا ''تم نے ہمیں ہمارے حق سے محروم کر دیا۔''

ابوبکرؓ کے دفاع میں بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ نو مولود مسلم امہ جس وقت پریشانی سے دوچار تھی تو انہوں نے حکومت کرتے ہوئے جارحانہ مزاج والے عمرؓ کو روک کر اس دھماکہ خیز صورت حال کو کنٹرول کیا۔ اپنی خلافت کے دو برسوں کے دوران انہوں نے کئی بغاوتوں کو فرو کیا۔ ابوبکرؓ پر تنقید سے قطع نظر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے

MashalBooks.org

ذاتی کردار اور وقار کے اعلیٰ ترین معیار کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے کبھی دولت کی خواہش نہیں کی اور فیصلے کرنے سے قبل ساتھیوں سے مشاورت کرتے تھے۔ یہ مشاورت صرف اشرافیہ سے ہی نہیں بلکہ عام اور غریب لوگوں سے بھی کی جاتی تھی۔ تاریخ کے اس دور کو جمہوری حکمرانی کے حوالے سے اہم قرار دیا جا سکتا ہے۔

حتیٰ کہ علیؓ اور فاطمہؓ کے معاملے میں بھی اس بات کے شواہد موجود ہیں کہ ابوبکرؓ کو ان دونوں کو پہنچنے والے صدمے کا اندازہ تھا اور وہ ان واقعات پر افسوس کا اظہار بھی کرتے رہے۔ مورخ طبری بیان کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے ایک مرتبہ ایک صحابی سے بات چیت کرتے ہوئے کہا: ''کاش میں نے نبیؐ کی بیٹی کے گھر کی تلاشی نہ لی ہوتی یا ان کے گھر کسی کو گھسنے کی اجازت نہ دی ہوتی چاہے ان کی طرف سے اعلان جنگ کیوں نہ کیا جاتا.......... کاش میں نے رسولؐ سے پوچھ لیا ہوتا کہ آپؐ کے بعد کون جانشین ہوگا۔''

کیا جانشینی کے مسئلے پر خاموشی اختیار کرنے میں حضرت محمدؐ کی کوئی مصلحت تھی؟ کیا ایسا تھا کہ حضورؐ چاہتے تھے کوئی ان کا جانشین نہ بنے؟ آپؐ پر قرآن کی جو آخری وحی نازل ہوئی تھی اس میں حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کو واضح ہدایات فرمائی گئی تھی: ''آج ہم نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا۔'' چنانچہ قرآن میں کسی مقام پر حضرت محمدؐ کی رحلت کے بعد اسلامی ریاست کے قیام کی بات نہیں کی گئی۔ اسی طرح احادیث کے مجموعوں میں بھی اسلامی ریاست کا کوئی ذکر نہیں۔

بہرحال جانشینی کی جدوجہد کے بعد بالآخر حالات پرسکون ہو گئے۔ لیکن اس کے بعد گاہے بگاہے ان کا اعادہ ہوتا رہا، اس پہلے تصادم نے عرب سیاست پر ہمیشہ کے لئے دھبہ لگا دیا، زمانہ جاہلیت کی قبائلیت اور نسلی شناختوں نے میرٹ کے اصولوں اور حضرت محمدؐ اور قرآن کی آفاقی تعلیمات کی جگہ لے لی۔ ایک بار یہ طے کر لیا گیا کہ صرف قریش ہی انصار مدینہ پر حکمرانی کریں گے کیونکہ قریش کو قبائلی حوالے سے بالادستی حاصل ہے تو پھر یہ بحث آگے ہی بڑھتی چلی جائے گی کہ عربوں کو ایرانیوں، افریقیوں اور ہندوستانیوں پر برتری حاصل ہے۔ عرب قبائلیت اور خاندانی پس منظر کی قبل از اسلام روایات آج بھی عربوں کی طرف سے غیر عرب مسلمانوں کے ساتھ سلوک میں زندہ نظر آتی ہیں۔

MashalBooks.org

ایرانی سکالر علی دشتی لکھتے ہیں کہ اسلام کے ظہور سے پہلے عرب اپنے قبیلے، خاندان یا خون کی دیگر افراد پر برتری کے برملا اظہار کے عادی تھے۔ ان کی برتری کے دعوے نیکی اور اچھے کاموں کی بنیاد پر نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ قتل و غارت، لوٹ مار اور مخالفین کی عورتوں کے اغواء پر فخر کرتے تھے۔ اسلامی تعلیمات نے اس قبیح تصور کی نفی کی اور کسی شخص کی برتری کا معیار تقویٰ مقرر کیا۔ بدقسمتی سے یہ نئے معیارات زیادہ دیر ثابت نہیں ہوئے۔ مختصر یہ کہ حضرت ابوبکرؓ نے عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا اور 644ء میں ان کی وفات کے بعد عثمانؓ خلیفہ مقرر ہوئے جن کے دور خلافت میں اقربا پروری کو تقوے پر ترجیح دی گئی اور حضرت ابوذر غفاریؓ جیسے ممتاز صحابی کو الگ تھلگ کر دیا گیا جبکہ معاویہ جیسے خلیفہ کے رشتہ داروں کو گورنریاں عطا کی گئیں۔ اس کے بعد کے دور خلافت (750-1661) میں اسلام کے سنہری اصول تقویٰ کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ قبائلی تفاخر اب بھی اہم ترین ''اصول'' تھا بلکہ اس کے تناظر میں وسعت آ گئی تھی عرب کے صحراؤں سے اٹھنے والے بدوؤں نے وسیع پیمانے پر فتوحات حاصل کی تھیں، دشتی آ گے لکھتے ہیں! ''یہ فتوحات عربوں کے قبائلی فخر کے حوالے سے زہر ہلاہل ثابت ہوئیں۔)'' وہ سمجھتے تھے کہ وہ برتر قوم ہیں جبکہ محکوم لوگ کمتر ہیں۔ دشتی کہتے ہیں کہ ''اموی دور میں غیر عرب مسلمانوں کو بالکل کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور جو لوگ اسلام قبول کرتے تھے انہیں اسلامی قانون کے تحت حاصل ہونے والے حقوق نہیں دیئے جاتے تھے۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کو اسلام پسندوں کی طرف سے یہ سبق دیا جاتا ہے کہ انہیں اپنے سیاسی مستقبل کے لئے پیچھے مڑ کر پہلے چاروں خلفائے راشدین کے دور کو بطور نمونہ دیکھنے کی ضرورت ہے لیکن اگر ان ادوار کا جائزہ لیا جائے تو وہ موجودہ سیکولر جمہوری سول سوسائٹی کے تقاضوں پر پورا نہیں اترتے۔ جہاں شہریت آسمانی صحیفوں، مخصوص نسل، مذہب، قبیلے یا ذات کی بجائے انسان کے بنائے قوانین پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود علماء اس دیو مالا کی تبلیغ کرتے ہیں اور کروڑوں مسلمانوں کو اس سراب کا تعاقب کرنے کو کہتے ہیں جو ہزار سالہ کوششوں کے باوجود ہمارے بڑوں کے ہاتھ نہ لگ سکا۔

اکیسویں صدی میں ہم مسلمانوں کے پاس ایک چوائس ہے کہ ہم ابن رشد یعقوب کندی، ابوسینا اور ابن خلدون جیسے سائنسدانوں کی تقلید کریں یا ان قدامت پسندوں

MashalBooks.org

کی بات مان لیں جو ان شخصیات کو مشرک قرار دیتے ہیں۔ اس چوائس کا انتخاب کرتے ہوئے ہمیں ذہن نشین رکھنا ہوگا کہ جب ہم اسلامی ریاست کے بے معنی سراب کے پیچھے بھاگتے ہیں تو دراصل اسلام کی ریاست کو قربان کر دیتے ہیں۔

☆ عثمانؓ کو عمرؓ کی مقرر کردہ 6 رکنی شوریٰ نے خلیفہ نامزد کیا۔

☆ ابو ذر غفاریؓ کو غریبوں کی وکالت پر شہرت حاصل ہے اور بعض حوالے سے انہیں پہلا مسلم سوشلسٹ سمجھا جاتا ہے۔

MashalBooks.org

ساتواں باب

مدینہ...........خلفائے راشدین کا دور

اسلام کو صرف مذہب نہیں بلکہ سیاست کا بھی ذریعہ سمجھنے والے تمام اسلام پسند اس بات پر متفق ہیں کہ آج اکیسویں صدی کی اسلامی ریاست کے لئے اسلام کے پہلے چار خلفاء کا دورِ حکمرانی اگر اسلامی ریاست کا نقشہ نہیں تو کم از کم ایک ماڈل ضرور ہے۔

سنی مسلمان سمجھتے ہیں کہ 30 سالہ عرصے پر محیط یہ واحد دور تھا جب قرآن اور تعلیمات رسول کے عین مطابق اسلام کا نفاذ کیا گیا تھا، کچھ مسلمان اسے اسلام کا سنہری دور بھی قرار دیتے ہیں، مورخین حضرت محمدؐ کے بعد خلیفہ بننے والے 4 صحابہ کرامؓ ابوبکر (متوفی 634ء)، عمرؓ (متوفی 644ء)، عثمان (متوفی 656ء) اور علی (متوفی661ء) کو خلفائے راشدین کے حوالے سے بھی یاد کرتے ہیں۔ سنی ان چاروں کو انتہائی عظیم درجہ دیتے ہیں جبکہ شیعہ پہلے خلفاء کو خلافت کا حقدار نہیں سمجھتے، ان کا کہنا ہے کہ علیؓ جو بالآخر چوتھے خلیفہ بن گئے تھے کو حضرت محمدؐ کے وصال کے فوراً بعد مسلمانوں کی قیادت کرنا چاہئے تھی۔

دنیا کی اسلام پسند تحریکوں کے ممتاز علم دار ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ:

> ''خلافت راشدہ...........ایک ایسا مینارہ نور ہے جسے بعد میں آنے والے باشعور اور متقی انسان اسلام کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی احکام کی علامت کے طور پر مڑ کر دیکھتے ہیں۔''

جمال بداوی، کینیڈا کے ممتاز اسلام پسند جو کینیڈا میں شرعی قوانین کے نفاذ کے لئے تشکیل دیئے گئے اسلامی جماعتوں کے بورڈ کے بھی رکن ہیں کہتے ہیں کہ خلافت راشدہ کا دور آنے والے تمام زمانوں کے لئے ماڈل ہے۔ ''اسلام آن لائن'' وب سائٹ کے لئے

MashalBooks.org

لکھتے ہوئے جمال بداوی کہتے ہیں: ''بدقسمتی سے آج اسلامی سیاسی نظام کا جامع اور بھرپور ماڈل موجود نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ محض ایک تخیلاتی نظام ہے اور صرف نظریات میں ہی ملتا ہے۔ بلکہ اس کی مثال ہمیں حضرت محمدؐ کی پوری زندگی اور پھر پہلے خلفائے راشدین کے دور میں مکمل اور جامع شکل میں ملتی ہے۔''

حضرت محمد ﷺ کے وصال کے بعد پیدا ہونے والی ابتری اور حصول اقتدار کی کشمکش سے قطع نظر یہ بات بالکل واضح ہے کہ تبدیلی واقع ہو چکی تھی اور یہ امر تاریخ کے اس وقت اور مقام پر نہایت اہمیت کی حامل تھا۔ بجائے اس کے کہ اقتدار خود بخود قریبی رشتہ داروں یا وارثوں کو منتقل ہو جاتا کئی طرح کی بحث وتمحیص کے بعد اقتدار حضرت محمد ﷺ کے اقارب سے باہر چلا گیا، مکی عربوں نے مدنی عربوں پر اپنی قبائلی برتری ثابت کی لیکن چاروں خلفائے راشدین نے موروثی اقتدار کو مسترد کر دیا، حتیٰ کہ علیؓ جو حضورؐ کے کزن کی حیثیت سے خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے نے ایک اسٹیٹس مین کی طرح قیادت کا مظاہرہ کیا، انہوں نے اپنے سے پہلے تین خلفاء کے قریب رہ کر کام کیا، یہاں تک کہ آپ نے بستر مرگ پر بھی اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ کو جانشین نامزد کرنے سے انکار کر دیا۔

مسلمان کئی حوالوں سے بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں کہ پہلے اور دوسرے خلیفہ، ابوبکر اور عمر نے مسلمانوں پر شرافت کے پیکر، وقار اور شفافیت کے اعلیٰ معیارات کے ساتھ حکومت کی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے شخصی رویے، انسان نوازی اور سماجی انصاف کے اپنے عزم کی وجہ سے آج بھی مسلمانوں کے لئے رول ماڈل ہیں۔ اقتدار کے وقت اقربا پروری اور عصبیت کی مثال سے ہٹ کر ان دونوں کبار صحابہ جنہیں ''شیخین'' بھی کہا جاتا ہے نے دولت اور مال سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔

حضرت محمد ﷺ کی طرح انہوں نے ریاستی امور اور سیاست کے نمونے کے طور پر حکومت نہیں کی اور اپنے پیچھے بھی ایسا کوئی ماڈل نہیں چھوڑا۔ انہوں نے خاندانی تنازعوں کے فیصلے کے لئے انہی قبائلی روایات کو آگے بڑھایا جو صدیوں سے عرب معاشرے میں رائج تھیں، اگرچہ ان کے ادوار بغاوتوں اور تنازعات سے بھرپور تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے مدینہ میں بیٹھ کر پورے عرب پر کامیابی سے حکمرانی کی۔

ابوبکر اور عمر کے بعد عثمان اور علی کا دور آیا جن کی باہمی بداعتمادی نے خونریزی

MashalBooks.org

اور مسلمانوں میں مستقل کشیدگی کو جنم دیا، کئی صدیوں تک یہ زخم رستے رہے اور مسلم جسم پر ایک مستقل سوجن چھوڑی، یہ زخم رستے رہے اور لوگوں کی قوت ماضی میں کہیں پھنسی رہی۔

ہم مسلمان چاہے خلفائے راشدین کو تقویٰ اور اعلیٰ کردار کا حامل سمجھتے ہوں اور تمام بنی نوع انسانی کو ان کی شفافیت اور انسان نوازی کی تقلید کرتے دیکھنا چاہتے ہوں لیکن سیاسی نظام جو انہوں نے اختیار کیا وہ آج کے مسلمان کے لئے قابل تقلید نہیں سمجھا جا سکتا۔ مسلمان اکیسویں صدی میں بیٹھ کر اپنے سیاسی مستقبل کے لئے پیچھے مڑ کر دیکھنے کے متحمل نہیں ہو سکتے یہ عرب کے اوائل قرون وسطیٰ (ساتویں) اور مغرب کے صنعتی انقلاب کے دور (اکیسویں صدی) کے مقابلے کا سادہ سا سوال نہیں بلکہ چاروں خلفاء کے تین عشروں پر مشتمل عرصے کی پڑتال اور اس حوالے سے سوالات اٹھانے کی ضرورت ہے۔

کیا حضرت محمدﷺ کے جانشین کے انتخاب کے لئے اختیار کیا جانے والا سیاسی طریقہ قرآنی تعلیمات کی عکاسی کرتا ہے؟ کیا پہلے چاروں خلفاء کے سیاسی نظام کو آج کے مسلمانوں کی بیماریوں کی شفا کے طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے؟

یہ سوالات اٹھاتے ہوئے میرا مقصد ہرگز صحابہ رسول کی توہین کرنا نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ وہ بھی فانی تھے، انہوں نے اپنے دور کے چیلنجوں کا سامنا کیا اور حضورﷺ کی رحلت کے عظیم نقصان کے بعد جنم لینے والی غیر یقینی صورت حال کا مقابلہ کیا، کیونکہ آپؐ نے وصال سے قبل انتقال اقتدار کے مستحق فرد کے حوالے سے کوئی ہدایت نہیں چھوڑی تھی، ان خلفاء کی شرافت تصور سے بھی بڑھ کر تھی لیکن میرے نزدیک اقتدار کے لئے ان کی کھینچا تانی اور نسلی وقبائلی بنیادوں پر انحصار قرآن کے نافذ کردہ عالمگیر پیغام سے میل نہیں کھاتا تھا۔

مسلمان یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت محمدﷺ کی وفات کے بعد سیاسی ڈھانچے اور اداروں کی تخلیق کا فرض ایک مذہبی فریضے کے طور پر کیوں اختیار کیا تھا کیونکہ خدا نے تو اپنی آخری وحی میں محمدﷺ سے صاف کہہ دیا تھا کہ ''آج ہم نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا''۔ وہ نظام جو ان (صحابی رسول ہونے کے باوجود) فانی اصحاب نے تخلیق کیا اور جو تیس سال کے بعد آگے نہ چل سکا لیکن اس نے دنیا بھر کے مسلمانوں میں مستقل تقسیم کی بنیاد رکھی کو اسلام کا ناگزیر جزو قرار نہیں دینا چاہئے۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان 1400 سال میں کسی ایک بھی مسلمان حکمران خاندان نے خلفائے راشدین

MashalBooks.org

کے سیاسی عمل کو اختیار نہیں کیا۔

گزشتہ صدی، بالخصوص دوسری جنگ عظیم کے بعد، میں جو ڈرامائی تبدیلیاں رونما ہوئیں اس میں دنیا نسلی اور مذہبی تخصص کو کس طرح دیکھتی ہے۔نسل اور مذہب سے قطع نظر مساوی شہریت کا اصول جو کینیڈا جیسے معاشروں میں رائج ہے۔جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ انہوں نے خلفائے راشدین کے طریقے کو سیکولر جمہوریت کے متبادل کے طور پر اختیار کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ کینیڈا جیسے جمہوری معاشروں میں مذہبی علماء کا اختیار ریاست نے سلب کر لیا ہے وہ اسلام پسندوں اور ان کے بنیاد پرست جہادیوں کے لئے خوفناک سوچ بن گیا ہے۔ اس سے حزب التحریر، اخوان اور جماعت اسلامی جیسی بنیاد پرست تنظیموں اور ان کے امریکہ اور کینیڈا میں حامیوں کی طرف سے نئے پراپیگنڈے کی وضاحت ہوتی ہے۔

ایک طرف جہاں پوری دنیا نسل اور نسل پرستی کے ایشوز سے نبرد آزما ہے وہاں اسلامی ممالک کے سیاسی رہنما اور دانشور طبقہ ایسا کرنے میں ناکام ہے۔جس طرح شروع میں مکی عربوں کو مدنی عربوں پر فوقیت دی گئی اسے اب منظّم طریقے سے سیاہ فام افریقیوں، ایرانیوں اور ہندوستانیوں کے ساتھ دہرایا جا رہا ہے۔سترہویں صدی میں جب عثمانی، مغلیہ اور صفوی سلطنتیں دنیا کی بڑی طاقتیں تھیں اس وقت بھی مسلمان نسل پرستی کو کم ہی غلط سمجھتے تھے۔ان سے پہلے اسلامی حکمران خاندان غلاموں کی خرید وفروخت میں ملوث رہے، اسلامی سکالر اور مورخ ابن خلدون نے 1377ء میں تحریر کیا کہ:

> ''سیاہ فام قوموں کو قانون کے تحت غلام قرار دیا جاتا ہے کیونکہ حبشیوں میں انسانوں سے ملتی جلتی کوئی خصوصیت نہیں اور انہیں صرف بے زبان جانوروں کے برابر سمجھا جاتا ہے۔''

''سیاہ فام قوموں'' کے حوالے سے یہ تاثر عظیم ترین اسلامی سکالروں میں سے ایک نے ڈھکے چھپے انداز میں نہیں پیش کئے۔ یہ دراصل قرآن کے معانی کی غلط تشریح کا براہ راست نتیجہ ہے جو مختلف نسل کے مسلمانوں کی اشرافیہ میں پائے جاتے ہیں۔آج جنجاولی کی اصطلاح بدوی عرب ملیشیا کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو افریقہ کے سیاہ فام مقامی کاشتکاروں کے خلاف لڑائی کرتی ہے۔سوڈان میں دارفور کے مسلمانوں کے قتل عام میں لگے ہوئے ہیں تو ان کا یہ عمل صدیوں پر محیط عربوں کی سیاہ فام افریقوں پر نسلی اور قبائلی

MashalBooks.org

عصبیت سے منسلک ہوتا ہے۔

جب مفکر ابو الاعلیٰ مودودی بڑے فخریہ انداز میں پہلے چاروں مسلمان خلفاء کے بارے میں لکھتے ہیں تو کئی مسلمان ان کے نقطہ نظر سے اختلاف کرتے ہیں۔ اس اختلاف رائے کا مقصد صحابہ رسول کی توہین کرنا نہیں ہوتا بلکہ یہ باور کرانا ہوتا ہے کہ کسی سول سوسائٹی میں نسل اور مذہب کی بنیاد پر منظم طریقے سے امتیازی سلوک برتنے کی کوئی جگہ نہیں۔

ابن خلدون کی سیاہ فام افریقیوں کی ''گونگے بہرے جانوروں'' سے تشبیہہ حضرت عمرؓ کے دور میں عراقی صوبہ کوفہ میں عربوں کے ردعمل سے ملتی جلتی ہے۔ خلیفہ نے وہاں عمار بن یاسر کو گورنر بنا کر بھیجا لیکن دباؤ کی وجہ سے اپنا حکم واپس لے لیا کیونکہ عمار بن یاسر سیاہ فام تھے کیونکہ لوگ ایسے شخص کی حکومت کو پسند نہیں کرتے تھے جو کان کٹا غلام ہو۔ کیا اہل کوفہ کو نسل پرستی پر مورد الزام ٹھہرایا جا سکتا ہے جب مدینہ کے سعد بن عبیدہ کو خلافت کے لئے نااہل قرار دینے کے لئے اسی قبائلی، نسلی اور خاندانی تعلق کا سہارا لیا گیا تھا؟ جب ایک بار قریش کو منتخب قرار دے دیا گیا تو نسل پرستی کی پھسلن زدہ ڈھلوان مسلمانوں کو انتہا پر لے گئی اور سیاہ فام افریقی اسی نسل پرستی کی زد میں آ گئے۔

ابوبکر الصدیقؓ............خلیفۃ الرسول

حضرت محمدؐ خدا کے پیغمبر تھے، لیکن ان کے جانشین اور سسر ابوبکر صدیقؓ کے لئے اقتدار سنبھالنے کے بعد کون سا لقب موزوں ہو سکتا تھا؟ وہ خلیفہ تھے چونکہ نائب یا Vice-regent تھے، لیکن کیا وہ خلیفۃ اللہ یا خلیفۃ الرسول تھے؟ ان دونوں القاب میں فرق شاید زیادہ اہم نظر نہ آتا ہو لیکن ابوبکرؓ نے جو چوائس اختیار کی وہ نہایت اہم ہے جس سے ان کی حکمرانی کی نوعیت سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

ان کے بعض حامیوں نے مشورہ دیا کہ ابوبکرؓ کو خلیفۃ اللہ کا لقب اختیار کرنا چاہئے۔ ان کے نزدیک ابوبکرؓ کی خلافت نبیؐ کے مشن کا تسلسل ہے لہٰذا اس طرح وہ خدا کے خلیفہ ہیں۔

آج بھی کئی مسلمان اسلامی تاریخ میں ابوبکر کا مقام سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں اور انہیں روحانیت کے قریب قریب درجہ دیتے ہیں، بہرحال ابوبکرؓ نے یہ لقب مسترد کرتے

MashalBooks.org

ہوئے کہا کہ ''میں خدا کا خلیفہ نہیں بلکہ خلیفۃ الرسول اللہ ہوں'' لیکن ان کی طرف سے یہ حقیقت کہ وہ صرف رسول کے نائب ہیں تسلیم کرنے کے باوجود ان کے بعض حامی ان کے ساتھ بدستور اسی عزت اور تکریم کے ساتھ پیش آتے تھے جس طرح وہ پیغمبر کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ابوبکرؓ نے خلافت کا منصب سنبھالنے کے بعد مسلمانوں سے خطاب میں کہا کہ:

''اے لوگو، مجھے تم پر حکمران مقرر کیا گیا ہے، لیکن میں تم میں سے بہترین نہیں، اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں گمراہی کی طرف چلوں تو تم میری گرفت کرنا۔''

اس بنا پر فتنہ ارتداد کے خلاف جنگیں شروع ہو گئیں۔ بظاہر یہ جنگیں ایسے مسلمانوں کے خلاف لڑی گئیں جو اسلام سے مرتد ہو گئے تھے لیکن حقائق اس کے علاوہ بھی ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کئی عرب قبائل حضرت محمدؐ کے ساتھ کئے گئے اپنے معاہدوں سے پھر گئے تھے اور اب اسلام چھوڑنے پر بھی آمادہ تھے لیکن شواہد بتاتے ہیں کہ دیگر کئی اسلام سے نہیں نکلنا چاہتے تھے بلکہ انہوں نے صرف ابوبکرؓ کی اطاعت سے انکار کیا تھا۔ ایسے افراد کو اسلام کے اندر رہتے ہوئے اس طریقہ کار پر اعتراض تھا جس کے تحت ابوبکرؓ نے خلافت سنبھالی تھی۔ انہوں نے اس تصور کو مسترد کر دیا کہ صرف مکہ کے عرب ہی مسلمانوں کی قیادت کا حق رکھتے تھے۔

بعض عربوں کا خیال تھا کہ حضرت محمدؐ کے جائز جانشین ابوبکرؓ نہیں بلکہ آپؐ کے کزن اور داماد علیؓ تھے۔ انہوں نے محسوس کیا چونکہ انہیں ثقیفہ کے مقام پر ہونے والے مشاورتی عمل میں شامل نہیں کیا گیا تھا لہٰذا نئے خلیفہ کی اطاعت کرنا ان پر واجب نہیں۔ ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ انہیں نئی خلافت کی بابت قرآن اور احادیث محمدؐ میں بھی کوئی جواز نظر نہیں آیا۔

کچھ قبائل نے خلیفہ کی طرف سے بھیجے گئے عمال کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ اسلامی احکامات میں ان کی سمجھ کے مطابق زکوٰۃ ابوبکرؓ کے عمال کی دولت کے لئے نہیں بلکہ غریبوں اور ضرورت مندوں کے لئے ہوتی ہے۔ اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسے افراد جو بدستور اسلام پر قائم تھے کو زبردستی ان لوگوں کے ساتھ نتھی کیا گیا جو مرتد ہو چکے تھے، ایسے افراد کو مرتد قرار دے دیا گیا مرتد کے لئے سخت ترین سزا مقرر تھی۔ یعنی اس کا سر قلم کر دیا جائے اس سزا کو آج بھی اسلام پسندوں

میں خاصی مقبولیت حاصل ہے۔

آج بھی اسلام کے پانچ بڑے فقہ کا اس بات پر اتفاق پایا جاتا ہے کہ دائرہ اسلام سے باہر نکلنے والا سزائے موت کا مستحق ہے۔ حالانکہ قرآن میں مرتد کے لئے موت کی سزا کا ذکر نہیں، قرآن کہتا ہے کہ اللہ شرک کو پسند نہیں کرتا لیکن اس کے لئے سزا آخرت پر موقوف کی گئی ہے لیکن ابوبکرؓ کے ان ابتدائی تنازعات میں بے شمار مخالفین کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اب اسلامی سکالر ان ہلاکتوں کو ارتداد کے مرتکب مسلمانوں کے لیے موت کی سزا جائز قرار دینے کی مثالوں کے طور استعمال کرتے ہیں۔

ارتداد کے خلاف لڑی گئی بعض جنگیں بنیادی طور پر مذہب نہیں صرف سیاست پر مبنی تھیں۔ یہ اصل میں پہلی عرب ریاست کے ڈگمگانے کے خطرے کو ٹالنے کے لیے لڑی گئیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر ابوبکرؓ نے بغاوت کرنے، ٹیکس (زکوٰۃ) نہ دینے اور اطاعت سے انکار کرنے کے خلاف فوری کارروائی نہ کی ہوتی تو نئی ریاست ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔ وسطی عرب کا علاقہ نبوت کے جھوٹے دعویدار مسیلمہ کے کنٹرول میں تھا' عمان، یمن، بحرین اور ماہرہ کے قبائل اسلام پر تو قائم رہے لیکن انہوں نے ابوبکرؓ سے ناتے توڑ لیے۔

عملی سیاست کی رُو سے ابوبکرؓ کے پاس کوئی متبادل نہیں تھا۔ کسی بھی ڈگمگاتی ریاست کے حکمران کو ایسی ہی پالیسیوں پر عملدرآمد کرنا چاہیے۔ لیکن ابوبکرؓ کے اقدامات قرآنی اصولوں سے اخذ نہیں کیے گئے تھے۔ قرآن طاقت کے زور پر لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتا ہے۔ آیت قرآنی ہے ''دین کے معاملات میں کوئی جبر نہیں''۔ اور اگر خلیفہ کی اطاعت سے انکار قابل سزا جرم تھا تو نبیﷺ کے کئی صحابہ اتنے ہی گناہ گار تھے۔ سعد بن عبیدہؓ اور علیؓ منحرفین میں سے نمایاں ترین نام تھے لیکن ان کی سزا سماجی بائیکاٹ تھی' موت نہیں۔ ان دونوں کو تشدد اور دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن جسمانی طور پر انہیں کوئی گزند نہیں پہنچایا گیا۔

علیؓ تو سچ بیان کرنے کے لیے زندہ رہے لیکن دور دراز کے رہنے والے ان سے کم خوش نصیب ثابت ہوئے۔ بیشتر مورخین نے اس تصادم کا ذکر کیا ہے جو ابوبکرؓ کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ جن کا تعلق قریش مکہ سے تھا اور عدن کی سرحد کے قریب بنو یربعو کے

مالک بن نویرہ کے درمیان ہوا تھا- مالک بن نویرہؓ صحابی رسولؐ تھے اور حضرت محمدؐ نے اپنی رحلت سے چند ماہ قبل انہیں اپنے قبائل سے زکوٰۃ جمع کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی تاہم پیغمبرﷺ کے انتقال کی خبرسُن کر انہوں نے جمع کی گئی رقم لوگوں کو واپس کر دی کیونکہ انہوں نے ابوبکرؓ کو نیا خلیفہ تسلم کرنے سے انکار کر دیا تھا- اس بات پر غضبناک ہو کر ابوبکرؓ نے اپنے جرنیل خالد بن ولید کو اس ''باغی'' کا قلع قمع کرنے کا حکم دیا- یہ تصادم باغی قبیلے کی شکست پر منتج ہوا- لڑائی کے دوران جب دونوں صحابہ کرام کا آمنا سامنا ہوا تو مالکؓ نے خالدؓ سے کہا کہ وہ اب بھی مسلمان ہیں لیکن ابوبکرؓ کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے- ان دونوں کے درمیان عدم اتفاق مذہب پر نہیں تھا- یہ محض زکوٰۃ کی وصولی پر دو مسلمانوں کے درمیان سیاسی تنازعہ تھا- قرآن نے مسلمانوں کو باہمی تنازعات ثالثی سے طے کرنے کی ہدایت کی ہے اور دینی بھائی ہونے کے ناتے تشدد سے منع فرمایا ہے لیکن ان احکام کو پس پشت ڈالتے ہوئے خالد بن ولیدؓ نے باغیوں کے سر قلم کرنے کا حکم دیا- مالکؓ کا سر بھی تن سے جدا کر دیا گیا اور اسے بعدازاں خالد نے کھانا پکانے کے برتن کے طور پر استعمال کیا-

مالک بن نویرہؓ کے لہو منجمد کرنے والے قتل کے واقعے نے حضرت عمرؓ جیسے صحابی کو بھی خوفزدہ کر دیا اور انہوں نے ابوبکرؓ سے مطالبہ کیا کہ خالد بن ولیدؓ کو مسلمان کے قتل پر سزا دی جائے- ابوبکرؓ نے بھی جواب میں تسلیم کیا کہ خالد نے غلطی کی ہے-

مالکؓ اور خالدؓ کے درمیان تصادم شاید اسلام کی تاریخ میں ابتدائی ترین سیاسی مخاصمت تھی جسے مذہبی رنگ دے کر مرتد کا فتویٰ جاری کیا گیا اور موت کی سزا دی گئی- عمرؓ نے جو ایک غصے والے انسان کے طور پر مشہور تھے اور آسانی اشتعال میں لائے جا سکتے تھے، نے بھی فتنہ ارتداد کے خلاف جنگوں پر ابوبکرؓ سے اختلاف رائے کیا- انہوں نے ابوبکر کو چیلنج کیا ''آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ لڑ سکتے ہیں جبکہ پیغمبر خدا نے فرمایا تھا کہ مجھے ان افراد سے اس وقت تک لڑنے کا حکم ہے جب تک وہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار نہ کر لیں اور جو کلمہ پڑھ لے تو اس کی جان اور مال کی حفاظت فرض ہے اور اگر اس نے کوئی غلط کام کیا ہے تو یہ بندے اور اللہ کے درمیان معاملہ ہے-''

بلاشبہ یہ سچ ہے کہ جاوا، سماٹرا یا ملایا کو کبھی عرب افواج نے فتح نہیں کیا اور یہ کہ بنگال کسی اسلامی ریاست سے زمینی رابطے کے بغیر ہی مسلمان ہو گیا- اسلام دنیا کے کچھ

MashalBooks.org

حصوں میں پُرامن طور پر پھیلا لیکن یہ کہنا بد دیانتی ہو گی کہ مدینہ اور مکہ کے قصبات سے بازنطائن اور ایران کے اندرونی علاقوں تک توسیع کے دوران تلوار کا کوئی استعمال نہیں کیا گیا تھا۔

سعودی پرچم پر کلمہ طیبہ عربی رسم الخط میں تحریر ہے۔ اس کلمے کے نیچے سعودی عرب نے بڑے فخر سے ایک تلوار بھی آویزاں کی ہے۔تلوار اور کلمے کو ایک ساتھ رکھنے سے سعودی پرچم اس امر کا عکاس ہے کہ کس طرح بعض مسلمانوں نے اپنے طور پر تلوار اور اسلام کو ایک دوسرے سے منتھی کر رکھا ہے۔مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کے قاتلانہ اقدامات پر معذرت خواہانہ رویہ ترک کر دیں چاہے یہ خالد بن ولیدؓ جیسی شخصیات کیوں نہ ہوں۔ہمیں یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ یہ لوگ چاہے صحابہ رسول میں سے کیوں نہ ہوں لیکن وہ محض انسان تھے اور ہم سب انسانوں کی طرح ان کے فیصلوں میں غلطی ہو سکتی ہے۔ یہ ایسے انسان تھے جو سیاسی طاقت کے تحرک Dynamics اور فوجی طاقت کے منفی اثر ونفوذ کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جنگ ارتداد کا مذہبی نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ تاریخ کے ایک موضوع کے طور پر مطالعہ کریں۔صرف الوہیت divine کو سیکولر سے الگ کر کے ہی ہم قرآن کے اس پیغام کہ ''سچ کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ، نہ سچ کو چھپاؤ اگر تم جانتے ہو (چاہے کچھ بھی ہو)'' پر عمل کر سکیں گے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ کو اسلامی ملائیت سے گڈ مڈ کرنے سے اور ان تمام ایشو کو عوامی سطح پر مباحثے سے بدستور دور رکھنے سے ہم نے ثابت کر دکھایا ہے کہ ہمارا فکری عمل قرون وسطیٰ کے دور میں پھنسا ہوا ہے اور آج کے منفرد سول معاشرے کی آزادی سے بہرہ ور نہیں ہو رہا۔ ہم اس تنازعے کی سماجی معاشرتی ہیئت کا دو دھڑوں کے ناقدانہ مطالعے سے بہتر انداز میں تجزیہ کر سکتے ہیں: وہ قبائل جنہوں نے ابوبکرؓ کی جنگ ارتداد کی حمایت کی اور وہ جنہوں نے مخالفت کی۔

ابوبکرؓ کا یہ موقف کہ مکہ کے قریش عرب تمام عربوں پر حکمرانی کا قدرتی حق رکھتے ہیں دراصل اس طرح انہوں نے اپنے قبیلے کو ایک زبردست رعایت دلا دی۔ اس طرح تمام قریش ان کے ساتھ ہو لیے اور اس نئے اختیار کو باقی تمام عرب پر اپنی حکمرانی کے لیے استعمال کیا۔ قریش کو باقی تمام آبادی کو زیرنگیں بنانے میں یہ فائدہ نظر آیا کہ وہ پرکشش

تجارتی راستوں اور نئی ریاست میں پرکشش عہدوں پر قبضہ یقینی بنا سکتے تھے- دوسری طرف ابوبکرؓ نے قریش ـــــــ بالخصوص بنو امیہ پر اپنے لقب خلیفہ الرسول کی حمایت کے لیے انحصار کیا- یہ لقب جو ہر نئے خلیفہ کے آنے پر تبدیل ہوتا رہا نے مذہبی قیادت کے اختیار کو ریاستی انتظامیہ سے گڈمڈ کر دیا- اس اختلاط نے آنے والی صدیوں میں نئی ناانصافیوں اور ابہام کو جنم دیا- سلاطین اور بادشاہ نے ابوبکرؓ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مذہبی اتھارٹی کو اپنے اختیار کے لیے استعمال کیا- لیکن ان حکمرانوں نے ابوبکرؓ کے دینی علم اور دانائی کی تقلید نہیں کی- ابوبکرؓ، پیغمبرؐ کے ابتدائی ترین صحابہ میں سے تھے- شرافت، تحمل اور شفاف کردار کا نمونہ تھے- وہ لوگ جو ابوبکرؓ کا تخلیق کردہ ادارہ استعمال کرتے تھے انہوں نے ان کی انسان نوازی اور پرہیز گاری کو دیکھنے کی زحمت تک نہیں کی-

ابوبکرؓ کے دور میں جنگ ارتداد نے نومولود مسلم اُمہ کو سہارا دیا ہوگا اور نئی عرب ریاست قائم ہوئی لیکن ان سے مستقبل کے کئی المیوں کے اصولوں کی راہ ہموار ہوئی جس میں مسلمانوں نے اپنے مسلمان بھائیوں کو ہلاک کیا- خود ابوبکرؓ نے کہا ''اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرنا لیکن اگر میں برے کام کروں تو میری رہنمائی کرنا''- تو پھر ہم کو یہ کہنے میں ہچکچاہٹ کیوں محسوس کرنی چاہیے کہ بے گناہ مسلمانوں کے قتل کے نتیجے میں سامنے آنے والا حکمرانی کا نمونہ کیا ایسا ہے کہ جب پر مسلمانوں کو عمل کرنے کے لیے کہا جائے؟

مسلمان حکمران خود کو خدا کا خلیفہ قرار دیتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ اگر خدا نہ چاہتا تو وہ کبھی حکمران نہ بنتے- مذہب اور سیاست کو گڈمڈ کرنے سے مستقبل کے حکمرانوں کو یہ جواز ملا کہ وہ خدائی احکامات کے نام پر اپنے فرامین جاری کر سکیں- ابتدائی خلفائے نے روایت قائم کی اس سے مستقبل کے سلاطین اور خلفاء کو یہ موقع ملا کہ وہ ''مذہب کو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے زرہ کے طور پر استعمال کریں ـــــــ اور مخالفین کو کچل دیں ـــــــ انہوں نے لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ امام کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے اور ان سے نافرمانی اللہ کی نافرمانی کے مترادف ہے''-

مطلق العنان حکمرانوں کے دور میں خلیفہ کے ادارے کو ملنے والا ٹائٹل اسٹیبلشمنٹ کے پاس چلا گیا- اس کی ایک قسم یہ تھی کہ خلیفہ خدا کی زمین پر خدا کا نائب ہوتا ہے اور اس کا سایہ اللہ کے بندوں پر پھیلا ہوتا ہے اور یہ کہ خلیفہ خدا کا چنیدہ ہوتا ہے اور وہ

MashalBooks.org

اس کے احکامات پر عمل پیرا ہوتا ہے''۔

سلاطین، خلفاء جو ماضی میں حکمران رہے اور آج مسلم ممالک میں برسراقتدار مطلق العنان بادشاہ، آیت اللہ اخوان اور جنرلوں سب نے سیاست اور اسلام کو اپنے تسلط کو منصفانہ قرار دینے کے لیے گڈ مڈ کر رکھا ہے۔تاہم انڈونیشیا، ملائشیا، ترکی، سینیگال اور مالی جیسے چند ممالک اس مہلک ''کاک ٹیل'' سے بچے ہوئے ہیں۔ پاکستانی مدارس سے جامعہ الازہر قاہرہ تک سب میں خلافت کو مطالعہ اسلام کا جزو سمجھا جاتا ہے، بادشاہوں، جنرلوں اور مذہبی رہنماؤں نے اپنے آمرانہ اقتدار کو ہمیشہ اسلام کے بہروپ میں چھپائے رکھا، انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آج دنیا بھر میں مسلمانوں کی سیاسی سوچ کا دھارا ساتویں صدی کی فکر سے مماثل ہے۔

قبل ازیں ہماری تاریخ میں انحراف کی روایت موجود رہی، ابو حنیفہ، امام شافعی، امام حنبل، امام بخاری اور ابن تیمیہ جیسے سکالروں نے خلیفہ کے ریاستی اختیار پر اختلاف کیا۔ لیکن آج مطلق العنان حاکم اپنی مسلمان رعایا کو گورنس اور سیاست کی سائنس پر تحقیق سے روکتے ہیں۔ انہوں نے اسلام کے نام پر مسلمانوں کو دھوکہ دیا۔ اس طرح محکومیت کا بدبودار جوہڑ قائم کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان اب مذہب سے ہٹ کر سیاست کو اقتدار کا کوئی ذریعہ نہیں سمجھتے۔حتیٰ کہ خالصتاً انتظامی اور سیکولر معاملات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ سیاسی فکر مفلوج ہو چکی ہے، اسلام خلافت کی تخلیق کا باعث تو بنا تھا لیکن خلافت ایمان کا جزو نہیں۔ کوئی مسلمان چاہے بحر منجمد کا سکیمو ہو جہاں دور دور تک دوسرا مسلمان دکھائی نہیں دیتا یا مکہ کے عین بیچ میں لاکھوں مسلمانوں کے درمیان مقیم ہو اسلام ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتا اور یقیناً اس انویو (inuit) میں تو بافن آئی لینڈ پر خلافت قائم کرنے کی بھی حماقت نہیں۔

نبی پاکؐ کی صاحبزادی فاطمہؓ کو بھی ساتویں صدی میں انحراف یا اختلاف کے باعث ذاتی خطرات کا سامنا کرنا پڑا، جب ابوبکرؓ نے ان کی جائیداد ضبط کر لی، اس کا مقصد یہ تھا کہ علیؓ اور فاطمہؓ دونوں کی طرف سے قریش یا خود خلیفہ کی اتھارٹی کو چیلنج کا راستہ ان کے وسائل پر ضرب لگا کر روکا جا سکے۔ اس کے برعکس حضورؐ کی زوجہ مطہرہ عائشہ ـــــ جو ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں ـــــ سمیت دیگر ازدواج مطہرات کو نہ صرف جائیداد میں حصہ دیا گیا بلکہ معقول وظیفہ بھی لگایا گیا۔

MashalBooks.org

فاطمہؓ کے لیے حکمران اشرافیہ کی طرف سے غیر اعلانیہ نظر بندی کے صدمے نے بھاری قیمت وصول کی اور بالآخر آپ جانبر نہ ہوسکیں- فاطمہؓ کے انتقال کے بعد تنہائی میں شدت آنے پر علیؓ نے ابوبکرؓ کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا اور اوائل اسلام کے ان دونوں بڑے اصحاب کے درمیان دردناک مصالحت عمل میں آئی- نماز ظہر کے بعد ابوبکرؓ نے علیؓ کو خراج تحسین پیش کیا اور علیؓ کو خلیفہ الرسول اللہ کی بیعت کی پیشکش کی، علیؓ کی اطاعت کے بعد محمدؐ کے خاندان ـــــ بنو ہاشم ـــــ کا سماجی بائیکاٹ ختم کر دیا گیا اور کم از کم اوپر، اوپر سے مسلمانوں کے کئی دھڑوں کے درمیان دوستی کا دور آ گیا- علیؓ نے اگرچہ ابوبکرؓ کی بیعت کر لی تاہم انہوں نے کبھی ان کے طریقہ انتخاب کو قبول نہیں کیا- ان کے موٴقف تھا کہ پیغمبر نے انہیں جانشین چنا تھا اور انہیں امید تھی کہ معمر خلیفہ جب انتقال کر جائے گا تو وہ ان کی جگہ سنبھال لیں گے لیکن ایسا نہیں ہونے والا تھا-

ابوبکرؓ کے دو سالہ دور میں مسلمانوں کو کچھ سکون ملا اور متحارب دھڑوں میں بھی کسی حد تک مصالحت ہوگئی- ان کی حکمرانی کا ایک اور پہلو جس نے تمام زمانوں کے لیے مثال قائم کی وہ قومی خزانے سے ذاتی استعمال کے لیے دولت وصول کرنے سے انکار تھا- ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ خزانے سے یومیہ تین درہم تنخواہ لیتے تھے ـــــ انتہائی قلیل رقم- وہ بھی اس لیے کہ خلیفہ بننے کے بعد انہوں نے تجارت ترک کر دی تھی- وہ انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور اس بات کو یقینی بناتے تھے کہ مال غنیمت کو تمام افراد میں یکساں تقسیم کیا جائے- اپنی وصیت میں انہوں نے کہا کہ ان کی ملکیت کھجور کا درخت فروخت کر کے ریاست کا قرض (تنخواہ) واپس خزانے میں جمع کرا دیا جائے- ابوبکرؓ کا معاوضہ عام سپاہی کی سالانہ چار ہزار درہم تنخواہ کے مساوی تھا-

پیغمبرؐ کے برعکس ابوبکرؓ نے اپنی زندگی میں ہی جانشینی کا مسئلہ حل کر دیا- اگر علیؓ یہ امید کر رہے تھے کہ ابوبکرؓ ثقیفہ کی رات والی غلطی درست کر لیں گے تو یہ ان کی خام خیال تھی- ثقیفہ کے مقام پر کم از کم بحث مباحثہ کیا گیا تھا اور ابوبکرؓ کی جانشینی نامزدگی سے نہیں ہوئی تھی لیکن اب کی بار عوامی سطح پر کوئی مشاورت نہیں کی گئی- روایت ہے کہ ابوبکرؓ نے صرف دو صحابہ عثمانؓ اور عبدالرحمان بن عوفؓ سے مشاورت کی اور دونوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ اگلا خلیفہ عمرؓ کو ہونا چاہیے-

MashalBooks.org

ارتداد کے خلاف جنگوں کی وجہ سے مکہ کی اشرافیہ جن میں سے کئی نومسلم تھے فوج میں جنرل بن گئے تھے اور انہوں نے اپنی کامیابی اور دولت ابوبکرؓ کے سپرد کر دی، عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر کے ابوبکرؓ نے ان کی طرف سے کسی سنگین چیلنج کا خطرہ پیشگی ٹال دیا تھا- مدینہ میں عمرؓ کو غیر متنازعہ کنٹرول حاصل تھا اور واحد حریف خالد بن ولیدؓ شام میں بازنطینی فوجوں کے خلاف برسرپیکار تھے- ایک بار پھر علیؓ کو سیاست کی حقیقت کے سامنے جھکنا پڑا، خلافت ایک مرتبہ پھر ان سے دور کر دی گئی، جانشینی کا اعلان کرتے ہوئے انہوں نے مفادات کے تحفظ کا ذکر کیا لیکن عمرؓ پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا- انہوں نے یقین دلایا کہ نئے مفتوحہ علاقوں سے بھاری دولت آنے کا سلسلہ جاری رہے گا- آپ نے کہا:

''میں نے تمہارے معاملات عمرؓ کے سپرد کر دیئے ہیں جنہیں میں تم میں سے سب سے بہتر سمجھتا ہوں، تم میں سے ہر کوئی ناراض ہے کیونکہ ہر شخص خود کو جانشینی کا مستحق سمجھتا ہے- تم نے دیکھا کہ دنیا کے دروازے وا ہو رہے ہیں- اور اس وقت تک کھلتے رہیں گے جب تک تم نے ریشمی پردے، کمخواب کے تکیے اور زربفت کی پوشاکیں پہننے کی کوشش شروع نہ کر دی، جیسے کہ تم کانٹوں پر سوتے تھے لیکن اب آزری اون کے بستر پر لیٹنے کے لیے بے چین رہتے ہو، خدا کی قسم کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونے سے بہتر ہے کہ تمہارا سر تن سے جدا کر دیا جائے- تم لوگ مستقبل کے لوگوں کے لیے مثال ہو اور تمہارے اعمال ہی انہیں صحیح یا غلط سمت میں لے جائیں گے- اے راستے کے رہنماؤ! یہ سورج کی روشنی یا بدر دونوں ہو سکتے ہیں''-

عمر بن الخطابؓ ـــــــ امیرالمومنین

حضرت محمدﷺ کے رحلت کے دو سال اور تین ماہ بعد اگست 634ء میں خلیفہ الرسول اللہ ابوبکرؓ انتقال کر گئے- عمر بن الخطابؓ نئے خلیفہ تھے- انہوں نے کچھ عرصہ بعد خلیفہ، خـلـیـفـۃ الرسول اللہ کا لمبا خطاب ترک کر دیا اور وہ لقب اختیار کیا جو ان کے بعد صدیوں تک رائج رہا- انہوں نے اپنے لیے امیرالمومنین کا لقب پسند کیا-

بحیثیت امیر المومنین حضرت عمرؓ درحقیقت ایک ابھرتی ہوئی سلطنت کے پہلے سربراہ حکومت بن گئے تھے- حکمران کی حیثیت سے انہوں نے کئی سخت اصلاحات کیں-

MashalBooks.org

انہوں نے ریاستی لین دین اور ریکارڈ کے تعین کے لیے اسلامی کیلنڈر ایجاد کیا- ان کا دور اس لحاظ سے بھی مشہور ہے کہ انہوں نے ''سابقہ'' کا تصور متعارف کرایا جس کے تحت یہ طے کیا جاتا تھا کہ کس شخص نے کہاں اور کب اسلام قبول کیا اور اس کی بنا پر اس کی شہریت کا درجہ مقرر ہوتا، اس کے علاوہ انہون نے شوریٰ کا نظام متعارف کرایا-

صحیح معنوں میں سیاسی زیرک ، حضرت عمرؓ ایک پرجوش انسان تھے جن کی حکمرانی نے آنے والے عشروں بلکہ صدیوں کے لیے سیاسی فکر پر مہر ثبت کر دی- انہیں اس بات کا بہت جلد ادراک ہو گیا تھا کہ قریش کی تاجر کلاس کی زیر قیادت جنگوں میں مصروف عرب قبائل نے ہمسایہ ریاستوں پر یورش کے دوران غیر معمولی دولت دیکھ لی ہے-

مرتدین کے خلاف جنگوں نے قبائلیوں کی چھاپہ مار ٹکڑیوں کو بڑے فوجی گروپوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ فوجی کارروائیوں میں کسی تعطل سے ان افراد میں بے چینی پھیل جاتی جنہوں نے ابھی ابھی ریشمی پردوں اور تکیوں کی آسائشوں کا مزا چکھا تھا اور ہر فوجی کو ہزاروں درہم تنخواہ دی جا رہی تھی۔ جہاں ابوبکرؓ نے ریاست کو بچانے کے لئے جنگیں لڑیں وہاں عمرؓ کی جنگیں ہمیں زیادہ تر توسیع پسندانہ تھیں اور 10 سال کے اندر انہوں نے بازنطائن اور ایران کی عظیم طاقتوں کو شکست دے دی۔ ہر کامیابی کے بعد دولت کے انبوہ کثیر خزانے میں پہنچ رہے تھے اور عمرؓ اس الجھن کا شکار تھے کہ اتنی دولت کو کیسے تقسیم کیا جائے۔ اس وقت تک مسلمانوں میں مساوات کے اصول پر سختی سے عمل درآمد کیا جا رہا تھا۔ مال غنیمت میں جو کچھ حاصل ہوتا وہ تمام مسلمانوں میں برابری کے ساتھ تقسیم کر دیا جاتا۔ بہرحال عرب ریاست اب محض مکہ اور مدینہ کے چند قبائل پر مشتمل نہیں تھی یہ تعداد ہزاروں ہی نہیں لاکھوں تک پہنچ چکی تھی اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اس میں اضافہ ہو رہا تھا اور غیر مسلمان بھی اسلام قبول کر رہے تھے۔

حضرت علیؓ کا اصرار تھا کہ حضرت محمدؐ کی مثال پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے اور تمام دولت ساری آبادی میں مساوی تقسیم کی جائے لیکن عمرؓ دور اندیش تھے اور انہیں ریاستی خزانے اور ریکارڈ کی تیاری کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انہوں نے دمشق میں بازنطینی انتظام حکومت کا جو ماڈل دیکھا وہ اپنا لیا اس طرح انہوں نے حضرت علیؓ کا مشورہ مسترد کر دیا اور حضرت محمدؐ اور ابوبکرؓ کی تقلید سے بھی گریز کیا۔ انہوں نے باضابطہ ریاستی انتظامیہ کی بنیاد ڈالی

MashalBooks.org

اور ایک قسم کی فنانس اور ریونیو کی وزارتیں قائم کیں۔ انہوں نے باقاعدہ فوج بھی تشکیل دی جس میں کل وقتی سپاہی ماہانہ تنخواہ پر بھرتی کیئے گئے۔ کیا عمر حضرت محمدؐ کی قائم کردہ مثال سے ہٹ کر اسلامی روایت کی خلاف ورزی کر رہے تھے؟ حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے اس بات کا عملی مظاہرہ کیا کہ سیاست اور امور ریاست صرف قرآنی اصولوں سے اخذ نہیں کیئے جا سکتے۔ بلکہ یہ مثالی عقیدے، لشکرکشی اور روزانہ کی بنیاد پر انتظامی امور کے تعین کا نام ہے۔ رسولؐ کی سنت کے تناظر میں ان اصولوں کا دولت کی تقسیم میں بھی خیال رکھا گیا۔

ہوسکتا ہے انہوں نے ارادی طور پر ایسا نہ کیا ہو لیکن عمرؓ نے دولت کی تقسیم کا جو معیار مقرر کیا اس کی بنیاد میرٹ پر نہیں بلکہ خاندانی پس منظر، نسل اور قبیلے سے تعلق پر قائم تھی۔ ان کا اصرار تھا کہ وہ مسلمان جنہوں نے حضرت محمدؐ کے خلاف جنگیں لڑیں ان مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو حضورؐ کا ساتھ دیتے رہے۔ اس طرح انہوں نے سب سے زیادہ ان صحابہ کرامؓ کو ترجیح دی جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور مکہ سے مدینہ کو حضورؐ کے ساتھ ہجرت کی اور غزوہ بدر میں حصہ لیا۔ اس پیمانے پر سب سے کم وظائف ان افراد کو دیئے گئے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ کوئی شک و شبہ کیئے بغیر مسلمان یہ یقین رکھتے ہیں کہ خدا کی نظر میں سب سے زیادہ مستحق سابقون الاولون تھے لیکن کیا ایک مالیاتی معاملے کو اللہ کی اطاعت یا قبول اسلام سے نتھی کیا جا سکتا ہے؟ لیکن عمرؓ کی نظر میں یہ تفریق جائز تھی۔ دیگر صحابہ نے محسوس کیا کہ یہ بات قرآن کی تعلیمات کے برعکس ہے، حضرت علیؓ جنہیں مال غنیمت میں سے بڑا حصہ اور وظائف دیئے گئے تھے نے بھی یہ مشورہ دیا کہ تقسیم برابر ہونی چاہئے۔ علیؓ اس معاملے میں حضرت محمدؐ اور قرآن کی تعلیمات کا اطلاق کر رہے تھے جبکہ عمرؓ ممکن تھا اس معاملے کو انتظامی اور ریاستی امور سمجھتے ہوں۔

اسلام کی قبولیت کے وقت کے پیمانے پر ''سابقہ'' کی پالیسی اور اس بنیاد پر مال غنیمت کی تقسیم کی مسلمانوں کے علاقوں میں مستقبل میں غیر مساوی شہریت کی خلیج مزید وسیع کر دی۔ جس عمل کو عمرؓ نے صحابہ رسول کے احترام کا اصول قرار دیا وہ جلد ہی ادارہ جاتی امتیاز کی وہ بنیاد بن گیا جس نے اب تک مسلم نفسیات میں ہلچل مچا رکھی ہے۔ اس میں حیرت نہیں کہ کئی ہندوستانی مسلمان جن کی خاندانی جڑیں 2500 قبل مسیح کے دور میں ہیں وہ بھی اپنے نام کے ساتھ اظہار فخر کے لئے قریشی، صدیقی اور ہاشمی کا لاحقہ لگانا پسند کرتے

MashalBooks.org

ہیں اور ہندوستانی شناخت سے لاتعلقی ظاہر کرتے ہیں۔ کئی دیگر حضرت محمدؐ سے براہ راست تعلق ثابت کرنے کے لئے نام کے ساتھ سید لکھتے ہیں۔

عمرؓ کے دورخلافت کے چھٹے سال میں خشک سالی کا حملہ ہوا۔فصلیں نہ ہونے سے بڑے پیمانے پر قحط سالی، بھوک اور اشیاء کی قلت پیدا ہوگئی۔عمرؓ نے خزانوں کے منہ کھولنے کا فیصلہ کیا تاکہ تمام متاثرہ شہریوں کی امداد کی جاسکے۔لیکن انہوں نے اس موقع پر بھی امداد کی تقسیم میں وہی اصول اپنایا جو مال غنیمت کی تقسیم کے لئے بنایا گیا تھا۔یعنی قبول اسلام کا وقت اور نسلی تعلق مکہ کے دیگر عربوں کی نسبت قریش کو ترجیح دی گئی۔اس طرح تمام مکی عربوں کو مدینہ کے عربوں پر فوقیت دی گئی۔حتیٰ کہ انہوں نے اہل مدینہ میں بھی گروپ بندی کی، قبیلہ اوس کے ارکان کو قبیلہ خزاج سے زیادہ امداد دی گئی، انہوں نے اس کے بعد تمام عربوں کو غیر عربوں پر آزاد افراد کو غلاموں یا غیر عرب مسلمانوں جنہیں ''موالی'' کہا جاتا تھا پر ترجیح دی گئی۔

عمرؓ نے یہ فیصلے نیک نیتی کے جذبے کے تحت کئے اور اپنے خاندان کو ان درجات میں سب سے نیچے رکھا اور ان کے وظائف میں اضافے سے انکار کردیا، جب ایک بار علیؓ، عثمانؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ریاستی سربراہ کی حیثیت سے ضرورتوں کے باعث آپ اپنی تنخواہ میں اضافہ کرلیں تو عمرؓ نے غصے سے انکار کردیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے یا اپنے اہل خانہ کے لئے کوئی ذاتی فائدہ نہیں لینا چاہتے۔ انہوں نے اپنی اہلیہ سے کہا: ''میری طرف سے ان لوگوں سے کہہ دو کہ پیغمبر خداؐ تہی دست تھے اور زائد رقم خرچ کردیتے تھے اور صرف بنیادی ضرورت پوری کرتے تھے۔خدا کی قسم میں بھی تہی دست ہوں۔''

دراصل عمر کے 10 سالہ دور کی خاص بات یہ تھی کہ ایک طرف جہاں مکہ کی اموی اشرافیہ کے ہاتھ دولت کی کثیر مقدار لگی وہاں عمرؓ اس کے برعکس تہی دست تھے۔روایت ہے کہ اپنے دورخلافت کے آخری سال انہوں نے محسوس کیا کہ دولت کی تقسیم کا جو Sliding Scale انہوں نے مقرر کیا تھا وہ مساوات نہیں بلکہ خاندانی اور قبائلی پس منظر پر مشتمل تھا اور انہوں نے پیغمبرؐ کی مثال سے انحراف کیا تھا، مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ سے روایت بیان کی ہے: ''میں نے لوگوں کو ایک دوسرے پر فوقیت دے کر امتیازی سلوک کیا، لیکن اگر میں

MashalBooks.org

اس سال زندہ رہا تو میں تمام افراد میں مساوات کا خیال رکھوں گا اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دوں گا۔ میں پیغمبرؐ خدا اور ابوبکرؓ کی تقلید کروں گا۔''

لیکن ایسا کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی غلطیوں کی درستگی کر سکتے، انہیں شہید کر دیا گیا۔ جو کام انہوں نے پہلے اسلام قبول کرنے والوں کو نوازنے کی نیک نیتی سے کیا اسی نے ایک گروپ کے مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کی ادارہ جاتی صورت اختیار کر لی۔ اس اقدام نے اس کمیونٹی میں قبائلیت کو مضبوط کیا جو دراصل مساوات کے نقطہ نظر سے وجود میں آئی تھی اور عمرؓ کے فرمان سے مکی عربوں کے بنو امیہ کو اگلے کئی سو سال کے لئے اسلام کو شاہی حکمران خاندان میں تبدیل کرنے کا جواز مل گیا۔

تاہم عمرؓ کا انتہائی قابل ذکر سیاسی کارنامہ اپنے جانشین کے تعین کے لئے مجلس شوریٰ تشکیل دینا تھا، وہ چاہتے تو ابوبکرؓ کا طریقہ بطور نمونہ اختیار کر سکتے تھے۔ ابوبکرؓ نے اپنی زندگی میں ہی یکطرفہ طور پر اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا لیکن عمرؓ یہ ذمہ داری اپنے سر نہیں لینا چاہتے تھے، شاید یہ علیؓ بن ابو طالب کو ایک بار پھر اس دوڑ سے باہر رکھنے کا طریقہ تھا۔ علیؓ جو خلافت کے ایک صابر امیدوار تھے کو انہیں اس مرتبہ پھر مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایک بار پھر یہ عذر تراشا گیا کہ مکہ کی اشرافیہ حضرت محمدؐ کے خاندان بنو ہاشم میں سے کسی کو خلیفہ بننے کی اجازت نہیں دے گی۔ اس کی بجائے علیؓ کو ان چھ صحابہ میں شامل کر لیا گیا جنہیں ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا۔ علیؓ یقیناً یہ چال سمجھ گئے ہوں گے لیکن انہوں نے کمیونٹی میں تقسیم کے خدشے سے اس عمل میں شریک ہونے کو ترجیح دی۔

حضورؐ کے انتقال کے درجن بھر سال بعد جانشینی کا طریقہ کار تین بار تبدیل کیا گیا۔ کچھ مبصرین سمجھتے ہیں ایسا مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے کیا گیا۔ اب بھی دنیا کے اسلام پسند اس دور کو خیالی اسلامی ریاست کے سیاسی اداروں ے لئے ایک نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ثقیفہ بنی سعدہ میں ابوبکرؓ سے اطاعت کے موقع پر وہاں موجود لوگوں نے تقریباً ہڑبونگ کے انداز میں آگے بڑھ کر اطاعت کی۔ اپنے بستر مرگ پر ابوبکرؓ نے ایسی عوامی مشاورت سے گریز کرتے ہوئے عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا اور جب عمرؓ کی رخصتی کا وقت آیا تو انہوں نے جانشینی کے معاملے پر ایک بالکل نیا ادارہ قائم کر دیا لیکن ایسا ادارہ اسلامی تاریخ میں کسی بھی جگہ پر کسی بھی خلافت کے انتخاب کے لئے دوبارہ سامنے نہیں آیا حتیٰ

کہ ان کے جانشین عثمانؓ جنہیں ایک قاتل کے خنجر کا نشانہ بننا پڑا نے بھی ان کی تقلید نہیں کی۔

اس دور کی دیگر سلطنتوں سے موازنہ کیا جائے تو عمرؓ کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کا تصور ایک انقلابی چیز ہوسکتا تھا۔ جہاں ایک حکمران نے اپنے ہی بیٹے کو جانشینی کے لئے نااہل قرار دیتے ہوئے چھ ممتاز افراد کو اپنے میں سے ایک کو خلیفہ چننے کی ذمہ داری سونپ دی۔ اگرچہ عمرؓ کی یہ شوریٰ اسلامی تاریخ میں زندہ نہیں رہی لیکن ان کے دور کی ایک اور روایت آئندہ کئی سو سال تک قائم رہی۔ وہ ان کی دنیا سے رخصتی کا طریقہ تھا۔ آپ کو مسجد میں قتل کیا گیا۔ دراصل آنے والے تمام خلفاء جنہیں خلفائے راشدین کہا جاتا ہے کا انجام بھی ایسا ہی ہوا اور ان کے بعد دو دیگر خلفاء کو خنجر سے قتل کیا گیا۔ عمرؓ نے بازنطائن اور ایران کے ماڈل اپناتے ہوئے کامیابی سے ایک ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ ان دونوں سلطنتوں کی طرز پر ریکارڈ رکھنے، بیوروکریسی، تنخواہ یافتہ کل وقتی فوج اور گورننس کے انتہائی شفاف معیارات رائج کئے گئے۔

عمرؓ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت نے غیر معمولی ترقی کی۔ ساسانیوں سے میسوپوٹیمیا اور ایران کے کئی حصے چھین لئے گئے جبکہ ایران کو مصر، فلسطین، شام، شمالی افریقہ اور آرمینیا سے محروم کر دیا گیا۔ لشکرکشی کے دوران مغربی اور مشرقی دونوں محاذوں پر کئی فتوحات سخت لڑائیوں کے نتیجے میں نصیب ہوئیں۔

ایک فتح جو کئی مسلمان عمرؓ کی بے مثل کامیابی سمجھتے ہیں وہ 637ء میں بازنطینیوں کی یروشلم میں شکست اور وہاں مسلمان فوج کا قبضہ تھا۔ یروشلم دوبارہ 1099 کی صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے چھین لیا گیا تھا لیکن کرد جنگجو صلاح الدین نے اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ مسلمانوں کو 1967ء میں ایک بار پھر اسرائیل کے ہاتھوں یروشلم سے محروم ہونا پڑا۔ آج بھی کئی مسلمان ایک اور صلاح الدین کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں لیکن اگر یہ کوئی کرد جنگجو ہوا جو صلاح الدین کے نقش قدم پر چلا تو وہ اپنی سرزمین کو قابض مسلمانوں سے آزاد کرانے میں مصروف ہوگا۔ یہ قابض ہیں ایران، ترکی اور عرب۔

عمرؓ نے وہ سزائیں بھی متعارف کرائیں جن کی قرآن میں کوئی اجازت نہیں، اس حقیقت سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی کہ قرآن میں زنا کی سزا سنگساری نہیں، عمرؓ نے اس سزا پر یہ کہتے ہوئے عمل کیا کہ رسولؐ نے اس کی منظوری دی تھی۔ روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

MashalBooks.org

''خدائی کتاب میں سنگساری اس وقت فرض ہو جاتی ہے جب شادی شدہ مرد اور عورت کے زنا کا ثبوت مل جائے، حمل ثابت ہو جائے یا ملزم اعتراف کر لے۔''

یہ حقیقت کہ قرآن میں ایسی موت کی سزا کا کوئی ذکر نہیں کئی مسلمانوں نے نظر انداز کر دی ہے، آج بھی چند مسلمان اس سزا کو ٹھیک نہیں سمجھتے کہ ایک مسلمان اپنے ہاتھوں سے اپنے بھائی مسلمان کو سنگسار کر دے۔ اس ظالمانہ، غیر انسانی اور خوفناک سزا کے لئے اسلام کا نام استعمال کیا جاتا ہے حالانکہ سنگساری کی سزا یہودی صحیفوں میں ملتی ہے لیکن آج یہ بربریت یہودی ریاست نہیں اسلامی حکومت کی پہچان بن گئی ہے۔ سنگساری سے موت کی سزا کو حضرت محمدؐ کی بیوہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے مزید جواز فراہم کر دیا: عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ''جب رجم اور رضا کبیر کی آیات نازل ہوئیں تو انہیں کاغذ کے ٹکڑے پر تحریر کر کے میرے تکیے کے اندر رکھ دیا گیا، پیغمبرؐ کے انتقال پر جب ہم سوگ منا رہے تھے تو ایک بکری نے کاغذ کے ٹکڑے کو کھا لیا۔''

یہ ایک حیران کن امر ہے کہ قرآن میں سنگساری کی سزا کی عدم موجودی کا الزام ایک بکری کے خدا کی وحی کھانے پر لگایا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود یہ داستان چیلنج کئے بغیر چلی جا رہی ہے اور ایران میں کئی افراد کو عائشہؓ کی روایت کی بنا پر مار ڈالا گیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اس خاتون کے بارے میں ایران کے شیعہ علماء اچھی رائے نہیں رکھتے۔

زنا کے مرتکب افراد کی سنگساری کی سزا عمرؓ کی طرف سے اسلام میں کی گئی واحد تبدیلی نہیں تھی۔ ایک اور اہم تبدیلی مسلمان مردوں سے عارضی مدت کے لئے بیویاں رکھنے کا حق واپس لینا تھا۔ متعہ کی یہ روایت آج بھی ایران اور شیعہ مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے اس روایت کی اجازت دی تھی اور جب عمرؓ نے اس پر پابندی لگائی تو مورخ طبری بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے دبا دبا احتجاج کیا۔ ایک شخص عمرؓ کے پاس گیا اور ان سے عارضی شادی پر پابندی کی وجہ پوچھی، عمرؓ نے جواب دیا: ''پیغمبر خدا نے اس کی اجازت ضرورت کے دور میں دی تھی، اس کے بعد لوگوں کی زندگی میں آسانیاں آ گئیں، میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جس نے اس کو عملاً اپنایا ہو یا اس کی طرف رجوع کیا۔ اب اگر کوئی مٹھی بھر کھجوروں کے عوض شادی کی خواہش کرتا ہے اور پھر تین راتوں بعد الگ ہو جاتا ہے تم ٹھیک کہتے ہو۔''

MashalBooks.org

زنا پر موت (سنگساری) کی سزا متعارف کرانے اور عارضی شادی پر پابندی لگانے کا اقدام طے شدہ اسلامی قوانین اور روایات سے ڈرامائی خروج تھا۔ ایک طرف یہ تاثر ملتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی بعض معاملات خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کے رسول ہونے پر ایمان سے ہٹ کر پتھر پر لکیر ہو گئے تھے۔ البتہ اس اقدام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عمرؓ ایک فیصلہ کن لیڈر تھے اور معاملات کے حل کے لئے رسک لینے اور تیز اقدامات سے گھبراتے نہیں تھے۔ یہ اقدامات محض تصوراتی نوعیت کے نہیں بلکہ عملی ہوتے تھے۔

ہاں جس معاملے میں عمرؓ ناکام ہوئے وہ مسلمانوں کو کھوکھلا کرنے والی بداعتمادی اور تقسیم تھی۔ یہ بداعتمادی مختلف قبائل، برادریوں اور سیاسی دھڑوں کے اندرونی شکوک و شبہات سے پیدا ہوئی۔

قتل ہونے سے ایک ماہ قبل حضرت عمر فاروقؓ کے مخبروں نے اطلاع دی کہ حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی خلافت پر رسول اللہ کے خاندان بنو ہاشم کے حق کا دعویٰ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ انہوں نے فوراً خلافت پر قریش کے حق والی اپنی مشہور تقریر کی۔ ایک بار پھر انہوں نے تقیفہ بنوسعدہ والی رات کا ذکر کیا اور کسی بھی خاندان کے خلافت پر دعویٰ کی مذمت کی۔ یہ علیؓ پر سیدھا وار تھا کہ وہ حضورؐ کے جائز وارث ہونے کے دعوے سے باز آ جائیں۔

اس تقریر کے ایک ماہ کے اندر ان کی جانشینی کا معاملہ ابھر کر سامنے آ گیا۔ مختلف راوی بیان کرتے ہیں کہ 644ء کے نومبر کے اوائل میں جب عمرؓ نماز فجر کی امامت کی تیاری کر رہے تھے، قریش سردار کے فارسی غلام جس نے عیسائیت سے اسلام قبول کیا تھا نماز کے دوران صفوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور دو دھاری خنجر سے عمرؓ پر پے در پے 6 وار کئے۔ اس سے خلیفہ کے پیٹ میں مہلک زخم پڑ گیا۔ اس غضبناک غلام ابولعلوا کا اپنے مالک مغیرہ بن شعبہ کی بدسلوکی پر عمرؓ کے ساتھ چند روز قبل تنازعہ ہوا تھا۔ خلیفہ نے غلام کی شکایت خارج کر دی تھی اور یہ فیصلہ ہی ان کے قتل کا باعث بن گیا۔

بہرحال حملے کے فوراً بعد عمرؓ کے بیٹے عبیداللہ اور صاحبزادی حفصہؓ نے الزام لگایا کہ فارسی غلام نے اپنے طور پر یہ کارروائی نہیں کی بلکہ یہ ایک بڑی سازش کا حصہ تھا۔ عبید

Mashalbooks.org

اللہ نے پہلے انتقاماً قاتل کو خنجروں کے جان لیوا وار کا نشانہ بنایا پھر حضرت عمرؓ کے مشیر اور فارسی باشندوں کے ممتاز رہنما خرمذان کو قتل کر ڈالا۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو انہوں نے قاتل کی بیٹی اور پھر ریاضی دان اور عیسائی عرب جس کا اس واقعے سے سرے سے کوئی تعلق نہیں تھا کو ٹھکانے لگا دیا، ان تینوں کو محض ان افواہوں کی بنیاد پر قتل کیا گیا کہ ایک روز قبل ان کے پاس آلہ قتل موجود تھا۔

اس اشتعال انگیزی کے بعد عبید اللہ نے دھمکی دی کہ وہ مدینہ میں موجود تمام غیر ملکی قیدیوں اور مکہ اور مدینہ کے بعض دیگر نامعلوم عربوں کو قتل کر دیں گے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوتے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

سکالر ولفریڈ میڈی لنگ نے اپنی کتاب ''The Succession of Muhammad'' میں خیال ظاہر کیا کہ یہ کارروائیاں غیر متوقع نہیں تھیں، عمرؓ کی طرف سے علیؓ اور ان کے خاندان کے عزائم کے خلاف تنبیہہ کے تناظر میں عبید اللہؓ کے ذہن میں علیؓ بھی ٹارگٹ تھے۔ عبید اللہ کی کارروائیوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ نہ صرف ایک بیٹے کا غصہ تھا بلکہ امہ کی اس نام نہاد سنہری دور میں بھی ایک معاشرے کی مجموعی ذہنیت کی بھی عکاسی تھی۔ حضرت محمدؐ کی رحلت کے بعد ادارہ جاتی حیثیت اختیار کرنے والی عرب برتری ان ابتدائی مسلمانوں کی تاریخ میں تیزی سے شامل ہوتی جا رہی تھی۔ یہ حقیقت کہ خلیفہ کے مشیر کے درجے کا فارسی باشندہ خالصتاً نسلی پس منظر کی بنا پر قتل کر دینا، مسلمانوں میں خطرے کی گھنٹی بجانے کا باعث ہوگا۔ یہ کارروائی نہ کسی قرآنی حکم کے تحت کی گئی نہ حضرت محمدؐ کی تعلیمات میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مذہب اور نسلی تعلق کی بنیاد پر اجتماعی سزا کا تصور پنپ رہا تھا لیکن اسے روکنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا گیا۔ حضرت علیؓ کے اس مطالبے پر کہ عبید اللہ کو قتل کے جرم کی سزا ملنا چاہئے کے برعکس نئے خلیفہ حضرت عثمان نے انہیں معاف کر دیا۔ اس طرح علیؓ ایک بار پھر اسلامی روایات کی طرف داری کر رہے تھے جبکہ ان کے مخالفین عرب قبائلی روایت کی پاسداری میں مصروف تھے۔

دراصل جان لیوا زخموں کے باعث تشویشناک حالت میں بھی عمرؓ نے غیر عربوں پر عربوں کو فوقیت دینے کا مظاہرہ کیا۔ نئے خلیفہ کے انتخاب کے لئے 6 رکنی شوریٰ قائم کرتے ہوئے انہوں نے رکن صحابہ سے کہا کہ وہ عربوں کے زکوٰۃ میں حصے اور ان میں

سے غریبوں کا خیال رکھے کیونکہ یہی لوگ اسلام کا اہم ترین جزو ہیں۔''

یہ واحد حوالہ نہیں جس میں عمرؓ کے عربوں کو منتخب مسلمان قرار دے رہے تھے، طبری لکھتے ہیں کہ عمرؓ اکثر کہا کرتے تھے کہ اسلام سے متعلق 4 ایسے معاملات ہیں جنہیں میں نے کبھی نظر انداز نہیں کیا: (1): خدا کی دولت جس میں سے انہوں نے اپنے خاندان کے لئے کچھ نہیں کیا۔ (2): مکہ سے حضورؐ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آنے والے مسلمان (3): انصار مدینہ جنہوں نے کھلے دل کے ساتھ مہاجرین کا خیال رکھا اور نمبر (4): بدو جو خالص عرب اور اسلام کی فصیل ہیں۔

یہ بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں میں گروپ بندی قائم کی گئی تھی۔ اسلام کے اصولوں یا تقویٰ کی بنیاد پر نہیں بلکہ سیاست یا حکومت کے لئے اور دولت، مال غنیمت، غلاموں یا کنیزوں کی تقسیم پر۔ عربوں کو اسلام کی فصیل یا اسلام کا لازمی جزو قرار دے کر عمرؓ مسلمانوں میں گروپ بندی کی اجازت دے رہے تھے۔ اسی چیز کو اموی دور میں ادارہ جاتی حیثیت دے دی گئی۔

عمرؓ کے ایسے الفاظ کی مزید عکاسی ان کے اس حکم سے ہوتی ہے کہ عرب عورتوں کو فارسی مسلمان مردوں سے شادی نہ کرنے دی جائے جبکہ فارسی خواتین سے عرب مرد شادی کر سکتے ہیں۔ غیر عرب مسلمانوں کی مدینہ میں آباد ہونے کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ اگر کوئی عمرؓ کو اس بات پر شک کا فائدہ دے کہ وہ عربوں کو فارسیوں، افریقیوں یا ہندوستانیوں پر برتری دینے کے خواہاں نہیں تھے تو پھر ان کے ان الفاظ کی تشریح کیسے کی جائے گی۔ صدیاں گزرنے پر آج بھی برتری کے اس تصور نے اسلام کے کئی لسانی گروہوں کے درمیان گروہی تعلقات کو فروغ دیا ہے اور ایک امہ ہونے کے دعوے صرف کھوکھلے نعرے ہیں۔ آج کے دور کے اسلام پسند غیر عربوں کی فوقیت کی اس روایت پر کیا کہیں گے اور اس عدم مساوات کو اکیسویں صدی کی اسلامی ریاست کے نمونے کے طور پر کیسے پیش کریں گے؟ یہ وہ سوال ہے جو چند مسلمان ہی پوچھنے کی جرأت کرتے ہیں اور اس سے بھی کم جواب کا رسک لیتے ہیں۔ خاموشی کی اس دیوار کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کے فیصلوں پر اعتراضات کو ایک گناہ سمجھا جاتا ہے۔

تمام صحابہ کے ہدایت یافتہ ہونے کا نظریہ سنی مسلمانوں کا ہے، جس کے تحت

MashalBooks.org

حضرت محمدؐ کے تمام صحابہ پر تنقید یا محض طعن و تشنیع گناہ ہے اور ایسا کرنے والا کفر کا مرتکب ہوتا ہے، ایک سنی سکالر لکھتا ہے کہ:

''جو شخص پیغمبرؐ کے صحابہ کو برا کہے گا وہ دین میں بدعت کا مرتکب ہو گا اور اہل سنت کی روایت سے ہٹ جائے گا۔ صحابہ کرام کو برا بھلا کہنا ایک خطرناک فعل ہے اور خدشہ ہے کہ ایسا شخص اسلام کی دیگر روایات علمی اور روحانی سے بھی منہ پھیر لے گا۔''

ایسے بیانات نے حضرت محمدؐ کے وصال کے بعد کئے گئے فیصلوں پر چاہے وہ قرآن کی تعلیمات سے متصادم ہی کیوں نہ ہوں تنقید ناممکن بنا دی، جب حضورؐ تمام مسلمانوں میں برابری کا درس دیتے ہوئے رخصت ہوئے تو ان کے خلفاء قبائلیت، خاندانی پس منظر اور مشرکین عرب کی دیگر روایات کے احیاء کو نہ روک سکے۔ انہوں نے انسانی مساوات کے قرآنی سبق کو نظر انداز کر دیا۔

عثمان بن عفانؓ............خلیفۃ اللہ

ہوسکتا ہے ابوبکرؓ اور عمرؓ نے اسلامی ریاست کے قیام کے حوالے سے بعض قسم کی تدبیراتی غلطیاں کی ہوں لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے خلافت سے کوئی ذاتی مفاد حاصل نہیں کیا اور نہ اپنے خاندان کو کوئی فائدہ حاصل ہونے دیا، بلکہ حضرت عمرؓ نے تو اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کا بیٹا یا خاندان کا کوئی اور مرد ان کی جانشینی کے امیدوار کے طور پر سامنے نہ آئے۔ تاہم جب ان کا انتقال ہوا تو خلافت بادشاہت میں تبدیل ہو گئی، اقربا پروری اور موروثی اقتدار کو تقویت ملی اور میرٹ کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا گیا۔

اسلام پسند سکالر ابوالاعلیٰ مودودی جو خلفائے راشدین کے دور کو ''مینارہ نور'' قرار دیتے ہیں نے بھی عثمانؓ کی قائدانہ صلاحیتوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے الزام لگایا کہ وہ دور جاہلیت کی قباحتوں کی واپسی کے ذمہ دار تھے۔

وہ لکھتے ہیں کہ وہ پیغمبر اسلام کے انتقال کے بعد اسلام کے 2 عظیم لیڈروں ابوبکرؓ اور عمرؓ نے آپ کا مشن کامیابی سے جاری رکھا۔ پھر عثمانؓ نے قیادت سنبھال لی اور اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں:

''خلافت کو 2 اہم عوامل نے کمزور کیا، اول یہ کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ ریاست میں ہونے والی توسیع سے مسائل پیدا ہو رہے تھے، یوں خلیفہ کی ذمہ داریوں اور کام میں اضافہ ہو گیا دوسرا یہ کہ............عثمانؓ جن کے کاندھوں پر خلافت کا بھاری بھرکم بوجھ ڈال دیا گیا تھا اپنے پیشروؤں جیسی صلاحیتیں نہیں رکھتے تھے، اس کے نتیجے میں ''جاہلیت'' کو اسلامی سماجی نظام میں شامل ہونے کا راستہ مل گیا۔''

انتقال سے کچھ پہلے حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت زبیر بن ارام پر مشتمل چھ رکنی مجلس شوریٰ تشکیل دی اور ان سے کہا کہ وہ پورے تین دن کے لئے ایک جگہ بیٹھ جائیں اور ان 6 صحابہ میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنے کے فیصلے تک باہر نہ آئیں۔ یہ ایک منفرد ادارہ تھا جو عمرؓ نے تخلیق کیا اور اس سے ان کے بحیثیت سٹیٹس مین سیاسی زیرک ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ گویا وہ ایک ایسے انسان تھے جو جرأتمندانہ فیصلہ کرنے سے گھبراتے نہیں تھے، روایت ہے کہ وہ ذاتی طور پر علیؓ کو پسند کرتے تھے لیکن انہوں نے انہیں محض اس لئے خلیفہ نامزد نہیں کیا تا کہ یہ مثال نہ بن جائے، مورخ بلاذری بیان کرتے ہیں کہ عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ کو بتایا کہ ''اگر یہ (شوریٰ کے ارکان) گنجے سر والے (علیؓ) کو خلیفہ منتخب کر لیں تو وہ درست راستہ ہو گا۔

عبداللہ نے پوچھا کہ اے امیر المومنین علیؓ کو نامزد کرنے سے آپ کو کس نے روکا ہے؟ تو عمرؓ نے جواب دیا۔ میں زندہ یا مردہ دونوں پر بوجھ نہیں ڈالوں گا۔''

اگر ابوبکرؓ کا انتخاب پوری رات جاری رہنے والی کھینچا تانی کا نتیجہ تھا تو عمرؓ کے جانشین کے انتخاب کے عمل کا آغاز سخت دلائل اور اتنی زوردار آوازوں سے ہوا کہ عمرؓ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ دھینگا مشتی بند کرو اور یہ بحث میری موت تک ملتوی کر دو۔ ان کے الفاظ تھے کہ ''چپ ہو جاؤ'' جب میں مر جاؤں تو تین دن تک مشاورت جاری رکھنا، اس دوران صہیبؓ نمازوں کی امامت کریں گے، چوتھا روز شروع ہونے سے پہلے تم میں سے ایک امیر منتخب ہو جانا چاہئے۔''

اس شام عمرؓ دار فانی سے کوچ کر گئے اور انہیں پیغمبر اسلام اور ابوبکرؓ کی قبروں کے ساتھ سپرد خاک کر دیا گیا، مورخ طبری بیان کرتے ہیں کہ تدفین کے موقع پر بھی ماحول

MashalBooks.org

میں تناؤ تھا۔ جیسے ہی علیؓ اور عثمانؓ میت کو دونوں طرف سے تھامنے کے لئے آگے گئے تو عبدالرحمانؓ نے چلا کر کہا ''تم دونوں خلافت کے کتنے بھوکے ہو۔'' نماز جنازہ اور تدفین کے بعد شوریٰ کا اجلاس ایک بار پھر ہوا لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، علیؓ کے حامی دلبرداشتہ تھے کہ وہ کونسل میں شرکت پر کیوں رضامند ہوئے کیونکہ انہوں نے محسوس کرایا کہ کونسل کی تشکیل اس طرح کی گئی ہے کہ علیؓ کی بجائے عثمانؓ کو منتخب کر لیا جائے۔ حضرت علیؓ کے چچا عباسؓ نے انہیں خبردار کیا کہ نتیجہ ماضی جیسا ہی نکلے گا۔ خلیفہ عثمانؓ ہوں گے اور شوریٰ میں شامل ہو کر علیؓ ان کی نامزدگی پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ تاہم علیؓ نے کہا کہ ''میں اپنے خاندان میں تقسیم پسند نہیں کرتا۔''

تین روز گزر گئے لیکن شوریٰ میں علیؓ اور عثمانؓ کے درمیان تعطل برقرار تھا جبکہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ ثالث تھے۔ آخر کار دونوں امیدواروں کے لئے ایک حل نکالا گیا۔ ثقیفہ کی رات کے ایک کردار عبدالرحمانؓ نے علیؓ اور عثمانؓ دونوں سے مکی اور مدنی عربوں کے ممتاز افراد کے اجتماع کے سامنے پیش ہونے کو کہا۔ نتیجہ غیر متوقع نہیں تھا۔ امویوں جو عثمانؓ کے حامی تھے اور ہاشمیوں جو علیؓ کے حامی تھے کے درمیان زبانی جنگ شروع ہو گئی، آخر میں عبدالرحمانؓ نے ایک حل پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس امیدوار کی بیعت کر لیں گے جو ابوبکرؓ اور عمرؓ کی تقلید کا وعدہ کرے گا۔ یہ قرآن اور حضورؐ کی تعلیمات میں اضافہ تھا۔ عثمانؓ نے فوراً حامی بھر لی جبکہ راوی لکھتے ہیں کہ علیؓ نے انکار کر دیا اور بجا طور پر موقف اختیار کیا کہ قرآن و سنت پر عمل کرنے والے کو ابوبکرؓ اور عمرؓ کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں۔

عبدالرحمان بن عوفؓ نے علیؓ کا احتجاج مسترد کر دیا اور آگے بڑھ کر عثمانؓ سے اطاعت کی بیعت کر لی۔ اب اسلام کے تیسرے خلیفہ منتخب ہو چکے تھے۔ اس طرح علیؓ ابن ابو طالب کو جو سمجھتے تھے کہ حضرت محمدؐ نے خود ان سے خلافت کا وعدہ کیا تھا تو تیسری بار اس قضیے میں ہزیمت اٹھانا پڑی تھی انہوں نے اپنی انا قربان کرتے ہوئے عثمان کی بیعت کر لی لیکن اس بار علیؓ کی مسلسل تضحیک سے پیدا ہونے والی تقسیم کا عمل سب کے سامنے رونما ہوا اور اسلام کی مختصر تاریخ میں پہلی بار 2 سیاسی جماعتیں وجود میں آ گئیں: شیعہ عثمان اور شیعہ علی۔

عثمان کے خلیفہ بننے سے اموی خاندان کی حکمرانی کی بنیاد رکھ دی گئی اور ستم

MashalBooks.org

ظریفی یہ ہے کہ اسلام کی پہلی بادشاہت کی باگ ڈور حضرت محمدؐ کے بدترین مخالف کے ہاتھ میں آ گئی اور جہاں حضرت محمدؐ کے اپنے رشتے دار جان بچانے کے لئے بھاگتے پھر رہے تھے آپؐ کے سابق دشمن آپؐ ہی کے نام پر حکومت کرنے لگے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اسی مشرک قبیلے نے جس نے اسلام کے دور طفولیت میں حضرت محمدؐ کے لئے مشکلات کھڑی کی تھیں نے اسلام کی قیادت سنبھال کر آپؐ کے خاندان پر مظالم ڈھائے لیکن اس بار وہ مشرک نہیں مسلمان تھے۔

اگر اس مرتبہ آنے والے حالات کا اشارہ ملا تو وہ عثمانؓ کے لقب خلیفۃ اللہ سے ملا جو انہوں نے اپنے لئے منتخب کیا۔ عثمانؓ نے عبدالرحمان بن عوفؓ سے کئے گئے اس وعدے سے انحراف کیا کہ وہ خلیفہ بن کر ابوبکرؓ اور عمرؓ کی تقلید کریں گے۔ انکا اگلا قدم اس سے بھی جارحانہ تھا۔ جہاں ابوبکرؓ اور عمرؓ احتراماً منبر رسول پر ایک درجہ نیچے بیٹھتے تھے وہاں عثمانؓ نے اس جگہ بیٹھنے کا فیصلہ کیا جہاں اللہ کے رسول بیٹھا کرتے تھے۔ جب (نماز جمعہ کے) اجتماع میں چند افراد نے اس اقدام پر اعتراض کرتے ہوئے عثمانؓ سے پوچھا کہ وہ خود کو نبیؐ کے برابر مقام کیوں دے رہے ہیں اور عمرؓ کی تقلید کیوں نہیں کر رہے؟ تو عثمانؓ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے روایت کے مطابق کہا کہ:

''عمرؓ چاہتے تھے کہ یہ کام میں کروں۔'' یہ نمایاں کام کئی مسلمانوں کو ناگوار گزر رہا تھا اور مورخ یعقوبی بیان کرتے ہیں کہ اجتماع میں موجود ایک شخص نے تبصرہ کیا کہ ''آج بدی نے جنم لے لیا ہے۔''

عثمانؓ کے خود کو خلیفۃ اللہ قرار دینے اور اپنے پیشروؤں کے برعکس منبر رسولؐ پر بلند مقام پر بیٹھنے نے کمیونٹی کے درمیان کشیدگی پیدا کر دی۔ تقسیم کا آغاز ہو چکا تھا، وہ لوگ جو نبیؐ کے خاندان (اہل بیت) کو مسلسل تیسری بار خلافت سے دور رکھنے پر نالاں تھے کو تاریخ میں شیعان علی سے موسوم کیا گیا۔ سنی مسلمان عثمانؓ کے دور خلافت پر بحث سے گریز کرتے ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ان کا 12 سالہ دور ریشہ دوانیوں، اقربا پروری اور بغاوتوں سے بھرپور تھا۔ ذاتی طور پر ایک نیک انسان حضرت عثمانؓ جو اپنی رحم دلی اور سخاوت کی وجہ سے مشہور تھے اپنے بڑھاپے کے باعث اپنے رشتہ داروں اور اموی قبیلے کے دیگر افراد کو دولت سے جھولیاں بھرنے سے نہ روک سکے۔

MashalBooks.org

اگر ابوبکرؓ اور عمرؓ عاجزی اور انکسازی کا نمونہ تھے تو وہاں عثمان کو اسلام کا پہلا بادشاہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نقش قدم پر نہ چلتے ہوئے انہیں پیغمبر خداؐ کا نائب نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ براہ راست اللہ کی مہربانی سے حکومت کر رہے تھے۔ اس طرح خلیفۃ اللہ کا لقب آنے والے تمام اموی حکمرانوں کی شناخت بن گیا، یہ ہرلحاظ سے اسلام کی روح کے منافی اور بلاجواز تھا۔

اپنے غیر منصفانہ لقب کے برعکس عثمانؓ نے گورنروں اور فوجی کمانڈروں کو جو پہلا خط لکھا تھا وہ ان کی وضع داری اور ذاتی شفقت کا آئینہ دار تھا، انہوں نے لکھا کہ:

''اللہ اپنے ائمہ کو چرواہے کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہے، اس نے انہیں ٹیکس وصول کرنے کا کردار نہیں سونپا............ لیکن تمہارے ائمہ چرواہے بننے کی بجائے ٹیکس جمع کرنے والے بننے کی سطح پر پہنچ چکے ہیں اور اگر ایسا ہوا تو پھر اخلاقیات، وقار اور ایمان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یقیناً تمہارا سب سے بہترین کام مسلمانوں کے امور اور ذمہ داریوں کی نگرانی کرنا ہے تاکہ تم ان کو وہ کچھ دے سکو جو ان کا ہے اور ان سے وہ کچھ مناسب طریقے سے وصول کرو جو ان کے پاس ہے۔''

لیکن عملی طور پر عثمانؓ بن عفان کے شاہانہ انداز زندگی نے اشرافیہ میں دولت کی نمائش کے رجحان کی حوصلہ افزائی کی اور اسلام کی مختصر تاریخ میں پہلی بار امیروں اور غریبوں کے درمیان عدم مساوات اور فرق کی لکیر واضح ہوگئی۔ جب صحابہ سمیت مختلف لوگوں میں ایسی چہ مگوئیاں شروع ہوئیں تو عثمانؓ نے اپنے اقدامات کا یہ کہتے ہوئے جواز پیش کیا کہ ''ابوبکرؓ اور عمرؓ نے قومی دولت کو اپنے اور اپنے اہلخانہ کے لئے کفایت شعاری سے استعمال کیا لیکن میں نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سخاوت کا فیصلہ کیا ہے۔''

وہ پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے اپوزیشن سے نمٹنے کے لئے آن ریکارڈ قرآن کو استعمال کیا اور اس آیت کا حوالہ دیا کہ ''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور اپنے حاکم کی اطاعت کرو۔'' اور اپنے مخالفین کو خبردار کیا کہ خلیفہ کی مخالفت کرنے والے دراصل قرآنی تعلیمات کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ یوں کئی صدیوں تک مسلمان ملکوں کے مطلق العنان حاکم اسی قرآنی آیت کا سہارا لے کر اپوزیشن پر قابو پاتے رہے اور باغیوں کو قید سے جلاوطنی اور بسا اوقات سر قلم کرنے تک سزائیں دی گئیں۔

MashalBooks.org

عثمانؓ کے دور میں اقربا پروری اس سطح پر پہنچ گئی کہ ان کے قبیلے کے ایسے افراد جنہوں نے حضرت محمدؐ کے ساتھ لڑائیاں کیں اور کبھی اسلام قبول نہ کیا کو بھی فائدے پہنچائے گئے۔عثمان کے ایک چچا الحکم جنہیں رسول اللہؐ نے مکہ سے نکال کر طائف بھیج دیا تھا اور جنہیں ابوبکرؓ نے اور عمرؓ نے بھی اپنے اپنے دور میں واپس نہ آنے دیا لیکن جیسے ہی عثمانؓ نے حکومت سنبھالی انہوں نے الحکم کے بیٹے کی واپسی پر پابندی اٹھاتے ہوئے دعوی کیا کہ حضورؐ نے سزا معاف کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے الحکم کے بیٹے کے لیے افریقہ کے نئے مفتوحہ صوبوں سے آنے والی آمدن کا خمس حصہ وقف کر دیا۔ ان کی طرف سے لوگوں کو قومی خزانے سے نوازنے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں الحکم کا یہی بیٹا مروان بعد ازاں اموی خاندان کا خلیفہ بن گیا۔

عثمانؓ کی مطلق العنانیت کے خلاف رائے عامہ سے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو کافی خفت اٹھانا پڑی جنہوں نے عثمان کے سر پر خلافت کا تاج رکھنے میں معاونت کی۔ روایت ہے کہ ایک موقع پر عبدالرحمانؓ کا عثمانؓ سے سامنا ہوا اور اتنی تلخ کلامی ہوئی کہ ''بادشاہ ساز'' یہ کہتے ہوا وہاں سے رخصت ہو گئے کہ آئندہ کبھی عثمان بن عفانؓ سے کلام نہیں کریں گے۔ کئی سال بعد جب ابن عوفؓ بستر مرگ پر تھے تو بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے عیادت کے لئے آنے والے خلیفہ سے بات کرنے سے انکار کر دیا، وہ اتنے زیادہ نالاں تھے کہ انہوں نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ کی امامت عثمانؓ ہرگز نہ کرائیں۔

روایت ہے کہ عثمان کے دور حکمرانی کے پہلے نصف میں انہیں شک کا فائدہ دیا گیا لیکن بعد ازاں تقسیم کے آثار سرعام حتیٰ کہ مسجد نبوی میں بھی دکھائی دینے لگے۔ راوی لکھتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عثمانؓ میں باآواز بلند تکرار ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی عثمان نے کوفہ میں نماز فجر میں شراب پی کر شرکت کے الزام میں پکڑے گئے اپنے سوتیلے بھائی ولید پر حد لگانے سے انکار کر دیا تھا۔

عثمان کے رشتہ داروں کے ساتھ اقربا پروری اور اشرافیہ نوازی کے خلاف مسلمانوں میں تقسیم اتنی بڑھ گئی کہ حضرت محمدؐ کے 2 صحابہ نے کھلے عام مطالبہ کر دیا کہ خلیفہ اپنے پیشرووں کی روایت کی طرف لوٹ جائیں، عمار بن یاسرؓ اور ابوذر غفاریؓ نے سرعام عثمانؓ کے اقدامات کی مخالفت کی۔ دراصل عمار بن یاسرؓ کے پاس ایک خط تھا جس پر درجنوں

MashalBooks.org

ممتاز مسلمانوں کے دستخط تھے، ان افراد نے خط میں خلیفہ سے اصلاح احوال کا مطالبہ کیا تھا، ردعمل فوراً سامنے آ گیا۔ عمار کو خلیفہ کے رشتے داروں نے تشدد کا نشانہ بنایا اور بے ہوشی کی حالت میں انہیں مسجد نبوی کی دہلیز پر پھینک دیا۔

ابوذر غفاریؓ جنہیں آج بھی مسلمان غریبوں کی آواز قرار دیتے ہیں اور مسلمان مارکسسٹ اکثر انہیں اپنے لئے منبع ہدایت سمجھتے ہیں اکثر عوامی مقامات پر خلیفہ اور شام میں اموی گورنر معاویہؓ پر تنقید کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ابوذر غفاریؓ ہر روز مسجد نبویؐ کے باہر کھڑے ہو کر مسلمانوں کے بڑے اجتماع سے خطاب کرتے، جس میں وہ حضرت محمدؐ اور ان کے اہل بیت کی خوبیاں بیان کرتے جبکہ عثمانی انتظامیہ کی کرپشن، اقربا پروری کے سکینڈل منظر عام پر لاتے۔

خاص طور پر ایک واقعے سے مدینہ میں اشتعال پھیل گیا۔ عثمانؓ نے اپنے کزن الحارث بن الحکم کو مدینہ مارکیٹ کا انچارج بنایا اور انہیں دکانوں اور سٹالوں پر ٹیکس لگانے کی اجازت دے دی۔ الحارث نے حکمران طبقے سے اپنے تعلق کو استعمال کرتے ہوئے تمام درآمدی اشیاء پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی اور پھر یہ سامان تاجروں کو انتہائی منافع کے ساتھ فروخت کرنے لگا۔ یہ روایت سعودی عرب کی تاجر برادری میں آج بھی برقرار ہے۔

ابوذر غفاریؓ یہ منافع خوری تو نہ روک سکے لیکن انہوں نے احتجاج کا سلسلہ ترک نہ کیا۔ انہوں نے اسلام میں پہلی بار شیعہ علی کی بنیاد رکھی۔ ابوذر غفاریؓ نے حضرت علیؓ سے یکجہتی کی مہم چلائی اور مسلمانوں کو قائل کیا کہ وہ اہل بیت کو خلافت میں لائیں تاکہ مکہ کے اموی قبیلے اور عثمان کے قریبی رشتہ داروں سے اسلام کے جس وقار کو نقصان پہنچا ہے اسے بحال کرایا جا سکے۔

ابوذر غفاریؓ کے اس کھلے چیلنج اور مسجد نبویؐ کے باہر ان کی بے تکان روزانہ تنقید پر غضبناک ہو کر عثمانؓ نے باغی کو شکنجے میں کس کر شام کو جلاوطن کر دیا جہاں معاویہؓ کی کڑی نگرانی موجود تھی۔ معاویہؓ بھی عثمانؓ کے ایک اور رشتہ دار تھے جنہیں ایک امیر صوبے کا گورنر بنایا گیا تھا۔ جلاوطنی سے ابوذر غفاریؓ کے حوصلے پست نہ ہوئے وہ گورنر کے لئے کانٹا ثابت ہوئے اور انہوں نے معاویہؓ سے کہا کہ وہ ایک بادشاہ جیسی پرتعیش زندگی ترک کر دے، انہوں نے گورنر کو پیغمبر کا مساوات اور انصاف کا پیغام بھی یاد دلایا۔ اس وقت تک حکومت پر

MashalBooks.org

امویوں کی گرفت قائم ہو چکی تھی لیکن سطح آب کے نیچے ہی نیچے بغاوت کا لاوا پک رہا تھا۔ طبری بیان کرتے ہیں کہ ابوذرؓ جیسے انتہائی قابل احترام صحابی کو خاموش کرانا مشکل تھا اور امیر اشرافیہ کے خلاف ان کے مواعظ غریبوں کو غضبناک کرنے کا باعث بن رہے تھے۔ باغی کو خاموش کرانے میں ناکافی پر معاویہ نے بغاوت کیش غفاریؓ کو دوبارہ مدینہ بھجوا دیا۔ اونٹ کی پیٹھ پر کسی زین کے بغیر طویل سفر کے بعد تکلیف اور ملول ابوذرؓ مدینہ پہنچے جہاں انہوں نے عثمانؓ کے ساتھ بالمشافہ ملاقات کی جو بے نتیجہ رہی۔ اس پر خلیفہ نے انہیں پھر جلا وطن کر دیا لیکن اس بار انہیں صحرا کے ایک دور افتادہ مقام رابادہ بھیجا گیا، جہاں بوڑھے باغی کو اپنی عمر کے آخری سال تنہائی میں گزارنا تھے۔

صرف ابوذرؓ غضبناک نہیں تھے۔ پوری ریاست میں کئی لوگ عثمانؓ کے رشتہ داروں کی بطور گورنر تقرریوں پر کھلے عام بغاوت کر رہے تھے یا پھر خلیفہ کے نام پر ان کے رشتہ داروں کی بے انصافیوں پر سخت پریشان تھے۔ عثمانؓ کا ردعمل یہ تھا کہ امام کی حیثیت استعمال کر کے اپوزیشن کو بزور خاموش کرا دیا جائے۔ وہ لوگ جو اطاعت نہ کرتے انہیں علاقہ بدر کر دیا جاتا اور ان میں اکثریت علیؓ کے حامیوں کی تھی۔ اس دوران طاقت کا منبع دمشق کو منتقل ہو رہا تھا جہاں معاویہؓ تقریباً خودمختار اور متوازی ریاست قائم کرنے میں لگے تھے، ان کے قبضے میں بازنطینوں سے چھینی گئی دولت کی بہت بڑی مقدار تھی۔

جیسے جیسے صورتحال بگڑتی گئی تو عثمانؓ نے مشاورت کے لئے گورنروں کو مدینہ طلب کیا تمام گورنر اپنے خاندان کے چنیدہ افراد تھے اور وہ مسئلے کا حل نہیں بلکہ عین مسئلہ تھے۔ اس باضابطہ اجلاس کے بعد عثمانؓ نے علیحدگی میں معاویہؓ کے ساتھ ملاقات کی جنہوں نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ یا تو وہ تمام باغیوں کو مدینہ بدر کر دیں یا پھر انہیں اجازت دیں کہ وہ علیؓ، طلحہؓ اور الذبیرؓ کے سر قلم کر دیں تاکہ باغیوں کی قیادت نابود ہو جائے۔ جب خلیفہ نے اس اشتعال انگیز تجویز کی مخالفت کی تو روایت ہے کہ معاویہؓ نے عثمانؓ کو خبردار کیا کہ ''اگر آپ انہیں قتل نہیں کریں گے تو یہ آپ کو مار ڈالیں گے۔''

بغاوت کا پہلا عملی مظاہرہ اس وقت ہوا جب مصریوں نے نئے گورنر کی تعیناتی پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے مدینہ کا رخ کیا اور مطالبات کی فہرست پیش کی۔ طویل مذاکرات اور علیؓ کی ثالثی میں عثمانؓ نے فیصلہ واپس لینے پر آمادگی ظاہر کی اور پہلے گورنر کو

MashalBooks.org

بحال کر دیا۔ اس اقدام سے بغاوت کو ٹالا جا سکتا تھا لیکن جب مصریوں نے عثمانؓ کے بھتیجے ایک پیغام رساں کو پکڑا تو انہیں اس کے پاس موجود چیٹھی پڑھ کر دھچکا لگا کہ نئے گورنر کو مستعفی ہونے کی ہدایت دینے کی بجائے خلیفہ نے حکم دیا تھا کہ باغیوں کا سر قلم کر دیا جائے۔ کچھ مبصرین کہتے ہیں کہ یہ خط جعلی تھا اور عثمانؓ کے کزن مروان کی کارستانی تھی۔ بہر حال مصری اس انکشاف پر آگ بگولہ ہو گئے کہ عثمانؓ نے اپنے وعدے کی پاسداری نہیں کی لہٰذا وہ واپس آ گئے اور اس بار انہوں نے خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کر کے کہا کہ یا تو وہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں یا موت کے لئے تیار 40 روز تک جاری رہنے والے محاصرے اور اس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ کے المناک قتل کے بارے میں متضاد روایتیں ہیں لیکن چند لوگ ہی اس خونریزی کے مضمرات یا وجوہات پر بحث کے خواہاں ہوتے ہیں۔

یہاں میرا مقصد یہ تحقیق کرنا نہیں کہ اسلام کے تیسرے خلیفہ کو کس نے قتل کیا یا اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا، میرا اسلام پسندوں سے سوال ہے کہ جو اس دور کو اسلام کے سنہری زمانہ قرار دیتے ہیں کہ: اقتدار کی اس کشمکش، بہیمانہ، قتلوں، سزاؤں، جلا وطنیوں اور محلاتی سازشوں کے کون سے پہلو کو وہ اکیسوی صدی کے مسلمانوں کے لیے نمونہ سمجھتے ہیں؟ اور اگر یہ بہترین مسلم روایات تھیں تو ہم ان کا احیاء کیوں چاہتے ہیں؟

بد قسمتی سے مسلمانوں کو اب بھی یہ پڑھایا جاتا ہے کہ ان (ابتدائی مسلمانوں) کی ناکامیاں ان لوگوں کی وجہ سے نہیں تھیں بلکہ کوئی اور ان کا ذمہ دار ہے، اس کی ایک مثال 3 جلدوں پر مشتمل ہسٹری آف اسلام جو دارالسلام سعودی عرب نے شائع کی میں ملتی ہے۔ اس شورش پر جس کے نتیجے میں عثمان کو قتل کیا گیا بحث کرتے ہوئے کتاب میں اس کا ذمہ دار ''منافقین'' اور مسلمانوں کی صفوں میں موجود یہودیوں کو ٹھہرایا گیا ہے۔

علی ابن ابو طالب............پیغمبر کے معتمد

علی ابن ابو طالبؓ جو خود کو مسلمانوں کا حقیقی سربراہ سمجھتے تھے نے 24 سال تک اس حق سے محروم رہنے کے بعد بالآخر ہفتہ، 18 جون 656ء کو اسلام کے چوتھے خلیفہ کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ مدینہ کی مسجد نبوی میں ایک عوامی تقریب کے دوران عثمانؓ کے محاصرے اور ان کے قتل میں ملوث مصر اور عراق سے آنے والے باغیوں اور مدینہ

MashalBooks.org

کے شہریوں نے ایک ایک کر کے علیؓ سے اطاعت کی بیعت کر لی، انتقالِ اقتدار کا یہ عمل اتنا پرسکون نہیں تھا جتنا کہ بیشتر مسلمان سمجھتے ہیں۔

کوفہ اور بصرہ کے وہ باغی جنہوں نے علیؓ کی بات مانتے ہوئے تشدد سے گریز کیا انہوں نے واضح طور پر علیؓ کی حمایت کی لیکن مصری باغیوں کی اکثریت طلحہؓ کو اگلا خلیفہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اب تک علیؓ کا زبردست حامی رہنے والے طلحہؓ بمعہ زبیرؓ علیؓ کی بطور خلیفہ توثیق کرنے کے لئے راضی نہیں تھے چنانچہ فریقین میں نجی طور پر بات چیت کا عمل چلتا رہا۔ روایت ہے کہ جہاں مدینہ کے باسی مضبوطی سے علیؓ کی پشت پناہی کر رہے تھے وہاں قریش مکہ اس معاملے پر مشاورت کے لئے مجلس شوریٰ تشکیل دینے کے خواہاں تھے۔ بنو امیہ جن کی قریش میں غالب اکثریت تھی وہ عثمانؓ جنہیں وہ اپنا سمجھتے تھے کہ قتل پر سکتے میں تھے۔ وہ علیؓ کو خلیفہ بنانے میں ہچکچاہٹ کا شکار تھے۔ تاہم وہ علیؓ کی عام لوگوں میں بالخصوص اشتر بن مالک کی زیر قیادت کوفی باغیوں میں مقبولیت سے اچھی طرح آگاہ تھے لیکن قریش کی طرف سے علیؓ کی خلافت کی راہ میں رکاوٹ کے منصوبے کو عملی شکل نہیں دی جا سکی۔

طلحہؓ اور الزبیرؓ نے بھی بیعت کر لی البتہ بعد ازاں ان دونوں کا یہ کہنا تھا کہ یہ عمل انہوں نے دباؤ کے تحت کیا تھا۔ تاہم مورخین کے مطابق علیؓ نے بذات خود کسی کو اپنی اطاعت کے لئے مجبور نہیں کیا تھا۔ وہ پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے کسی دھمکی یا خوف کے بغیر عوامی اجتماع میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی لیکن مکہ کے کئی افراد نے نئے خلیفہ کی حمایت سے انکار کر دیا، ان میں سے کچھ تو عثمانؓ کے محاصرے کے دوران ہی مدینہ سے چلے گئے جبکہ دیگر علیؓ کے خلیفہ بننے کے اگلے روز مکہ کو روانہ ہوئے۔

ابھی علیؓ نے بمشکل اقتدار سنبھالا ہو گا کہ ان کا تختہ الٹنے کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا۔ قبل اس کے کہ وہ انتظامیہ پر اپنا کنٹرول مضبوط بناتے یا عثمانؓ کو خلافت سے ہٹانے کے عمومی ناپسندیدہ مسئلے سے نمٹنے کی کوشش کرتے انہیں پہلے غیر متوقع طرف سے درپیش بغاوت سے نمٹنا پڑا۔ ابھی تک تو مسلمان شیعہ علی اور شیعہ عثمان 2 دھڑوں میں تقسیم تھے لیکن اب ایک تیسرا فریق بھی سامنے آ گیا تھا۔ جہاں ایک طرف مقتول خلیفہ عثمانؓ کے اموی حامی ابھی تک اپنے نقصان پر دل گرفتہ تھے وہاں پورے قریش میں سے ایک ایسا گروہ ابھر کر سامنے آیا جو ابوبکرؓ اور عمرؓ کے طرز حکمرانی کا احیا چاہتا تھا۔ اس طرز حکمرانی کو

MashalBooks.org

عثمانؓ نے اپنے شاہانہ انداز زندگی سے مسترد کر دیا تھا جبکہ علیؓ نے کبھی اسے جائز ہی نہیں سمجھا تھا۔ اس وقت تنازعے کی ایک اور مثلث تھی۔ اسلام کے 3 بڑے شہر مدینہ، مکہ اور دمشق ان اتحادوں کے درمیان کھینچا تانی کے گڑھ بن گئے اور سب اقتدار کے حصول کے لئے ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے۔ اس جھگڑے کا تقوے، مذہب اور قرآن پر یقین محکم سے کوئی واسطہ نہیں تھا بلکہ یہ خالصتاً اسلامی ریاست پر کنٹرول اور اقتدار کا معاملہ تھا اور واضح طور پر یہ اسلام کی ریاست کی قیمت پر تھا۔

علیؓ کے کچھ مخالفین نے تو معاویہؓ کے ساتھ شامل ہونے کے لئے دمشق کا رخ کیا جبکہ بعض دیگر مکہ کو روانہ ہو گئے، عائشہؓ جب مکہ کے سفر پر تھیں تو اس دوران عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا، طلحہؓ اور زبیرؓ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ علیؓ کے 2 ساتھی جنہوں نے حال ہی میں ان سے بیعت کی تھی وہ انہیں چھوڑ کر مکہ پہنچ گئے اور علیؓ کا تختہ الٹنے کے لئے عائشہ کے ساتھ ایک مثلث قائم کر لی۔ یہ اسلام کی پہلی خانہ جنگی کا پیش خیمہ تھا۔ علیؓ کے خلاف بغاوت کو جواز فراہم کرنے کے لئے یہ کہا گیا کہ علیؓ نے قاتلین عثمان کو سزا دینے سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ طلحہؓ جو دراصل خود عثمان کے خلاف بغاوت کا بڑا محرک تھے کی طرف سے قاتلین سے انتقام لینے کی بات کرنا منافقانہ عمل تھا۔

سیاسی نتائج وعواقب پر توجہ دینے کی بجائے سماجی انصاف کی سوچ سے مغلوب علیؓ نے اپنی ترجیحات کے تعین میں ایک سنگین غلطی کی، انہوں نے اقتدار پر گرفت مضبوط کرنے اور مکہ میں پلنے والی سازش کو سنجیدگی سے لینے کی بجائے علاقائی گورنروں کو برطرف کر کے اپنے بااعتماد آدمی لگا کر نیا محاذ کھول لیا۔ ان کے بعض رفقاء نے انہیں سمجھایا کہ وہ اپنی حکومت کے ابتدائی دور میں ہی اتنا بڑا قدم نہ اٹھائیں اور اموی گورنروں میں اپنے صوبوں میں احساس تحفظ پیدا ہونے دیں لیکن علیؓ نے ان مشوروں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ وہ قبائلی اور خاندانی تعلق پر میرٹ اور تقوے کے تصور کو ترجیح دینے میں پرعزم تھے، وہ تو پہلے ہی مکی عربوں کو دیگر مسلمانوں پر فوقیت دینے کے خلاف تھے اور اب جبکہ وہ خود خلیفہ تھے وہ کسی سمجھوتے پر تیار نہیں تھے۔

حضرت علیؓ نے کزن عبداللہ ابن عباسؓ نے ان سے درخواست کی کہ وہ فی الحال ایسے اقدامات سے باز رہیں اور انتظار کریں۔ انہوں نے علیؓ کو خبردار کیا کہ اگر انہوں نے

MashalBooks.org

اموی گورنروں کو فوری طور پر چھیڑنے کی کوشش کی تو ان (علیؓ) پر عثمانؓ کے قتل کی سازش میں ملوث ہونے کا الزام لگ جائے گا۔ علیؓ کو اس جلد بازی کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ جب وہ حضرت محمدؐ اور قرآن سے ورثے میں ملنے والی اسلام کی روح سے چمٹے تھے تو ان کے اردگرد موجود مسلمان کچھ اور ہی سوچ رہے تھے، ان 30 برسوں میں حضرت محمدؐ کے صحابہ معاشرے کی اشرافیہ بن چکے تھے، عثمانؓ نے انہیں دولت اور اقتدار کا چسکا لگا دیا تھا چنانچہ جس پرہیز گاری اور دانائی کی طرف علیؓ بلا رہے تھے وہ اس پر دولت کو ترجیح دیتے تھے۔ ایمانداری، عاجزی اور سمجھوتے سے انکار کے ان کے ناقابل تسخیر جذبے کے باعث ہی ان کے 2 قریب ترین اتحادی طلحہؓ اور الذبیرؓ ان سے دور ہو گئے۔

یہ دونوں بھی اقتدار اور دولت میں اپنا حصہ چاہتے تھے، جب علیؓ نے طلحہؓ کو یمن اور زبیرؓ کو بحرین کا گورنر لگایا تو ان دونوں نے اصرار کیا کہ صرف گورنری ہی نہیں انہیں سرکاری خزانے سے پیسے سے بھی نوازا جائے۔ علی چاہتے تو سمجھوتہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے انکار کر دیا جس پر ناراض ہو کر انہوں نے بطور گورنر تعیناتی کو مسترد کر دیا۔ انہوں نے فوراً مگر غیر اعلانیہ طور پر علیؓ سے بیعت توڑ دی اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے، بظاہر انہوں نے عمرہ کی ادائیگی کا اعلان کیا لیکن حقیقتاً ان کی نیت قریش سے ساز باز کر کے علیؓ کا تختہ الٹنے کی تھی۔

علیؓ کے ابتدائی فیصلوں میں سے ایک انتہائی دانشمندانہ تھا۔ مصر کی گورنری کے لئے انہوں نے سعد بن عبیدہؓ کے بیٹے قیس کا انتخاب کیا۔

یہ سعد بن عبیدہؓ مدینہ کے وہی مرحوم قبائلی سردار تھے جن سے عمرؓ نے بدسلوکی کی تھی اور جن کے مسلمانوں کے لیڈر ہونے کے دعوے کو ابوبکرؓ نے محض اس لئے مسترد کر دیا تھا کہ ان کا تعلق مکی عربوں سے نہیں تھا۔ قیس بن سعد کی عزت افزائی سے لگتا تھا کہ علیؓ ان لوگوں سے ناانصافی کی تلافی کرنا چاہتے تھے جنہوں نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے محمدؐ کو پناہ دی تھی تاہم قریش مکہ کے نزدیک یہ تعیناتی ان کی برتری پر زد کے مترادف اور خطرے کی گھنٹی تھی۔ اگر علیؓ کی خلافت کے اندر ان کے مستقبل کا اشارہ تھا تو اہل مکہ کو اپنی مراعات یافتہ حیثیت خطرے میں نظر آنے لگی۔

قریش کے مضبوط گڑھ مکہ کے لئے علیؓ کے نامزد کردہ گورنر خالد بن العاص کو

MashalBooks.org

مسترد کرتے ہوئے پورے شہر نے بغاوت کر دی۔ ایک نوجوان نے علیؑ کی مہر والے گورنری کا فرمان چھین کر اسے دانتوں سے چبایا اور زمین پر پھینک دیا۔ یہ بغاوت پر مبنی عمل تھا۔ مکہ کھلے عام آمادہ بہ بغاوت تھا۔ علیؑ پر عثمانؓ کے قتل کی جھوٹی ذمہ داری ڈال کر خلیفہ کے خلاف تند و تیز تقریریں کی جا رہی تھیں۔ پرانی عداوتوں نے پھر سر اٹھا لیا۔ اس سے حضرت محمدؐ کے دشمنوں جنہوں نے محض فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا کو ایک بار پھر علیؑ کے خلاف جنگی ترانے پڑھنے کا موقع مل گیا۔ یہ قریش کے وہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت محمدؐ کا ابتدائی ایام میں تمسخر اڑایا اور انہیں ہراساں کیا اور اب علیؑ کو نشانہ بنانے کے لئے دوبارہ سامنے آ گئے تھے۔

طلحہؓ اور زبیرؓ کی قیادت اور عائشہؓ کی نمایاں شمولیت کے ساتھ علیؑ کے خلاف بغاوت کے لئے ایک جنگی کونسل تشکیل دی گئی۔ پہلے انہوں نے مدینہ پر سیدھا حملہ کرنے پر غور کیا لیکن پھر انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے پاس اہل مدینہ سے جنگ کے لئے ضروری فوج نہیں۔ اہل مدینہ پہلے ہی علیؑ کی حمایت میں صف بندی کر رہے تھے۔ عائشہ کو پتہ تھا کہ علیؑ کو جنگ میں شکست دینے کے لئے انہیں افرادی قوت اور پیسے کی ضرورت ہے۔ اس صورت حال میں مکہ کا ایک امیر آدمی یعلیٰ بن امیہ آگے بڑھا اور اس نے 4 لاکھ درہم (تقریباً 16 ہزار ڈالر) 70 جنگجوؤں کے لئے گھوڑوں، اونٹوں کا عطیہ دیا اور یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ بصرہ سے مزید افرادی قوت اور وسائل حاصل کرے گا۔ اکتوبر کے وسط میں عائشہ کی قیادت میں 900 مکی قریش مکہ سے بصرہ کو روانہ ہوئے، طلحہؓ اور الزبیر حضرت عائشہؓ کے نائبین تھے۔ روایت ہے کہ جب یہ لشکر بصرہ پہنچا تو اس کی تعداد بڑھ کر 3 ہزار نفوس تک پہنچ چکی تھی وہ سب عثمانؓ کی موت کا انتقام لینے کو بے چین تھے، انہیں بتایا گیا تھا کہ عثمانؓ کو علیؑ نے شہید کرایا تھا۔

حضرت عائشہؓ مضبوط عزم کی حامل خاتون تھیں، جنہوں نے ایک متحرک کردار ادا کیا اور اپنی شعلہ بیان تقریروں سے لوگوں میں اشتعال پیدا کیا، وہ علیؑ سے انتقام لینا چاہتی تھیں اور اپنی پوری زندگی میں انہوں نے کبھی علیؑ کو پسند نہیں کیا تھا۔ یہ ناپسندیدگی ماضی کے ایک واقعے سے پیدا ہوئی تھی جس میں ان (ام المومنین) کے ایک غلام صفوان کے حوالے سے بہتان طرازی کی گئی تھی۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب عائشہؓ اپنے محترم خاوند حضرت محمدؐ

MashalBooks.org

کے ساتھ ایک قافلے میں سفر کر رہی تھیں، ایک مقام پر رات بھر قیام کے بعد اگلی صبح عائشہؓ کہتی ہیں کہ وہ اپنے گمشدہ ہار کی تلاش کے لئے نکلیں۔ جب وہ واپس آئیں تو قافلہ پڑاؤ ختم کر کے ان کے بغیر آگے روانہ ہو چکا تھا۔ بعد ازاں قافلے کے قلب والے حصے نے محسوس کیا کہ عائشہؓ اور ان کے غلام لاپتہ تھے جس پر امدادی ٹیمیں پیچھے روانہ کی گئیں، جنہوں نے عائشہؓ اور ان کے غلام کو تلاش کر لیا اس غلام نے بتایا کہ وہ بھی ام المومنین کی تلاش میں وہاں پہنچا تھا۔

وہ دونوں جب قافلے کے ساتھ دوبارہ ملے تو وہاں یہ افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ عائشہ صدیقہؓ کا اس غلام صفوان کے ساتھ تعلق ہے، علیؓ سمیت حضورؐ کے کئی صحابہ نے آپؐ پر زور دیا کہ عائشہؓ کو طلاق دے دیں۔ حضرت محمدؐ نے فرمایا کہ انہیں خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی ہے کہ محض بہتان طرازی کی بجائے زنا کا الزام ثابت کرنے کے لئے 4 گواہوں کی شہادت ضروری ہے۔ قرآن کی آیت (24:11) میں افواہیں پھیلانے والوں کی ان الفاظ میں مذمت کی گئی ''وہ لوگ افواہیں گھڑتے ہیں، تمہارے ہی درمیان ایک گروہ ہے، ان کی پہچان تمہارے لئے بری نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔'' چونکہ علیؓ نے حضرت محمدؐ پر زور دیا تھا کہ وہ حضرت عائشہؓ کو طلاق دے دیں لہٰذا انہوں نے کبھی علیؓ کو معاف نہیں کیا اور اس واقعے کے بعد دونوں میں کبھی دوبارہ رابطہ نہیں ہوا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ دونوں افراد (عائشہؓ اور علیؓ) جنہیں حضورؐ سب سے زیادہ چاہتے تھے ایک دوسرے سے سخت نفرت کرتے تھے اور یہ نفرت اسلام کی پہلی خانہ جنگی پر منتج ہوئی۔

عائشہؓ کی فوج بصرہ کا کنٹرول تو سنبھال سکتی تھی مگر وہ پوری آبادی کی حمایت حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اس دوران علیؓ کو اطلاع ملی کہ باغی بصرہ کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں چنانچہ انہوں نے ان کے مدینہ پر حملے کا خدشہ مول لینے کی بجائے ان سے لڑائی کا فیصلہ کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پہلے انہوں نے 700 گھڑسواروں کا ہراول دستہ روانہ کیا جبکہ مزید نفری کے لئے اپنے پیغام رساں کوفہ بھیجے۔ علیؓ کے بیٹے حسنؓ سمیت ان کے حامیوں نے گورنر کا تختہ الٹ کر اسے محل سے نکال دیا، گورنر کو برطرف کرنے کے بعد یہ لوگ کوفہ کے مختلف قبائل سے 6 سے 7 ہزار افراد بھرتی کرنے میں کامیاب ہو گئے اور یہ لشکر بصرہ کے نواح میں علیؓ کی فوج سے جا ملے۔

MashalBooks.org

جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو علیؓ نے اہل بصرہ سے اپیل کی کہ وہ خلیفہ کے خلاف ہتھیار نہ اٹھائیں اور وہ جنگ نہ لڑیں جو ان کی اپنی نہیں، یہ ترکیب کارگر رہی اور مخالف لشکر سے تقریباً 3 ہزار افراد نکل کر علیؓ کی فوج سے جا ملے اور اس طرح طاقت کا توازن ان کے حق میں ہو گیا۔ یہ دونوں فوجیں 3 روز تک ایک دوسرے کے سامنے صف آرا رہیں۔ دونوں فوجوں کے درمیان ایک جگہ پر خیمہ نصب کر دیا گیا جہاں علیؓ، طلحہؓ اور الذبیرؓ طویل بحث مباحثے میں مصروف رہے تاکہ خون خرابے سے بچ کر تنازعہ حل کیا جا سکے لیکن بات چیت بے نتیجہ رہی۔

8 دسمبر 656ء کو دوپہر کے وقت لڑائی چھڑ گئی، یہ اسلام کی پہلی خانہ جنگی تھی اور آنے والے برسوں میں مزید کئی جنگوں کا پیش خیمہ تھی، جنگ غروب آفتاب تک جاری رہی اور دست بدست لڑائی میں 100 افراد مارے گئے۔ عائشہؓ کی فوج کے کمانڈر الذبیرؓ اپنے بچپن کے دوست کے ساتھ لڑائی پر دل گرفتہ تھے اور روایت ہے کہ وہ جنگ سے دستبردار ہو گئے اور وہاں سے نکلنے کی کوشش کی تاہم علیؓ کے وفادار افراد نے انہیں گرفتار کر لیا، انہوں نے پیغمبرؐ کے صحابی کا سر قلم کر کے علیؓ کو پیش کر دیا جو یہ منظر دیکھ کر اداس ہو گئے۔ لڑائی میں طلحہؓ بھی زخمی ہوئے اور بعد ازاں چل بسے، 2 کمانڈروں کی موت کی وجہ سے عائشہ جنگ ہار گئیں لیکن وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر اپنے جاں نثاروں کو لڑائی جاری رکھنے کا کہتی رہیں، اس طرح کئی بہادر اور نیک مسلمان جنگ کی بھٹی کا ایندھن بن گئے، آخر میں ایک تیر لگنے سے عائشہؓ کا اونٹ نیچے گر گیا اور انہوں نے خاموشی سے ہتھیار پھینک دیئے۔ وہ لاشوں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھی تھیں کہ علیؓ ان کی طرف بڑھے اور درشتگی سے انہیں ان کی پیدا کردہ تباہی یاد دلائی، ہارنے کے بعد ''ام المومنین'' عاجزی کے ساتھ سرنڈر کرتے ہوئے خلیفہ سے مخاطب ہوئیں ''یہ علاقہ تم نے فتح کر لیا ہے لہٰذا اچھائی کرتے ہوئے مجھے معاف کر دو۔''

علیؓ نے ان کی حفاظت کی ضمانت دیتے ہوئے کہا کہ انہیں پہلے بصرہ اور پھر مدینہ بھیجا جائے گا، جہاں عائشہؓ نے اپنی زندگی کے آخری ایام بسر کئے۔ اسلام کی اس پہلی سول وار میں کم سے کم تخمینے کے مطابق 2500 مسلمان عائشہ کے کیمپ اور 500 علیؓ کے کیمپ میں سے مارے گئے۔ بعض راوی یہ تعداد مجموعی طور پر 10 ہزار سے زائد بتاتے ہیں لیکن یہ ناقابل یقین تعداد معلوم ہوتی ہے۔ علیؓ نے جنگ جیت تو لی تھی لیکن لڑائی ابھی ختم

MashalBooks.org

نہیں ہوئی تھی۔ عراق کی ریت پر مسلمان کا خون ابھی خشک نہیں ہوا تھا کہ شام کی فضا پر کالے بادل چھانے لگے۔

علیؓ نے مکہ کی اشرافیہ کی شورش تو کچل دی تھی تاہم اس فتح نے ان کی ساکھ اور اخلاقی تشخص کو زبردست نقصان پہنچایا۔ اس سے خلافت کے ادارے پر کاری ضرب لگائی اور یہ زخم پھر کبھی مندمل نہ ہو سکا۔

علیؓ کو اگلا چیلنج شام کے گورنر معاویہؓ سے درپیش تھا جنہوں نے علیؓ کی طرف سے ارسال کئے گئے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کر کے خلیفہ کا مذاق اڑایا۔ علیؓ نے مطالبہ کیا تھا کہ معاویہؓ ان سے اطاعت کی بیعت کریں اور بطور خلیفہ ان کی حاکمیت تسلیم کر لیں تاہم ایسا نہ ہوا بار بار دعوت موصول ہونے پر معاویہ نے علیؓ کا تمسخر اڑاتے ہوئے جواب میں انہیں کاغذ کا ایک کورا ٹکڑا بھیج دیا اور گویا یہ تضحیک کافی نہیں تھی کہ معاویہؓ کے بھیجے ہرکاروں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں علیؓ کو دھمکی دی کہ دمشق میں 60 ہزار سردار عثمان کے خون کا انتقام لینے کا انتظار کر رہے ہیں، اس طرح علیؓ پر سابق خلیفہ کے قتل کا براہ راست الزام لگایا گیا تھا۔

علیؓ نے محسوس کر لیا تھا کہ نئی مسلم سلطنت کا مرکز ثقل مکہ اور مدینہ سے مفتوحہ باز نطینی اور ایرانی علاقوں کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے دار الخلافہ عراقی شہر کوفہ منتقل کرنے کا فیصلہ کیا، اس قصبے کی آبادی علیؓ کی وفادار تھی اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ سٹرٹیجک لحاظ سے وہاں رہ کر دمشق کے چیلنج سے زیادہ بہتر انداز میں نمٹ سکتے ہیں۔

علیؓ کو خلافت سنبھالے سات ماہ ہو چکے تھے لیکن ابھی تک گورنر شام اور ان کے درمیان کوئی تعلقات قائم نہیں ہوئے تھے، جہاں ایک طرف معاویہؓ دمشق میں ریاست کے اندر ریاست قائم کر کے طاقت پکڑے جا رہے تھے اور سرکاری خزانے سے قبائلی سرداروں پر پیسے کی بارش کر رہے تھے وہاں علیؓ قرآنی ضابطوں پر سختی سے عملدرآمد کا حکم دے کر عرب اشرافیہ کو الگ تھلگ کرنے میں لگے تھے۔ اپنے بارہ سالہ دور میں عثمانؓ نے اپنے من پسند افراد کی حمایت خریدنے اور انہیں خوش کرنے کے لیے سرکاری خزانے کا استعمال کیا۔ جب علیؓ نے یہ روش بند کر دی تو ان کے اپنے بھائی عقیل سمیت کئی لوگ ان کے خلاف ہو گئے، عقیل ناراض ہو کر معاویہؓ کے پاس چلے گئے جہاں دمشق میں ان پر دولت کی بارش کر دی

MashalBooks.org

گئی- یہ بھی علیؓ کی اتھارٹی تسلیم کرنے سے انکار کا اظہار تھا- معاویہؓ اس وعدے پر عمر بن العاص کی حمایت حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے کہ وہ اگر علیؓ کے خلاف فتحیاب ہو گئے تو عمرؓ کو مصر کا گورنر لگا دیا جائے گا- ایک طرف معاویہؓ ہارس ٹریڈنگ میں مصروف تھے تو دوسری طرف علیؓ کو اپنی خلافت جائز ہونے اور حق پر ہونے کا پورا یقین تھا- مذاکرات کا عمل بھی جاری رہا لیکن یہ بات واضح تھی کہ معاویہؓ کا علیؓ کی اطاعت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا- انہوں نے تجویز دی کہ علیؓ عراق، ایران اور حجاز (مکہ، مدینہ) پر آزادانہ حکومت کریں اور مجھے ——معاویہ کو—— شام اور مصر پر حکمرانی کی اجازت دے دی جائے- مسلمان کمیونٹی کے دو سربراہوں کی تجویز پہلی بار حضرت محمدؐ کے انتقال کے بعد ثقیفہ کی رات پیش کی گئی اور اب دوسری بار سامنے آ گئی تھی- تمام مسلمانوں کے لیے ایک اسلامی ریاست کا غیر فطری تصور بکھر رہا تھا-نسل پرستی، لسانیت، کلچر، علاقائیت، رسوم اور حصول اقتدار کی ہوس سے بھی پیدا ہونے والے لالچ یہ سب مذہب سے برسرپیکار تھے- بازنطائن کے مفتوحہ علاقوں کے شہری اپنی شاندار تہذیب کی جگہ پر عربوں کا بدوی طرز زندگی اختیار کرنے سے انکاری تھے- جہاں معاویہؓ کے پاس دولت کے انبار تھے اور ان کی کمان میں ایک منظّم شامی فوج تھی وہاں علیؓ اپنے عاجزانہ انداز پر کاربند تھے، ان کی فوج تعداد میں بڑی لیکن غیر منظّم اور بدوی جنگجوؤں کے ٹوٹے ہوئے گروپوں پر مشتمل تھی-

بات چیت کا عمل ناکام رہا تو علیؓ معاویہؓ کا سامنا میدان جنگ میں کرنے کا فیصلہ کیا، اپریل 657ء میں انہوں نے فوج کی قیادت کرتے ہوئے میسوپوٹیمیا (عراق اور گردونواح) کا صحرا عبور کیا اور ردا کے مقام پر دریائے فرات پار کرتے ہوئے صفین پہنچے جہاں پہلے ہی معاویہؓ کا لشکر پڑاؤ ڈالے بیٹھا تھا- دریا سے پانی لینے کے تنازعے پر معمولی جھڑپوں کے بعد لڑائی میں وقفہ آ گیا-علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان خطوط کا تبادلہ ہوا جنہیں پڑھ کر دونوں کے ذہنی رجحان کا دلچسپ اندازہ ہوتا ہے- جہاں معاویہؓ نے عثمانؓ کے قتل پر غم و غصے کا اظہار کیا اور علیؓ پر اس کا الزام لگایا وہاں علیؓ نے اپنے مخالفین کی جارحیت کو ایک شخص کی اقتدار کی حرص کا شاخسانہ قرار دیا- جب مذاکرات جاری تھے تو علیؓ کو ایک دھچکہ لگا ان کا ایلچی معاویہؓ سے جا ملا- دونوں لشکروں کے درمیان مئی اور جون میں نئے اسلامی سال کے آغاز محرم تک جھڑپیں جاری رہیں- 12 جون کو محرم شروع ہوا تو دونوں فوجوں نے 30 یوم

MashalBooks.org

کے لیے فائر بندی پر اتفاق کر لیا- اسلامی کیلنڈر کے 37ویں سال میں محرم کے آخری روز حضرت علیؓ نے اپنی فوج کو شامی لشکر کے خلاف جنگ کے لیے تیاری کا حکم دیا-

عرب روایات کے مطابق ایک ہفتے تک ایک ایک سپاہی کی لڑائی کا کھیل جاری رہا- بدھ 26 جولائی کو جب صفین کی تیز دھوپ سے ریت انگارے کی طرح دہک رہی تھی عام جنگ چھڑ گئی- یہ قتل عام 4 روز تک جاری رہا- ہزاروں مسلمان اپنے ہی بھائیوں کے ہاتھوں مر رہے تھے-صحرائی مٹی بلاوجہ خون سے لتھڑ گئی اور ہر فریق سمجھتا تھا کہ وہ حق پر ہے- جنگ کے دوران ایک مختصر وقفہ میں علیؓ نے ڈرامائی حل پیش کیا، انہوں نے کہا کہ معاویہؓ سامنے آئیں اور ہم دونوں آپس میں مقابلہ کر لیتے ہیں جو جیت گیا وہ خلیفہ بن جائے گا اور دونوں فوجیں اس کی بیعت کر لیں گی-

شام کے کچھ لوگوں نے بھی اس تجویز کی حمایت کی لیکن شطرنج کھیلنے کے شوقین اور بند دروازوں کے پیچھے معاملات طے کرنے والے معاویہؓ نے دست بدست لڑائی سے گریز کیا- معاویہؓ اپنا تاج بچانے کے لیے لڑ رہے تھے جبکہ علیؓ کا مطمح نظر عقیدہ اور خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی ادائیگی تھا- ظاہر ہے کہ میدان جنگ میں مرنا معاویہؓ کا کوئی آپشن نہیں تھا- بہرحال انہوں نے اپنے والد (ابی سفیان) سمیت صرف اسی وقت سمجھوتہ کرتے ہوئے اسلام قبول کر لیا تھا جب حضورﷺ نے انہیں شکست دے کر مکہ کو فتح کر لیا تھا- معاویہؓ کی بزدلی سے ان کے لشکر کا اعتماد ڈگمگا گیا- جیسے ہی ہفتے کو لڑائی دوبارہ شروع ہوئی تو اس عددی جنگ کا جمود ختم ہو گیا اور اس کا توازن علیؓ کی طرف ہو گیا- دوپہر تک شکست سامنے دیکھ کر عمر بن العاصؓ نے معاویہؓ کو مشورہ دیا کہ وہ ایک ایسی تدبیر کریں کہ ان کی فوج کو کچھ فائدہ پہنچے- انہوں نے اپنے فوجیوں سے کہا کہ وہ قرآنی نسخوں کو اپنے نیزوں کی انی پر بلند کر کے نعرے لگائیں ''فیصلہ قرآن سے ہوگا-''

یہ ہتھکنڈا مؤثر ثابت ہوا اور علیؓ کی فوج میں سے کئی سپاہیوں نے خدا کے قہر سے ڈرتے ہوئے دشمن فوج سے مزید لڑنے سے انکار کر دیا- خلیفہ کے لشکر میں نمایاں طور پر غیر یقینی اور اختلافات نظر آ رہے تھے- اور اس روز انہوں نے لڑائی میں جو شدت اختیار کی تھی کہ وہ ان کے ہاتھ سے جاتی رہی- علیؓ نے اپنی فوج کو خبردار کیا کہ وہ لڑائی جاری رکھے اور اس سازش میں نہ آئے- انہوں نے یہ بھی تنبیہ کی کہ معاویہؓ اور ان کے حامی مذہب

MashalBooks.org

پرست نہیں بلکہ اقتدار کے بھوکے انسان ہیں- ان الفاظ کا کوئی اثر نہ ہوا اور جلد ہی علیؓ کو اپنی صفوں میں بغاوت کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے کچھ حامیوں —— خارجیوں جنہوں نے بالآخر علیؓ کو قتل کر دیا —— نے دھمکی دی کہ اگر علیؓ نے قرآن کے نام پر جنگ بندی کی جازت نہ دی تو وہ انہیں قتل کر دیں گے-

معاویہؓ کی مکاری نے اس روز انہیں کامیابی دلا دی اور فتح کے قریب پہنچنے کے باوجود علیؓ کو ثالثی کی پیش کش قبول کرنا پڑی- ثالثی کے لیے قرآن کے استعمال کی رسم آج بھی اسلامی دنیا میں رائج ہے- بالخصوص یہ کام کسی بحث کو اپنی سمت سے ہٹانے اور میرٹ پر کسی کیس کا فیصلہ کرنے سے گریز کے لیے کیا جاتا ہے- معاویہؓ کے اس ہتھکنڈے کو آگے چل کر اسلامی کی پوری تاریخ میں آمروں کو تحفظ دینے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا- ظاہر ہے کہ کون یہ پسند کرے گا کہ اسے قرآن کا مخالف سمجھا جائے-

2 اگست 657ء کو علیؓ اور معاویہؓ نے جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط کیے اور اس بات پر رضامندی ظاہر کی کہ فریقین کے ثالث جو بھی فیصلہ کریں گے اسے قبول کیا جائے گا- جنگ بندی کی وجہ سے علیؓ کی صفوں میں شدید تقسیم پیدا ہو گئی اور خوارج نے ثالثی کے کسی بھی تصور کو مسترد کرتے ہوئے نعرہ بلند کر دیا کہ الحکم للہ-

ثالثی کے لیے جن 2 افراد کا انتخاب کیا گیا اس سے علیؓ کی اپنے گروپ کے معاملات چلانے میں خامی کی عکاسی ہوتی ہے- معاویہؓ نے اپنی طرف سے عمر بن العاصؓ کو مقرر کیا جو ایک چالاک سیاستدان تھے اور نہ صرف اس سے قبل معاویہؓ کے ساتھ ڈیل کر چکے تھے بلکہ انہوں نے جنگ کے دوران قرآن کو درمیان میں لانے کا منصوبہ تخلیق کیا جبکہ علیؓ کا نمائندہ ابوموسیٰ اشعری تھے جو ایک شائستہ انسان تھے لیکن عمر کی مکاری کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے- حقیقت تو یہ ہے کہ ابوموسیٰؓ نے ایک ماہ قبل حضرت عائشہؓ کے خلاف جنگ کے دوران علیؓ کی مخالفت کی تھی- علیؓ کی اولین پسند ابن عباسؓ تھے لیکن وہ ان کی بطور ثالث تقرری پر اپنے گروپ کے اکھڑ قبائلیوں کو رضامند نہ کر سکے اور مجبور ہو کر انہوں نے ابوموسیٰ کو اپنا حاکم نامزد کر دیا-

دونوں ثالثوں نے مذاکرات میں کئی ہفتے لگا دیئے لیکن کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکے، طویل کھینچا تانی کے بعد آخرکار اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ دونوں باری باری علیؓ اور

MashalBooks.org

معاویہؓ کو برطرف کرنے کا اعلان کریں گے جس کے بعد لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ کسی غیر جانبدار اور اس تنازعے میں غیر متعلق شخص کا انتخاب کرلیں، یہ اتفاق کیا گیا کہ وہ دونوں اپنے اپنے لیڈر یعنی علیؓ اور معاویہؓ کو مستعفی ہونے کے لیے کہیں گے۔لیکن معاویہؓ کے نمائندے عمر بن العاص نے دل میں کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا، انہوں نے ایک ایسی حکمت عملی تیار کی جس سے یہ معاہدہ علیؓ کے خلاف ہو جانا تھا۔

پہلے ابو موسیٰ سامنے آئے اور اعلان کیا کہ علیؓ کو مستعفی ہونا ہوگا لیکن جب عمر بن العاص کی باری آئی تو انہوں نے طے شدہ فیصلے کے برعکس معاویہؓ کو مستعفی ہونے کے لیے کہنے کی بجائے اعلان کیا کہ ابو موسیٰ نے چونکہ علیؓ کو معزول کر دیا ہے لہٰذا میں معاویہؓ کو اگلا خلیفہ نامزد کرتا ہوں۔

مورخین بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے اس فریب پر ابو موسیٰ سکتے میں آ گئے اور غصے کے دوران ان کا عمر بن العاص کے ساتھ سخت الفاظ کا تبادلہ ہوا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ نقصان ہو چکا تھا اور باقی سب تاریخ بن گئی۔

علیؓ کی خلافت جیسے تیسے مزید کچھ سال تک برقرار رہی، معاویہؓ کو شکست دینے میں ناکامی پر ان کی ساکھ پر بہت بُرا اثر پڑا اور آخر کار اس عظیم جنگجو کو قتل کر دیا گیا، انہیں قتل کرنے والے ان کے دشمن نہیں بلکہ اپنے اتحادی تھے۔

وہ شخص جس نے خود کو قربانی، مذہبی وقار، مساوات، ایمانداری، عاجزی اور پرہیز گاری کو اپنے لیے منتخب کیا تھا وہ انہیں لوگوں کا شکار ہو گیا جس پر انہوں نے انحصار کیا تھا۔ کیا اس میں قائدانہ صلاحیتوں کی کمی تھی، حالانکہ وہ دلیر تھا؟

حضرت علیؓ کی موت شیکسپیئر کے المیے کی طرز پر ہوئی۔ انہیں ان مذہبی جنونیوں نے قتل کر دیا جو یہ سمجھتے تھے کہ خلیفہ نے سمجھوتہ کرتے ہوئے ''حکم صرف اللہ کا'' کے نعرے سے روگردانی کی ہے، علیؓ جنہیں شیعہ مسلمان' نبیؐ کی طرف سے نامزد کردہ وارث سمجھتے ہیں کا خاتمہ انہی مسلمانوں کے ہاتھوں ہوا جنہوں نے آپ کی اطاعت کا حلف اٹھایا تھا۔

26 جنوری 661ء کو جمعہ کی صبح (بمطابق 17 رمضان 40 ہجری) جیسے ہی علیؓ نماز فجر کی امامت کرانے کے لیے مسجد میں داخل ہوئے تو قاتل نے آپ پر حملہ کر دیا۔ اس نے خلیفہ کے سر کی پچھلی جانب زہر آلود تلوار سے وار کیا۔ جب خلیفہ زمین پر گرنے تو قاتل جس

MashalBooks.org

کا تعلق خوارج سے تھا، نے زخمی خلیفہ پر چلاتے ہوئے کہا ''اے علیؓ، حاکمیت تمہاری نہیں خدا کی ہے'' اس کا اشارہ علیؓ کی طرف سے معاویہ کے ساتھ ثالثی کے معاہدے کی طرف تھا۔ اس طرح اسلام کا نام نہاد سنہری دور اختتام کو پہنچ گیا۔

علیؓ کی جرأت اور پرہیز گاری میں کوئی شک و شبہ نہیں مگر ان کی سیاسی فہم و فراست کے بارے میں کیا کہیے گا؟ انہوں نے معاویہؓ کو شام میں آزاد اور متوازی ریاست قائم کرنے کی اجازت کیوں دی جبکہ انہیں اندازہ ہونا چاہیے تھا کہ وہ تو اپنے اردگرد موجود حامیوں کو بھی کنٹرول میں نہیں رکھ سکتے؟

ابوبکرؓ کو بھی اپنی اتھارٹی کے خلاف ایسی ہی ایک بغاوت کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن بوڑھے خلیفہ نے کہیں زیادہ پرعزم انداز میں مقابلہ کیا۔ انہوں نے منحرفین پر مرتد کا لیبل لگا کر سزائے موت کا مستوجب قرار دے دیا۔ علیؓ جانتے تھے کہ ابوبکرؓ کی کارروائیاں سخت اور اختیارات سے متجاوز تھیں تاہم ابوبکرؓ نے فیصلہ کن اقدامات کیے اور کامیاب رہے جبکہ علیؓ نے نیم دلی اور ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا اور ناکام ہو گئے۔

اسلام کی ان دو طاقتور شخصیات کا موازنہ سیاست اور مذہب کے کھیل کا کلاسیک مطالعہ ہے۔ حکمرانی کرنے کے لیے ابوبکرؓ نے سیاست کو عقیدے پر ترجیح دی اور حاوی رہے، دوسری طرف علیؓ نے ایمان کو سیاست پر فوقیت دی اور ناکام ہو گئے۔ ان دونوں افراد کی اسلامی روایات کے مطالعے سے مسلمانوں کو متاثر (inspire) ہونا چاہیے۔ ان کے سیاسی عزائم اور روایات ہمیں خواب غفلت سے جھنجوڑنے کا ذریعہ بننی چاہیں۔ المیہ یہ ہے کہ بیشتر مسلمانوں نے شواہد کے اس پہاڑ پر کوئی توجہ نہ دینے کا وطیرہ بنا لیا ہے۔ اسلام کے ابتدائی عشروں میں مسلمانوں کے ہاتھوں بہنے والا ہزاروں مسلمانوں کا خون ہم سے چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ''اسلامی ریاست کے سراب کے پیچھے بھاگنا بند کرو، تم سے بہتر لوگوں نے اس کی کوشش کی لیکن ناکام رہے، تم نے آخر کس طرح سوچ لیا کہ تم وہ کام کر سکو گے جو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، اور علیؓ نہ کر سکے؟ اس نخلستان کی تلاش میں اور کتنے مسلمانوں کا خون بہے گا جس کا سرے سے وجود ہی نہیں؟ لیکن ان مرنے والوں کی آوازیں صحرائے عرب کی پھنکارتی ریت میں ڈوب گئیں۔

اب بھی وقت ہے، ہم مسلمان اپنے پیشرووں کی قربانیوں اور غلطیوں سے سبق سیکھ کر بہتر اور روشن مستقبل کی سمت میں بڑھ سکتے ہیں۔ تشدد اور ابتری سے آزاد مستقبل۔ ہم اس

MashalBooks.org

ناممکن اور بے مروت اسلامی ریاست کی تخلیق کے ارادے کوختم کر سکتے ہیں جہاں کوئی بھی رہنے کا خواہاں نہیں اوراس کی بجائے ہمیں سٹیٹ آف اسلام کے قیام کی کوشش کرنا ہوگا-

اکثر مسلمان آغان خان اور ان کے مقلدین کو کافر قرار دے کر ان کی مذمت کرتے ہیں لیکن وہ ایک ترقی پسند اور متحرک انداز میں اپنے ماننے والوں کی قیادت کر رہے ہیں- وہ پوری دلجمعی اور شان کے ساتھ اسلام کی مصالحت اور جدت پسندی کی ترویج کر رہے ہیں اور یہی وہ عمل ہے جس سے اسماعیلی کمیونٹی کا پوری دنیا میں عزت واحترام کیا جاتا ہے- ہوسکتا ہے کہ کسی کو اس فرقے کے پیروکاروں کی اپنے پیشوا کے ساتھ پراسرار وابستگی سے اختلاف ہو لیکن کسی کی خوبی کا بہرحال اعتراف کرنا چاہیے- آغا خان اور ان کے پیروکاروں جنہیں اسماعیلی مسلمان کہا جاتا ہے کے نزدیک عقیدہ تعویز بنا کر پہننے کا نہیں عمل کا نام ہے- وہ کسی اسلامی ریاست سے متاثر نہیں بلکہ اسلام کی ریاست میں رہتے ہیں- ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اسماعیلی مسلمانوں نے بھی خلافت سنبھالی تھی اور مصر میں فاطمیوں کی حکومت تھی- کئی صدیوں تک انہیں شکست اٹھانا پڑی وہ بھی اپنے ماضی کی طرف لوٹنے کی آرزو کرتے تھے لیکن انیسویں اور بیسویں صدی میں جدید ریاست (دور) کے آغاز پر اسماعیلوں نے جدیدیت کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا-

کیا باقی ماندہ ہم سب اسماعیلی مسلمانوں کی قرون وسطیٰ کے دور سے جدیدیت کی خواہش رکھنے والے والی کمیونٹی کی ہیئت کی تقلید کر سکتے ہیں؟ ہمیں ان کے عقائد یا نظریات اپنانے کی سرموضرورت نہیں لیکن ہم ان کی معاصر تہذیب سے کامیاب مصالحت سے سیکھ سکتے ہیں- انہوں نے مصر میں فاطمی خلافت کی بنیاد رکھی، جامعۃ الازہر قائم کی، پھر انہیں سنی باغیوں نے ان کی سرزمین سے بیدخل کر دیا اور وہ یمن، ہندوستان اور ایران تک بکھر گئے، وہ جہاں گئے ان سے امتیازی سلوک ہوا اور ڈرایا دھمکایا گیا اس کے باوجود وہ اکیسویں صدی کے مسلمانوں کے درمیان انتہائی تعلیم یافتہ، مخیرؔ، سماجی سرگرمیوں سے بھرپور متمدن لوگ بن کر ابھرے-ان کو چھوڑ کر باقی سب مسلمان چاہیں تو ایک دوسرے کو کافر اور مرتد قرار دینا جاری رکھ سکتے ہیں، ہم چاہیں تو جدیدیت سے نفرت کر سکتے ہیں، انسانی راحتوں سے منہ پھیر سکتے ہیں، اپنا سر صحرائے عرب کی ریت میں دبا سکتے ہیں اور خون کے پیاسے صحرا کو ہنسی کا موقع دے سکتے ہیں-

آٹھواں باب

دمشق ـــــــــ اسلام کی عرب سلطنت

علیؓ کی شہادت کے بعد اسلام کے پانچویں خلیفہ نے اپنے منصب کا حلف اٹھا لیا لیکن ان کا دور اقتدار اتنا مختصر رہا کہ محض چند مسلمان ہی ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں پڑھائی جانے والی مسخ شدہ تاریخ اتنی جامع ہے کہ حضرت محمدﷺ کے نواسے حسنؓ بن علیؓ کو صرف قائم مقام خلیفہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ جہاں شیعہ مسلمان اپنے ساتھ بے انصافی اور ظلم کی داستان کی توثیق کے لیے خلیفہ حسنؓ کے دور کا ذکر کرتے ہیں وہاں سنی مؤرخین یا تو سرے سے خلیفہ حسنؓ کا ذکر گول کر جاتے ہیں یا پھر انہیں ایسے کمزور حاکم کے طور پر پیش کرتے ہیں جس نے معاویہؓ (گورنر شام) کی طرف سے دولت اور سرپرستی کی پیش کش کے بدلے خلافت کے دعوے سے دستبرداری اختیار کر لی۔ بہتر حوالوں سے حسنؓ کی ایک امن پسند اور درویش صفت انسان کی حیثیت سے تعریف کی جاتی ہے جنہوں نے مسلمانوں کے وسیع تر مفاد میں تخت چھوڑ دیا۔

اس کے ساتھ ساتھ بعض دیگر مبصرین حسنؓ کے خلافت سے دستبرداری کو سنی نظریے کے جواز کے لیے استعمال کرتے ہیں جو نبیؐ کی اولاد کو مسلمانوں کی سیاسی قیادت سنبھالنے سے روکتی ہے۔ اس ضمن میں اکبر نجیب آبادی کی کتاب ''ہسٹری آف اسلام'' جو سعودی عرب میں شائع ہوئی اور اس اشاعت کی نگرانی شکاگو کے ایک اسلامی ادارے نے کی، اس کا مطالعہ دلچسپی کا حامل ہے۔ کتاب میں لکھا ہے کہ حسنؓ کے والد حضرت علیؓ کو اسلام کا چوتھا خلیفہ نہیں بننا چاہیے تھا: ''اگر علیؓ بن ابی طالب کی جگہ کوئی غیر ہاشمی خلیفہ ہوتا تو اسے عرب قبائل کی زیادہ حمایت مل سکتی تھی، اگر علیؓ بن ابی طالب خلیفہ نہ ہوتے تو وہ معاویہؓ کی

MashalBooks.org

مخالفت کر سکتے تھے اور بنو امیہ کو زیادہ بہتر طور پر چل سکتے تھے اور اتنے طاقتور اور مؤثر ہو جاتے کہ کسی بھی ایسے شخص کو خلیفہ بنوا سکتے جو غیر ہاشمی ہوتا۔''

کتاب میں پھر سنی نظریے کی طرف لوٹتے ہوئے حسنؓ کے بستر مرگ پر الفاظ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ بظاہر حسنؓ نے اپنے چھوٹے بھائی حسینؓ کو بتایا کہ ''جب علیؓ ابن ابی طالب (حسنؓ کے والد) پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد خلیفہ بنے تو تلواریں نیاموں سے باہر آ گئیں اور یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا اور اب میں پوری طرح جانتا ہوں کہ نبوت اور خلافت دونوں ہمارے خاندان میں نہیں رہ سکتیں۔''

مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنوری 661ء میں علیؓ کے انتقال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے حسنؓ نے خلیفہ کا حلف اٹھا لیا اور دارالخلافہ کوفہ کے لوگوں نے ان کی حمایت کی۔ حجاز اور یمن کے گورنروں نے بھی ان کی بیعت کر لی۔ ظاہر ہے معاویہؓ نے علیؓ کی طرح ان کے بیٹے حسنؓ کا دعویٰ بھی تسلیم نہ کیا۔ حضرت حسنؓ کی خلافت اگلی آٹھ ماہ تک جاری رہی، تب پھر انہوں نے معاویہؓ کے ساتھ ڈیل کر کے کوفہ چھوڑ دیا اور ریٹائرمنٹ کی زندگی گزارنے کے لیے مدینہ چلے گئے۔

لیکن 661ء کا سال واقعات سے اتنا خالی نہیں جتنا بعض مؤرخین ہم مسلمانوں کو بتاتے ہیں۔ اس سال کے تجزیئے سے مذہب اور سیاست کو ملانے والے معاصر مسلمانون کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

خنجر کے وار سے علیؓ کے قتل کے بعد اگلے دن حسنؓ نے کوفہ کی جامع مسجد میں اس افسوس ناک خبر کا اعلان کیا۔ غم سے نڈھال حسنؓ نے مسلم کمیونٹی کو بتایا کہ ان کے والد نے ورثے میں 700 درہم (تقریباً 3 ڈالر) کے سوا سونا، چاندی یا کوئی جائیداد نہیں چھوڑی۔

سچ تو یہ ہے کہ حضرت محمدﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے علیؓ نے اس مؤقف کے باوجود کہ خلافت ہمیشہ آل رسول میں رہنی چاہیے اپنا کوئی جانشین نامزد نہ کیا۔

ایک روایت ہے کہ حسنؓ کی آنسوؤں سے بھری تقریر بمشکل ختم ہوئی ہوگی کہ یمن کے گورنر عبیداللہ بن العباس جو معاویہؓ کی فوج کے حملے کے ڈر سے بھاگ کر کوفہ آیا تھا، نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا وہ حسنؓ کی بطور نئے خلیفہ کے بیعت کر لیں، اس کے بعد کوفہ

MashalBooks.org

کے ممتاز لوگ ایک ایک کر کے آگے آئے اور اور نئے خلیفہ سے اطاعت کا اظہار کیا - اپنے والد کی طرح حسنؓ بھی انتہائی کڑے وقت میں ''امیرالمومنین'' کی ذمہ داریاں سنبھال رہے تھے-

حضرت علیؓ کو عین اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ حضرت معاویہؓ کے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے- اگرچہ ان کی یہ کوشش زیادہ ثمر آور نہیں تھی- ظاہر ہے کہ اس فوج کی ترتیب حسنؓ کے والد نے تشکیل دی تھی اور اب وہ دمشق کی طرف پیشقدمی کرنے کے احکامات کی منتظر تھی- شاید حسنؓ اپنے اندر موجود امن پسند انسان اور فوجی طاقت میں کمی کا ادراک ہونے کے باعث کوئی حملہ کرنے میں شش و پنج کا شکار تھے، تقریباً 2 ماہ تک لشکر کوفہ کے قریب خیمہ زن رہا لیکن انہیں کوئی حکم نہ ملا، لوگ حیران تھے کہ خلیفہ آخر کس لیے ہچکچاہٹ میں مبتلا ہیں۔ حتیٰ کہ حسنؓ اپنے وفادار فوجیوں کے حوصلے بلند رکھنے کے لیے بھی شعلہ بیان تقریریں نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ فوجی خلیفہ کے والد کے مشہور زمانہ انداز خطابت کے عادی تھے-

دوسری جانب معاویہؓ موقع کی تلاش میں تھے، ان کا جرنیل بصر بن ابی حارث حال ہی میں اسلام کے مرکز—— مکہ اور مدینہ —— پر خون آشام حملہ کر کے واپس آیا تھا، جہاں اس نے بچوں تک کا قتل عام کیا اور ایسے ظالم قاتل کے طور پر شہرت پائی جو باغیوں کو معاف کرنے کا قائل نہیں- بصر کسی مزاحمت کے بغیر مکہ اور مدینہ میں (باری باری) داخل ہوا اور وہاں کی آبادی کو اپنی وفاداریاں علیؓ سے معاویہؓ کی طرف بدلنے کا حکم دیا اور اس حکم پر لوگوں نے سر تسلیم خم کیا کیونکہ وہ انکار کے نتائج سے بخوبی آگاہ تھے- بصر نے ہر اس شخص کا گھر تباہ کر دیا جس نے سرتابی کی جرات کی اور بچوں کے سر قلم کرنے کا حکم دے دیا-

جس وقت معاویہؓ (کی فوج) کے مکہ اور مدینہ پر حملے کی خبر ملی تھی اس وقت حسنؓ اپنے والد کی طرف تھے- دونوں شہروں کے گورنر بمشکل جان بچا کر فرار ہوئے- یمن کے گورنر——وہ پہلا شخص جس نے حسنؓ سے سب سے پہلے بیعت کی اور بعد ازاں انہیں دھوکا دیا—— کے دو بیٹے بھی بصر کی بربریت کا نشانہ بنے- حسنؓ کو معلوم تھا کہ فوجیں ان کے خلاف صف آراء ہو چکی ہیں- ممکن ہے کہ وہ ایک امن پسند انسان ہوں لیکن حملہ کرنے میں ان کے تامل سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ حقیقت پسند بھی تھے لیکن انہیں اس بے عملی کا

MashalBooks.org

خمیازہ بھی بھگتنا پڑا، ان کے لشکر میں بددلی پھیل گئی اور لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کا خلیفہ لڑائی میں دلچسپی رکھتا ہے نہ حکمرانی میں- جہاں خارجی حضرت حسنؓ کی بزدلی پر ان کا تمسخر اڑا رہے تھے وہاں ان کے بصرہ میں موجود اتحادی اور چچا عبداللہ بن العباس نے انہیں لکھا کہ یا تو آپ کوئی فیصلہ کن کارروائی کریں یا پھر لوگوں کی حمایت سے محروم ہونے کے لیے تیار رہیں-

چچا کی حمایت ملنے اور اپنی دفاعی اور Tactical پوزیشن کا محتاط اندازہ لگانے کے بعد حسنؓ نے معاویہؓ ـــــ جو خود کو متوازی خلیفہ سمجھتے تھے ـــــ کو لکھا کہ وہ گورنری سے ہٹ جائیں اور حسنؓ سے اطاعت کا اظہار کریں- اپنے خط میں حسنؓ نے ''امیر المومنین'' کے دستخط کیے اور معاویہؓ کے نسب کا مذاق اڑاتے ہوئے انہیں یاد دلایا کہ تم نے اور تمہارے والد نے محض اس وقت اسلام قبول کیا جب مکہ فتح ہوا اور تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا، خط میں ڈھکے چھپے الفاظ میں معاویہؓ کو دھمکی دی گئی تھی کہ انہوں نے اگر اطاعت پر آمادگی ظاہر نہ کی تو فوجی کارروائی کی جائے گی-

معاویہؓ اس قسم کی سفارتی جارحیت کے کھیل کے عادی تھے- وہ پہلے علیؓ کو بے دست و پا بنا چکے تھے اور اب کی بار حسنؓ سے ذرا مختلف ہتھکنڈے سے نمٹنے والے تھے- انہوں نے علیؓ کے ساتھ درشتگی سے پیش آنے کے انداز کے بجائے اپنی عمر و تجربے اور ایک منتظم کی اہلیت بروئے کار لاتے ہوئے حسنؓ کو خبردار کیا کہ آپ کی ناتجربہ کاری سے دشمنان اسلام کو فائدہ پہنچ سکتا ہے- پھر انہوں نے ایک اور پتہ پھینکا اور پیش کش کی ''خلافت سے دستبردار ہو جاؤ، تمہیں بیش بہا دولت اور تمہاری پسند کی جاگیر سے نواز دوں گا-''

حسنؓ کو خط ملا لیکن وہ کوئی جواب دینے میں ناکام رہے، جواب نہ دینے کو کمزوری کی علامت سمجھتے ہوئے معاویہؓ نے شائستگی کو خیرباد کہتے ہوئے دوسرا خط بھیج دیا جو دراصل انہیں باز رکھنے کا نوٹس تھا تاہم اس میں ابھی امید کا عنصر بھی باقی تھا-

اس مرتبہ معاویہؓ نے وعدہ کیا کہ وہ حسنؓ کو اپنا ولی عہد اور اگلا خلیفہ نامزد کر دیں گے-

حسن نے جواب میں زمین، دولت اور مستقبل کی جانشینی کی پیشکش کی بنیاد پر مصالحت اور معاویہ کے مطالبات کو مسترد کر دیا، ایک بار پھر اہل اسلام، صحابہ رسول خونریزی

MashalBooks.org

کی طرف بڑھ رہے تھے—— کسی مذہبی تنازعے کو حل کے لیے نہیں بلکہ تخت پر بیٹھنے کے اپنے دعوے کے لیے۔

اپنے مخالف کی کمزوری اور جاسوسوں کے ذریعے حسن کی صفوں میں تقسیم کا اندازہ کر کے گورنر شام معاویہ بن سفیان نے حملہ کر دیا۔ 60ہزار سپاہیوں کے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے معاویہؓ نے حسن کی فوج سے نمٹنے کے لیے پیشقدمی شروع کر دی۔ اس مرتبہ جنگی خطوط (lines) جغرافیائی خطوط کے ساتھ ابھرے تھے۔ یعنی اہل شام اہل عراق پر چڑھائی کر رہے تھے۔

کوفہ میں جیسے ہی حسنؓ کو دشمن کی پیشقدمی کی اطلاع ملی، انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے زور دیا کہ وہ جہاد کی تیاری کریں۔ انہوں نے علاقائی گورنروں کی طرف پیامبر بھیجے اور انہیں ہدایت کی وہ اپنے لشکر تیار کر کے ''النخلیہ'' کے مقام پر ان کی فوج کے پڑاؤ سے آملیں۔

روایت ہے کہ حسنؓ کی اپیل کا ردعمل توقع سے کم سامنے آیا۔ ایسا لگتا ہے کہ حسنؓ کے علم کے بغیر ان کے کچھ گورنر پہلے ہی سے معاویہؓ کے ہاتھوں بک چکے تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہزاروں وفادار فوجیوں نے خلیفہ کی آواز پر لبیک کہا اور فوجی پڑاؤ میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ یہاں حسنؓ نے بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک غلط انتخاب کر لیا، انہوں نے انتہائی قابل اعتماد اور جنگجو قیس بن سعد کی بجائے عبیداللہ بن عباس کو اپنی فوج کے ہراول دستی کا کمانڈر مقرر کر دیا۔

دونوں باپ بیٹے کو ان کے اپنے، مقرر کردہ نمائندوں نے دھوکہ دیا۔ علیؓ کے نمائندے نے تو فیصلہ کرنے میں غلطی کی لیکن حسنؓ کے بطور جنرل انتخاب سے مخالف فریق کو فائدہ پہنچا۔

عبیداللہ جنہوں نے یمن میں اپنی کمان خالی چھوڑ دی تھی فوج کی قیادت کرتے ہوئے دریائے فرات کے بہاؤ کی مخالف سمت میں پیش قدمی کر کے عراقی شہر فلوجہ پہنچے۔ لشکر کا دوسرا حصہ حسنؓ کی کمان میں تھا۔ اگلی صبح خلیفہ نے ایک خطبہ دیا جس میں انہوں نے فوج کو اشتعال دلانے اور بہادری کے جوہر دکھانے پر آمادہ کرنے کی بجائے امن کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کر ڈالا۔ انہوں نے کہا کہ انہیں امید ہے کہ کوئی بھی نقصان یا برائی کی

MashalBooks.org

طرف مائل نہیں ہوگا- اس پر فوج ابہام کا شکار ہوگئی، کیا خلیفہ لڑے بغیر شکست مان رہا تھا؟ ہمیں جہاد کے لیے اٹھ کھڑا ہونے کا درس دے کر کیا اب اس کے اپنے قدم لڑکھڑا رہے ہیں؟ مؤرخین بتاتے ہیں کہ جلد ہی لشکر میں ہنگامہ شروع ہوگیا اور پھر افراتفری سے نوبت کھلی بغاوت تک جا پہنچی- حسنؓ کے اپنے سپاہیوں نے ان کے خیمے پر حملہ کر دیا اور لوٹ مار شروع کر دی، انہوں نے خلیفہ کی زرہ بھی کھینچ لی، جس پر انہیں اپنے چند وفادار ملازمین اور محافظوں کے گھیرے میں گھوڑے پر وہاں سے فرار ہونا پڑا، خارجیوں نے تعاقب کرتے ہوئے انہیں جا لیا اور ان پر کلہاڑے سے حملہ کر دیا، جس سے حسنؓ کے کولہے پر گہرا زخم آیا- زخمی خلیفہ، امیرالمومنین کو وہاں سے نکال لیا گیا جبکہ حملہ آور کو پکڑ کر تشدد کے بعد ہلاک کر دیا گیا- پھر لاش کا سر پتھر سے کچل دیا گیا-

جس وقت نواسہ رسول اپنے زخم کا علاج کر رہے تھے، معاویہؓ —— اپنی منظّم شامی فوج کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا- وہ راستے میں آنے والے ہر قصبے اور قبیلے کی جاں بخشی کرتے ہوئے حسنؓ کے 12 ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہراول دستے کے سامنے آ گئے، اس دستے کی کمان عبیداللہ کے پاس تھی-

ایک زیرک سیاستدان معاویہؓ نے حسنؓ کی فوج کے کمانڈروں کو پیغام بھجوایا کہ ان کے خلیفہ نے امن کی خواہش کی ہے اور جنگ بندی پر دستخط کرنا چاہتا ہے- جب یہ ہتھکنڈا ناکام رہا تو معاویہؓ نے عبیداللہ کے پاس ایک ذاتی ایلچی بھیجا اور اسے پیش کش کی کہ اگر وہ اپنی وفاداریاں تبدیل کر لے تو اسے 10 لاکھ درہم ادا کیے جائیں گے، نصف رقم محاذ جنگ پر اور باقی ماندہ کوفے پہنچنے پر ادا کر دی جائے گی-

عبیداللہ نے حسنؓ سے وفاداری کے لیے قرآن پر حلف اٹھایا تھا، اس کے دو کمسن بیٹے یمن میں معاویہؓ کی فوج کے ہاتھوں تہ تیغ ہوگئے تھے لیکن اس کے باوجود اس نے ایک ملین درہم میں خود کو بیچ ڈالا- عسکری تاریخ میں شاید ہی کسی فوجی جرنیل کو مخالف فوج نے اس انداز میں خریدا ہوگا- حسنؓ نے اپنے والد کی طرح غلط شخص پر اعتماد کیا تھا، یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ذاتی کردار میں بے مثل ہونے کے باوجود علیؓ اور حسنؓ کسی دوسرے کے کردار کا ٹھیک اندازہ لگانے میں قطعی ناکام ثابت ہوئے-

حسنؓ سے سب کچھ چھن گیا— اور وہ جانتے تھے۔ دو روز تک جھڑپوں کے بعد

MashalBooks.org

انہوں نے اس شرط پر معاویہؓ کی جنگ بندی کی پیشکش قبول کر لی کہ حسن مجتبیٰ کے تمام سپاہیوں کی جاں بخشی کی جائے گی، معاویہؓ نے 10 لاکھ درہم (40 ہزار ڈالر) اور فاسہ درا یجرد کی زرعی اراضی کا مالیہ ادا کر کے اس ڈیل میں مزید مٹھاس گھول دی۔ معاہدے پر دستخط ہو گئے اور حسنؓ اور ان کے اہلخانہ نے باقی ماندہ زندگی مدینہ میں ریٹائرمنٹ میں گزارنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

مؤرخین کا اس سال کو ''کمیونٹی کا سال'' قرار دینا اور یہ تاثر دینا کہ اس سے مسلمانوں میں کشمکش اختتام پذیر ہو گئی تھی گمراہ کن بات ہے۔ آنے والے برسوں میں حضرت حسنؓ کے چھوٹے بھائی حضرت حسینؓ اور رسول اللہ ﷺ کے تقریبا تمام اہل خانہ سمیت مزید خون بہنے والا تھا اور گویا پیغمبر کے گھرانے کا مسلمانوں کے ہاتھوں انسانیت سوز قتل کافی نہیں تھا کہ مکہ میں خانہ کعبہ —— خانہ خدا اور اسلام کی پہلی مسجد کو راکھ میں تبدیل کر دیا گیا۔

یقیناً اکثر مسلمان یا تو ان المیوں سے لاعلم ہیں یا پھر انہیں ان کی تاریخ کسی تنقیدی جائزے کے بغیر محض پراپیگنڈے کے نقطۂ نظر سے پڑھائی جاتی ہے۔ سعودی عرب کی طرف سے کینیڈا، امریکہ اور یورپ میں تقسیم کی جانے والی درسی کتب تاریخی المیوں پر پردہ ڈالنے کی بہترین مثال ہیں۔ کتاب ''ہسٹری آف اسلام'' میں لکھا ہے کہ معاویہؓ اور علیؓ کے درمیان خانہ جنگی حکم ربی تھا اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ابتری مسلمانوں کے لیے مفید ثابت ہوئی: ''اگر یہ اختلافات پیدا نہ ہوتے اور امیر معاویہؓ کی علیؓ بن ابی طالب سے جنگ نہ ہوتی تو ہم اسلامی شریعت کے بڑے اور اہم حصہ سے محروم ہو جاتے، تو پھر ایسا کیوں ہوا؟ اللہ خود اس مذہب کا محافظ ہے اور اس نے اس کے تحفظ کا وعدہ کر رکھا تھا۔ یہ اس کی مرضی تھی کہ علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات ہوئے اور اس کے بعد آنے والے مواقع بھی اس کی وجہ سے تھے۔''

معاویہؓ: عربوں کے پہلے بادشاہ

اسلامی تاریخ کی ایک ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ لوگ جن سے مشرکین مکہ میں حضرت محمدؐ کی تبلیغ کی کوششوں کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا وہی آپؐ کے نام پر آپؐ

کے مذہب اور حکمرانی کے وارث بن کر ابھرے۔

اسلام پسند سکالر ابوالاعلیٰ مودودی امیر معاویہؓ کی خلافت کو ''مطلق العنان بادشاہت'' اور ان کے خلافت کے منصب پر فائز ہونے کو جوابی انقلاب (counter revolution) قرار دیتے ہیں۔ جس سے اقتدار ''گناہگار ہاتھوں'' کو منتقل ہو گیا۔ معاویہؓ کے والد سفیان اور حضرت محمدﷺ آپس میں رشتہ دار تھے۔ ان کے دادا آپس میں بھائی تھے۔ اس کے باوجود دونوں قبائل بنو ہاشم اور ابوسفیان کا قبیلہ بنو امیہ ـــــ آپس میں حریف تھے جو اکثر ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے۔ یہی وہ دشمنی تھی جو حضرت محمدﷺ کے انتقال کے بعد شروع ہوئی اور پھر صدیوں تک مسلمانوں میں تنازعے کا باعث بنی رہی۔''

ابوسفیان مکہ کے ایک طاقت ور اور قابل احترام سردار تھے، وہ حضرت محمدﷺ کو مکہ کے سماجی نظام کے لیے خطرہ سمجھتے تھے،وہ آپؐ کو ایسا انسان سمجھتے تھے جو سیاسی طاقت کا خواہاں تھا اور جو قریش کے روایتی کثیر التعداد خداؤں جن میں سے ایک ''اللہ'' تھا کو چیلنج کر رہا تھا۔ یہ ابوسفیان ہی تھا جس نے اہل مکہ کو قبول اسلام سے روکنے کے لیے کئی تادیبی اقدامات کیے۔ 622ء میں حضرت محمدﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد ابوسفیان ہی نے مدینہ میں پناہ گزین مسلم کمیونٹی پر جنگ مسلط کرنے کے لیے اہل مکہ کی قیادت کی۔ اس کے نتیجے میں جنگ بدر لڑی گئی، جو تعداد میں انتہائی قلیل مسلمانوں کے لیے تاریخی کامیابی پر ختم ہوئی۔ لیکن ابھی اسلام اور رسولؐ کے خلاف ابوسفیان کی مہم ختم نہیں ہوئی تھی کہ اس نے اس کے بعد بھی مسلمانوں کے خلاف مشرکین کی 2 جنگوں کی کمان سنبھالی۔ لیکن محمدﷺ کو شکست دینے میں ناکام رہا۔ اس کے بعد محمدﷺ اور مشرکین کے درمیان عارضی جنگ بندی پر اتفاق ہوا اور 628ء میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہوا جو محض 2 سال تک مؤثر رہا۔

630ء میں حضرت محمدﷺ کے تقریباً 10 ہزار فوجیوں پر مشتمل لشکر تیار کیا اور مکہ کی طرف پیشقدمی شروع کر دی، شکست کو سامنے دیکھ کر ابوسفیان اور ان کا بیٹا معاویہؓ مسلمان ہو گئے، حضورؐ نے انتہائی شفقت اور ظرف کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے دیرینہ دشمنوں کو صحابہ اور ابوسفیانؓ کے گھر کو گوشۂ عافیت قرار دے دیا ۔ روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے بعد یہ اعلان کیا کہ ''جو کوئی بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اسے پناہ حاصل ہو گی اور اپنے گھر میں رہنے والے کی بھی جان بخشی کی جائے گی۔''

MashalBooks.org

اگرچہ حضرت محمد ﷺ نے مخالفین کو معاف کر کے گلے لگا لیا تھا لیکن دشمنیاں باقی رہیں- کئی لوگ سمجھتے ہیں کہ ابوسفیان اور معاویہؓ نے شکست کے بعد بطور دشمنی اسلام قبول کیا-

جب 632ء میں حضرت محمد ﷺ کا انتقال ہوا تو ابوسفیاں جنوبی صوبہ نجران کے حاکم تھے- انہوں نے جیسے ہی یہ سنا کہ ابوبکرؓ کو حضرت محمد ﷺ کا جانشین تسلیم کر لیا گیا ہے تو وہ غضب ناک ہو گئے اور حضور ﷺ کے کزن اور داماد علیؓ سے کہا کہ وہ خلیفہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں- علیؓ نے ان کی حمایت مسترد کرتے ہوئے ابوسفیان پر الزام لگایا کہ تمہاری حمایت اسلام دشمنی کے سوا کچھ نہیں- دوسری طرف ستم ظریفی دیکھیے کہ جہاں ابوسفیانؓ حضرت علیؓ کی اطاعت کے لیے آمادہ تھے وہاں ان کے بیٹے معاویہؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا-

امویوں نے غیر عرب مسلمانوں —— ایرانیوں، ہندوستانیوں اور افریقیوں —— کا درجہ مزید کم کر دیا- یہ عمل بدقسمتی سے عمرؓ کے دور میں شروع ہوا تھا لیکن اس کا اصل آغاز اسی وقت ہو گیا تھا جب ابوبکرؓ کے اقتدار میں آنے کے وقت مکی عربوں کی برتری کی پالیسی اختیار کی گئی- ڈینیور یونیورسٹی کے پروفیسر لیاقت تکم لکھتے ہیں کہ:

''امویوں کے دور خلافت (750-661) کے دوران قیادت اموی قبیلے تک محدود تھی- عرب مسلمانوں کو تو انتہائی معتبر مقام دیا گیا جبکہ غیر عربوں کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا- نسل پرستی کی ممانعت کے قرآنی حکم کے برعکس پیغمبرؐ کے انتقال کے فوراً بعد عرب شناخت کا انداز تفاخر عود کر آیا، غیر عرب نومسلموں سے چاہے ان کی سابق سماجی حیثیت کچھ بھی تھی، دوسرے درجے کے شہری (موالی) کا سلوک کیا جاتا تھا-''

امویوں کی طرف سے غیر عرب مسلمانوں کے ساتھ کھلے عام نسلی امتیاز کے شواہد پر اسلام پسند عالم دین ابو الاعلی مودودی نے بھی تفصیل سے لکھا ہے- اس بات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہ کس طرح خلافت کا ادارہ امویوں نے موروثی بادشاہت میں تبدیل کر دیا وہ اپنی ضخیم کتاب ''خلافت و ملوکیت'' میں لکھتے ہیں کہ:

''امویوں کی حکومت نے شروع سے ہی عرب حکومت کا رنگ اختیار کر لیا جس میں عربوں اور غیر عربوں کی برابری سے انکار کیا گیا، اسلامی اصولوں کی برملا خلاف ورزی کرتے ہوئے عرب حکمرانوں نے غیر عرب

MashalBooks.org

مسلمانوں پر جزیہ عائد کر دیا—— غیر عرب مسلمانوں نے محسوس کیا کہ وہ عربوں کے غلام ہیں—— اور حجاج بن یوسف کے دور میں تو غیر عرب مسلمانوں پر نمازوں کی امامت پر بھی پابندی لگا دی گئی۔''

پہلے 90 سال کی خلافت کی عرب نوعیت 2 محاذوں پر قابل ذکر ہے—— مغرب میں سپین اور مشرق میں ہندوستان—— سپین جس پر مسلمانوں کا قبضہ 711ء سے شروع ہوا ، کی فتح میں شمالی افریقہ کے بربر مسلمانوں کی تعداد عربوں سے کہیں زیادہ تھی لیکن عربوں کو خاص طلسماتی حیثیت حاصل تھی جبکہ غیر عرب کو اسلام قبول کرنے پر کسی عرب یا پہلے سے کسی عرب کی سرپرستی میں رہنے والے نومسلم کا محکوم (مولا) بننا پڑتا تھا۔ جب سپین فتح ہو گیا تو بربر افریقی مسلمانوں نے 739ء میں بغاوت کر دی اور بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجی گئی شامی فوج کو شکست دے دی۔

اس طرح ہندوستان جہاں اموی فوج نے دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر قبضہ کر لیا تھا میں ایسی روایتیں دستیاب ہیں کہ نومسلم سندھیوں کو غیر مسلموں کی طرح جزیہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ خلیفہ یزید بن عبدالمالک کے دور میں عرب مسلمان دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر حکمران تھے جبکہ مشرقی کنارے پر سندھ مسلمانوں کی حکومت تھی۔لیکن 723ء میں اموی فوج کا ایک بڑا لشکر دریائے سندھ کے علاقے میں بھیج کر مقامی مسلمان حکمران سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ غیر مسلموں کی طرح جزیہ ادا کرے، اس کے انکار پر کمانڈر جنید کی قیادت میں اموی فوج نے دریا عبور کیا اور طویل بحری جنگ کے بعد سندھی مسلمان کو پکڑ کر مرتد قرار دے دیا اور قتل کر دیا۔ سندھی بادشاہت کے خاتمے کے بعد جب مقتول بادشاہ کے بھائی نے دمشق میں جا کر سندھی مسلمانوں سے عربوں کی بدسلوکی کی خلیفہ سے شکایت کی کوشش کی تو اسے بھی جنید نے بھائی کی طرح پکڑ کر پھانسی دے دی۔

اسلام اور مسلمان سندھ پر اموی فوج کے حملے سے بہت پہلے سندھ میں داخل ہو چکے تھے۔ پیغمبرؐ کے خاندان کے بعض افراد نے خلیفہ یزید کے قہر سے بچنے کے لیے سندھ میں ہی پناہ لی تھی۔ جبکہ بعض دیگر خاندان مکران، گجرات اور مالابار کے ساحلی علاقوں پر آباد ہو گئے تھے۔ یہ لوگ عمان اور یمن سے پرامن طریقے سے تاجروں کی حیثیت سے یہاں آئے۔لیکن امویوں کے حملوں سے سندھ میں بڑے پیمانے پر سماجی ابتری پیدا ہوئی اور

MashalBooks.org

سینکڑوں ہندوستانیوں کو غلام بنا کر عراق بھیج دیا گیا- ہندوستانیوں کو پہلی مرتبہ پہلے اموی خلیفہ معاویہ بن سفیان کے دور میں بلوچستان میں مکران کے ساحل کے قصبوں پر قبضے کے دوران غلام بنایا گیا تھا-

نویں صدی کے ایرانی مؤرخ احمد ابن یحیٰی البلاذری نے اپنی کتاب ''کتاب فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تو قیدیوں کو غلامی یا موت میں سے ایک کا انتخاب کرنے کو کہا گیا- بتایا جاتا ہے کہ صرف رور(Rur) شہر میں 60ہزار قیدیوں کو غلام بنا لیا گیا جن میں شاہی خاندان کی 30 خواتین بھی شامل تھیں جبکہ برہمن آباد سے دیگر 30 ہزار جبکہ ملتان میں 6ہزار ہندوستانیوں کو غلامی پر مجبور کیا گیا، وہاں سے ملنے والی دولت (مال غنیمت) کا پانچواں حصہ دمشق میں خلیفہ کو بھجوا دیا گیا جبکہ باقی تمام دولت ''لشکر اسلام'' میں تقسیم کر دی گئی- محمد بن قاسم نے جہاں، جہاں سے موقع ملا سونا چاندی اکٹھا کیا- کہا جاتا ہے کہ ملتان سے اس نے مرکزی ہندو مندر کا طلائی بت اور مفتوحہ قلعے سے سونے اور جواہرات کی بڑی مقدار قبضے میں لے لی- مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ قاسم شام واپسی پر اپنے ساتھ 12 کروڑ درہم (تقریباً 50لاکھ ڈالر) لے کر گیا تھا-

معاویہؓ کی اسلام کے جائز چھٹے خلیفہ ہونے اور شام میں اپنا اقتدار برقرار رکھنے کے لیے ان کی ہتھکنڈوں پر تو اعتراض کیا جا سکتا ہو گا لیکن ان کے بدترین ناقدین بھی ان کی ایک قابل، منتظم اور امویوں کو پہلی عرب بادشاہت بنانے میں کردار کا اعتراف کرتے ہیں- امیر معاویہؓ جانتے تھے کہ انہیں بااثر مذہبی حلقوں کی حمایت حاصل نہیں، اور شاید اسی وجہ سے انہوں نے عقیدے کی بنیاد پر قائم انتظامیہ کو عرب قبائلی اشرافیہ میں منتقل کر دیا- ڈاک کا نظام اور اراضی کی رجسٹریشن کا ادراہ قائم کرنے پر بھی ان کی ستائش کی جاتی ہے- چونکہ اسلامی جذبہ ان کی قوت رہنمائی نہیں تھی اس لیے انہوں نے غیر مسلموں بالخصوص عیسائیوں کے لیے برداشت کی پالیسی اختیار کی، یہ جانتے ہوئے کہ ہمسایہ ریاست عراق میں نیچے ہی نیچے غصے کا لاوا پک رہا ہے معاویہؓ نے قبائلی سرداروں کو ان کے استحکام کی ضمانت دینے کے لیے فراخدلی سے رشوتیں دیں-

اپنے 20 سالہ دور خلافت میں معاویہؓ نے عثمانؓ اور علیؓ کے دور میں معطل ہونے والے ہمسایہ ملک میں فتوحات کا سلسلہ بحال کیا- مشرق میں ان کی فوج نے ایرانی صوبہ

خراسان فتح کیا اور اسے دریائے جیحوں کے پار وسط ایشیائی علاقوں پر حملوں کے لیے ایک بیس کے طور پر استعمال کیا، مغرب میں معاویہؓ کے مصری گورنر نے مشہور فاتح عقبہ بن نافع کی قیادت میں شمالی افریقہ پر لشکر کشی کی اور بازنطینی دفاعی لائن الجزائر میں کارروائیاں کیں- البتہ وہ انتہائی خواہش کے باوجود اس انعام سے محروم رہے- معاویہؓ کی نظریں قسطنطنیہ (آج کے استنبول) پر رہیں اور انہوں نے بازنطینی سلطنت کے مرکزی شہر پر 2 ناکام حملے بھی کئے، پہلے حملے کے قیادت ان کے بیٹے یزید نے کی جبکہ دوسرے لشکر کشی سمندری راستے سے 674 سے 680 کے دوران کی گئی- دونوں کوششیں کامیاب نہ ہوسکیں- اس کے 800 سال بعد آخر کار مسلم فوج نے اس شہر کو فتح کر لیا-

واضح تاریخی شواہد کے باوجود کہ معاویہؓ کا خلافت پر حق مشکوک تھا اور انہیں مذہبی حمایت بھی حاصل نہیں تھی، لیکن انہوں نے ''خلیفتہ اللہ'' کا جو لقب اختیار کیا اسے معاصر مسلمانوں میں بڑی قبولیت ملی جنھوں نے معاویہؓ کے دعویٰ خلافت کے جائز ہونے پر غور کرنے کی بجائے اندھی تقلید کا آسان راستہ اختیار کیا-تنقیدی تجزیہ نگار اکثر فرقہ وارانہ رکاوٹوں کے تناظر میں ٹھوکر کھاتے ہیں- اگر کوئی شیعہ ہے تو اس کی گفتگو کا آغاز مخالفین علیؓ پر تندوتیز جارحیت سے ہو گا اور اگر کوئی سنی ہے تو معاویہؓ کے جائز حکمران ہونے کے کسی شک پر فوراً طنز کرے گا-

دراصل یہ ثابت کرنے کی سرتوڑ کوششیں کی گئیں کہ معاویہؓ کو اللہ کی طرف سے مستقبل کا اسلامی بادشاہ چنا گیا تھا، اکبر نجیب آبادی کی کتاب ''ہسٹری آف اسلام'' اس کی ایک مثال ہے- ایک پیرے میں معاویہؓ کی ایمانداری کو نمایاں کرتے ہوئے مصنف نے معاویہؓ کی والدہ ہندہ کے بارے میں ایک سکینڈل بیان کیا ہے، جس میں اس پر ناجائز تعلق کا الزام لگایا گیا ہے- پتہ چلنے پر اس کے شوہر نے اسے اٹھا کر گھر سے باہر پھینک دیا- معاملہ طے کرنے کے لیے میاں بیوی کو ایک نجومی کے پاس لے جایا گیا، اس نے نہ صرف ہندہ کے گناہ کی تصدیق نہ کی بلکہ یہ پیش گوئی کی کہ ''تم نے کوئی زنا کیا ہے نہ کوئی گناہ سرزد ہوا ہے بلکہ تم ایک بادشاہ کو جنم دو گی جس کا نام معاویہ ہو گا-''

مصنف کیا بتانا چاہتا ہے؟ کیا ہم ایک مشرک ماہر علم فلکیات کی پیش گوئی پر یقین کریں، جس میں مستقبل کے اسلامی بادشاہ کی اللہ کے نام پر حکمرانی کے حق کی توثیق کی گئی

MashalBooks.org

ہے- اس نکتے پر اکثر مسلمان بالکل خاموش دکھائی دیتے ہیں اور اس کہانی پر کسی اعتراض کے بغیر یقین کرتے ہیں-

کئی احادیث بھی مختلف واسطوں سے ہم تک پہنچی ہیں جن میں حضرت جبرائیل نے حضرت محمدﷺ کو حضرت معاویہؓ کی خصوصی حیثیت سے آگاہ کیا ہے، برطانوی مسلم مصنفہ عائشہ بویلی اپنی کتاب ''معاویہ'' میں لکھتی ہیں:

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل میرے پاس آئے اور کہا ''اے محمدؐ، اللہ نے مجھے آپؐ کی اور معاویہ بن ابی سفیان کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی ہے-''

بویلی یہ بھی کہتی ہے کہ حضرت محمدؐ نے معاویہؓ کے انتہائی قابل اعتبار ہونے کی وجہ سے انہیں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے برابر کا رتبہ عنایت فرمایا۔ رسول اللہﷺ جو اعتماد حضرت معاویہؓ پر فرماتے تھے وہ الطبرانی اور البزار کی بیان کردہ کہانی سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہﷺ نے کسی معاملے میں ابوبکرؓ اور عمرؓ سے مشاورت فرمائی لیکن وہ کوئی موزوں حل نہ بتا سکے، تب حضورﷺ نے معاویہؓ کو بلوا بھیجا اور فرمایا: ''معاویہؓ سے مشاورت کرو کیونکہ وہ قابل اعتماد ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ روایت حضورﷺ کے انتقال کے 200 سال بعد اس شیعہ عالم نے بیان کی جسے شیعہ مسلمانوں سے کوئی پیار نہیں تھا اور محض اس بات سے حدیث کی صحت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

معاویہؓ کے دور میں مسلمانوں کا خون بہنے کی وجہ ان کی اسلام کی ریاست کی بجائے اسلامی ریاست کے قیام سے وابستگی تھی۔ امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ دونوں کو شکست دی۔ اگرچہ وہ تخت دمشق میں محفوظ تھے اور بازنطینی سلطنت سے حاصل کردہ عظمت سے لطف اندوز ہو رہے تھے لیکن علیؓ کے ساتھ ان کی مخاصمت ختم نہ ہوئی۔ گورنر شام جنہوں نے خود کو ''خلیفۃ اللہ'' مقرر کر رکھا تھا، اس احساس جرم سے پیچھا نہ چھڑا سکے جو ان کے ضمیر کو بیمار بنا رہا تھا۔

علیؓ پر برتری کا اظہار ایک افسوسناک رسم سے ہوتا ہے جو 90 سالہ اموی خلافت میں تقریباً 6 عشروں تک جاری رہی، پوری سلطنت میں نماز جمعہ کے ہر خطے میں ائمہ مساجد

MashalBooks.org

کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد پر تبرہ بھیجیں۔ اس اولاد میں رسول اکرمؐ کے نواسے، نواسیاں اور ان کی صاحبزادی فاطمۃ الزہراؓ بھی شامل تھے۔ اس طرح ہر نماز کے بعد علی پر تبرہ بھیجنے کا آغاز ہو گیا، حتیٰ کہ حج کے ارکان کی ادائیگی کے دوران بھی ایسا کیا جاتا تھا۔ یقیناً اس بات کا ذکر سعودی عرب، پاکستان اور مصر سے اڈنے والے معاصر اسلامی لٹریچر میں کہیں نہیں ملتا۔

علیؓ پر تبرا بھیجنے کی رسم کسی اور نے نہیں خود معاویہؓ نے قائم کی، اس کا مقصد علیؓ کے حامیوں کو اشتعال دلانا تھا جو بدستور عراق میں بڑی تعداد میں موجود تھے۔ مورخ طبری کے مطابق اکتوبر 661ء میں خلیفہ معاویہؓ نے کوفہ کا نیا گورنر مقرر کرتے ہوئے انہیں خصوصی ہدایات دیں کہ: ''علیؓ پر دشنام طرازی اور تنقید سے گریز نہ کرنا اور عثمانؓ کے لئے اللہ کی مغفرت اور ان کی بخشش کی دعا مانگتے رہنا، علیؓ کے حامیوں کو مطعون کرتے رہنا، ان سے دور رہنا اور ان کی بات پر ہرگز کان نہ دھرنا۔''

جہاں کئی سکالر طبری کے اس تاریخی حوالے کی تردید کرتے ہیں وہاں جماعت اسلامی کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی اس سے متفق ہیں، اپنی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' میں مودودی لکھتے ہیں ''معاویہ کے دور میں ان کی طرف سے اور ان کے گورنروں کو جاری کئے گئے احکامات کے تحت شروع ہونے والی ایک اور انتہائی افسوسناک اور اور ناپسندیدہ روایت یہ تھی کہ منبر پر بیٹھ کر خطبوں میں علیؓ کی توہین وتضحیک کی جائے۔''

مودودی لکھتے ہیں: کہ اس عمل سے مسجد نبوی کو بھی نہ بخشا گیا۔ پیغمبرؐ کی لحد مبارک کے عین سامنے اور علی کی اولاد کی موجودگی میں علیؓ پر تبرہ بھیجا جاتا اور پیغمبر کے رشتہ داروں کو برا بھلا کہا جاتا تھا۔

نماز جمعہ کے دوران علیؓ کے طعن وتشنیع کی روایت شروع ہونے کے 10 سال بعد علیؓ کے حامی پرامن انداز میں مزاحمت کرتے رہے اور انہوں نے سرعام آل رسول کی تضحیک پر احتجاج نہ کیا۔ 670ء میں جب کوفہ کا نیا گورنر مقرر کیا گیا تھا ایک چھوٹے سے واقعہ کی بنا پر معاویہؓ کے مخالفین کو بڑے پیمانے پر نشانہ بنایا گیا۔ نئے گورنر زیاد (ابن زیاد) نے علیؓ کے کئی حامیوں کی گرفتاری کا حکم دیا اور ان پر خلیفہ کی اتھارٹی کے خلاف بغاوت کا الزام لگا کر اسے کفر قرار دے دیا، مردوں کو گرفتار کر کے رسمی سماعت جس میں معاویہؓ کے

MashalBooks.org

سامنے پیشی بھی شامل تھی کے بعد انہیں کہا گیا کہ یا تو وہ سرعام علی پر تبرہ بھیجیں یا پھر موت کے لئے تیار ہو جائیں۔ ان 8 ملزموں میں سے 6 نے موت کو ترجیح دی اور یوں ایک مرتد کے طور پر ان کے سر قلم کر دیئے گئے۔ اس طرح ایک ایسی روایت کی بنیاد رکھی گئی جس کے تحت آنے والے خلفا اور سلاطین اپنے مخالفین کو مرتد قرار دے کر ہلاک کرتے رہے۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ صرف بادشاہ نہیں بلکہ خلیفۃ اللہ، زمین پر خدا کا اپنا نائب تھا۔

آج مسلمانوں کے لئے یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ وہ شخص جسے وہ پہلی اسلامی بادشاہت کا معمار سمجھتے ہیں۔ مساجد میں خطبات بلکہ حج کے دوران بھی علیؓ پر تبرہ بھیجنے کی رسم کا خالق ہے لیکن میں مسلمانوں سے یہ کڑوی گولی نگلنے کو کہہ رہا ہوں، رسول اللہؐ کی وفات کے بعد اقتدار میں آنے والے اس چیز کا ہلکا سا بھی اشارہ نہیں کرتے جس کی آج اکیسویں صدی میں ہمیں ضرورت ہے۔ جب تک ہم اپنے ماضی کو مستقبل کا نمونہ بنانے کی روش ترک نہیں کرتے، ہم اس ماضی کا اعادہ کرتے رہیں گے۔ مغرب میں رہنے والے نوجوان مسلمان جو اسلام پسندوں کی طرف سے اسلام کے اس نام نہاد دور کی طرف لوٹنے کی بات پر جذباتی ہو گئے ہیں کو اپنے ان اساتذہ سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہے کہ: ''ایک ایسا بادشاہ جس نے علیؓ اور رسولؐ کے خانوادے پر تبرے کو حج کی رسومات کا حصہ بنا ڈالا اسے اسلامی کیسے مانا جائے؟

اس سے امویوں کے اقتدار کو جائز اسلامی خلافت قرار دینے کا بھی سوال پیدا ہوتا ہے۔ آخر انہیں مسلمانوں کی سرزمین پر حکومت کا حق کیسے تھا؟ اور انہیں طاقت کہاں سے ملی؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے قتل پر انصاف مانگنے کا چمپین بنتے ہوئے انہوں نے مکی عربوں کے ایک گروہ کو ابھار کر علیؓ اور بنو ہاشم کے سامنے لا کھڑا کیا، وہ حضرت عثمانؓ کا جانشین ہونے کی بنیاد پر خلافت کے دعوے دار تھے کیونکہ بہر حال عثمانؓ کو 6 رکنی شوریٰ نے خلیفہ منتخب کیا تھا۔ معاویہؓ اور امویوں نے جھوٹے طریقے سے عثمانؓ کے قتل پر پیدا ہونے والے سوگ کو استعمال کیا اور مقتول خلیفہ کی جائز خلافت کو اپنی حکومت کا خدائی حق قرار دے دیا۔ حالانکہ قرآنی تعلیمات اور سنت رسولؐ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں ہو سکتا اس کے باوجود کسی نے معاویہ سے یہ پوچھنے کی جرأت نہ کی کہ وہ کیونکر خود کو زمین پر خدا کا

MashalBooks.org

نائب قرار دے رہے تھے؟ ہر اموی خلیفہ خود کو افضل اور بہترین انسان قرار دیتا رہا۔اموی سمجھتے تھے کہ انہیں اقتدار صرف اللہ کے حکم پر ملا، اگر اللہ نہ چاہتا تو اموی کہیں خلیفہ نہ بن سکتے۔

(جبریت کے اس فلسفے کی عقلیت پسند مسلمانوں نے جو اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ انسان اپنے عمل میں آزاد ہوتا ہے مخالفت کی۔معتزلہ کے نام سے مشہور ہونے والا یہ گروہ 720 کے عشرے میں بصرہ میں نمودار ہوا تھا۔)

تاہم ایسا لگتا ہے کہ ''خدا کی مرضیٰ'' کے اس فلسفے کو اکثر آبادی حتیٰ کہ امویوں کے مخالفین تک میں قبول کیا گیا تھا۔ درحقیقت خراسان (موجودہ ایران کا شہر) کے انقلابیوں کے ایک گروپ نے جب خونریزی کے بعد اموی خلافت کا تختہ الٹ دیا تو انہوں نے بھی ''خدا کی مرضیٰ'' کے تحت اپنے اقتدار کو منصفانہ قرار دے ڈالا۔ ان کا کہنا تھا کہ خدا اگر نہ چاہتا تو ہم کیونکر اتنے طاقتور رومیوں کو اقتدار سے نکال باہر کرتے؟ آج رسمی قسم کا فلسفہ اسلام پسندوں کو متاثر کر رہا ہے لیکن صرف اسی وقت جب یہ انکے لئے موزوں ہوتا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ پندرہویں صدی کے بعد مغرب کی بلاتعطل کامیابیوں اور سپین سے دربدری کے بعد مسلم سکالرشپ کے خاتمے پر کیا کہیں گے؟ یہی جبریت یورپ کے مقابلے میں اسلام پسندوں کی بے چینی کا باعث ہے کیونکہ یورپی ہر معاملے میں عقلی دلیل کو ترجیح دیتے ہیں۔

دمشق کو واپس چلتے ہیں جہاں قبائلی وفاداریوں کی پیچیدگیوں اور ازدواجی تعلقات کے درمیان تصادم کے تناظر میں محلاتی ریشہ دوانیاں اور سازشیں جاری تھیں۔ معاویہؓ نے اپنے اقتدار کے استحکام کے لئے انتہائی خوبصورت کھیل کھیلا اور مخالفین کو بے بس کر کے رکھ دیا، اپنے 40 سالہ دور اقتدار کے خاتمے کا احساس ہوتے ہی انہوں نے خلافت اپنے بیٹے یزید کو منتقل کرنے کے لئے جوڑ توڑ شروع کیا لیکن اس کے لئے انہوں نے اس ادارے یعنی شوریٰ کو بالکل نظر انداز کر دیا جس کے احترام کا انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ خلافت کو صرف مکی عربوں یعنی قریش تک محدود کرنے کے اصول کے تحت اب یہ حد اور بھی سمٹ گئی۔ معاویہؓ نے فرمان جاری کیا کہ خلافت صرف بنوامیہ قبیلے میں رہے گی، اس کے بعد اسے مزید نیچے لا کر ابوسفیان کے ذیلی قبیلے تک محدود کر دیا گیا، یوں معاویہ کی نظر میں صرف یزید ہی ان

MashalBooks.org

کے جانشین کے طور پر ''خلیفۃ اللہ'' یا ''اللہ کا نائب'' بننے کا حقدار تھا حالانکہ یزید کسی لحاظ سے افضل تھا نہ خیر الناس۔

انگور کی شراب کا رسیا یزید اس قابل نہیں تھا کہ بزور طاقت خلافت حاصل کر سکتا لہٰذا باپ کو اپنی زندگی میں ہی وصیت کرنا تھی لیکن اس سے پہلے چند رکاوٹیں دور کرنا ضروری تھیں، انہوں نے پہلے دیگر امیدواروں کا پتا صاف کرنا شروع کیا، خالد بن ولید کے بیٹے خالد ابن ولید کو زہر دیدیا گیا، پھر معاویہ نے فوری طور پر مدینہ کے گورنر مردان کو فارغ کر کے اس کی جگہ اپنے بھتیجے الولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو تعینات کر دیا۔ اس فیصلے سے خاندان کے اندر شدید چشمک پیدا ہوئی۔ حضورؐ کی اسلامی تعلیمات، قرآنی آیات اور احادیث کا احترام روندتے ہوئے شاہی حلقوں میں زہریلے الفاظ میں نئے خلیفہ کے لئے بیان حلفی گردش کرتا رہا۔ اس طرح آج تک اقتدار کے بھوکے لوگ قرآنی آیات اور احادیث نبوی کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ وہ قرآنی آیات کو اپنی اخلاقی سطح سے زیادہ خود کو راسخ العقیدہ مسلمان ثابت کرنے کے لئے بطور آلہ استعمال کرتے ہیں۔ بڑا سیاستدان مرنے ہی والا تھا لیکن رخصتی سے قبل اس نے اس بات کو یقینی بنایا کہ عمائدین اور عام شہری یزید کی بطور خلیفہ اطاعت کریں۔

28 اپریل 680 کو اسلام کے پہلے بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ یزید بن معاویہ نے پہلے ولی عہد اسلام کے طور پر خلیفۃ اللہ اور امیر المومنین کا حلف اٹھا لیا۔ یزید کی سربراہی میں جلد ہی اسلام کے تاریک ترین دور............تیسری خانہ جنگی............ کا آغاز ہونے والا تھا۔ اقتدار کی اس کشمکش نے مسلمانوں کی نفسیات پر ایسا گہرا گھاؤ چھوڑا جس کے زخم سے آج بھی بغداد کی گلیوں میں خون رس رہا ہے۔ یزید کو اسلام کے سب سے زیادہ منفرد اور مطعون شخص ہونے کی منفرد حیثیت بھی حاصل ہے۔

معاویہ کی وراثت میں 2 دہائیوں پر مشتمل (سیاسی) استحکام اور فوجی توسیع شامل تھی، اسے بجا طور پر ایسی حکمرانی کی بنیاد رکھنے کا اعزاز دیا جاتا ہے جس سے اسلامی سلطنت کے طول وعرض کو فائدہ پہنچا لیکن معاویہؓ کو اس لئے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا کہ اس نے تخت دمشق پر اسلام اور اللہ کے نام پر............ اپنے بیٹے یزید کو لا بٹھایا جو حضرت محمدؐ کے خاندان کے قتل عام کا مرتکب ہوا۔

خلیفہ یزید............خلیفۃ اللہ اور قاتل حسینؓ

موروثی خلیفہ بننے کے بعد یزید کا پہلا کام صرف اپنے اقتدار کو مضبوط کرنا نہیں بلکہ خلافت کے اپنے مایوس حریفوں کے کسی ممکنہ چیلنج کا خاتمہ کرنا تھا۔ انہوں نے مدینہ میں اپنے کزن گورنر عبدالرحمان بن ولید کو چمڑے پر ایک حکم لکھ کر بھیجا، مورخ طبری بیان کرتا ہے کہ اس چمڑے کا سائز ''چوہے کے کان کے برابر تھا'' جس میں حکم دیا گیا کہ ''حسینؓ (بن علیؓ)، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن الذبیر کو حراست میں لے کر بیعت لی جائے۔ اتنی سختی سے ہدایت پر عمل درآمد کرو کہ انہیں بیعت سے پہلے کچھ اور کرنے کا موقع نہ ملے، تم پہ رحمت ہو۔''

ان تینوں نے اس وقت معاویہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا جب انہوں نے یزید کو جانشین نامزد کر کے اس طرح نامزدگی پر بیعت کی تقریب منعقد کی تھی۔ حسینؓ اور عبداللہؓ دونوں سابق خلفا کے بیٹے تھے (علی بن ابیؓ طالب اور عمر بن خطابؓ) جبکہ عبداللہ بن زبیر کے والد اس مجلس شوریٰ میں شامل تھے جس نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ نامزد کیا تھا۔ ان تینوں کا خیال تھا کہ خلافت پر یزید سے زیادہ ان کا حق تھا تاہم یزید کی اتھارٹی کو صرف حسینؓ اور عبداللہ بن زبیر کے متوازی چیلنجوں کا سامنا تھا۔

حسینؓ اور ابن زبیرؓ کو گورنر کے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا گیا، ابھی انہیں امیر معاویہؓ کے انتقال کی خبر نہیں تھی لیکن انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوئی ہے۔ حسینؓ نے احتیاطی اقدام کے طور پر گورنر سے ملاقات سے پہلے اپنے حامیوں کو ہوشیار کر دیا لیکن ابن زبیر نے خطرہ بھانپ کر ملاقات سے انکار کر دیا اور شہر سے نکلنے کی تیاری کر لی۔

گورنر الولید نے حسینؓ کو حکم دیا کہ وہ یزید کی بیعت کریں۔ اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے گورنر نے اب معزول گورنر مروان کے ساتھ اتحاد کر لیا تھا۔ حسینؓ نے کچھ دیر توقف کے بعد یہ تجویز پیش کی کہ وہ بند کمرے کی بجائے عوامی سطح پر بیعت کریں گے۔ اس کے لئے اگلے دن تک انتظار کرنا پڑا۔ طبری بیان کرتے ہیں کہ الولید نے اگرچہ یہ چال محسوس کر لی تاہم مروان چاہتا تھا کہ حسینؓ کو گرفتار کر کے یزید کو خلیفۃ اللہ تسلیم نہ کرنے پر

MashalBooks.org

ان کا سر قلم کر دیا جائے۔ بہر حال آخر میں طے یہ پایا کہ اگلے روز عام بیعت ہو گی۔

اس رات عبداللہ بن الذبیر رات کے اندھیرے میں اپنے بھائی، اہلخانہ اور وفادار دوستوں کے ساتھ مکہ کو فرار ہو گئے۔ الذبیر پر دباؤ ڈالنے میں ناکامی پر غضبناک ہو کر الولید نے اپنی ساری توجہ حسینؓ پر مرکوز کر دی اور کہا کہ آپ فوری طور پر خلیفہ کی بیعت کریں، حسینؓ نے وعدہ کیا کہ وہ اس درخواست پر کل غور کریں گے لیکن جیسے ہی سورج غروب ہوا وہ بھی پناہ کے لئے مدینہ سے مکہ کو روانہ ہو گئے۔

قسمت کے اس حیران کن چکر میں حضرت محمدؐ کے نواسے اپنے نانا کے نقش قدم پر الٹ سمت میں چل رہے تھے، حضرت محمدؐ نے مکہ کے مظالم سے بچنے کے لئے مدینہ میں پناہ لی جبکہ ان کے نواسے حسینؓ یزید، الولید اور مروان کے دباؤ کے باعث مکہ میں گوشہ عافیت تلاش کر رہے تھے۔ جہاں حضرت محمدؐ رات کے اندھیرے میں اس جگہ کی تلاش میں نکلے جہاں وہ اسلام کی ریاست قائم کر سکیں اور اب 60 سال بعد ان کے نواسے حضرت حسینؓ اس اسلامی ریاست کی گرفت سے بچنے کے لئے دور جا رہے تھے جو حضرت محمدؐ کے پیروکاروں نے اسلام کے نام پر تخلیق کی تھی۔

اس کے بعد کیا واقعات رونما ہوئے؟ مورخین میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ مکہ پہنچنے پر وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کرنے میں حسینؓ نہیں بلکہ عبداللہ بن زبیر کو کامیابی ملی۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ خلیفہ یزید نے حسینؓ کی بجائے عبداللہ کے ناراض بھائی عمر بن زبیر کو مکہ پر حملہ کر کے باغی بھائی کو پکڑنے کا حکم دیا تھا۔ اسلام کے نام پر خانہ خدا کے اندر جنگ کے لئے بھائی کو بھائی کے سامنے کھڑا کرنے کے اقدام کی زیادہ مخالفت نہ ہوئی۔ طبری بیان کرتے ہیں کہ مروان بن الحکم نے اگرچہ مدینہ کے نئے گورنر عمرو بن سعید کو تنبیہہ کی کہ ''خدا کا خوف کرو اور مکہ پر حملہ نہ کرو اور خانہ خدا کے احترام کو پامال نہ کرو، ابن زبیر کو اس کے حال پر چھوڑ دو، وہ 60 سال کا ضدی بوڑھا ہے، خدا کی قسم اگر تم اسے ہلاک نہیں کرو گے تو بھی وہ مر جائے گا۔''

لیکن عمرو نے اپنے ہی بھائی پر حملے کا ارادہ کر لیا۔ وہ ایسے سطحی معاملات اور پرانی طرز کے انتقام اور خون خرابے کے درمیان عقیدے کو نہیں لانا چاہتا تھا۔ عمر بن زبیر نے تکبر سے کہا: ''خدا کی قسم'' آؤ اس (میرے بھائی عبداللہ) کے خلاف لڑتے ہیں، اور

عین کعبہ کے اندر اس پر حملہ کرتے ہیں، جولوگ اس اقدام سے نفرت کرتے ہیں وہ کرتے رہیں''۔

مکہ میں ایک بھائی کے دوسرے بھائی پر حملے کا آغاز دو اطراف سے ہوا، اہل مکہ نے عبداللہ کو حفاظتی محاصرے میں لے لیا اور مدینہ سے بھیجی گی فوج کو شکست دے دی، عمرو کو پکڑ کر قید کر لیا گیا اور بعد ازاں سر عام کوڑے مارے گئے، عبداللہ بن زبیر نہ صرف حملے میں بچ گئے بلکہ انہوں نے خود کو مکے میں اسلام کا خلیفہ بھی قرار دے دیا۔ ان کی فتح اور متوازی خلافت نے دمشق میں خلافت کے لئے سنگین خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ یہاں بھی سکولوں میں پڑھائی جانے والی تاریخ میں عبداللہ بن زبیر کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ انہوں نے دمشق میں اپنے دشمنوں سے زیادہ مثالی انداز میں اسلام کے مرکز پر حکمرانی کی۔

اس بات کی بہت کم تفصیل موجود ہے کہ اس جنگ میں حضرت حسینؓ بن علیؓ نے کیا کردار ادا کیا تھا، ایسے حوالہ جات ہیں کہ حسینؓ اور الزبیرؓ خانہ کعبہ کے اندر ہی دو روز کے بعد ملاقات کرتے تھے لیکن اس بات کے شواہد نہیں ملتے کہ دونوں مل کر کام کر رہے تھے۔ دراصل ابن زبیر اگر خلافت پر کوئی دعویٰ رکھتے تھے تو انہیں معلوم تھا کہ اس کے زیادہ جائز حقدار حسینؓ ہیں۔ لگتا ہے کہ حسینؓ وقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور کوفہ سمیت تمام عراق میں اپنے مرکز سے رابطے کے لئے کوشاں تھے۔ جہاں کی آبادی اب بھی اموی بادشاہوں کو حقیقی ''خلیفۃ اللہ'' تسلیم کرنے سے انکاری تھی۔ وہ حضرت علیؓ اور بعد ازاں آپ کے صاحبزادے حسنؓ کے خلاف معاویہؓ اور اہل شام کی ریشہ دوانیوں اور بے انصافی پر مشتعل تھے لیکن انہیں اس بات کا بہت کم اندازہ تھا کہ اس سے بھی بدتر وقت ابھی آنے والا ہے۔

معاویہؓ کے انتقال کے بعد عراق اور کوفہ میں بہت کم لوگوں نے اس کے بیٹے یزید کی حاکمیت کو تسلیم کیا، جب تک اہل کوفہ کے پاس کوئی قیادت موجود نہیں تھی، یزید کو ان کی طرف سے زیادہ پریشانی نہیں تھی لیکن جیسے ہی حسینؓ کی مدینہ سے مکہ منتقلی کی خبریں پہنچیں تو کوفہ کے عمائدین نے اپنے مستقبل کا تعین کرنے کے لئے اجلاس کیا۔ شیعان علی کی طرف سے حضرت حسینؓ کے نام ایک خط لکھا گیا جس میں انہیں دعوت دی گئی کہ وہ کوفہ آئیں تاکہ

یزید کے چیلنج سے نمٹا جا سکے۔ خط میں لکھا گیا تھا کہ ’’تمام تعریفیں اللہ کے لئے جس نے آپ کے دشمنوں میں تقسیم پیدا کی، ایک جابر حکمران اپنی قوم پر مسلط ہو گیا ہے اور اس کی اتھارٹی چھین لی ہے اور مال غنیمت میں لوٹ مار کا مرتکب ہوا ہے۔ اس نے لوگوں کی رضامندی کے بغیر اقتدار پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اس وقت ہمارے پاس کوئی امام نہیں، لہٰذا آپ ہمارے پاس تشریف لائیں، اللہ ہمیں آپ کے توسط سے حق پر متحد فرمائے۔‘‘

اس طرح اہل کوفہ کی طرف سے مکہ میں 50 خطوط آئے، بعض میں حسینؓ سے راست اقدام کی استدعا کی گئی تھی جبکہ کچھ نے اشاروں کنایوں میں ایسا کیا۔ ایک خط میں لکھا تھا: ’’یہ جگہ سرسبز ہو چکی ہے۔ پھل پک چکے ہیں پانی پل کے اوپر سے بہہ رہا ہے، لہٰذا اگر آپ چاہیں تو اس فوج کی طرف آ جائیں جو آپ کے لئے جمع ہے، آپ پر سلامتی ہو۔‘‘ لفظ سلامتی پہلے ہی ایک بے معنی روایت بن چکا تھا۔

حسینؓ ان دعوتوں کی حقیقت کے بارے میں غیر یقینی کا شکار تھے اور صورتحال کا غیر جانبدارانہ اندازہ لگانا چاہتے تھے، کیا واقعی کوفہ میں ان کے لئے حمایت موجود ہے یا انہیں گھیرنے کی کوشش کی جا رہی ہے؟ حسینؓ نے اپنے کزن مسلم بن عقیلؓ کو کوفہ کا دورہ کرنے کی ہدایت کی تا کہ وہ پتہ چلا سکیں کہ واقعی وہاں لوگ ’’متحد اور پرعزم‘‘ ہیں؟ انہوں نے اپنے کزن کو ہدایت کی کہ وہ انہیں جلد از جلد یہ رپورٹ دیں کہ کیا یزید کو چیلنج کرنا اور شیعان علی کی جنگ میں قیادت کرنا سودمند ہو گا۔

یزید کے جاسوسوں اور ڈبل ایجنٹوں کی ریشہ دوانیوں کے سائے میں مسلم بن عقیل کوفہ پہنچ گئے جہاں انہیں اہل کوفہ میں بڑے پیمانے پر مایوسی کا عنصر نظر آیا۔ چند روز میں ہی کوفے کے 12 ہزار افراد نے حلف اٹھایا کہ اگر حضرت حسینؓ یہاں آ کر قیادت کریں تو وہ یزید کے خلاف لڑنے کو تیار ہیں۔ یزید کو ان حالات کی خبر تھی۔ اس نے حال ہی میں شہر میں ایک بدلحاظ گورنر تعینات کیا تھا جو اسے لمحہ بہ لمحہ رپورٹ بھیج رہا تھا۔ اسی اثناء میں حمایت کے ٹھوس اشارے ملنے پر مسلم بن عقیل نے حسینؓ کو خط لکھا کہ: ’’آپ کا قابل اعتماد قاصد جھوٹ نہیں بول رہا، کوفہ میں 18 ہزار افراد نے آپ کی بیعت کر لی ہے، ان میں سے کوئی معاویہ کے قبیلے کے لئے احترام نہیں رکھتا، آپ پر سلامتی ہو۔‘‘

یہ خط ملنے پر حسینؓ اور خواتین، بچوں سمیت آپ کے تمام اہلخانہ نے سامان

MashalBooks.org

باندھا اور کوفہ کی طرف سفر شروع کر دیا۔ حضورؐ کے خانوادے پر مشتمل اونٹوں کا یہ قافلہ صحرا میں کچھوے کی چال چلتا جب کوفہ پہنچا تو صورتحال بالکل بدل چکی تھی، نئے گورنر عبیداللہ نے شہر میں داخل ہوتے ہی خزانے کا منہ کھولتے ہوئے اور جاسوسوں کے نیٹ ورک سے مسلم بن عقیل کے خفیہ ٹھکانے کا پتہ چلا لیا۔ پہلے مسلم کو پناہ دینے والے ہانی بن عروہ کو دھوکے سے گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا پھر گورنر کے گھر میں قید کر دیا گیا۔ چند گھنٹے کے اندر ہی حسینؓ سے وفاداران کا حلف اٹھانے والوں میں سے 4 ہزار افراد نے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ پورا دن محاصرہ کرنے والوں اور محصور گورنر کے درمیان بات چیت ہوتی رہی اور انہوں نے ہانی کی رہائی کا مطالبہ کیا لیکن شام ہوتے ہی عبیداللہ کے جاسوسوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ یزید کی شامی فوج اپنے محصور گورنر کی رہائی کے لئے کوفہ روانہ ہوگئی ہے اور جو کوئی کوفہ کی گلیوں میں ہوگا اسے سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جس پر ہجوم چھٹنا شروع ہو گیا، رات پڑنے پر مسلم بن عقیل تنہا رہ گئے، ان کے قریب ترین دوست بھی انہیں چھوڑ گئے تھے اور ان کے سونے کے لئے کوئی کمرہ تک نہیں تھا، خوف، پیسے، ریشہ دوانیوں، جھوٹ اور سب سے بڑھ کر بزدلی نے نواسہ رسولؐ کی زیر قیادت لڑنے کے وعدے سے زیادہ بڑا کردار ادا کیا۔

اگلے روز مسلم بن عقیل کو پناہ دینے والے خاندان نے بھی دھوکہ دے دیا۔ انہیں ایک خچر پر سوار کرایا گیا وہ اپنی زندگی کی اتنی مہلت مانگ رہے تھے کہ حضرت حسینؓ کو یہ پیغام بھجوا سکیں کہ وہ کوفہ نہ آئیں۔ انہیں گورنر کے پاس لے جایا گیا، بدسلوکی کی گئی، تشدد کیا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا۔ مسلم بن عقیل سے بدسلوکی اور ان کی موت آنے والے واقعات کا پیش خیمہ تھا، ۔یعنی خانوادہ رسول کا اسلام کے نام پر قتل عام۔ مسلم بن عقیل اور ہانی دونوں کا سر قلم کر کے لاشیں شہر کی گوشت مارکیٹ میں پھینک دی گئیں اور گلیوں میں گھسیٹی گئیں اور یہی منظر بعد ازاں پوری اسلامی تاریخ میں دہرایا جاتا رہا۔

چاہے 1950ء کے عشرے میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد عراق کے شاہی خاندان کی لاشیں بغداد کی سڑکوں پر گھسیٹی گئیں یا پھر 1990ء کی دہائی میں موغا دیشو میں اقوام متحدہ کی امن فوج میں شامل پاکستانیوں کی لاشیں صومالی وار الارڈز کی طرف سے سڑکوں پر گھمائی گئیں، اس کی بربریت کی مثال 680ء میں کوفہ میں ہی قائم کی گئی تھی۔ یہ تھا سنہری دور؟

MashalBooks.org

چار روز بعد حسینؓ کو کوفہ سے پیغام ملا کہ بازی الٹ چکی ہے اور اہل کوفہ ان کی حمایت سے منحرف ہو چکے ہیں۔ انہیں متنبہ کیا گیا کہ ''اہل کوفہ کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔ لیکن واپسی کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے آپ نے حضورؐ کے ایک حکم پر عمل درآمد کا فیصلہ کیا جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ نتائج کی پرواہ کئے بغیر جو کچھ تم چاہتے ہو وہ کرو۔ بعض روایتوں میں بتایا جاتا ہے کہ حسینؓ بن علیؓ نے واپسی کا ارادہ کر لیا تھا لیکن مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں نے اپنے بھائی کے خون کا انتقام لینے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ: ''خدا کی قسم ہم اپنے بھائی کے خون کا انتقال لئے بغیر یا پھر بھائی کی طرح موت کا ذائقہ چکھے بغیر واپس نہیں جائیں گے'' انہوں نے حضرت حسینؓ پر زور دیا کہ وہ اپنا مشن جاری رکھیں۔

کیا آپ کو واپس چلے جانا چاہئے تھا؟ کیا کوفہ کی طرف سفر جاری رکھنا خودکشی کے مترادف تھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اہل کوفہ آپ کا ساتھ چھوڑ چکے تھے؟ یہ سوالات آج شیعہ سنی فرقے کی بحث وتکرار کی نذر ہو چکے ہیں۔ البتہ اس کے نتیجے میں ہونے والی خونریزی پچھلے 1400 سال سے مسلمانوں کو نشانہ بنا رہی ہے۔

جب حسینؓ اور ان کے اہلخانہ کوفہ پہنچے تو 40 ہزار سپاہیوں پر مشتمل شامی فوج نے انہیں محاصرے میں لے لیا اور انہیں خلیفہ یزید کی اطاعت کرنے کا حکم دیا، حسینؓ نے انکار کرتے ہوئے اعلان کیا ''اس سے پہلے ہی موت تم تک آن پہنچے گی''۔ پانی اور خوراک سے محروم کر دیئے جانے والا یہ چھوٹا سا گروہ آخری دم تک لڑا اور یہاں تک کہ حضرت حسینؓ کا سر قلم کر دیا گیا۔ ماتم کناں خواتین صدمے کی شدت سے سینہ کوبی کرتی رہیں۔ مسلمانوں نے ہی ''خلیفۃ اللہ'' کے نام پر رسولؐ کے نواسے کا قتل عام کر دیا۔ پیغمبر کے رشتہ داروں کی سر کٹی لاشیں کوفہ میں دفن کر دی گئیں جبکہ سر نیزے کی انیوں پر لٹکا کر اموی خلافت سے وفاداری کے اظہار کے طور پر کئی قبائل میں تقسیم کر دیئے گئے۔ کیا یہی کچھ میرا امن کا مذہب اپنے پیروکاروں کو سکھاتا ہے؟

آج کی طرح اموی ریاست کی بیشتر توانائیاں، ٹمپل یونیورسٹی پنسلوانیا کے پروفیسر خالد یحیٰ جسے ''جہاد سٹیٹ'' کہتے ہیں، ساتھی مسلمانوں سے لڑنے پر صرف کی گئیں۔ حسینؓ کی شہادت کے بعد تخت کے ایک اور امیدوار ابن زبیرؓ مکہ میں رہے اور اپنی خلافت کا

اعلان کر دیا۔ انہوں نے دمشق کی حاکمیت کو چیلنج کرتے ہوئے اپنی حکومت مدینہ اور بصرہ تک وسیع کر لی۔

683ء میں یزید نے زبیرؓ کو قابو کرنے کے لئے اپنی فوج بھجوائی۔ لیکن ایک طرف جہاں اس فوج نے مدینہ میں مزاحمت کو کچل دیا وہاں دوسری طرف مکہ کے محاصرے کے دوران خانہ کعبہ کو تباہ کر دیا گیا (آگ سے مسجد نبوی کو بری طرح نقصان پہنچا)۔ ایسے مسلمانوں کی خونخواری کا تصور کرنا بھی مشکل ہے جنہوں نے کعبہ کو آگ لگائی لیکن تاریخ کے اسی دور میں یہ واقعہ رونما ہوا۔

طبری لکھتے ہیں کہ شامی فوج نے مکہ روانہ ہونے سے پہلے 3 روز تک مدینہ میں لوٹ مار کی جب خانہ کعبہ کی حدود میں لڑائی ہو رہی تھی تو اموی فوج نے خانہ خدا پر لکڑی اور پتھروں کی منجنیق سے بمباری کی جس سے آگ لگ گئی۔ اس بمباری کے انچارج نے اس موقع پر یہ الفاظ کہے ''جس منجنیق سے مسجد کے ستونوں پر بمباری کی گئی وہ تند خو سانڈ کی طرح تھی۔''

مکہ کا محاصرہ ابھی جاری تھا کہ یزید کا انتقال ہو گیا، اس کی موت پر اموی فوج دمشق کو واپس چلی گئی، اس طرح مکہ کا کنٹرول بطور خلیفہ ابن زبیرؓ کے پاس ہی رہا۔ یہ بات اس وقت مزید سکہ بند ہو گئی کہ ریاست اب بادشاہت میں بدل چکی تھی جب معاویہ کی جگہ اس کے بیٹے معاویہ ثانی (84-683) نے اقتدار سنبھال لیا۔

لیکن مختصر عرصے میں دمشق کی حکمران اشرافیہ میں دو دھڑے بن گئے۔ ایک وہ جو مکہ کے حکمران ابن زبیر کی حمایت کر رہے تھے دوسرے وہ جو مدینہ کے معزول گورنر مروان کے حامی تھے۔ اس طرح ایک اور جنگ کے نقارے بجنے لگے اور جنگ مرج راحت (دمشق کے قریب، 684ء) میں مروان کو فتح ملی اور اس نے کامیابی سے معاویہ ثانی کو چلتا کر دیا۔

دمشق کے نئے خلیفہ کا ماضی متنازعہ نوعیت کا تھا۔ مروان ابن الحکم (85-623) کی حکمرانی سے اموی خلافت ابوسفیان کی نسل سے الحکم کے خاندان کو منتقلی کا اشارہ ملتا ہے، یہ دونوں امیر کے پوتے تھے۔ حکم تیسرے خلیفہ عثمانؓ کے فرسٹ کزن بھی تھے۔ جب حضورؐ نے مکہ فتح کیا تو آپؐ نے مروان اور اس کے باپ حکم ابن العاص کو علاقہ بدر کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ان دونوں کو مسلمانوں پر مظالم کے باعث کبھی مکہ میں واپس نہ

MashalBooks.org

آنے دیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے فرمان کا احترام کیا تاہم تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ نے نہ صرف جلا وطنی ختم کر دی بلکہ مروان اور اس کے والد کو حکومتی عہدے بھی دیئے۔ یہ حضرت محمدؐ کے واضح احکامات کی ڈرامائی خلاف ورزی تھی۔ اسلام کے دشمن اب بادشاہ گر بن گئے تھے۔ قبائلی وفاداریوں اور اقربا پروریوں نے اسلامی اخلاقیات، اقدار اور قانون کی حکمرانی پر غلبہ پا لیا۔

مروان نے عثمانؓ کے ساتھ اپنی رشتہ داری کو خوب استعمال کیا۔ اسے مدینہ کا گورنر تعینات کیا گیا جہاں وہ اس وقت تک اس عہدے پر رہا جب تک معاویہ نے اپنے بیٹے کی جانشینی کو کسی خطرے سے بچانے کے لئے مروان کو برطرف نہ کر دیا۔ دمشق میں خلافت سنبھالتے ہی مروان نے ابن زبیر کو مکہ کی خلافت سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا، ظاہر ہے کہ اگر الولید نے اس کا مشورہ مانتے ہوئے ابن زبیر کو گرفتار کر لیا ہوتا تو وہ وہاں سے بھاگنے میں کامیاب نہ ہوتے۔

مروان کو درپیش چیلنجوں کو سمجھنے کے لئے ہمیں خود کو اس دور میں دیکھنا پڑے گا۔ اسلامی دنیا کی اکثریت مروان کی بجائے ابن زبیر کو اسلام کا خلیفہ تسلیم کرتی تھی کیونکہ اس کا شجرہ نسب مشکوک تھا۔ مروان نے امویوں کو مصر دوبارہ فتح کر کے دیا لیکن اسلام کے مرکز مکہ میں اپنے حریف کو نہ ہٹا سکا۔ مروان کا انتقال 685 میں ہوا، وہ 9 ماہ تک اقتدار میں رہا لیکن ابن زبیر کی خلافت کو نقصان نہ پہنچا سکا۔

مسلمان ابن زبیرؓ کی خلافت کا احترام محض اس لئے نہیں کرتے کہ وہ مکہ اور مدینہ کے خلیفہ تھے بلکہ اس لئے کہ حضرت محمدؐ اور ان کے صحابہ کی مدینہ کو ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے وہ پہلے بچے تھے۔ وہ آپؐ کے نوجوان صحابی تھے اور ان کے والد زبیرؓ اس 6 رکنی شوریٰ میں شامل تھے جس نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا تھا، مروان اور اس کے بعد اس کے بیٹے عبدالمالک کے برعکس ابن زبیرؓ کے خاندانی پس منظر پر کبھی شک وشبہ نہیں کیا گیا۔ معاصر اسلامی کتابوں میں اگرچہ انہیں حقیقی خلیفہ نہیں قرار دیا جاتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ''امیر المومنین'' کی حیثیت سے حجاز، مصر اور عراق پر 9 سال تک حکومت کی اور آخرکار اکتوبر 692ء میں عبدالمالک کی فوج کے ہاتھوں مکہ میں مارے گئے۔

MashalBooks.org

درحقیقت ابن زبیرؓ کی موت تک امویوں کا پوری اسلامی دنیا پر اقتدار مکمل نہ ہو سکا لیکن انہیں اس کے بعد بھی ایک کے بعد دوسری بغاوت کا سامنا رہا۔

جب عبدالمالک (685-705) اپنے والد کی جگہ خلیفہ بنا تو شوریٰ سسٹم کو مکمل طور پر موقوف کر دیا گیا۔ اسلام پر حقیقی معنوں میں حضورؐ کے دور میں اور کسی حد تک ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں عمل کیا گیا۔ کئی عام مسلمانوں کے نزدیک اقتدار کی خونی کشمکش بھلا دی گئی یا نظر انداز کر دی گئی ہے لیکن حقائق اس بات کی توثیق نہیں کرتے کہ ایک پرامن سلطنت کو محض ایک چھوٹی سی اندرونی مخالفت کا سامنا تھا۔

جس وقت دمشق اور مکہ کی خلافتیں مسلمانوں کی زمینوں، قلوب اور اذہان کو کنٹرول کرنے کے لئے برسر پیکار تھیں عراق میں ایک اور گروہ ابھر کر سامنے آ گیا۔ شیعہ لیڈر مختار ثقفی کی قیادت میں انہوں نے بغاوت کر دی تھی تا کہ حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیہ کو خلیفہ بنایا جا سکے۔ مختار نے امویوں کے خلاف 686ء میں جنگ لڑی اور انہیں موصل کے قریب شکست دے دی۔ بعد ازاں ابن زبیر کے خلاف لڑائی کی جس نے مختار کی فوج اور بغاوت کو کچلتے ہوئے عراق پر اپنا اقتدار بحال کر لیا۔

ساتویں صدی میں مسلمان اتنے شکستہ دل تھے کہ دمشق کے امویوں نے اپنی رعایا کی حج پر جانے کی حوصلہ شکنی شروع کر دی۔

کہا جاتا ہے کہ شام کے عازمین حج مکہ میں خلیفہ ابن زبیرؓ کی تقریروں سے متاثر ہو کر ان کی بیعت کرنے لگے تھے جس پر خلیفہ عبدالمالک کو خوف محسوس ہوا کہ حاجی شام واپس آ کر اس کی سیاسی اور مذہبی اتھارٹی کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ کئی مورخین بتاتے ہیں کہ عبدالمالک مکہ پر قبضے یا حج کی قیادت کرنے میں ناکامی پر اتنا ملول تھا کہ اس نے یروشلم میں خانہ کعبہ کا متبادل ''گنبد صخریٰ'' تعمیر کیا۔ عبدالمالک سے پہلے ایسا کوئی ریکارڈ موجود نہیں کہ لوگ یروشلم کی زیارت کے لئے جاتے ہوں لیکن گنبد صخریٰ بننے کے بعد شامی لوگ مکہ اور مدینہ کی بجائے یروشلم کو جانے لگے۔

مورخ الیعقوبی اپنے شہہ پارے تاریخ الیعقوبی میں لکھتا ہے! ''عبدالمالک نے اہل شام کو حج پر جانے سے روک دیا، اس کی وجہ یہ تھی خلیفہ زبیر حاجیوں سے اطاعت کی بیعت لے رہے تھے۔ جب عبدالمالک کو اس کا علم ہوا تو اس نے لوگوں کو مکہ جانے سے منع

کر دیا، لوگوں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ ''کیا تم ہمیں اللہ کے مقدس گھر کی زیارت سے روک رہے ہو حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے ہم پر فرض کیا گیا ہے؟'' جس پر خلیفہ نے کہا کہ ''ابن شہاب الدین الظہوری سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ تین مساجد کو چھوڑ کر قافلے کہیں اور نہیں جانے چاہئیں اور مقدس مسجد، یہی بیت المقدس کی مسجد (اقصیٰ) ہے اور یہیں پر ایک گنبد ہے جہاں سے رسول اللہ معراج کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ یہ کعبہ کا ثانی ہے۔'' تب پھر اس نے گنبد صخریٰ بنوایا اور اس پر ریشمی کپڑے سے غلاف چڑھایا اور خدام مقرر کئے اور پھر لوگوں سے کہا کہ اس کا کعبہ کی طرح طواف کرو، اس طرح یہ روایت بنو امیہ کے دور میں قائم رہی۔

بعض دیگر مورخین بتاتے ہیں کہ عبدالمالک نے فرمان جاری کیا کہ بیت المقدس کا ''حج'' خانہ کعبہ کے طواف کے برابر فضیلت کا حامل ہے، پھر اس نے مشہور فقیہہ الظہوری سے کہا کہ وہ اس کی سیاسی بنیادوں پر متعارف کرائی گئی مذہبی اصلاحات کا کوئی جواز ڈھونڈیں جس پر الظہوری نے وہ حدیث بیان کی جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمان تین مساجد کی زیارت کریں۔ مکہ، مدینہ اور بیت المقدس۔

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر چیز رابنسن نے عبدالمالک پر اپنی کتاب میں گنبد صخریٰ کو موضوع بنایا ہے۔ انہوں نے نویں صدی کے مورخ الواقدی کے حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اس گنبد کی تعمیر کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت مکہ پر ابن زبیرؓ کا کنٹرول تھا اور حج کے دنوں میں وہ مروانی خاندان کی برائیوں پر آواز اٹھایا کرتے تھے اور اپنے خطبے میں حاجیوں سے کہتے تھے کہ وہ ان کا بطور خلیفہ احترام کریں۔ چونکہ وہ نہایت متاثر کرنے والے تھے اس لئے لوگ ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ لہٰذا عبدالمالک نے لوگوں کو حج کی ادائیگی سے روک دیا۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ مقاصد چاہے کچھ بھی تھے لیکن گنبد صخریٰ ہر معیار سے نہ صرف ایک پر شکوہ عمارت ہے بلکہ فلسطین میں اسلام کے وجود کا مستقبل اور عظیم الشان نشان بھی ہے۔ اس مسجد نے عبدالمالک کے نام کو لافانی بنا دیا۔ اس سے پہلے وہاں کے عیسائی اور یہودی سمجھتے تھے کہ فلسطین میں مسلمانوں کی موجودگی عارضی ہے، خلیفہ عبدالمالک

MashalBooks.org

کو اپنے 20 سالہ دور میں عربی زبان کو پوری سلطنت کی زبان بنانے اور اپنی بادشاہت کے استحکام کا بھی کریڈٹ دیا جاتا ہے۔ ان کے بعد ان کے 4 بیٹے خلیفہ بنے، الولید (15-705)، سلیمان (17-715)، یزید دوم (24-720) اور سب سے چھوٹا بیٹا ہشام (43-724)۔

ہشام کے دور میں فوجی لشکر کشی اور اموی خاندان کا اختتام ہو گیا۔ جب یہ خاندان زوال پذیر ہوا تو ہشام بن مالک کے ایک پوتے کے سوا تمام شاہی خاندان کے ارکان کو پکڑ کر ہلاک کر دیا گیا۔ وہ اموی جنھوں نے پیغمبرؐ کے خاندان کے قتل عام سے صرف نظر کیا اور ہاشمیوں کو ہندوستان سے مصر تک بکھیر کر رکھ دیا اب وہ اپنی زندگی بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے۔ ان کے مردہ افراد کو بھی نہ بخشا گیا، بڑے اموی رہنماؤں کی قبریں کھود کر لاشیں جلا دی گئیں، ان میں سے صرف ایک اموی خلیفہ عمرو بن عبدالعزیزؒ کی قبر کو ہاتھ نہ لگایا گیا، عمرو عبدالمالک کے بھتیجے تھے، لیکن اپنے پیشرو امویوں کے برعکس وہ موروثی حکمران نہیں تھے بلکہ انہیں نامزد کیا گیا۔ عمرو بن عبدالعزیز نہ صرف ایک نیک سیرت اور انسان دوست شخص تھے بلکہ اپنے تین سالہ مختصر دور حکومت میں انہوں نے غیر عربوں بالخصوص ایرانیوں، ہندوستانیوں اور افریقیوں کے ساتھ منظّم امتیازی سلوک کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔ آپ نے حج کے دوران حضورؐ کے خاندان (اہل بیت) پر تبرہ بھیجنے کی رسم بھی ختم کر دی۔ اموی خلفاء میں سے وہ واحد خلیفہ تھے جنہیں خلفائے راشدین کی صف میں کھڑا کیا جاتا ہے۔

اموی خلافت صحیح معنوں میں ''جہاد سٹیٹ'' کے لیبل پر پورا اترتی ہے۔ ریاست کی توسیع کو عبادت اور ہر مسلمان کے فرض کے طور پر اختیار کیا گیا۔ امویوں نے نومسلموں پر عربوں بالخصوص اپنے خاندانوں کی برتری کو ادارہ جاتی حیثیت دی، برطانوی اسلامی سکالر جی آر ہاٹنگ کے الفاظ میں امویوں نے اسلام کو ''فاتح اشرافیہ کی جائیداد'' سمجھا، ان کے 90 سالہ دور میں ایک چیز جو مستقل طور پر برقرار رہی وہ بغاوت تھی۔ 656ء میں حضرت عثمانؓ کے مدینہ میں قتل (جنہیں تمام تاریخی حوالوں سے اموی سلطنت کا بانی کہا جا سکتا ہے) سے حضرت محمدؐ کے چچا عباس کی نسل کے افراد (عباسیوں) کی آخری بغاوت تک امویوں کی داستان جنگ، شورش، ریشہ دوانیوں اور قتل سے بھری پڑی ہے۔

MashalBooks.org

حتمی بغاوت جس کے نتیجے میں اموی خلافت کا تختہ الٹ دیا گیا کو''ہاشمیہ'' کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس کی نسبت حضرت علیؓ کی اولاد میں سے ایک ابو ہاشم سے ہے۔ یہ شورش ایک طرح سے خلیفہ یزید کے خلاف مختار ثقفی کی بغاوت کا تسلسل تھا۔ جو ابوحنفیہ کی نمائندگی کا دعویدار تھا۔ یہ بغاوت ایرانی شہر خراسان میں 719ء سے پنپ رہی تھی اور اس کی جڑیں زیادہ تر عجمیوں میں تھیں، 747ء تک اس بغاوت نے اتنا زور پکڑ لیا کہ سیاہ پرچم کے سائے تلے کھلے عام اس کا اعلان کیا گیا۔ ایک سال کے اندر خراسان اور کوفہ باغیوں کے قبضے میں آ گئے۔

750ء میں دمشق میں امویوں کا قتل عام بلا روک ٹوک جاری رہا، نئے عباسی خلیفہ نے حکم دیا کہ شاہی خاندان کا ہر فرد مار ڈالا جائے، مروان دوم جس نے فرار ہو کر مصر میں پناہ لے لی تھی کو اس کے خفیہ ٹھکانے سے ڈھونڈ کر قتل کر دیا گیا، اس کے ایک بھتیجے کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور اسی حالت میں منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کر کے پورے شام میں گھمایا گیا اور ایک نقارچی اعلان کرتا جاتا کہ''ہوشیار معاویہ کا بیٹا عبان، بنو امیہ کا سب سے جری جوان آ رہا ہے''۔ اس بدقسمت شخص کا ورد صرف اس وقت ختم ہو سکا جب وہ اپنے صیادوں کے کسی کام کا نہ رہا اور اس کا سر قلم کر دیا گیا۔

جلد ہی دمشق خلافت کا تخت نہ رہا، دریائے دجلہ کے کنارے بغداد، اسلامی تہذیب کا عظیم الشان حصہ، جنم لینے والا تھا۔ نئے خلیفہ ابوالعباس السفاح نے بلاشبہ قریش مکہ اور بنو ہاشم سے اپنی نسبتی تعلق کا استعمال کیا۔ اس کے پورے نام سے اس کہانی کا پتہ چلتا ہے۔ ابوالعباس عبداللہ السفاح ابن محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس ابن مطلب ابن ہاشم۔

آخر کار صدیوں انتظار۔ کئی مواقع پر قید خانوں میں رہنے اور قتل عام گرفتاریوں کے بعد بنو ہاشم نے اسلامی دنیا کی کمان حاصل کر لی۔ ان لوگوں نے جو عباسی خلافت قائم کی اس نے کئی''الف لیلوی'' کہانیوں کے حقیقی مناظر پیش کیے۔

(میں اپنے بچپن میں اس حوالے سے اڑتے قالینوں اور پر تعیش مقامات کے

خواب دیکھا کرتا تھا، تفصیل باب 10 میں) اس خاندان کے عربی خلفاء نے بہترین فارسی دانش کو اپنے قریب کیا، ان کے ارد گرد دتر کی سپاہ کی طاقت تھی اس نے دنیا کو ایسے معاشرے کی تخلیق سے چکا چوند کر دیا جس سے آج اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین ناقد بھی مسحور ہیں۔

☆ عبداللہ اور حسینؓ کے مدینہ سے فرار کے بعد یزید نے گورنر الولید کو برطرف کر کے عمر بن سعید کو گورنر لگا دیا تھا۔

MashalBooks.org

نواں باب

قرطبہ...... یورپ پر اسلام کی پیش قدمی

کینیڈا کی مصنفہ ایرنا پیرس نے اپنی کتاب میں جو خوش کن تصویر پیش کی ہے وہ ان کے نزدیک دنیا کی پہلی کثیر الثقافتی اور کثیر المذہبی ریاست کی ہے۔ ایرنا پیرس دسویں صدی میں اسلامی ہسپانیہ کو ایک ایسا معاشرہ قرار دیتی ہے جہاں تمام عقائد اور نسلوں کے لوگ مکمل آہنگی سے رہتے تھے لیکن جو بیرونی جارحیت اور اندرونی خلفشار کے باعث چند سو سال ہی میں انجام کو پہنچ گیا۔ ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے ایرنا کی کتاب کا بہترین نام ''The Best Days'' ہوسکتا تھا۔ ہسپانوی مسلمانوں نے جو فردوس بریں بنائی تھی وہ بالآخر بکھر کر ایسے مٹ گئی کہ اس کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔ یہ معاشرہ اس دور کے بنیاد پرست عیسائی کیتھولک اور اسلام پسند مذہبی عناصر کی چڑھائی کا مقابلہ نہ کرسکا، لیکن ایرنا پیرس اپنے قارئین کو اس جنت ارضی سے متعارف کراتے ہوئے لکھتی ہیں:

''مسلم سپین میں پنپنے والے علم و ثقافت کے حسین امتزاج نے سائنس، فلسفے، علم الانسان، تفسیر بائبل کی تفسیر اور لٹریچر کے ممتاز دور کو جنم دیا اور اس تہذیب کی دانشورانہ تحریک نے باقی تمام یورپ پر گہرے اثرات مرتب کئے ....عرب سپین کی یہ دانشورانہ فنکارانہ ثقافتی چکا چوند دراصل بلا روک ٹوک مذہب کی عدم مداخلت اور کثیر النسلی اشتراک کا نتیجہ تھی۔''

اس ہسپانوی جنت کا مرکز قرطبہ کا شہر تھا۔ قرطبہ اس وقت کے مغربی یورپ کا سب سے بڑا شہر جہاں سے سپین کے جنوبی آئبرین جزیرہ نما پر حکومت کی جاتی تھی۔ ایرنا پیرس لکھتی ہیں کہ شمالی سپین میں وسی گوتھ عیسائی علماء مسلم معاشرے سے اخلاقی طور پر خوفزدہ

MashalBooks.org

تھے، وہ لکھتی ہیں کہ ''ان کے آرتھوڈاکس نقطہ نظر سے کثیر نسلی رواداری ایک خطرہ تھی، ان کے نزدیک خدا ایک زبان میں بولتا ہے اور دیگر آوازیں صرف سنی جاتی ہیں، ان کے خیال میں ایک عالمگیر واحد اور سچے مذہب کی یقینی حیثیت شکوک وشبہات کی زد میں آ گئی تھی''۔

ہاں اگر معاصر مسلمان مرد اور خواتین کے ذہن کو منور کرنے والے اس دور کو سنہری قرار دیا جاتا ہے تو اسکا جواز موجود ہے۔لیکن کیا آج واقعی وہی صورتحال اسلام پسند دوبارہ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں؟

دسی گوتھ: جرمن قبیلے نے چوتھی صدی میں عیسائیت قبول کی اور چھٹی صدی میں سپین پر دسی گوتھ سلطنت کی بنیاد رکھی جو 711ء میں شمالی افریقہ کے مسلمانوں کے حملے تک قائم رہی۔ ہسپانوی مسلم سلطنت اور دور فاصلے پر قائم متوازی خلافت میں موجود بغداد دونوں فنون لطیفہ، طب، انجینئرنگ، رقص، موسیقی اور آرکیٹکچر کا مرکز تھے لیکن دونوں محض اس لئے ناکامی سے دوچار ہوئے کہ وہ قابل عمل سیاسی ادارے بنانے میں ناکام رہے اور اس کا نتیجہ اقتدار کی کشمکش اور نہ ختم ہونے والی خونریزی کی شکل میں نکلا۔

ایرنا پیرس سپین کے مسلمان حکمرانوں کے زیرسایہ پروان چڑھنے والے شاندار اور تخلیقی معاشرے کے سحر میں گرفتار ہونے والی اکیلی خاتون نہیں بلکہ وہ شخص جو نویں صدی سے گیارہویں صدی کے سپین کا مطالعہ کرتا ہے وہ اس تہذیب کی شان وشوکت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ تاہم وہ اس نتیجے پر بھی پہنچتا ہے کہ مسلمان آرٹس، لٹریچر، فلسفے اور فن اور عمارت سازی میں کامیابی کے برعکس زیادہ کامیاب سیاستدان نہیں تھے اور ان کا پورا دور ہلاکت خیز دشمنیوں پر مشتمل تھا اور آئبیریا میں مسلمانوں کی مسلمانوں سے جنگ سے وہ سب کچھ تباہ ہو گیا جو مسلمانوں نے حاصل کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ خلافت قرطبہ کے جلال کی تباہی کے ذمہ دار عیسائی نہیں بلکہ المروی افریقی قبیلے کے مسلمان تھے۔

مرویوں نے اگرچہ قرطبہ کی خلافت تباہ کر دی لیکن کھلے پن openness کا کلچر سلامت رہا۔ حملہ آور بھی گھل مل گئے اور جلد ہی مفتوح لوگوں نے ایک طرز زندگی اختیار کر لیا، انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ہسپانوی تہذیب کے سامنے مزاحمت نہیں کی جا سکتی۔ اگرچہ خلافت کئی چھوٹی چھوٹی عرب ریاستوں میں بٹ چکی تھی لیکن ہر ریاست شان و شوکت کے حوالے سے ایک دوسرے کی حریف تھی، ہر کوئی فلسفے، شاعری اور سائنس میں

MashalBooks.org

دوسرے سے مقابلہ کر رہا تھا لیکن یہ سکون عارضی نکلا، بارہویں صدی کے اختتام تک سپین پر ایک بار پھر افریقہ نے حملہ کیا اور اس مرتبہ ایک اور مسلمان انتہا پسند گروہ الموحدین نے لشکر کشی کی۔ ان بنیاد پرستوں نے اسلامی تہذیب اور کلچر کو تو انتہائی نقصان پہنچایا ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں پر ان کے مظالم نے کثیر الثقافتی اور کثیر المذاہب کلچر کو تباہ کر دیا، عیسائیوں اور یہودیوں سے کہا گیا کہ وہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا پھر ملک کے شمال کی طرف چلے جائیں، ایرنا پیرس کے الفاظ میں: ''الموحدون کی آمد ایک دور کا اختتام تھا۔ قرطبہ کی چمکتی روشنی ٹمٹمائی اور پھر ایک دم توڑتے ستارے کی طرح بجھ گئی اور پھر کبھی دوبارہ روشن نہ ہوئی۔

1492ء میں جب کولمبس بحر اوقیانوس میں ہندوستان کی تلاش میں سرگرداں تھا تو سپین سے آخری یہودیوں اور مسلمانوں کو ملک بدر کیا جا رہا تھا، اس طرح 711 میں شروع ہونے والا اسلامی دور انجام کو پہنچ گیا۔ پندرہویں صدی میں آئبیریا (Iberia) سے تعلق رکھنے والے یہودیوں اور مسلمانوں کی بڑے پیمانے پر زبردستی ملک بدری سے بہت پہلے ہسپانوی مسلمانوں کے زوال کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ ممتاز افریقی فلسفی ابن خلدون جو تیرہویں صدی کے وسط میں سپین میں مقیم رہے اور انہیں 1363ء میں کاستیل (Castile) کے حاکم پیٹر جابر کے دربار میں غرناطہ کے سلطان کا سفیر بھی مقرر کیا گیا تھا نے اس دور کے حالات کا عمیق جائزہ لینے کے بعد تہذیبوں کے عروج و زوال کو ایک قسم کے حسابی (Mathematical) انداز سے واضح کیا تھا (اگر ابن خلدون اندلسی ادب و دانش کا معترف تھا تو اس نے اس کے منطقی انجام کی بھی پیشگوئی کی تھی، اس موضوع پر آگے جا کر بات ہوئی)

یورپ پر اسلام کے ورد کا آغاز 711ء کے اپریل کی تاریک رات کو شمالی افریقہ کے ساحلوں پر ہوا۔

سمندر کے راستے سپین پر اس لشکر کشی کی قیادت طارق بن زیاد کر رہے تھے، بربر قوم سے تعلق رکھنے والا یہ شخص شمالی افریقہ کے صوبہ طنجہ کا گورنر تھا، طارق بن زیاد کے یورپ اور افریقہ کو الگ کرنے والے سمندری پانیوں پر حملوں کے دوران وہ سپین سے الگ تھلگ تنگ جزیرہ نما گھاٹی پر جا پہنچا، وہ اپنے 7 ہزار فوجیوں کے ساتھ ساحل پر اترا اسے آج بھی

MashalBooks.org

اس کے نام سے جانا جاتا ہے، جبرالٹر دراصل جبل الطارق کی بگڑی شکل ہے۔

جس سال طارق کا لشکر سپین پر اترا ایک اور نوجوان اموی جرنیل محمد بن قاسم ہندوستان کے ساحل سندھ پر اپنے فوجی دستے اتار رہا تھا۔ دمشق میں اس عظیم الشان سلطنت کی نگرانی کرنے والے اموی خلیفہ کا نام ولید بن مالک تھا۔ تاریخ میں کبھی اتنی بڑی سلطنت پر کسی نے حکمرانی نہیں کی ہوگی جو مشرق میں ہندوستان سے مغرب میں سپین تک پھیلی ہو۔

مسلمان مورخین بیان کرتے ہیں کہ سپین پر حملے کی وجہ وہاں کی حکمران عیسائی اشرافیہ کی اندرونی تقسیم تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ حکمران شاہی خاندان کے ایک مخالف مخبر نے بادشاہ روڈ ریگو کی بدسلوکی سے خائف ہو کر مسلمانوں کو حملہ کر کے اس کا تختہ الٹنے کی دعوت دی۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ افریقی بربروں اور شامی عربوں پر مشتمل اموی فوجیں مغرب کی سمت میں اپنی پیش قدمی کے دوران بحر اوقیانوس کے ساحلوں پر پہنچ گئیں اور فوجی فتوحات جو ان کے وسائل میں اضافے کے لئے انتہائی ضروری تھیں کا واحد راستہ بحیرہ روم کے پار سپین پر لشکر کشی کرنا تھا۔ جنوب میں دشوار گزار صحارا کا وسیع و عریض ریتلا سلسلہ تھا لہٰذا اس طرف دور افتادہ علاقے ونگارا کی طرف پیشقدمی کی مہم ناکام رہی اور 20 ہزار فوجی خون آشام ریت کی نذر ہو گئے۔

دونوں کہانیاں ٹھیک ہو سکتی ہیں لیکن ایک بات یہ ہے کہ طارق بن زیاد کے عزائم بالکل واضح تھے، ان کے لئے افریقہ کو واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ سترہویں صدی کے مراکشی مورخ المقری کے مطابق، سپین کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے بعد طارق بن زیاد نے اپنی تمام کشتیاں جلانے کا حکم دیتے ہوئے پسپائی کے تمام امکانات ختم کر دیئے۔ پھر اس نے فوج سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''اے مسلمانو! تم فرار ہو کر کس طرف جاؤ گے؟ تمہارے پیچھے سمندر اور آگے دشمن ہے، خدا کی قسم اب صرف تمہاری دلیری اور استقامت ہی تمہارے کام آ سکتی ہے۔''

سپین پر اترنے کے بعد چند مہینوں میں ہی طارق کے لشکر نے نواحی علاقوں کو زیرنگین کر لیا اور 19 جولائی 711ء کو وہ شاہ روڈریگو کی فوج کے ساتھ کھڑا تھا۔ عددی برتری کے باوجود وسی گوتھ فوج کو گوآدلی کے محاذ پر شکست ہوئی، عیسائی فوج پر فتح سے اس نظریے

کی حقیقت کوتقویت ملتی ہے کہ ہسپانوی باشندوں میں اندرونی اختلافات اور چپقلش سے طارق کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ شاہ روڈریگو کی شکست اتنی عبرتناک تھی کہ اس کی منتشر ہوئی فوج کو اس کی لاش تک نہ ملی۔ طارق جلد ہی طولیدو میں داخل ہو گیا جو سلطنت کا مرکزی شہر تھا، جہاں اسے 711 کی کرسمس مناتے چند ہی عیسائی ملے۔

شمال کے عیسائی باشندوں کو بعد ازاں فاتح مسلمانوں سے طولیدو واپس لینے میں 300 سال کا عرصہ لگ گیا۔ طولیدو کے باسیوں جنھوں نے نئے مسلمان حکمرانوں کا خیر مقدم کیا میں شہر کے مظلوم یہودی بھی شامل تھے۔ کئی صدیوں تک امتیازی سلوک اور جبر کا شکار رہنے کے بعد ہسپانوی یہودیوں کو اس وقت انتہائی خوشگوار حیرت ہوئی جب نئے حکمرانوں نے انہیں کہا کہ تم ''اہل کتاب'' ہو لہٰذا تمہاری عبادت پر کوئی پابندی نہیں۔ آنے والی صدیوں میں مسلم یہودی تعلقات مزید پھلے پھولے، اسکی مثال بارہویں صدی کے 2 فلسفی ہیں۔ ایک ابن ارشد مسلمان جبکہ دوسرا سائیموندس (ابن میمون) مسلمان یہودی اسلام میں نئے نئے داخل ہونے کے جذبے سے معمور بربر فوج دمشق میں خلیفہ اور افریقہ میں اس کے باعتماد عرب گورنر موسیٰ بن نصیر کی توقعات سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی۔ سپین پر بربروں کے بلاشرکت غیر سے کنٹرول پر تشویش میں مبتلا ہوتے ہوئے موسیٰ بن نصیر نے 18 ہزار سپاہیوں جن میں اکثریت عربوں کی تھی پر مشتمل نئی فوج بھرتی کی۔ اس نے خود اس فوج کی قیادت کرتے ہوئے سپین کے ان قلعوں اور شہروں پر حملہ کر کے انہیں فتح کر لیا جو طارق بن زیاد کی رسائی سے بچ گئے تھے اور 714ء میں طولیدو پہنچ کر طارق کی فوج میں شامل ہو گیا لیکن اس دوران دونوں میں اختیارات کی کشمکش شروع ہو گئی اور اس کا نتیجہ ان دونوں کے درمیان منطقی دشمنی کی صورت میں نکلا لیکن اس سے قبل کہ معاملات ان دونوں کے ہاتھ سے نکلتے طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر کا دور تیزی سے اختتام کو پہنچ گیا۔ ان دونوں جرنیلوں کو خلیفہ الولید کے سامنے دمشق میں پہنچنے کا حکم دیا گیا جہاں سے وہ کبھی لوٹ کر نہ آ سکے۔ لگتا ہے کہ خلیفہ الولید مسلمانوں کے دور افتادہ علاقوں میں کامیابیاں حاصل کرنے والے جرنیلوں پر نظر رکھے ہوا تھا۔ جس وقت وہ طارق کو واپس بلا رہا تھا اس نے ہندوستان میں اپنے جرنیل محمد بن قاسم کو بھی معزول کر کے طلب کر لیا۔

MashalBooks.org

بہرحال اس کے بعد اگلی سات صدیوں میں سپین میں جو دور آیا وہ ایک سیکولر معاشرے میں ثقافت، آرکیٹکچر اور روشن خیالی کا دور تھا، اور یہ معاشرہ پوری دنیا کے لئے ترقی کا مینارہ نور بن کر ابھرا۔ اقتدار کی کشمکش، خانہ جنگیوں اور محلاتی سازشوں سے قطع نظر اسلامی سپین وہ جگہ تھی جہاں دنیا بھر سے دانشور جمع ہو گئے، جہاں عظیم الشان لائبریریاں بنائی گئیں۔ جہاں پہلی بار سٹریٹ لائٹنگ اور آب رسانی کا نظام متعارف کرایا گیا۔ یہ سب کچھ شروع کے مسلمان حکمرانوں کے نرم رویے کے باعث ممکن ہوا اور یہ رویہ امویوں کے نظریہ جہاد اور خارجیوں جیسے اسلامی انتہا پسندوں کے کردار سے بالکل برعکس تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ یہ انتہا پسند کہیں غائب ہو گئے تھے بلکہ وہ موقع کی تاک میں رہے لیکن جب انہیں کامیابی ملی تو بھی وہ کثیر الثقافت، دانش اور کلچر جو ابتدائی دور کی ہسپانوی مسلم معاشرے کی بنیادوں میں رچ بس گیا تھا کی گہری جڑوں کو بے اثر نہ کر سکے۔

اندلسی تہذیب کو درپیش چیلنجوں کو سمجھنے کے لئے ہمیں ابن رشد اور ابن میمون کے تجربات کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہو گی، یہ دونوں حضرات ہم عصر تھے اور انہیں اپنے اپنے مذہب کے بنیاد پرست عناصر کے غضب کا نشانہ بننا پڑا۔

بارہویں صدی کا مسلم سپین نہ صرف یہودیوں اور مسلمانوں کی سماجی یگانگت کی جنت تھی بلکہ عیسائی جنہیں ''مزارب'' کے نام سے جانا جاتا تھا، بھی اس عمل کا حصہ تھے۔ اور انہیں تبدیلی مذہب کے لئے مجبور نہ کیا گیا۔ یہ سیکولر کی تقلید کا دور تھا اور الہامی کتابوں کی تفسیروں کو چیلنج کرنے کی روایت عام تھی۔ ابن ارشد ان نکتہ دانوں میں سرفہرست تھا جو انسانی معاشرے اور مذہب کے کردار کو سمجھنے کے لئے عقلیت کے استعمال کے حامی تھے۔ یونانی فنون پہلے ہی نویں صدی سے سپین آنا شروع ہو گئے تھے۔ ارسطو کی تحریروں کا نئے زاویے سے مطالعہ کیا جا رہا تھا جس سے الہامی کتب کی بجائے بڑے پیمانے پر عقلیت (Rationalism) کو کسی بحث کے نتیجے کی بنیاد بنانے کے رجحان کو قبولیت ملی۔ اس رجحان سے سپین کے تینوں مذاہب کے مذہبی رہنماؤں کو سنگین خطرات محسوس ہونے لگے۔ جب تک ابن رشد نے یونانی سائنس، ریاضیات اور طب سے متعلق علوم اختیار کئے ائمہ کو پریشانی نہ ہوئی لیکن جیسے ہی اس نے اسلام کا تنقیدی تجزیہ کرنے کی کوشش کی، اسے علماء کا غیض و غضب مول لینا پڑا۔

MashalBooks.org

مثال کے طور پر ابن رشد نے علماء کی زبانی جمع خرچی کی روش کو چیلنج کیا۔ ان کا موقف تھا کہ صرف فلسفی حضرات ہی منطقی تربیت کے باعث قرآن کی مجاز پیرائے میں بیان کی گئی آیات کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں اور ان کی آیات کی تفسیر کے لئے کسی مذہبی مہارت کی ضرورت نہیں ہے۔

ابن ارشد کے آبائی شہر قرطبہ کے ائمہ نے فوراً اسے مرتد قرار دے کر سزائے موت کا فتویٰ جاری کر دیا، مسجد اسٹیبلشمنٹ میں اشتعال اتنا بڑھ گیا کہ علماء نے ابن رشد کی کئی کتابوں کو نذر آتش کر دیا۔ اگر اسلامی اسٹیبلشمنٹ ابن رشد سے خفا تھی تو کیتھولک چرچ کی ناراضگی اس سے بھی سوا تھی۔ جیسے ہی اس کی کتابیں ہسپانوی سرحد پار کر کے عیسائی یورپ میں پہنچیں تو ایک خطرہ سمجھ کر کافر قرار دے دیا گیا، چرچ اگلی کئی صدیوں تک ابن رشد کو مطعون کرتا رہا۔ بالکل اسی طرح بعض مسلمان طبقے بھی اس فلسفی کو عقیدے کے لئے خطرہ سمجھتے رہے۔

کلیسا نے اندلس میں ان عیسائی دانشوروں کو بھی نہ بخشا جو عقلیت اور استدلال کو عام کر رہے تھے، حقیقت یہ ہے کہ چرچ مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے والے ہر عیسائی کو غدار سمجھتا تھا۔

یہودیوں کی موسس مائیمونڈس (ابن میمون) کو بنیاد پرست ربی حضرات کے قہر کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ بھی جمود (Status Quo) کی کیفیت کو چیلنج کر رہا تھا۔ ابن رشد کا قریبی دوست ابن میمون مذہب کی عقلی بنیادوں پر تشریح کر کے اپنے مسلمان ساتھی کے نظریے کا حامی تھا۔

ابن میمون جنہیں بعض حلقے عظیم ترین یہودی فلسفی قرار دیتے ہیں نے اپنی شاندار تحریروں میں لکھا: ''اگر کسی کے پاس گھریلو استعمال کے لئے چراغ یا چنوکھا (Cahnokah) چراغ فراہم کرنے کے وسائل موجود ہوں تو گھریلو چراغ کی مثال کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ یہ گھریلو امن میں کردار ادا کرتا ہے۔''

یہودی مذہب کی طرف سے اس کے اس رجحان نے اندلس کی یہودی برادری میں تقسیم پیدا کر دی۔ بنیاد پرستی نے مزاحمت کی اور ابن میمون کی کتابیں بھی کھلے عام جلا دی گئیں۔ ایسا لگتا ہے کہ تینوں (الہامی) مذاہب عقلیت پر مبنی نظریات سے خائف تھے۔

MashalBooks.org

(افسوس کہ یہ صورتحال آج بھی برقرار ہے) استدلال کے یہ مفکر سیکولر اور مذہب کی عقلیت پر تشریح کے حامی اپنے دور سے کہیں آگے تھے۔ ان کے کام نے کئی صدیوں پر یورپ کو متاثر اور تبدیل کر دیا لیکن بارہویں صدی میں مسلمان حکمرانوں کا سپین میں پیدا کردہ روشن خیالی کا ماحول بھی اس کے تحفظ میں ناکام رہا۔ تاہم بعد ازاں عقلیت کے یہ شعلے تاریک یورپ میں بلند ہوتے چلے گئے۔ اس روشنی کو مسلمان اور عیسائی بنیاد پرستی کے دوطرفہ حملوں نے بجھا دیا۔ ابن رشد اور ابن میمون دونوں اس وقت حیات تھے۔ جب متعصب اسلام پسندوں، الموحدون نے قرطبہ کو فتح کیا اور اس وقت تک کے روادار معاشرے پر سخت ترین حکومت مسلط کر دی۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ سپین میں مسلمانوں کی حکمرانی کا اختتام تھا، جس کا سبب وہ جنونی بنے جو اسلام کے تحفظ کے لئے اللہ کے مجاہد بنے رہے لیکن انہوں نے دراصل سپین سے اسلام کی رخصتی میں کردار ادا کیا۔

آخر میں سپین میں کثیر القوی سیکولر معاشرے سے اسلام پسندوں کی نفرت وہاں پر مسلمانوں کے زوال کا اس طرح باعث بنی جس طرح کیتھولک اسلام کی روشن خیالی کو مطعون کرتے تھے۔ دونوں اسلامی اور عیسائی بنیاد پرستوں نے دنیا کی پہلی کثیر الثقافت، کثیر المذاہب معاشرے کی تباہی میں کردار ادا کیا اور اس کا نتیجہ جزیرہ نما آئبیریا میں تمام یہودیوں اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی صورت میں نکلا، ایرنا پیرس نے بجا طور پر اس کے لئے The End of Days کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

سپین میں مسلمانوں کے 700 سالہ دور کا خاتمہ اس تباہی کا تسلسل تھا جو قبل ازیں اسلام کی مشرقی خلافت بغداد پر ٹوٹ پڑی، جہاں مغلوں اور تاتاریوں نے بھی کتابیں جلا کر مسلم تہذیب کو برباد کر دیا۔ ہاتھ سے لکھے مخطوطات کی راکھ اور سیاہی سے دریائے دجلہ کا پانی سیاہ ہو گیا۔

برطانیہ میں مقیم پاکستانی ناول نگار طارق علی نے اپنے مشہور ناول Shadows of Pomegranate میں مسلم سپین کے شمالی عیسائی خطے کے ہاتھوں زوال کی انتہائی شاندار تصویر کشی کی ہے۔ نیچے درج کئے گئے اس پیرے میں شکست اور ہتھیار ڈالنے کے موڈ کو جس انداز میں بیان کیا گیا ہے وہ اس تاریخی المیے پر لکھنے والے چند ہی افراد کے حصے میں آیا ہے۔ یہ منظر غرناطہ کا ہے، جہاں 7 سال پہلے عیسائی فوجوں کا قبضہ ہوا ہے۔

MashalBooks.org

یہ یکم دسمبر 1499ء کا دن تھا، 5 نائٹ کمانڈروں کی قیادت میں عیسائی سپاہی شہر کی 195ء لائبریریوں اور درجنوں گھروں میں داخل ہوئے جہاں کتابوں کے ذخیرے موجود تھے۔عربی میں لکھی ہر تحریر ضبط کر لی۔

سائمن ڈی سسنسرو (Ximens de Cisneros) کا پختہ یقین تھا کہ کافروں کا بحیثیت طاقت خاتمہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان کی ثقافت کو مٹا دیا جائے۔ اس کا مطلب تمام کتابوں کی منظم انداز میں تباہی ہے۔ سینہ بسینہ روایات تاہم کچھ عرصہ مزید زندہ رہیں پھر ان گستاخ زبانوں کو بھی تلاش کر کے خاموش کر دیا گیا لیکن وہ خود نہیں تو کسی اور کو خوشی کا الاؤ روشن کرنا تھا۔ ایسا شخص جو یہ سمجھتا ہو کہ مستقبل کو محبت یا تعلیم کے ذریعے نہیں بلکہ سختی اور نظم و ضبط سے محفوظ بنایا جا سکتا ہے جیسا کہ یہ ضعیف العقل ڈومینکی (Dominican) لوگ اپنے طور پر سمجھتے ہیں۔ آخر اس سے انہیں کیا ملا؟........... ایک سپاہی چرچ کے عہدیدار (Prelate) کی کھڑکی کے بالکل سامنے تعینات تھا۔ سائمن نے اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور یہ اشارہ آگ کا شعلہ پکڑے ہوئے شخص تک پہنچایا گیا اور آگ لگ گئی آدھے گھنٹے بعد ہر طرف مکمل خاموشی تھی۔

پھر دسمبر کی اس یخ بستہ رات کو ایک سوگ بھری آواز بلند ہوئی، جس کے بعد کسی نے روتے ہوئے کہا: لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ آگ کے شعلے اوپر سے اوپر ہو رہے تھے۔ آسمان خود بھی ایک جلتی کھائی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ شعلوں کا ایک ایسا سپیکٹرم نظر آ رہا تھا جیسے ہوا میں رنگدار خطاطی کو نذر آتش کیا گیا ہو۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ستارے بھی صدمے سے آنسو بہا رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ بدحواسی میں ہجوم وہاں سے چل دیا۔ یہاں تک کہ ایک فقیر نے خود کو برہنہ کیا اور آگ میں گھس گیا۔ ''علمی کتابوں کے بغیر ہماری زندگی کا کیا مقصد باقی رہ جاتا ہے۔'' وہ دم گھٹنے کے درمیان بولا۔ اس نے کہا ''انہیں خمیازہ بھگتنا پڑے گا، انہوں نے آج جو کچھ ہمارے ساتھ کیا، اسکی قیمت انہیں ادا کرنا پڑے گی۔ پھر شعلوں نے اس کا وجود ڈھانپ لیا۔

حتیٰ کہ آج تک مسلمان اس عظیم نقصان پر ماتم کناں ہیں۔ اس بھکاری کی طرح کئی دیگر افراد نے ان شعلوں میں خود کو جلا لیا جو اب بھی ہماری کتابوں کو چاٹ رہے ہیں لیکن محض چند لوگ ہی یہ سوال کرنے کی جرأت کرتے ہیں: کیا اپنی بدنصیبی کے ہم خود

ذمہ دار تھے؟

شام اور عراق میں پہلی مسلمان بادشاہوں کے قتل و غارت کے نتیجے میں زوال کے مقابلے میں سپین میں اسلامی حکومت رحم دلی پر استوار تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خانہ جنگی، قتل اور محلاتی سازشیں عام تھیں، حقیقت یہ ہے کہ ہسپانیہ کے نئے مقبوضہ علاقوں میں پہلی بار انتقال اقتدار ایک امیر کا سر قلم کرنے سے ہوا، جب موسیٰ بن نصیر کو دمشق طلب کیا گیا تو اس نے اپنی جگہ اپنے بیٹے عبدالعزیز کو حکمران تعینات کر دیا۔ جس نے فوراً سابق بادشاہ روڈریگو کی بیوہ سے شادی رچا لی تا کہ پریشان حال مقامی افراد کی الجھن دور ہو سکے اور سابق شاہ کا تاج پہن لیا جو نئی ملکہ نے اسے پیش کیا تھا۔ اس عمل نے بعض علماء کو غضبناک کر دیا اور ایک ماہ کے اندر ہی محصور بادشاہ کو یورپی رسم اختیار کرنے پر ارتداد کے جرم میں ہلاک کر دیا گیا۔ تا کہ کوئی مسلمان بادشاہ دوبارہ کبھی تاج پہننے کی جرأت نہ کر سکے۔ اگرچہ شاہ ایران نے تاج پہن کر اپنی بادشاہت کا اظہار کیا تھا لیکن اس کا انجام بھی اندلس کے عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر سے مختلف نہ ہوا۔

طارق بن زیاد کے سپین کے ساحلوں پر لنگر انداز ہونے کے بعد تین عشروں تک ملک کے نئے حکمرانوں کو امن کے دور میں دمشق کے ساتھ اپنی رسمی وابستگی کے ساتھ اقتدار مضبوط کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت دو منفرد عوامل رو بہ عمل تھے۔

ایک تو یہ کہ اسلامی سلطنت کے دیگر حصوں کے برعکس اندلس کی اشرافیہ مکمل طور پر خود مختار تھی۔ اس کا نئی اشرافیہ کو یہ فائدہ ہوا کہ وہ اسلامی قانون کے تحت مال غنیمت کا پانچواں حصہ خلیفہ کو بھیجنے کی خواہاں نہیں تھی۔ دوسرا فیکٹر قابضین کا ملا جلا نسلی پس منظر تھا۔ اکثر کا تعلق آبنائے جبرالٹر کے پار علاقے کے بربروں سے تھا تاہم یہ لوگ حجازی، شامی اور یمنی حسب نسب سے منقسم عرب ہی تھے۔ جہاں ایک طرف دمشق کے اموی حکمرانوں کو ہندوستان اور ایران کے ساتھی مسلمانوں سے کئی چیلنج لاحق تھے وہاں بحراوقیانوس کے ساحل پر ایک اور مصیبت سر اٹھا رہی تھی۔ بربروں اور عربوں کے درمیان کشیدگی خانہ جنگی کی صورت اختیار کر گئی۔

اکتوبر 732ء میں فرانس کے علاقے Poitiers میں فرانسیسی حاکم چارلس مارٹل (ہتھوڑا) کے ہاتھوں شکست کے بعد یورپ میں مسلمانوں کی فتوحات کے آگے بند بندھ

MashalBooks.org

گیا۔ مال غنیمت کے لئے لڑی گئی وہ جنگیں جو اب تک اندلسی حکمرانوں کو معیشت کی مضبوطی اور فوجیوں کو مراعات دینے کے لئے لڑی گئی تھیں ختم ہو گئیں۔ فتوحات کا سلسلہ ختم ہونے پر اندلسی امراء کو محدود وسائل کے اندر جینا سیکھنا تھا: اس طرح ریونیو کے لئے ٹیکس لگانا پڑے جس سے عمائدین سلطنت میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی اور جیسا کہ ہوتا آ رہا ہے معیشت کی بدلتی صورتحال میں نئے انتظامات کا نتیجہ بربروں اور عربوں میں نسلی تفاوت کی شکل میں نکلا۔

اندلس شاید خودمختار ملک تھا لیکن باقی ماندہ خلافت امیہ میں جو رونما ہو رہا تھا اس سے اسلام کی نئی سرحد پر بھی اثرات مرتب ہوئے۔ فتوحات ختم ہونے پر شمالی افریقہ میں اموی گورنر کے ریونیو میں بھی کمی آ گئی تھی۔ عمرو بن عبدالعزیز (720-688) کے دور خلافت میں قرامطہ اور بربروں کی اسلام قبول کرنے کے لئے حوصلہ افزائی کی گئی جس سے دمشق کو چلنے والے جزیے کی رقم میں نمایاں کمی ہوئی۔ اس وقت تک غیر عربوں کے قبول اسلام پر پابندی تھی۔ اموی خلافت بہرحال لازماً ایک عرب سلطنت تھی، صرف نام کی اسلامی لیکن جب خلیفہ عمرو ثانی کو ریونیو میں کمی کے بارے میں آگاہ کیا گیا اور مشورہ دیا گیا کہ غیر مسلموں کے قبول اسلام پر پابندی لگا دی جائے تو روایت ہے کہ آپ نے کہا: ''مجھے خوشی ہو گی اگر تمام ذمی اسلام قبول کر لیں کیونکہ اللہ نے اپنے نبیؐ کو ٹیکس وصول کرنے والا نہیں بلکہ پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔''

مشرقی محاذ پر جب ایرانی صوبہ خراسان کے گورنر نے شکایت کی کہ لوگ صرف جزیہ سے بچنے کے لئے اسلام قبول کر رہے ہیں اور مجھے علم ہے کہ انہوں نے ختنے تک نہیں کرائے تو خلیفہ عمرو بن عبدالعزیز نے اسے لکھ بھیجا کہ ''خدا نے حضرت محمدؐ کو سچے مذہب کی طرف بلانے کے لئے بھیجا تھا ان کے ختنے کرانے کے لئے نہیں۔''

خلیفہ عمرو شاید حق بجانب تھے لیکن ان کے فیصلے سے آمدن میں نمایاں کمی ہونے لگی۔ شامی فوج کے اخراجات پورے کرنے کے لئے پیسے کی سخت ضرورت تھی، اس کے علاوہ باز نطائن اور ایران کے مفتوحہ علاقوں پر گرفت مضبوط کرنے کے لئے وہاں کی تبدیل شدہ اشرافیہ کو مراعات دینا بھی ضروری تھا۔ یہ صورتحال مصر میں زیادہ تشویناک تھی جہاں مغرب میں بحر اوقیانوس کی طرف فوجی فتوحات ختم ہو چکی تھیں۔ یہی حالت شمال میں فرانس اور جنوب میں صحارا کے علاقوں کی تھی۔

MashalBooks.org

ریونیو اکٹھا کرنے کے لئے مصر کے اموی گورنر عبداللہ بن حباب نے ایک نسل پرست اور بری پالیسی تیار کی، اس نے فرمان جاری کیا کہ تمام غیر عرب نومسلم، بالخصوص بربرنسل کے لوگ غیر مسلم ہی تصور کیے جائیں گے۔ اس طرح نومسلموں کی مراعات واپس لے کر انہیں کہا گیا کہ وہ غیر مسلموں پر واجب ٹیکس یعنی جزیہ دینا شروع کر دیں۔ ہندوستان کی طرح نسل کی بنیاد پر دورخی تقسیم کی پالیسی تباہ کن ثابت ہوئی۔

740ء میں جب اموی فوج باز نطینیوں کے خلاف لشکرکشی کے دوران سسلی میں تھی تو ایک پرعزم انسان میسرہ کی قیادت میں بربروں نے طنجہ شہر پر حملہ کر دیا، چند روز میں شہر فتح ہوگیا اور بربرفوج نے نہ صرف عرب گورنر کو قتل کر دیا بلکہ شہر کی تمام عرب آبادی کو بلاشبہ تہہ تیغ کر دیا۔ چھوٹے بچوں تک کو نہ بخشا گیا۔ وہاں سے بربروں کی بغاوت کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں مصر کے مغرب میں شمالی افریقہ کا پورا خطہ اموی کنٹرول سے نکل کر بربروں کے قبضے میں چلا گیا جہاں انہوں نے اپنا خلیفہ منتخب کر لیا جب تک یہ خبر دمشق تک پہنچی شامی فوج کی قیادت کا صفایا کیا جا چکا تھا۔

مصر میں عرب آبادی اپنے معزول گورنر عبیداللہ اور اپنی فوج کی شکست پر مشتعل تھی۔ دمشق میں خلیفہ ہشام پر سکتہ طاری تھا۔ نیل کے ساحل سے بحراوقیانوس تک پھیلی اس کی سلطنت ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔ یہ شکست بالخصوص اس لئے تکلیف دہ تھی کیونکہ عربوں کو ان لوگوں کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانا پڑی جنہیں وہ کمتر سمجھتے تھے، آخر سیاہ رنگت والے زمین پر خدا کے نائب کی فوج کو کیونکر شکست دے سکتے تھے؟ بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ نے اعلان کیا کہ: ''اللہ کی قسم میں انہیں بتا دوں گا کہ قدیم عرب نسل کا قہر کیا ہوتا ہے! میں ان کے خلاف جنگ کے لئے ایسی فوج بھیجوں گا جو انہوں نے کبھی نہیں دیکھی ہوگی، اس فوج کا اگلا حصہ ان کے پاس اور پچھلا ابھی دمشق میں ہی ہوگا۔''

70 ہزار تازہ بھرتی شدہ فوجی جنرل کلثوم اور اس کے نائب باج کی قیادت میں افریقی محاذ کو روانہ کئے گئے اور انہیں اجازت دی گئی کہ جو کوئی ان کے سامنے آئے اس کا سر قلم کر دیا جائے اور ہر مفتوحہ علاقے کو تباہ کر دیا جائے۔

اہل شام کو ایک غیر متوقع جھٹکا لگا، اس سے پہلے کہ وہ مغرب میں بربرفوج کو جا لیتے، وہ مزاحمت کرنے کے لئے بھاگ کر مصر کے عرب شہروں میں چلے گئے جہاں انہیں

MashalBooks.org

اتحادی نہیں بلکہ حملہ آور سمجھا گیا۔ 741ء کے وسط تک بربروں اور عربوں میں بڑی بڑی جنگیں لڑی گئیں اور بربروں نے حملہ آور فوج کو بری طرح شکست دے دی۔ پورے شمالی افریقہ میں مسلمان دوسرے مسلمان کا خون بہا رہا تھا۔ بالآخر باج اور باقی ماندہ فوج محصور ہوگئی اور مصر واپس جانے کے قابل نہ رہی جس پر وہ فرار ہوکر سپین چلا گیا۔ مراکش کی ساحلی پٹی پر پہنچ کر اس نے ساحلی شہر سیوطا فتح کر لیا اور اپنی فوج سمیت وہاں پڑاؤ ڈال لیا۔ بربروں نے طویل عرصے تک قصبے کا محاصرہ کئے رکھا جس سے قحط کی سی صورت حال پیدا ہو گئی، سپین میں نئے امیر 90 سالہ عبدالمالک نے حال ہی میں اقتدار سنبھالا تھا، باج نے اس کے پاس التجا بھرے خطوط بھیجے اور عربوں کی یکجہتی اور عظمت کا واسطہ دے کر ریلیف اور پناہ کی درخواست کی۔

عبدالمالک جہاں مدینہ کا عرب تھا تو باج شام کے شہر دمشق کا نمائندہ تھا، عبدالمالک کو دمشق کے امویوں کے اہل مدینہ پر انسانیت سوز مظالم یاد تھے۔ ان دونوں کے درمیان محبت کا عنصر کم ہی تھا لیکن اور ''میرے دشمن کا دشمن'' کا آزمودہ اصول باج کے کام آیا۔ عبدالمالک کو بھی سرکش بربروں کا سامنا تھا۔ جو حکمران عرب اشرافیہ کے ہاتھوں دوسرے درجے کے شہریوں جیسے سلوک پر نالاں تھی، جزیرہ نما آئبیریا کو طارق بن زیاد کی کمان میں بربروں نے فتح کیا تھا لیکن اہم عہدے اور زرخیز زمینیں ان عربوں کو دی گئیں جو موسیٰ بن نصیر کی سربراہی میں اس وقت اندلس پہنچے جب جنگ اختتام کو پہنچ چکی تھی، چونکہ سپین میں بھی بغاوت کے نمایاں آثار دکھائی دے رہے تھے لہٰذا عبدالمالک کے پاس سیوطا میں پھنسے اموی سپاہیوں کو بچانے اور انہیں سپین لانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا، اس لئے اس نے ان لوگوں کو سپین میں اپنے لشکر میں شامل کر لیا تاکہ اپنے پچھواڑے سر اٹھانے والی بربر بغاوت کو کچل سکے۔

تاہم باج ایک ایسا چالاک اونٹ ثابت ہوا جس نے آہستہ آہستہ، پورے خیمے سے عرب کو نکال باہر کیا، ابھی بربروں کی بغاوت کچلی ہی تھی کہ باج اور اس کے حامی سپاہیوں نے سپین سے جانے کے معاہدے سے پھرتے ہوئے قرطبہ میں امیر کے محل پر حملہ کر کے امیر کو نکال باہر کیا اس کی جگہ باج کو امیر منتخب کر لیا گیا، عبدالمالک جس نے امویوں کو سیویل میں بچایا تھا عبرتناک موت سے دو چار ہوا، 20 ستمبر 741ء میں اسے

MashalBooks.org

گلیوں میں گھسیٹ کر کوڑے مارے گئے پھر اس کے سینے میں تلوار گھونپ دی گئی، بوڑھے امیر کی لاش ایک پل کے اوپر لٹکا دی گئی۔ اس کے ایک ہاتھ پر کتے اور دوسرے پر سؤر کی لاشیں رکھی تھیں۔ مدینہ کے اس بوڑھے شخص کے ساتھ اتنا ظالمانہ سلوک کیا گیا کہ قرطبہ کی آبادی بھی آپس میں ٹکرا گئی۔ ایک طرف مدینہ کے عرب تھے اور دوسری طرف باج کی زیر قیادت اموی تھے۔ ایک بار پھر ثقیفہ بنو سعد میں اہل مدینہ کو لگنے والا زخم ہرا ہو چکا تھا۔ مدینہ کا ایک باسی اموی کے ہاتھوں ہولناک موت کا شکار ہوا تھا۔ عبدالمالک کی انسانیت سوز موت سپین کے 2 بڑے عرب گروپوں کے درمیان بڑی جنگ کا شاخسانہ ثابت ہوئی، سپین میں طویل عرصے سے مقیم اہل مدینہ کو البلادیوں (مقامی) جبکہ باج کے ساتھ آنے والوں کو شامیوں (شام والے) کہا جاتا تھا۔ عبدالمالک کے بیٹوں نے فوج منظّم کر کے اہل شام کو نکالنے کے لئے قرطبہ پر حملہ کر دیا۔ اگر چہ لڑائی میں باج مارا گیا لیکن حملہ آور قلعہ بند شہر میں داخل ہونے اور فیصلہ کن شکست دینے میں ناکام رہے۔

اپنے لیڈر باج کی موت کا انتقام لینے کے لئے شامیوں نے تمام قیدی پکڑ کر بطور غلام فروخت کر دیئے، ان لوگوں کی توہین کے لئے سب سے زیادہ نہیں بلکہ سب سے کم بولی دینے والوں کو غلام فروخت کئے گئے۔ ایک مدنی غلام کی باری جب کسی نے 10 اشرفیوں کی بولی دی تو اگلی بولی بکری یا اس کے بعد کتے کی بولی لگائی گئی۔ مسلمان کتوں اور بکریوں کے عوض اپنے ساتھی مسلمانوں کو خرید رہے تھے۔ یہ سب کچھ اسلام کے نام پر اور ایک خیالی اسلامی ریاست کے قیام کے عزائم کے تحت ہو رہا تھا۔

سپین میں مختلف دھڑوں کے درمیان گاہے بگاہے جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور دمشق میں اموی خلافت کے خاتمے کے بعد اندلس اب خلافت سے کٹ کر الگ تھلگ سلطنت تھا۔

عبدالرحمان الداخل بن معاویہ خلیفہ ہشام کا پوتا اور نئے اسلامی حکمرانوں عباسیوں کے ہاتھوں امویوں کے قتل عام میں شاہی خاندان کا زندہ بچ جانے والا واحد فرد تھا۔

عبدالرحمان کی ماں بربر قوم سے تعلق رکھتی تھی، اس کا مطلب تھا کہ اس کی جڑیں شمالی افریقہ میں تھیں چنانچہ وہ اپنے چند خدام اور ایک غیر عرب نومسلم شخص کی معیت میں

MashalBooks.org

فرار ہو گیا، یہ موالی بدر بعد ازاں عبدالرحمان کا دست راست بن کر ابھرا، اس کی پہلی کوشش افریقیہ یعنی آج کے ملک تیونس پہنچنے کی تھی لیکن وہاں کے گورنر نے اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی کیونکہ اسے خطرہ تھا کہ عبدالرحمان وہاں حکومت سنبھال لے گا۔ کوئی جائے سکونت نہ ملنے پر مغرور اموی شہزادے نے بدر کو سپین بھجوایا اور اسے ہدایات دیں کہ وہ وہاں امکانات کا جائزہ لے، بدر جنوبی اندلس میں غیر عرب مسلمانوں کے ساتھ ساز باز میں کامیاب رہا اور 755ء میں 5 سال حالت فرار میں گزارنے کے بعد عبدالرحمان نے آبنائے جبرالٹر پار کر لی۔ اس نے چند ہسپانوی نومسلموں اور بدر کے چند رشتہ داروں کے گھروں پر اپنی کمانڈ پوسٹ قائم کی۔

اسی اثناء میں قرطبہ کی فوجوں مس یہ خبر عام ہو گئی کہ عظیم خلیفہ ہشام کا پوتا اندلس میں پہنچ چکا ہے، اس خبر سے شہر کی اشرافیہ میں سراسیمگی پھیل گئی۔

اس چھوٹے سے اڈے سے عبدالرحمان ناراض یمنی آبادکاروں اور ایسے غیر عرب مسلمان جو خود کو قرطبہ کے معاشرے کی قبائلی طاقت کے ڈھانچے سے باہر محسوس کرتے تھے پر مشتمل فوج تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ 56-755 کے موسم سرما میں قرطبہ کے حکمران یوسف الضھری ایک اور چیلنج۔ السمیل اور اموی شہزادے کے درمیان سفارت کاروں کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی مسلح جھڑپیں بھی ہوتی رہیں۔

جب موسم گرما شروع ہوا تو عبدالرحمان نے اپنے مخالفین کو جنگ میں شکست دے دی۔ جمعہ 14 مئی 756ء کو عبدالرحمان قرطبہ کے دروازوں سے اندر داخل ہوا اور سیدھا شہر کی مسجد میں پہنچا جہاں اس نے اندلس کے امیر ہونے کا اعلان کر دیا۔ دوسری اموی بادشاہت کا جنم ہو چکا تھا۔ اقتدار سنبھالنے کے ایک سال کے اندر نئے امیر نے عباسی خلافت سے تمام رسمی ناتے بھی توڑ دیئے اور سپین کی مساجد میں نماز جمعہ کے خطبات میں عباسی خلفاء کا نام لینا اب قطعی ضروری نہیں تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اندلسی خلافت سے دور ہو کر اپنے الگ سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔

ایسا ایک بار مکہ اور پھر کوفہ میں ہو چکا تھا لیکن ان دونوں مواقع پر دستبرداری کو ظالمانہ طریقے سے کچلا گیا۔ لیکن اندلس کے معاملے میں دمشق کے خلیفہ المنصور نے ایک آدھ مرتبہ نیم دلی سے اپنی حاکمیت نافذ کرنے کی کوشش کی۔ اس نے زمینی راستے سے اپنی

MashalBooks.org

فوج پرتگال بھیجی اور مغربی سمت سے اندلس پر حملہ کر دیا لیکن جب امارات کے امیدوار کا سر کاٹ کر اسے بھجوایا گیا تو اس سے یہ واضح پیغام ملا کہ: اندلس میں اموی اتنی دور ہیں کہ دمشق میں عباسی حکمران وہاں اپنی حاکمیت نہیں جتا سکتے۔

اس کے بعد عباسیوں نے پھر کبھی الگ ہونے والے صوبے پر اپنی اتھارٹی قائم کرنے کی کوشش نہیں کی، یوں اسلام میں ایک نئے سیاسی نظام کا جنم ہو گیا۔ اندلس اور عراق دونوں اسلام کے حقیقی نمائندہ ہونے کے دعویدار تھے۔ آنے والے برسوں میں کئی بادشاہتیں پیدا ہوئیں اور جائز خلافت کا دعویٰ کرتی رہیں لیکن اس کے بعد پھر کبھی اسلام میں ایک خلیفہ یا متحدہ خلافت کی حکمرانی ممکن نہ ہو سکی۔ یقیناً یہ معاصر اسلام پسندوں کی پسپائی ہے کہ اسلام کے تقریباً پورے 1400 سال میں کوئی خلافت یا اسلامی ریاست خونریزی یا جنگ کے بغیر معرض وجود میں نہیں آ سکی۔ آج اسلام پسند کینیڈا، برطانیہ اور یورپ میں اسلامی شریعت نافذ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن وہ بخوبی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ کوئی اسلامی ریاست حتیٰ کہ اندلس بھی کبھی شریعت کا نفاذ نہیں کر سکی یا پھر وہ اپنے حامیوں کو اس سراب کے پیچھے بھاگنے کا دھوکہ دے رہے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن معاویہ نے اندلس پر 30 سال حکمرانی کی اور ملک کے طول و عرض میں مخالفین سے لڑتا اور بغاوتیں فرو کرتا رہا۔ جو بادشاہت اس نے قائم کی وہ خانہ جنگیوں اور تنازعات کے باوجود اگلے 300 سال تک چلتی رہی اور باقی تمام یورپ کے لئے مثال بن گئی۔

عبدالرحمان اول نے خلیفہ کا لقب کبھی اختیار نہیں کیا بلکہ امیر کا خطاب استعمال کیا۔ اس کے بیٹے ہشام اور 5 دیگر جانشینوں نے بھی امیر ہی کا لقب استعمال کیا البتہ یہ روایت اس کے ہم نام عبدالرحمان سوم نے 929ء میں توڑ دی اور خلیفہ اور امیر المومنین بن بیٹھا۔

سکاٹ لینڈ کی سینٹ اینڈریو یونیورسٹی کے پروفیسر ہیو کینیڈی عبدالرحمان سوم کے دور کو ''اموی خلافت کا سنہری دور'' قرار دیتے ہوئے اس خلیفہ کو رحم دل اور مرد حاکمیت کہا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالرحمان سوم ایک بین الاقوامی سوچ رکھنے والا انسان تھا اور اسے اپنی سلطنت کی کثیر المذاہب صورت حال کی اچھی طرح سمجھ تھی۔ وہ یورپی اور عرب

MashalBooks.org

نسل کی مرقع شخصیت تھی۔ اس کی ماں منترہ فرانسیسی تھی جبکہ دادی انیگا شمالی سپین کے علاقے ناورے (Navarre) کے بادشاہ فورٹن گارسس کی بیٹی تھی لیکن مکس خون ہونے کے باوجود اس کی اسلام سے وابستگی کمزور نہیں ہوئی تھی۔ البتہ اس کی وجہ سے وہ تمام عقائد کا احترام کرتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ وہ پہلا ہسپانوی مسلمان حکمران تھا جس نے جہاد کو بھی سرحدی توسیع کے لئے بطور آلہ استعمال کیا۔تعمیری فنون، ادب، موسیقی اور دیگر علم و دانش کے شعبوں کے فروغ کے ساتھ ساتھ اس کے دور میں خانہ جنگی بھی تسلسل سے جاری رہی۔ دراصل اس کے پیشروؤں نے اندلس کی سرحدوں کو قرطبہ شہر تک محدود کر دیا تھا، سپین کے اس پہلے خلیفہ نے علیحدگی پسند مسلمانوں کے خلاف پہلے 8 سال تک لڑائیاں کیں پھر اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے بعد 7 برس تک نہ صرف عیسائی ریاستوں سے جنگیں کیں بلکہ شمال کے اس علاقے پر بھی توجہ دی جو جزیرہ نما سپین فتح ہونے کے بعد اب تک دسترس سے باہر تھا۔

اس وقت جب سپین کے آخری خلفاء میں سے ایک ہشام سوم اقتدار میں آیا تو عبدالرحمان اول کے دور میں قائم کی گئی بادشاہت زوال پذیر ہو رہی تھی۔ اعلیٰ درجے کی تہذیب اور عظیم دانشورانہ کامیابیوں کے باوجود یہ مسلمان دیگر مسلمانوں کی طرح ایسے سیاسی اداروں کو فروغ دینے میں ناکام رہے جو اقتدار کے تحرک Dynamics of Power اختیارات کے استعمال اور سیاسی اپوزیشن کو مواقع فراہم کر سکتے۔ خلیفہ کا تختہ الٹنا اور اس کو قتل کرنا معیاری طریقہ کار تھا۔

1031ء میں ہشام سوئم کا تختہ الٹ دیا گیا اور خلافت ٹوٹ کر کئی علیحدگی پسند چھوٹی اسلامی ریاستوں میں تقسیم ہوگئی۔ اگر ان ریاستوں کا الگ خلیفہ نہیں تو اپنا امیر ضرور تھا اور ہر کوئی اپنی نسلی یا قبائلی حاکمیت اور حق پرستی کا دعویدار تھا۔ جزیرہ نما آئبیریا میں ایک وقت کے دوران ایسی ریاستوں کی تعداد 29 تک جا پہنچی۔ یہ ریاستیں آپس میں دست و گریبان رہتیں۔ وفاداریاں اور قسمت تبدیل ہوتی رہتی لیکن کوئی ریاست دوسری پر حاوی نہ ہوسکی، اسی دوران شمالی حصے کی طرف سے عیسائیوں کی پیشقدمی شروع ہو چکی تھی اور عیسائی فوجیں دوبارہ ان علاقوں کا دعویٰ کر رہی تھیں جو 300 سال پہلے ان کے ہاتھوں سے نکلے تھے۔

1005 میں وسی گوتھ سلطنت کا دارالحکومت طولید و جو طارق بن زیاد نے فتح کیا

MashalBooks.org

تھا الفانسو ششم نے دوبارہ چھین لیا، کیونکہ شہر کا خود ساختہ امیر شہریوں کی بغاوت کے خوف سے بھاگ گیا اور الفانسو سے جا ملا تھا۔ طولیدو پر عیسائی فوج کے قبضے کے بعد یہ نیو کاسٹیل کا دارالحکومت قرار پایا، متحدہ مسلم قیادت کی عدم موجودگی میں باہم متحارب اسلامی امارتوں میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ وہ طولیدو کا قبضہ واپس لے سکیں۔ اس طرح عبرانی اور عربی لٹریچر کا یہ مرکز ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ تاہم کثیر المذہبی کلچر اور دانشورانہ عظمت جو 300 سال میں مسلمانوں نے متعارف کرائی قطعی طور پر غائب نہ ہوئی۔ یہ شہرال گریکو Elgreco کا آبائی شہر بنا اور آنے والے برسوں میں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان رواداری کی وجہ سے شہرت ملی جنھوں نے مسلمان فوج کے انخلاء کے باوجود وہاں رہنا پسند کیا۔ 1230ء میں طولیدو متحدہ ریاست کاسٹیلا ولیون کا دارالحکومت بن گیا۔

1085ء میں طولیدو میں مسلمانوں کی شکست اور عیسائیوں کے قبضے سے یورپ میں نہ صرف مسلمانوں کی پیشقدمی رک گئی بلکہ عیسائیت کے حوصلے بھی بلند ہو گئے جس کی سرحدیں مسلمانوں کی پیش قدمی کے باعث سکڑ کر رہ گئی تھیں۔ جب مسلمان طولیدو کا قبضہ واپس لینے میں ناکام رہے تو یورپ بھر میں طاقت کا ایک تازہ احساس پیدا ہو گیا، شکست خوردہ پاپائیت جو اب تک عیسائیوں کی مدد کرنے کے قابل نہیں تھی اب اپنے عقیدے اور یورپی خطے کی حفاظت کے لئے زیادہ تیار نظر آتی تھی۔

پہلی ہزاری (میلینیئم) کے اختتام تک عیسائیوں کو یکے بعد دیگرے نہ صرف سپین بلکہ مقدس سرزمین (فلسطین) میں بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ 1009ء میں فاطمی خلیفہ الحاکم بن امر اللہ نے مقدس چرچ کو مسمار کرنے کا حکم دیا جس سے یورپی دارالحکومتوں میں حقیقی خوف اور غم وغصہ پیدا ہوا، عیسائیت کا وجود خود بھی خطرے میں تھا۔ اگرچہ خلیفہ کے جانشین نے 1039ء میں تعلقات بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بازنطینی سلطنت کو چرچ دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دی لیکن مسلم عیسائی تعلقات کو بہت زیادہ نقصان پہنچ چکا تھا، فاطمی خلفاء اور یورپی مسیحی بادشاہوں کے درمیان اعتماد کا کافی فقدان رہا۔ عیسائیوں کے خلاف ریاستی کارروائیوں کی بسا اوقات بڑھا چڑھا کر خبریں یورپ بھر میں پھیل گئیں۔ ان خبروں پر کہ یروشلم میں بعض عیسائی زائرین کو قید کر لیا گیا ہے سے مسلمانوں کے خلاف

MashalBooks.org

بڑے پیمانے پر اشتعال پھیل گیا۔

مسلمان سلطنت کا واجبی سا تعلق سپین میں تھا جہاں خلافت کئی امارتوں میں تقسیم ہو چکی تھی اور کوئی مرکزی قیادت موجود نہیں تھی۔ جس وقت مسلمانان اندلس متحارب دھڑوں میں منقسم تھے پوپ الیگزینڈر دوم نے 1063ء میں ہسپانوی مسیحیوں کو دعا دیتے ہوئے ان کو تحریک دی کہ وہ مسلمانوں کو واپس افریقہ میں دھکیل دیں۔ پوپ نے عیسائی طاقتوں کو ایک پاپائی بشارت عطا کی اور مسلمانوں سے لڑتے ہوئے مرنے والوں کی ''نجات'' کا وعدہ کیا۔ سپین میں پوپ کے اس اقدام کے قسطنطنیہ میں بھی بازنطینی شہنشاہوں کی جانب سے مدد کی درخواستیں آئیں جنہیں سلجوقی ترکوں کے نئے خطرے کا سامنا تھا۔ 1074ء میں بازنطینی شہنشاہ مائیکل ہفتم نے پوپ گریگوری ہفتم سے مدد کی درخواست کی جبکہ 1095ء میں شہنشاہ الیکشیئس اول (Alexius I) نے پوپ اربان دوم کو اسی نوعیت کا مراسلہ بھیجا۔

27 نومبر 1095ء میں پوپ اربان نے فرانسیسی شہر کلیر مونٹ میں ایک پلیٹ فارم پر مقدس شہر یروشلم اور کلیسا Holy Speculchre مسلمانوں سے واپس لینے کے لئے صلیبی جنگ کا اعلان کیا۔ اکیسویں صدی کے جہادی ائمہ کی طرح پوپ اربان نے عیسائیوں پر زور دیا کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف ہلاکت خیز جنگیں بند کر دیں اور ''فلسطین پر قبضے'' کے لئے متحد ہو جائیں، ان جہادیوں کی طرح جو خودکش بمباروں کو جنت کی نوید سناتے ہیں پوپ اربان نے بشارت سنائی کہ جو عیسائی سپاہی ''کافروں'' سے لڑتے ہوئے مرے گا اس کی زندگی کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کا ٹھکانہ بہشت ہوگا۔ اگر فوجی محاذ سے زندہ واپس آ جاتا ہے تو بھی اس کی باقی ماندہ زندگی کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔ اس طرح صلیبی جنگوں کی شروعات ہوگئی اور کچھ رضا کار سپاہی یروشلم کو آزاد کرانے کے لئے مشرق کی طرف پیش قدمی کرنے لگے جبکہ بعض دیگر سپین کی فتح نو کے لئے تیار فوج میں شامل ہو گئے۔

اسلامی دنیا پر یورپ سے دو اطراف سے حملہ کیا گیا، 1085ء میں سقوط طولیدو کے بعد اندلس کو ہمیشہ کے لئے حملوں کی زد میں رہنے والے ملک کی حیثیت حاصل رہی۔ گیارہویں صدی کے بعد سے اندلس متحارب مسلمانوں کی ایسی ڈھیلی ڈھالی کنفیڈریشن بن

MashalBooks.org

چکا تھا جہاں ہر گروپ اپنے قبائلی تعلق اور اسلام کو اپنی بالادستی کے جواز کے طور پر پیش کرنے میں لگا ہوا تھا۔ صرف طولیدو کا حکمران ہی نہیں جو عیسائی دشمن کی فوج سے جا ملا تھا بلکہ مسلمانوں کو کئی مواقع پر ان کے غدار لیڈروں نے دھوکے دیئے۔ 1099ء میں یروشلم بھی صلیبیوں کے ہاتھ فتح ہو گیا اور اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ وہاں کی اشرافیہ کے بعض افراد نے اپنے مسلمان مخالفین کو ہزیمت پہنچانے کے لئے حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا۔

طولیدو کے بعد 1115ء میں عیسائی فوج نے سراگوسا فتح کر لیا اور پھر پرتگال کے الفانسو اول نے 1147ء میں لزبن پر قبضہ کیا۔ جیسے جیسے عیسائی فوجیں پیش قدمی کر رہی تھیں اندلس کی درجن بھر ریاستوں کے امراء پر لرزہ طاری ہو رہا تھا۔ ان کی بقا خطرے میں تھی۔ لہٰذا انہوں نے مراکش اور جنوبی افریقہ میں بربر ریاستوں کو مدد کی درخواستیں بھیجیں جس پر المروی حکمرانوں نے مثبت جواب دیا۔ انہوں نے ایک فوج سپین بھیجی جس نے عیسائیوں کو واپس لیون کی طرف دھکیل دیا۔ اہل اندلس کو عیسائیوں کے خطرے سے بچا لیا گیا لیکن اس کی قیمت ادا کرنا پڑی، حملہ آور بربروں کا واپس افریقہ کے قبائلی ماحول میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آسائشوں کا ماحول، زرخیز زمین اور خوبصورت عورتیں ان کے وہاں قیام کے لئے کافی جواز تھا۔ جیسا کہ باج یہاں پناہ لینے کے لئے آیا تھا اور پھر اس نے واپس جانے سے انکار کر دیا، بالکل ویسا ہی المرویوں نے کیا لیکن ان کے حد سے زیادہ قدامت پسند اسلامی نظریے نے اندلسی معاشرے کو تہہ و بالا کر دیا۔ اندلسی لوگ بنیاد پرست اسلام سے ناآشنا تھے لیکن ان کے المروی نجات دہندگان نے مراکش کے پہاڑوں اور صحراؤں کی سختی سپین کے سرسبز پہاڑوں اور خوشنما وادیوں پر مسلط کر دی۔ ان کی سپین پر حکمرانی محض 40 برس برقرار رہی۔ 1145ء میں مسلم سپین ایک بار پھر پے در پے جنگوں میں گھر گیا۔ متحارب ریاستیں نہ صرف زمین بلکہ شاعروں اور دوسرے علاقوں کے فنکاروں کو بھی اکساتیں تاکہ ان سے اپنے دربار کی شان بڑھائی جا سکے اور اپنے ثقافتی ذوق کا رعب جمایا جائے۔ شمال سے عیسائیوں کا خطرہ ابھی سر پر منڈلا رہا تھا کہ 1146ء میں جنوب سے الموحدون نے حملہ کر دیا، ان لوگوں نے حال ہی میں مراکش میں المرویوں کا اقتدار ختم کر کے ان کا قتل عام کیا تھا۔

موحدین آج کے طالبان کے مماثل تھے۔ ان کی فوج نے اندلس کو مکمل انہدام

سے بچا لیا لیکن انہوں نے ایک منظّم طریقے سے اس ثقافت کا نام ونشان مٹا دیا جو ان کی بنیاد پرستی کے لئے خطرہ تھی، جبل الطارق پر طارق بن زیاد کے قدم رکھنے کے بعد پہلی بار تمام غیر مسلموں کوا سلام قبول کرنے کا حکم دیا گیا، اندلسی تہذیب کو اب دوطرفہ خطرے کا سامنا تھا: شمال میں عیسائی اور جنوب میں اسلامی انتہا پسند۔ یہ دونوں آنے والے عشروں میں لڑتے رہے اور اندلس ایک غلام ریاست میں تبدیل ہوگیا، جس کی لگام غیر ملکیوں کے ہاتھ میں تھی۔

الموحدون چاہتے تو عیسائیوں کی فتح نو سے دیرپا انداز میں نمٹ سکتے تھے لیکن مسلمان اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہے۔ 1195ء میں موحد فوج نے کاسٹیل کے شاہ الفانسوسوئم کو الرکوس کے مقام پر فیصلہ کن شکست دی لیکن طولیدوسمیت گزشتہ صدی میں چھینے گئے کسی شہر کو واپس لینے کی کوشش نہ کی۔ موحد خلیفہ جسے مراکشی خطے کے بارے میں زیادہ تشویش تھی واپس شمالی افریقہ چلا گیا۔ جس سے عیسائی فوجوں کو دوبارہ منظّم ہونے کا حوصلہ ملا۔

1211 تک موحدین نے کوئی نیا حملہ نہ کیا، اس سال حملے کے بعد باہم دست و گریبان عیسائی قوتیں پوپ کی حمایت سے مجتمع ہوگئیں۔ الفانسوسوم کی کمان میں عیسائیوں نے جولائی 1212ء میں لاس نواس ڈی طولوسا کے مقام پر موحدون کو بڑی شکست سے دو چار کر دیا، عیسائیوں نے پہاڑوں میں سے خفیہ راستہ تلاش کر کے مسلمانوں پر پشت سے حملہ کر دیا۔ الفانسوسوم اور لیون، کاسٹل، آراگون، نوارا اور پرتگال کی فوجوں نے الموحدون کوغفلت میں جا لیا۔ عیسائیوں نے بے خبر ایک لاکھ مسلمان فوجیوں کو تہہ تیغ کر ڈالا اور موحد خلیفہ محمد النصر افریقہ کو بھاگ گیا۔ اس کی شکست کے بعد مسلمانوں کے معزز رہنما یوسف بن ناصر نے عیسائیوں کے ساتھ مذاکرات کر کے تمام مسلمان فوجوں کوغرناطہ کی ریاست تک محدود کر دیا۔ یوں 1232ء میں ناصری بادشاہت کا آغاز ہوا، جو سپین میں مسلمانوں کی آخری بادشاہت ثابت ہوئی۔

سپین کے متحدہ کاسٹل صوبوں کے موجودہ حکمران فرڈی نینڈ سوم نے عیسائیوں کی پیشقدمی جاری رکھی۔ 1236ء میں قرطبہ، 1230 میں میورکا، ویلنشیا 1236ء، سویل 1248 اور الگارو 1248ء میں فتح کر لیا گیا، اسلامی سپین اب صرف غرناطہ تک محدود تھا، جنوبی

MashalBooks.org

پہاڑوں میں الجسرا اور المیریا کے درمیان تک۔ موت کا ایک طویل اور سست رفتار عمل جاری رہا لیکن آئبیریا سے آخری مسلمان کی بے دخلی اور سپین سے اسلام کے مکمل خاتمے میں مزید ڈھائی سو سال کا عرصہ لگا۔

سپین میں عیسائی فوجوں کی پیش قدمی کے ساتھ احتساب کا بھوت بھی در آیا۔ صلیبی جنگوں کی طرح اس احتساب کی جڑیں بھی پاپائیت میں تھیں۔ 1208ء میں صلاح الدین کے ہاتھوں شکست کے بعد کیتھولک کلیسا نے اپنی توجہ یورپی عیسائیوں کی طرف مبذول کی جو اس کے نزدیک مذہبی نظریے پر عمل نہیں کر رہے تھے۔

پوپ انوسنٹ سوم نے البائجنسی صلیبی جنگ Albigensian Crusade کا اعلان کر دیا لیکن یہ جنگ کافروں کے خلاف نہیں بلکہ جنوبی فرانس کے عیسائی فرقے کیتھری کے خلاف تھی جنہیں الجنسی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، یہ لوگ پوپ اور رومن کیتھولک چرچ کے خلاف انتہائی جارحانہ رویہ رکھتے تھے۔ ویٹی کن کے ارباب اختیار کو جس چیز پر زیادہ تشویش تھی وہ کیتھری کا یہ عقیدہ تھا کہ موت کے بعد روح کسی اور شکل میں واپس زمین پر آتی ہے، اس کے علاوہ یہ لوگ ہندوؤں اور زرتشیوں کی رسومات سے ملتی جلتی روایات پر عمل کرتے تھے، انہیں پروٹسنٹ کا نام دیا گیا۔

پوپ کے فرمان پر 15 سے 20 ہزار عیسائی سپاہیوں نے مثبت جواب دیا اور اس لشکر نے کیتھریوں کی اکثریت والے علاقوں پر دھاوا بول دیا۔ جنونیوں کی اس فوج کی قیادت پوپ کا متعصب نمائندہ آرنلڈ اموری کر رہا تھا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کیتھولک اور کیتھری عیسائیوں میں کیسے فرق کرے گا، اس نے جو جواب دیا وہ عیسائیت کی تاریخ کی بدنام ترین ضرب المثل بن گئی، ایبٹ آرنلڈ آموری نے کیا: ''ان سب کو قتل کر دو، خدا خود ہی فرق کرے گا۔'' اس کے بعد جو قتل عام کیا گیا اس میں عیسائیوں نے اپنے ہی ہم مذہب 25 ہزار افراد کو ہلاک کر دیا۔ یہ قتل عام 40 سال تک جاری رہا، بچے کچھے کیتھری جان بچا کر سپین چلے گئے جہاں انکوئزیشن (ظالمانہ احتساب) کا جنم ہوا۔

جس وقت مسلمان جنوب کو پسپا ہو رہے تھے تو آراگون میں 1238 میں پہلی بار احتساب عمل میں لایا گیا لیکن اس کی شدت فرانس میں احتساب سے کم تھی۔ کاسٹیل لیون اور پرتگال نے 1376ء تک احتساب متعارف نہیں کرایا تھا۔ مسیحی احتساب کی حقیقی دہشت

زیادہ واضح ہو رہی تھی کیونکہ مسلمان سلطنت سپین کے آخری کنارے پر غرناطہ تک سکڑ چکی تھی۔ جیسے ہی مسلمان زوال پذیر ہوئے یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا وہ کثیر المذہب کلچر جو صدیوں سے قائم تھا۔ خدا کے نام پر قتل و غارت پر منتج ہوا، فروری 1481ء میں سلطنت غرناطہ کی سرحدوں کے باہر 6 عیسائیوں کو لٹکا کر زندہ جلا دیا گیا۔ اسی طرح سیویل جو کبھی موسیقی، رقص اور شاندار کلچر کا حامل شہر تھا میں 288 افراد کو زندہ جلا کر بھسم کر دیا گیا۔ جبکہ سینکڑوں دیگر افراد کو عمر قید کی سزا دی گئی۔ جب آخری مسلمان ریاست نے بھی عیسائی فوج کے سامنے ہتھیار ڈالے تو احتساب کے تحت نیا حکم نامہ جاری کیا گیا کہ: تمام مسلمان اور یہودی یا تو زبردستی کیتھولک عیسائیت قبول کر لیں، سپین چھوڑ دیں یا موت کا سامنا کریں۔غرناطہ کے نواح میں ایک مقام ہے جہاں آخری مسلمان بادشاہ رک کر رو پڑا تھا اور آنسو بہانے پر اس کی ماں نے اس کی ملامت کی تھی۔

گزشتہ چند دہائیوں میں دنیا بھر سے مسلمان سیاح غرناطہ کے اس مقام کو دیکھنے کے لئے آنا شروع ہو گئے، انہیں حیرت ہوئی کہ اندلس جیسی شاندار تہذیب کیسے اس طرح کے انجام کو پہنچ سکتی تھی لیکن محض چند ہی مسلمان ہماری ان ناکامیوں کے تنقیدی تجزیے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ اکثر جوابات میں غداروں جو کہ کئی تھے کو موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے اور پھر یہ کہا جاتا ہے کہ خدا نے ہمیں اسلامی احکامات کے عین مطابق زندگی نہ گزارنے کی سزا دی۔ کچھ مسلمان اسلام کے غلط استعمال اور قبائلیت اور نسل پرستی اور سیاسی اداروں کی عدم موجودگی کو زوال کی وجوہات قرار دیتے ہیں۔

مسلمانوں کی ہر ناکامی کے پیچھے جانشینی اور اس ہوائی بے معنی شے کا سوال کار فرما رہا جسے ہر سلطان اور خلیفہ نے پانے کی کوشش کی، وہ ہے اسلامی ریاست اور اسلامی شریعت کے تحت حکمرانی۔ مسلم سپین اور اسی طرح تمام اسلامی سلطنتیں جائز جانشینی کے معاملے پر متفق ہونے میں ناکام رہیں۔ کسی قانون یا الہامی ہدایت کی عدم موجودگی کے باعث جانشینی کے مسئلے پر مسلمانوں میں اتنے بڑے پیمانے پر خونریزی ہوئی جس کی شدت عیسائیوں، ہندوؤں اور یہودیوں کے ساتھ ہونے والے کسی بھی تصادم سے زیادہ رہی۔ انتقال اقتدار اور اسلامی ریاست کے قیام کی مستقل اور انتہائی خواہش نے مسلم امہ کو اس جھوٹے خواب کا قیدی بنا رکھا ہے۔ چاہے یہ مراکش کے موحدون تھے یا ہندوستانی مغل

MashalBooks.org

شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی اسلام کی زبردستی ترویج کی کوشش تھی، اس کا نتیجہ صرف ایک نکلا تباہی۔ خلافت یا اسلامی ریاست کے قیام میں مسلمانوں کی بے بسی کی اس سے اچھی منظرکشی کوئی اور نہیں کر سکا جو بارہویں صدی کے ترکمانی مورخ تاج الدین ابوشہرستانی (1086-1153) نے پیش کی انہوں نے کہا کہ:''خلافت کے مسئلے سے زیادہ کسی اور معاملے میں اتنی خونریزی نہیں ہوئی۔'' شہرستانی کے ان الفاظ کے کئی سو سال بعد بھی مسلمانوں کا خون بہتا رہا اور آج بھی بہہ رہا ہے کیونکہ اقتدار کی خواہش مند اسلام پسندوں کی ہرنئی پود اپنی ہوس کو اسلام کے پردے میں چھپاتی رہی۔

انتقال اقتدار کے لئے سنیارٹی کا جو نظام مسلمانوں کو عرب قبائل سے ورثے میں ملا وہ زیادہ دیر پا ثابت نہ ہو سکا اور جلد اس کی جگہ موروثی نظام نے لے لی۔ اگر وہی نیا نظام اپنا لیا جاتا تو انتقال اقتدار کا مسئلہ خون خرابے کے مستقل سلسلے کی صورت میں نہ ابھرتا رہتا، بہرحال تمام سلطنتوں کے بادشاہ اس نظام کی تقلید کرتے رہے۔ البتہ ابتدائی عرب مسلمانوں نے جو نظام اختیار کیا وہ بھی کسی حد تک موروثی جانشینی کا تھا لیکن اس کے ساتھ انہوں نے متوازی قبائلی سنیارٹی کو ملحوظ رکھا۔ قبائلی روایت کے احترام کے نام پر اور زبانی اتفاق رائے کے دعوے کرنے سے کوئی بھی انتقال اقتدار پرسکون طریقے سے ممکن نہ ہو سکا۔ 14 اموی خلفاء میں سے صرف 4 کے بیٹے ان کے جانشین بن سکے۔

سپین میں امویوں نے موروثی نظام انتقال اقتدار اختیار کیا لیکن سب سے بڑے بیٹے کو جانشین مقرر کرنے کی بجائے موزوں ترین بیٹے کے تقرر کا تصور متعارف کرایا گیا، یہ طریقہ کار اتنا ذاتی تھا کہ ہر شہزادہ اور اس کی ماں سمجھتے تھے کہ وہی سب سے زیادہ موزوں ہیں، چنانچہ ہر ہسپانوی مسلم امیر یا خلیفہ کی موت کے بعد اقتدار کی کشمکش شروع ہو جاتی۔ آخر اس بات کا فیصلہ کون کرتا کہ کون سا شہزادہ سب سے زیادہ موزوں ہے؟

سپین میں نسلی اختلاط اتنا تھا کہ کاسٹلی ماؤں سے پیدا ہونے والے نیلی آنکھوں اور سنہری بالوں والے شہزادوں کو اقتدار کے لئے اپنے قریشی پس منظر کے حامل سیاہ رنگت والے سوتیلے بھائیوں کا مقابلہ کرنے کا بمشکل ہی اہل سمجھا جاتا کیونکہ مکی نسل والے کو زیادہ حیثیت والا سمجھا جاتا تھا۔

ایک اور پہلو جس پر چند سکالروں نے ہی توجہ کی ہے وہ حکمران بادشاہوں کے

MashalBooks.org

حرموں اور کثیر تعداد میں بیویوں کا کردار ہے، ان حرموں نے کسی تخت کے امیدوار درجن بھر ولی عہدوں کی کشمکش میں بھی نتائج ظاہر کیئے۔ عیسائی بادشاہوں کی بھی کئی داستانیں ہوتی تھیں لیکن کیتھولک عقیدے کے باعث ان کی ملکہ ایک اورتخت کے محض چند ہی وارث ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ یورپ میں رواج تھا کہ سب سے بڑے بیٹے کو تخت سے انکار کا حق حاصل تھا لیکن وہ شاید ہی کبھی انکار کرتا۔

سلاطین کے حرموں کو محلاتی سیاست میں پیچیدہ حیثیت حاصل تھی۔ داشتاؤں کا ذکر رہنے دیں، حریف بیویاں حسد کے جذبات کے ساتھ اپنے، اپنے بیٹوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی تھیں، یہ خوف کہ کسی اور خاتون کا بیٹا میرے بیٹے سے آگے نہ نکل جائے ریشہ دوانیوں اور ڈرامے کا مستقل سلسلہ جاری رکھنے کا باعث تھا۔ جو لوگ تاج حاصل کرنے میں ناکام رہتے یا انہیں مسترد کر دیا جاتا وہ خاندانی رنجشوں کا ذریعہ بن جاتے اس طرح نیا حکمران کمزور ہو کر موثر حکمرانی کے قابل نہ رہتا یہاں تک کہ وہ بھائیوں، سوتیلے بھائیوں، چچاؤں اور بسا اوقات سوتیلی ماؤں کو نکال باہر کرتا۔ اس روش کو قبل از اسلام کی ایک عرب روایت سے زیادہ تقویت ملی، ابتدائی اموی دور کے شاعر لقطمی نے اس رویے کو اس طرح بیان کیا ہے: ''ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اپنے ہمسایوں اور اپنے بھائیوں پر حملے کریں، جب ہمیں حملہ کرنے کے لئے کوئی نہیں ملتا تو اس کے لئے ہمارا بھائی تو ہے نا۔''

حتیٰ کہ جب غرناطہ کے عیسائی دشمنوں (اور صرف مشرق میں سمندر دشمن نہیں تھا) نے محاصرہ کر رکھا تھا تو بھی حکمران ناصری خاندان اپنے اقتدار کی مضبوطی اور کسی قسم کی یکجہتی میں ناکام رہا۔ غرناطہ پر 1461ء سے 1491ء کے درمیان حکومت کرنے والے آخری تین سلطانوں کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح مستحکم سیاسی اداروں کی عدم موجودگی اور پندرہویں صدی کے قبائلی کلچر کا نفاذ اندلس کے دنیا کے نقشے سے غائب ہونے کا باعث بنا۔ جس سے یہ سوال اٹھتا ہے: اگر ساتویں صدی کا نسخہ پندرہویں صدی کے مسلمانوں کی بیماری کا علاج کرنے میں ناکام رہا تو یہ علاج اکیسویں صدی میں مسلم امہ کے لئے کیونکر کارگر ہو سکتا ہے؟

بارہویں صدی کے اختتام تک اندلس اسلامی سے زیادہ عرب مملکت تھا۔ یقیناً سلاطین مسلمان تھے، حقیقی معنوں میں مومن تھے لیکن مذہب نے ان کی حکمرانی پر اثر نہیں

MashalBooks.org

ڈالا۔ اس کے تحت ان کے بطور حکمران کو کم ہی جواز ملا تھا۔ اس دور نے سیکولر فکر، دانشوروں اور داناؤں کے احترام کی محفوظ فضا فراہم کی کیونکہ یہ لوگ محلاتی ریشہ دوانیوں کا حصہ نہیں تھے لیکن شمالی افریقہ کے المرویوں اور موحدین کی مداخلت سے اس سرزمین کا کلچر بتدریج عدم رواداری اور اسلامی نوعیت کے لحاظ سے سخت گیری کی طرف چلتا گیا۔ تیرہویں صدی میں رونما ہونے والی اس تبدیلی کی وجہ سے ہی اندلس سکڑتے سکڑتے جنوب مشرق میں غرناطہ کی امارت تک محدود ہو گیا۔

خلیفہ امیر کے پاس شاید ہی مذہبی یا سیکولر لیڈر ہونے کا کوئی اختیار ہوتا تھا، بادشاہ کی مطلق العنانی کا مطلب تھا کہ بادشاہ اگر کمزور ہوا تو پوری سلطنت کمزور ہو جاتی اور اگر وہ نااہل ہے تو بھی اسکا خمیازہ پوری رعایا کو بھگتنا پڑتا، چیک اینڈ بیلنس نہ ہونے کا نتیجہ سخت عدم استحکام کی صورت میں نکلا اور یہی عدم استحکام حضورؐ کے انتقال کے بعد سے اسلامی ریاست کا حصہ چلا آ رہا تھا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اسلام پسند اس ابتری کو مسلمانوں کے مسائل کا علاج اور معاصر مغربی سیکولر جمہوریت کا متبادل قرار دیتا ہے۔

غرناطہ اب شمال کے تمام شکست خوردہ عمائدین کا مسکن تھا، جنہیں اقتدار اور دولت دونوں سے محروم کر دیا گیا۔ ماضی میں زندہ رہنے والے یہ ستم گر دوبارہ اپنی حکومتوں کی واپسی کے خواب دیکھتے تھے لیکن عملی طور پر ان کے پاس کوئی منصوبہ تھا نہ صلاحیت۔ کہا جاتا ہے کہ اس ننھی سی ریاست میں تقریباً 30 لاکھ افراد رہتے تھے اور وہاں امیر اور غریب کے درمیان فرق بتدریج واضح ہو رہا تھا، وہ زوال جو وقوع پذیر ہو چکا تھا اس نے اس منظر نامے کو جنم دیا جسے ادبی حلقے ''موروں (مسلمانوں) کی آخری ہچکی'' قرار دیتے ہیں۔

چودھویں صدی کی اس اشرافیہ میں ایسے دانشور سیاستدان اور اتالیق بھی تھے جنھوں نے عدلیہ اور سفارتکاری کا بھی کردار ادا کیا۔ ان میں سے ایک نام عبدالرحمان ابو زید ولی الدین ابن خلدون کا بھی ہے جو ابن خلدون کے طور پر مشہور ہیں۔ اگرچہ وہ بربر افریقی تھا لیکن خود کو یمنی نسل کا فرد قرار دیتا تھا، ابن خلدون نے تاریخ کے مطالعے کا علم تخلیق کیا اور تہذیبوں کے عروج و زوال کی وجوہات کے تعین کا سائنسی طریقہ بھی ایجاد کیا۔ اس نے سماجی تصادم کا ایک نظریہ تیار کرتے ہوئے شہر بمقابلہ صحرا کے تناقض کا فارمولا بنایا۔ اس طرح اس نے نسل (Generation) کا تصور پیش کیا کہ جب صحراؤں کے جنگجو کو کوئی

شہر فتح کرتے ہیں تو اقتدار کو ناگزیر نقصان پہنچتا ہے۔ اس کا استاد مشہور مفکر ابن رشد کا شاگرد تھا۔ اسے عقلیت پسندی کا تصور ورثے میں ملا لیکن اس نے اس کے ساتھ الہامی مداخلت کو بھی ملا دیا، جو اس کے نزدیک اس بات کی وجہ تھی کہ بعض تہذیبیں ازل سے ابد تک باقی رہیں جبکہ دیگر کا وجود مٹ گیا۔ ابن خلدون کا تہذیبوں کا نظریہ آج کی ترقی اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ماڈلوں کے قریب،قریب ہے۔ اس نے کتاب ''المقدمہ'' لکھی جس میں اس نے تاریخ کا عقلی فلسفہ پیش کیا، اس نے شمالی افریقہ کی تاریخ بھی لکھی۔

المقدمہ میں ابن خلدون نے عربوں کی عصبیت کے تصور پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ جب کوئی معاشرہ عظیم تہذیب بن جاتا ہے اور خطے پر چھا جاتا ہے تو اس عروج کے بعد زوال کا دور آتا ہے۔ اس کا تجزیہ ہے کہ زوال پذیر تہذیب کو فتح کرنے والے نسبتاً بربریت ذہن کے حامل ہوتے ہیں۔ ممکن ہے اس کا اشارہ اندلس پر یلغار کی تیاری کرنے والے عیسائیوں کی طرف ہو لیکن اس کا نظریہ عرب بدوؤں کے ہاتھوں ایران اور روما کی سلطنتوں کی فتح پر بھی منطبق ہوتا ہے جن کے لئے ابن خلدون کے دل میں زیادہ قدر نہیں پائی جاتی۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ جب غیر شائستہ افراد کا گروہ کسی زوال پذیر تہذیب پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ ان کے آرٹس، ادب اور دانشورانہ طرز عمل کے اعلیٰ ذوق کا قیدی بن جاتا ہے۔

ابن خلدون کے دور میں پوری اسلامی دنیا انتہائی ابتری کے دور سے گزر رہی تھی۔ فلسطین اور یروشلم حال ہی میں صلیبی جنگوں کے سانحے سے باہر نکلے تھے۔ 1258ء میں منگولوں نے عباسی خلافت کا رہا سہا دم خم بھی نکال دیا تھا، بغداد میں قتل عام کرتے ہوئے شہر کو آگ لگا دی تھی خود ابن خلدون کے اپنے غرناطہ میں ہسپانوی عیسائیوں کی تحریک ''ختم نو'' ناقابل مزاحمت بنتی جا رہی تھی۔

ابن خلدون کا موقف ہے کہ عرب قبائلیت کا نتیجہ موروثی نسلی قسم کی حکومت میں نکلا اور یہ بدوی اور شہری طرز زندگی دونوں میں سرایت کر گیا۔ انہوں نے کہا کہ اس تضاد کے اندر ہی تباہی کے بیج بو دیئے گئے۔ انہوں نے پیشنگوئی کی کہ بندوبستی آبادی اور حکمران طبقے کا پرتعیش طرز زندگی لوگوں کی بقا اور لڑائی کی صلاحیت بالخصوص خانہ بدوشوں کی خصوصیات پر سمجھوتہ کرے گا، ابن خلدون نے سپین کے مسلمانوں میں زوال کے آثار محسوس

MashalBooks.org

کر لئے تھے اور اگر آج وہ زندہ ہوتا تو وہ یہی کچھ امریکہ اور اس کے عالمی استعماری نظریے کے بارے میں کہتا۔ ابن خلدون نے لکھا کہ اپنی یہ ضرورت پوری کرنے کی خواہش سے مغلوب لوگوں کو جلد اخلاقی انحطاط کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے نتیجے میں اندرونی زوال یا ختم کے باعث حکومتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ابن خلدون کا غرناطہ کی ناصری بادشاہت تک پیغام پہنچنے میں تاخیر ہوچکی ہو لیکن یہ آج کی مغربی تہذیب کے لئے بھی قابل عمل ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔ غرناطہ میں آخری 3 عشروں میں 3 سلطان اقتدار کی میوزیکل چیئز کا کھیل کھیلتے رہے، ان میں دو بھائی مولے ابوالحسن اور محمد الذاغل اور ابوالحسن کا بیٹا ابوعبداللہ محمد شامل تھے، آخر سلطان غرناطہ ابوعبداللہ کو بوب دل کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

ابوالحسن جو 1461ء میں اپنے والد سعد کو معزول کرنے اور اسے سالوبرینہ کے قلعے میں قید کرنے کے بعد شاہ خلیفہ بنا، کو پتہ چلا کہ اس کے بھائی الذاغل نے ہمسایہ شہر ملاگا پر قبضہ کر لیا ہے، دشمن ان کی گردن تک پہنچ چکا تھا لیکن اندلس کی باقی ماندہ اشرافیہ قصاب کی دکان پر بھوکے کتوں کی طرح لڑ رہی تھی، ابوالحسن مرحوم سعد کا بڑا بیٹا تھا لیکن الذاغل کو عوامی حمایت حاصل تھی۔ ایک بار پھر جانشینی کے کسی قاعدے کی عدم موجودگی مسلمانوں کو ڈس رہی تھی چاہے وہ سپین کے ایک کونے میں بے یار و مددگار ہی پڑے تھے۔

مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی کہ الذاغل کو اپنی امارات کو درپیش خطرے کا ادراک تھا اور اس نے اسلامی تاریخ میں کم ہی نظر آنے والی انسان دوستی اور علی ابن طالبؓ کے رویے کا اعادہ کرتے ہوئے اپنے بھائی سے رابطہ کیا اور کہا کہ غرناطہ کے عوام کے وسیع تر مفاد میں کام کرنے کے لئے امن قائم کیا جائے۔ اس طرح خانہ جنگی کا خطرہ ٹل گیا اور ابوالحسن نے اپنے 22 سالہ دور کا آغاز کیا، اس کے پرہوس میلان طبع اور شراب اور عورت کے لئے اس کی حرص سے ثابت ہوا کہ امہ کے مفادات کا تحفظ اس کی نچلی ترین ترجیح تھا جہاں جنوب سے بربروں کے حملوں نے محدود فوجی وسائل کو نقصان پہنچایا وہاں عیسائی فوجوں کے حملوں میں اپنی زمینوں اور جائیدادوں سے محرومی پر عمائدین اور ان کے حامی مایوسی کا شکار تھے اور اس سے صورتحال دھماکہ خیز بن گئی۔ قبائلی شورش کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے سلطان نے ایبنسراجی (Abencerrges) کے لیڈروں کو الحمراء کے عظیم ہال میں بظاہر مشاورت کے

لئے مدعو کیا اور جب وہ سب وہاں جمع ہو گئے تو انہیں تہہ تیغ کر ڈالا۔

اس اقدام سے مولی حیشن (عیسائی ابوالحسن کو اس نام سے پکارتے تھے) کو شاید عارضی طور پر فائدہ ہوا ہو گا لیکن اس سے غیر مستحکم سلطان کے خلاف گہری نفرت پیدا ہو گئی۔ اس دوران ایک قبیلے جس نے 1429ء میں محمد نہم کو برطرف کیا تھا نے اعلان کیا کہ وہ خلیفہ کے کسی بھی مخالف سے تعاون کرے گا، ممکن ہے ابوالحسن خون خرابے سے راحت محسوس کرتا ہو لیکن اس طرح اس کے اقتدار کی وقعت بے معنی ہو گئی، حالانکہ وہ اپنے طاقتور عیسائی ہمسایوں کے خلاف طاقت کا ارادہ رکھتا تھا۔

1453ء میں ابوالحسن کے دادا خلیفہ محمد دہم نے حکمرانوں کو خراج کی ادائیگی پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے امن کی ضمانت مانگی تھی، 10 سال تک کاسٹل ریاست کو خراج ادا کیا جاتا رہا اور مغربی محاذ پر ایک قسم کا امن قائم رہا۔

تاہم 1476ء میں ابوالحسن نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا جس پر نئی نئی معرض وجود میں آنے والی ہسپانوی سلطنت جو ملکہ ازابیلا اور شاہ فرڈی ننڈ کی شادی کا نتیجہ تھی میں زبردست احتجاج کیا تھا۔ جب ہسپانوی بادشاہ جوڑے نے ایلچی بھیجا تو روایت کے مطابق اس نے کہا: ''غرناطہ کی ٹکسال اب سونے نہیں لوہے کے سکے ڈھالتی ہے۔'' سفارتکاری کی ناکامی پر جنگی سلسلے کا آغاز ہوا اور جارحیت میں پہل ابوالحسن نے کی، اس طرح اس نے اندرونی خلفشار اور بالآخر اندلس کے ناگزیر سقوط کی راہ ہموار کر دی۔

1481ء میں خلیفہ ابوالحسن نے عیسائی حدود کے اندر حملہ کر کے قلعہ زہرہ پر قبضہ کر لیا اور کئی افراد قیدی بنا لئے۔ کچھ حلقوں نے نئی مملکت سپین پر حملے کے آغاز کی سوچ پر اعتراض کیا لیکن بعض دیگر مشیروں نے اس مشورے کو ابوالحسن کی مردانگی پر ضرب قرار دیتے ہوئے حملے جاری رکھنے کو کہا۔ قلعہ زہرہ پر قبضے اور عیسائیوں پر فتح حاصل کرنے کے باوجود اہل غرناطہ میں مکمل سکوت تھا، ایک غرناطی فقیہہ الفلکی نے اس موقع پر کہا کہ ''خدا بیڑہ غرق کرے، قلعہ زہرہ کے کھنڈرات کا ملبہ ہمارے سروں پر آن گرے گا، مسلمان ریاست کے دن اب گنے جا چکے ہیں۔''

قلعہ زہرہ پر قبضے کی اہمیت سے صرف الفلکی پریشان نہیں تھا، یہ شاہ فرنینڈو کا دادا تھا جس نے یہ قلعہ مسلمانوں سے چھینا تھا لہٰذا یہ سپین کے نئے بادشاہ کی ذاتی بے عزتی تھی

MashalBooks.org

اور اس نے حتمی حل کی راہ تلاش کرنا شروع کر دی لیکن اسے اس بات کا بھی اندازہ تھا کہ غرناطہ کی کمزوریوں کے باوجود اس کی فوجی طاقت کا غلط اندازہ نہیں لگانا چاہئے۔

عیسائیوں کا ردعمل تاخیر سے آیا لیکن جب یہ جواب سامنے آیا تو انتہائی تیز رفتار اور تکلیف دہ ثابت ہوا۔ فروری 1492ء کی سرد تاریک رات میں رارڈ آف کارڈز یونس ڈی لیون نے الہامہ کے قصبے پر اچانک حملہ کیا جو غرناطہ اور ملاگا کی سڑک پر واقع تھا، یہ قلعہ جو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا اور اس پر پہلے کبھی حملہ نہیں ہوا تھا کسی مشکل کے بغیر فتح کر لیا گیا۔ اس شکست کا دھچکا کافی سخت نکلا۔ ابوالحسن کی طرف سے شہر کا قبضہ واپس لینے کی کئی کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ دست بدست لڑائی میں مسلمانوں کو قلعے کا حصار توڑنے کے باوجود واپس دھکیل دیا گیا۔ بچے کھچے اندلس پر تاریکی کے سائے لہرا رہے تھے، دشمن اب دارالحکومت سے صرف 40 کلومیٹر دور تھا۔ نقصان پر ششدر خلیفہ نے فرمان جاری کیا کہ الہامہ کے سقوط کی بات کرنے والے ہر شخص کا سر قلم کر دیا جائے گا۔

جس وقت عیسائیوں نے غرناطہ کا ناطقہ بند کر رکھا تھا ابوالحسن کو ایک اور بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ بغاوت اس کے اپنے بیٹے بوب دل نے کی اور اپنے چچا کے ساتھ گورڈکس (Gudsix) کے قصبے کی طرف فرار ہو گیا اور وہاں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اور ایسے وقت جب اتحاد کی ضرورت تھی اس چھوٹی سی امارت کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس اچانک ابتری کے پس پردہ عزائم امارت کی حرم والی سیاست کا شاخسانہ تھے۔ ابوالحسن کی پہلی بیوی اور باغی شہزادے کی ماں عائشہ تھی لیکن ابوالحسن ایک عورت ثریا جو اس کی بیوی یا غالباً داشتہ تھی سے متاثر تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ عائشہ کو خدشہ لاحق ہوا کہ ثریا کے اثر و رسوخ سے خلیفہ اپنا فیصلہ تبدیل نہ کرے اور اس کے بیٹے کو جانشینی سے ہٹا نہ دیا جائے۔ اپنے بیٹے کے حق حکمرانی کا دعویٰ یقینی بنانے کے لئے اس نے علیحدگی کا منصوبہ تیار کیا۔ یہ تو ایسی ہی مثال تھی کہ ٹائٹینک ڈوب رہا تھا اور حکمران طبقہ اقتدار کے لایعنی کھیل میں مگن تھا۔

بہرحال کچھ بھی تھا، دم توڑتے ہوئے غرناطہ پر آخری ایام میں دو سلطان حکومت کر رہے تھے، ہر ایک اشتعال انگیز لشکر کشی سے اپنی رعایا کی وفاداریاں حاصل کرنے میں لگا تھا لیکن اس کا نتیجہ تباہی کی صورت میں نکلا دونوں اپنے مردہ فوجیوں اور عسرت زدہ عوام کی پشت پر بہادری کا ثبوت دینے میں مصروف تھے۔ اپنے باپ کو غیر فعال کرنے کے لئے

MashalBooks.org

بوب دل کی بدقسمتی کہ اس نے عیسائی خطے میں حملہ کر دیا جہاں اسے گرفتار کر کے 2 سال تک قید رکھا گیا۔

آخر کار اسے رہا کر دیا گیا لیکن اس کے 2 بیٹے بدستور عیسائیوں کی قید میں رہے۔ عیسائیوں نے بوب دل کو اچھی طرح مسلح کر کے کہا کہ وہ غرناطہ کے اندر شورش برپا کر دے اور وہ خود اس ریاست پر حتمی کنٹرول کرنے کی تیاری کرنے لگے۔

1485ء میں بیمار ابوالحسن نے اقتدار اپنے بھائی محمد بن سعد الذاغل کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا، حکومت سنبھالنے کے ایک سال بعد ہی اسے بوب دل کا سامنا کرنا پڑا جس نے عیسائی سلطنت سے اتحاد قائم کر لیا تھا۔ 1487ء میں جب سلطان ویلیز ملاگا میں تھا تو بوب دل نے دوبارہ دارالحکومت پر حملہ کر دیا جس کا نتیجہ خونریزی کی صورت میں نکلا۔ 29 اپریل 1487ء کو باغی شہزادے نے الحمرا کا کنٹرول سنبھال لیا اور مخالفت کرنے والے ہر جنگجو کو ہلاک کر دیا۔ پھر اس نے عیسائی بادشاہ کو پیغام بھجوا کر پیشکش کی کہ وہ شہر اس کے حوالے کرنے کو تیار ہے اور بدلے میں اسے اور اس کے ایک وزیر کو ایک ریاست عطا کر دی جائے۔

دوسری طرف الذاغل بہادری کے ساتھ امارت بچانے میں مصروف تھا لیکن یہ ہاری ہوئی جنگ تھی۔ کئی ممتاز مسلمان عیسائیوں کے ساتھ اس وعدے پر مل گئے کہ انہیں ہتھیار ڈالنے پر جائیدادوں سے محروم نہیں کیا جائیگا۔ ایک مسلمان کمانڈر نے عیسائیت قبول کر کے اپنی فوج ختم کر دی۔

پہلے بیضہ، پھر المیریا اور آخر میں 30 دسمبر 1489ء کو گورڈکس ہاتھ سے نکل گیا، الذاغل کو پتہ چل گیا کہ اب کچھ باقی نہیں رہ گیا۔ اندلس اس لئے ختم نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں ان کی قیادت نے دھوکہ دیا۔ جب الذاغل نے ملاگا کے مسلمانوں کو بچانے کے لئے اپنی فوج بھیجی تو اس کے سپاہیوں پر ساتھی مسلمانوں نے حملہ کر کے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ولیم پریسکوٹ نے انیسویں صدی میں اپنی کتاب ''فرڈی نینڈ اور ازبیلا کے اقتدار کی تاریخ'' میں لکھا ہے کہ:

> ''مور (مسلمان) ملاگا کی اہمیت سے بے خبر نہیں تھے، یا یہ کہ انہوں نے اس کا دفاع نہیں کیا تھا، انہوں نے اسے بچانے کی کئی کوششیں کیں لیکن

MashalBooks.org

یہ محض اس لئے ناکام نہیں ہوئیں کہ اس میں عیسائیوں کا کوئی کردار تھا بلکہ اس کی اصل وجہ ان کی اپنی قابل رحم دشمنی تھی۔ الذاغل نے گورڈکس سے جو دستہ محصور شہر کو بچانے کے لئے بھیجا تھا نوجوان بادشاہ عبداللہ کی بالادست فوج نے مقابلہ کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس بادشاہ نے عیسائی کیمپ میں ایک سفیر بھیج کر فرڈی نینڈ کو عربی نسل کے گھوڑوں کا تحفہ بھیجا یہ اس کی بزدلی کی واضح نشانی تھی۔''

ان غداریوں سے مجبور ہو کر الذاغل نے 30 ہزار کاسٹیلی سکوں کے عوض ہتھیار ڈال دیئے، سپین میں مختصر قیام کے بعد وہ مراکش کے شہر اوران کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اسے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور وہ انتہائی کسمپرسی کی حالت میں مر گیا۔ ایک افسردہ اور غیرت مند انسان الذاغل نے اسی طرح ہتھیار ڈالے جس طرح اس سے پہلے اور پھر بعد میں کئی مسلمان حکمرانوں نے ہتھیار پھینکے۔ اپنی شکست کو اللہ کی مرضی قرار دیتے ہوئے اس نے فرڈی ٹینڈ کے ایلچی سے کہا کہ ''اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اگر اس نے غرناطہ کے سقوط کا فیصلہ نہ کیا ہوتا تو یہ تلوار اس شہر کو بچا لیتی لیکن اب ایسا ہو کر رہے گا۔''

اب بوب دل غرناطہ کا بلاشرکت غیرے حکمران تھا لیکن اس کی ریاست کی حدود انتہائی حد تک سکڑ چکی تھیں۔ جلد ہی اس نے محسوس کر لیا کہ شاہ فرڈی نینڈ نے جو وعدے کئے تھے وہ ان کا ایفا مشکل نظر آ رہا ہے۔ اس کے باوجود کہ اس نے اپنی قوم کو دھوکہ دیتے ہوئے شاہ فرڈی نینڈ کا ساتھ دیا لیکن یہ غداری سلطنت کی سرحدوں کو چھوتی ہوی تحریک ختم نو کو ٹالنے کے لئے کافی نہیں تھی۔ 1490ء سے 1491ء کے پورے عرصے میں شہر محصور رہا، قحط سالی سے شہر میں بغاوت کے آثار نمودار ہو گئے اور کوئی حل بھی نظر نہیں آ رہا تھا، الحمراء کے ہال فرڈی نینڈ اور ازبیلا کے حوالے کر دیئے گئے۔

1492ء کو نئے سال کے آغاز پر ابو عبداللہ محمد نے شہر کی چابیاں سپین کے نئے حکمرانوں کے حوالے کر دیں، اندلس اس روز سے ہمیشہ کے لئے کھو گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ جب مسلمان شاہی خاندان جنوب کی جانب جلاوطنی کے لئے جا رہا تھا تو انہوں نے پہاڑی کی چوٹی پر جا کر غرناطہ کی شان وشوکت کی طرف مڑ کر دیکھا جہاں اب الحمراء کے قلعے پر کاسٹیلی پرچم لہرا رہے تھے۔ جب بوب دل پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگا تو اس کی ماں عائشہ

MashalBooks.org

نے جھلا کر کہا ''تمہیں عورتوں کی طرح ہی آنسو بہانے چاہئیں کیونکہ تم مردوں کی طرح لڑ نہیں سکتے۔''

وہ پہاڑی چوٹی جہاں سے بوب دل نے آخری بار غرناطہ کو دیکھا تھا اب سیاحوں کا ایک مقام ہے اور اسے ایک شاعرانہ نام ''ایک مور (مسلمان) کی آخری آہ'' دیا گیا ہے۔

☆ بغداد کے عباسیوں سے الگ ہو کر مصر میں قائم کی گئی یہ شیعوں کی واحد خلافت تھی، فاطمی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے تھے۔

☆ فتح نو کی جنگیں مسلمانوں کو سپین اور پرتگال سے نکالنے کے لئے لڑی گئیں۔

☆ سلطان صلاح الدین ایوبی نسلاً کرد تھا (1138-1293) اس نے 1169ء میں مصر کو فتح کر کے 1171ء میں فاطمی خلافت کا خاتمہ کر کے ایوبی خاندان کی بنیاد رکھی۔

MashalBooks.org

دسواں باب

بغداد............اسلام اور ایرانیوں کا ملاپ

750ء عیسوی میں شام کا شہر دمشق سخت انتشار کا شکار تھا۔ اموی جو پیغمبر اسلامؐ کے سب سے بڑے مخالف ابوسفیانؓ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے خلافت قائم کر رکھی تھی اب زوال پذیر تھے۔ عباسی جو صحابی اور پیغمبر اسلامؐ کے چچا عباسؓ کی اولاد تھے ان کو چن چن کر نشانہ بنا رہے تھے۔ مکہ میں رہنے والے قریش قبیلے کے یہ دونوں خاندان ایک بار پھر ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے۔ یہ جھگڑا صرف اس دوران دبا رہا تھا جب اس خاندان نے پیغمبرؐ کے خاندان کے دیکھتے ہی دیکھتے اسلام پر قبضہ جما لیا تھا۔ امویوں نے ایرانی سلطنت کا خاتمہ کر دیا تھا اور بازنطینیوں کو بھی اپنے سامنے جھکا لیا تھا لیکن اب وہ رحم کی بھیک مانگ رہے تھے، وسیع سلطنت میں جو سپین سے ہندوستان میں دریائے سندھ کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی اور جس کی سرحدیں چین سے ملتی تھیں انہیں چھپنے کے لئے جگہ نہیں مل رہی تھی۔ صرف چند مہینوں میں اموی صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور عباسیوں نے دمشق میں حکومت قائم کر لی۔ یہ ایک پیچیدہ اور مختلف جہتوں پر مشتمل کہانی ہے کہ عباسیوں کا عہد متضاد نظریات، سماجی تحریکوں، ملائیت اور جنگوں کا دور ثابت ہوا اور اس نے اسلام پر جو اثرات ڈالے وہ کبھی ختم نہ ہو سکے۔ آج کے دور کا ہر مسلمان 5 اسلامی مکاتب فکر میں سے ہی کسی ایک سے تعلق رکھتا ہے۔ جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ عباسی عہد کی پہلی دو صدیوں کے درمیان وجود میں آئے۔ یہ عہد تضادات سے بھرا پڑا ہے مثال کے طور پر ایک طرف تو رنگین اور جنسی جذبات سے بھری شاعری کو عام مقبولیت حاصل تھی تو دوسری طرف ہم جنس پرستی پر سزائے موت جیسے قوانین متعارف کرائے جا رہے تھے۔

MashalBooks.org

جہاں موسیقی، رقص، شراب اور عورت خلیفہ کے دربار کا جزو لازم بن چکے تھے وہیں علماء پوری شدت سے اس بات کو یقینی بنانے میں مصروف تھے کہ اخلاقیات سے گری حرکات پر سزا دی جائے اور ان پر پابندی یقینی بنائی جائے۔ اس مصنوعی تہذیبی اور ادبی بناوٹ کے باوجود عباسی عہد اپنے پیشرو اموی عہد سے بہت زیادہ متضاد نظر آتا ہے۔ اموی عہد شام میں یکجہتی کا دور تھا اور حکمران بازنطینی طریقوں کو استعمال کر رہے تھے جن میں مکہ کے قریشی قبیلے کی حکومت پر قابض رہنے کی قانونی وجہ بھی شامل تھی۔ عباسیوں کو ایران میں اسلام متعارف کرانے والی سلطنت کے طور پر یاد رکھا جا سکتا ہے۔ دمشق کے امویوں نے حملے کر کے وسیع وعریض علاقوں پر قبضہ کیا اور مال غنیمت حاصل کیا۔ عباسیوں نے ان مفتوحہ علاقوں کے لوگوں کو تعلیم دی اور فیصلے کرنے کے عمل میں شامل کیا۔ اموی بنیادی طور پر ایک عرب ریاست تھی اور انہوں نے عجمیوں پر حکومت کے جواز کے لئے اسلام کا سہارا لیا۔ عباسی اسلام میں عربوں کی اجارہ داری کے خلاف ایرانی بغاوت کے نتیجے میں اقتدار میں آئے۔ برطانوی تاریخ دان ڈی او سری امویوں اور عباسیوں کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عباسیوں کی ادبی کارکردگی صرف شاعری پر مشتمل ہے جس کی نوعیت زیادہ تر پرانی صحرائی قسم کی ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ شاعری نے زیادہ تر اپنے حکمرانوں کی تعریف کی اور اپنے مخالفوں اور دشمنوں کا تمسخر اڑایا ہے۔ صحرائی زندگی کی تکالیف کی منظرکشی کی ہے یا ان میں عربوں کے ابتدائی دور کی جنگوں کی علامتی جھلک نظر آتی ہے۔ یونانیوں کی سائنس اور تہذیب ان کی تخلیقات میں جگہ نہ پا سکی اور بظاہر ان کے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

عجمیوں پر عرب مسلموں کی برتری کو ادارہ جاتی شکل دینے کے خلاف نفرت وہ وجہ تھی جس نے عظیم اموی سلطنت کے خونریز انجام کو تیز کرنے میں بنیادی کردار انجام دیا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں (جو 720ء میں فوت ہوئے) عجمیوں کے خلاف کچھ امتیازی رسموں کو ختم کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے عجمیوں پر عائد ٹیکس بھی معاف کر دیا جو عربوں نے مصریوں، بربروں، ہندوستانیوں اور ایرانیوں پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد عائد کیا تھا۔ تاہم اس معافی نے سرکاری خزانے پر انتہائی برے اثرات ڈالے۔ ٹیکس سے حاصل ہونیوالی آمدنی نہ ملنے کا اثر اموی اشرافیہ کی دولت میں کمی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ حکومتی عہدیداروں پر قیمتی تحائف بطور رشوت لینے پر پابندی عائد کرنا خلافت کی مضبوطی میں دراڑ

MashalBooks.org

ثابت ہوا۔ مزید یہ کہ معاشی عدم مساوات کا خاتمہ بھی تہذیبی پسماندگی کا راتوں رات خاتمہ نہ کر سکا۔ عربوں اور عجمیوں (عجمی غیر عرب مسلمانوں کو کہا جاتا تھا اور اس وقت یہ لفظ تحقیر کا باعث تھا) میں نفرت افریقہ میں بغاوت کا باعث بنی۔ ایران میں ناراضگی نے ایک اور شکل اختیار کی۔ ایرانی ابھی تک سو سال پہلے عرب فوج کے ہاتھوں شکست کا درد محسوس کر رہے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے باوجود دوسرے درجے کے شہری کے سلوک نے ان کے دکھ کو مزید بڑھا دیا۔ (آج تک بھی ایرانی عربوں کے ہاتھوں شکست کے بعد ذلت آمیز سلوک نہیں بھولے) یہی وجہ ہے کہ ایرانی قوم پرست تشخص عرب قوم پرستی کے تصور سے بہت مختلف ہے۔ ایرانی قوم پرستی کا تصور بنیادی طور پر عرب مخالف ہے اور انہوں نے خود کو اسلام سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری طرف عرب قوم پرست، یہاں تک کہ ملحد اور مارکسسٹ بھی اسلامی ماحول پر متفق ہیں جس میں ایرانیوں کے کرب کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ آٹھویں صدی میں دمشق میں عرب اسٹیبلشمنٹ کے خلاف ایرانیوں کی نفرت نے انہیں کوفہ اور بصرہ کے شیعہ عرب مسلمانوں کا فطری حلیف بنا دیا اور بنو ہاشم کی آل اولاد پیغمبر اسلامؐ کا خاندان جنہیں اقتدار سے بیدخل کر دیا گیا تھا انہیں نئے اتحادی مل گئے۔ عرب باغیوں کی قیادت ابو العباس عبداللہ کر رہا تھا جس نے پیغمبر اسلامؐ کے چچا العباس کے ذریعے اپنا نسب پیغمبر اسلامؐ کے قبیلے سے ظاہر کیا۔ 736ء میں اموی خلیفہ ہشام نے کوفہ میں شیعہ بغاوت کو ختم کیا۔ ابو العباس مزید مشرق کی جانب بڑھا اور مشرقی ایران میں خراسان چلا گیا۔ 743ء میں ہشام کی موت کا سننے کے بعد ابو العباس نے خراسان میں پیدا ہونے والے مسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خراسان میں شیعہ خارجی اور ایرانی مسلمانوں پر مشتمل بڑے اتحاد کی حمایت کر دی۔ یہاں سے اس نے اس فوج کی قیادت سنبھالی اور اموی دارالخلافہ دمشق کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔ اس بڑے اتحاد نے ایرانی جنرل ابو مسلم کی قیادت میں دمشق پر قبضہ کر لیا اور آخری اموی خلیفہ مروان کو معزول اور قتل کر دیا یوں امویوں کا 90 سالہ دورِ حکومت ختم ہو گیا۔ اس عہد کے سنی مسلم اور قدامت پسند عرب مسلم اس جھگڑے میں ایرانیوں کا ایک بالکل محدود کردار دکھاتے ہیں۔ سعودی مطبوعہ ”تاریخ اسلام“ اس حقیقت پر نوحہ کناں ہے کہ فارسی زبان کو عربی سے تبدیل نہ کیا گیا اور یہ اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب رہی۔ کتاب میں فارسی زبان کے باقی رہ جانے کو تباہ کن قرار

MashalBooks.org

دیتے ہوئے الزام عائد کیا گیا ہے کہ فارسی کا خاتمہ نہ ہونا امویوں کے خلاف عباسیوں کی بغاوت کا باعث بنا۔ دمشق میں امویوں کے خلاف بغاوت کے بعد ہونے والی جنگوں سے متعلق بیان کرتے ہوئے کتاب میں کہا گیا ہے کہ ''عرب قبائل جو بڑی تعداد میں خراسان پہنچ چکے تھے اور وہاں معاشرے اور زبان کو عربی طرز میں ڈھالنے میں مصروف تھے سب کو قتل کر دیا گیا۔ عرب اپنی حکومت کھو بیٹھے اور مارے گئے اور یوں ایرانی زبان، تہذیب، معاشرہ اور اقدار جو دم توڑ رہی تھیں انہیں ایک نئی زندگی مل گئی۔ ایران اور خراسان جو مصر کی طرح عرب ریاستیں بن سکتے تھے پھر سے ایرانی ریاستیں بن گئے۔ ابومسلم خود نسلی طور پر ایک خراسانی اور ایرانی تھا اور اس کے نزدیک عربوں کے قتل سے زیادہ پسندیدہ اور کوئی مشغلہ نہ تھا۔''

تاریخ اسلام ابتدائی عباسیوں کو ایرانی مسلمانوں کی کٹھ پتلیاں ظاہر کرتی ہے ابومسلم کی تحقیر کرتے ہوئے اسے اتنا ہی حقیر ثابت کیا گیا ہے جیسا کہ عام طور پر غیر عرب عجمیوں کو سمجھا جاتا ہے اور سعودی معاشرے میں یہ تصور اب تک موجود ہے۔ اموی معاشرے میں تقسیم صرف عرب ایرانی، عرب ہندوستانی اور عرب بربر کشیدگی تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ عرب معاشرے میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان جھگڑا، شیعان عثمانؓ اور شیعان علیؓ کی صورت میں تقسیم ہو چکا تھا۔ سیاسی تقسیم قدیم عرب قبائل کے نسب کے لحاظ سے مزید پیچیدہ تھی جو شام، عراق، ایران اور دیگر جگہوں پر آباد ہو چکے تھے۔ قبائلی اور نسبتی بنیاد پر تقسیم یمنی اور کوفیوں میں کشیدگی کے باعث مزید پیچیدہ ہو چکی تھی۔ پہلے گروہ کا تعلق عرب کے شمالی قبائل سے تھا جبکہ دوسرے جنوبی عرب سے تعلق رکھتے تھے۔ کوفیوں کو شامی فوج پر غلبہ حاصل تھا اور وہ اموی اشرافیہ میں بہت معزز سمجھے جاتے تھے ان کی معاشی خوشحالی کا انحصار جہاد پر تھا۔ یمنی دیہات اور قصبوں میں قیام پذیر ہو چکے تھے اور کوفیوں سے متضاد وہ معیشت اور تجارت کے فروغ میں مشغول تھے بالکل اسی طرح جیسے فوجی اور صنعتی تنازعہ امریکہ کو جھگڑوں پر مجبور کرتا ہے کوفیوں کے زیر اثر امویوں کو جنگ کی ضرورت تھی۔ یہ عوامل اس بات کا ثبوت ہیں کہ قرآن کا پیغام عرصہ دراز سے بھلا دیا گیا تھا اور پیغمبر اسلامؐ کی تعلیمات برے کانوں کے لئے صرف ایک تقریر کا تاثر رکھتی تھیں۔ قبائلی عصبیت جسے پیغمبر اسلامؐ کی وفات کی رات ایک نئی زندگی ملی تھی صدیوں مسلمانوں کا خون بہاتی رہی اور ہم

MashalBooks.org

پیغمبر اسلامؐ اور اسلامی ریاست کے قیام کے نام پر ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے۔ اموی اسلامی سلطنت ختم ہوگئی اور عباسی اسلامی سلطنت نے جنم لیا۔ دونوں کہانیوں کا آغاز قتل عام سے ہوا اور دونوں کشت وخون کے سیلاب میں اختتام پذیر ہوئیں۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ بعد میں آنے والے اسلام پسندوں کی نظر میں دونوں میں سے کسی کی کارکردگی بہتر تھی جس کی بنا پر وہ اس دور کے سیاسی ڈھانچے کو ''اسلام کا سنہرا دور'' کہتے ہیں۔ دمشق میں نیا خلیفہ پریشان تھا۔ اموی فیملی کے پسماندگان ابھی زندہ تھے اور پلٹ کر حملہ کر سکتے تھے۔ انہیں اپنے جال میں پھنسانے کے لئے خلیفہ العباس نے سابق خلیفہ کے خاندان کے بچ جانے والے افراد کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ جنگ کے پہلے دور کے اختتام پر بچ جانے والے افراد روپوش ہو چکے تھے۔ خلیفہ نے پیغام بھیجا کہ تمام اموی افراد کو مصالحت کے لئے ہونے والے وسیع عشائیہ میں خوش آمدید کہا جائے گا۔ خلیفہ ہاشم کے پوتے عبدالرحمٰن اول کے سوا تمام افراد اس چال میں آ گئے اور کھانے کے لئے بیٹھتے ہی قتل کر دیئے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ابھی خلیفہ کے دربار میں مرنے اور زخمی ہونے والوں کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا کہ ابو العباس نے کھانا تقسیم کرنے کا حکم دیا اور مرنے والوں کی سسکیوں کے درمیان فتح کا جشن جاری رہا۔ عبدالرحمٰن اول خوش قسمت تھا کہ وہ جنگ کے دوران فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ فرار ہو کر سپین میں اندلس چلا گیا جہاں اس نے دوبارہ اموی خلافت قائم کی۔

اس کے عشائیے پر نہ جانے کے باعث اموی مزید تین صدیوں تک سپین کے حکمران رہے ابو العباس کی اس بربریت کے باعث جس سے اس نے امویوں کو قتل کیا تھا اسے السفاح (جلاد) بھی کہا جاتا ہے۔ چار سال بعد ابو العباس فوت ہوگیا اس کے مختصر دور کو خلافت کی تشکیل نو اور مضبوط بنانے کے لئے پختہ عزم کے ساتھ کوششوں اور دارالخلافہ کو دمشق سے کوفہ کے قریب ایک قلعے (جس کا نام اس نے ہاشمیہ رکھا تھا) میں منتقل کرنے کے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے۔ دارالخلافہ بعد ازاں عراق کے علاقے انبار میں منتقل کر دیا گیا۔ ابوالعباس کو ایک ایسا عہد متعارف کرانے والے کے طور پر یاد کیا جاتا ہے جس میں یہودیوں، عیسائیوں اور ایرانی مسلمانوں کو حکومت میں اہم عہدے دیئے گئے اس نے تکثیریت کا ایک ایسا معیار قائم کیا کہ بعد میں آنے والے خلفاء کو اسکی پیروی کرنا پڑی۔

MashalBooks.org

حیران کن طور پر شیعہ ایک گروہ کے طور پر الگ رہے اور کوئی اہم عہدہ قبول نہ کیا۔ امویوں کے خاتمے کے بعد جلد ہی ابو العباس شیعہ مسلک سے کیے گئے تمام وعدوں سے منحرف ہو کر خود خلیفہ بن گیا۔ وعدہ خلافی اور بیگانگی کو محسوس کرنے کے باوجود ابو العباس کے شیعہ حامیوں نے اپنے احساسات کو عام نہ کیا۔ اس کے نتیجے میں عباسی عہد میں اموی سلطنت کے مقابلے میں کم جھگڑے ہوئے۔ خلیفہ ابو العباس (السفاح) چیچک کے باعث 10 جون 754ء کو انتقال کر گیا۔ اس نے اپنے بھائی ابو جعفر منصور کو اپنا جانشین مقرر کر رکھا تھا۔ پہلی مرتبہ انتقال اقتدار بغیر کسی حادثے کے عمل میں آیا۔ یوں اسلامی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا جس میں ایران اور عراق کے موجودہ علاقوں پر مشتمل سلطنت اتنی ہی آب و تاب اور شان و شوکت سے قائم تھی جتنا کہ آئبریا کے علاقے اندلس میں قائم سلطنت مسلمانوں کی حکمرانی میں ایک ہی وقت میں قائم ان دونوں ریاستوں میں سینکڑوں میل کا فاصلہ تھا۔ عباسی خاندان کا اقتدار خون خرابے اور تہذیبی اختلاف کے بغیر جاری رہا۔ یہ دونوں حکمران خاندان سیاسی اقتدار اور جانشینی کے ایسے ادارے بنانے میں ناکام رہے جو طویل المدت حکمرانی کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ خلفاء نے بادشاہی خاندانی حکمرانی برقرار رکھنے کی جدوجہد کی، یہ لوگ اہل بیت سے حاصل کردہ اتھارٹی کو استعمال کر کے اپنی حیثیت کو جائز قرار دینا چاہتے تھے۔ اس قسم کے اقدامات میں کئی خلفاء ملوث رہے۔

اگرچہ خلیفہ السفاح نے عباسی خاندان کی حکمرانی کی بنیاد رکھی لیکن اس خاندان کے تسلسل اور بقا کا کریڈٹ اس کے بھائی المنصور کو جاتا ہے اس کے بعد 35 عباسی اس کے جانشین بنے۔ اگرچہ وہ فطرتاً سخت اور غصیلی طبیعت کا مالک تھا لیکن اس نے اپنے غصے پر قابو رکھا اور خون خرابے سے ہمیشہ گریز کیا۔ اس نے کچھ بغاوتوں کو کچلا لیکن پھر معاملات طے کر لئے اور ایسے بادشاہ کے طور پر ابھرا جسے اپنی تمام رعایا کی فکر ہوتی ہے اور جس کے پاس مستقبل کا ویژن ہوتا ہے لیکن منصور جانتا تھا کہ ایک موثر اور قابل احترام حکمران بننے کے لئے اسے اپنی فوج پر کنٹرول کرنا جو اس وقت ایرانی جنرل ابو مسلم خراسانی کے ہاتھ میں تھا اور اس نے دمشق پر دھاوا بول کر امویوں کو شکست دی تھی۔

جب المنصور نے ابو مسلم کو مصر کا گورنر بنانے کی پیشکش کی تو ایرانی جرنیل نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ ایران سے بہت دور رہ کر اپنی سرکش خراسانی فوج پر کنٹرول کے

MashalBooks.org

قابل نہیں رہے گا۔ ابومسلم نے اگرچہ خلیفہ کی حاکمیت تسلیم کر لی لیکن نوجوان خلیفہ کے احترام کے اظہار کی کوئی کوشش نہیں کی۔ خلیفہ منصور اور جنرل ابومسلم کے درمیان کشمکش اب سرعام شروع ہو چکی تھی اور نئے خلیفہ نے محسوس کیا کہ اس نے اگر کوئی قدم نہ اٹھایا تو وہ جنرل کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ جائے گا۔

فروری 755ء میں منصور حرکت میں آ گیا، اس نے فارسی جنرل کو یہ کہہ کر دھوکے سے پر تکلف عشائیے پر مدعو کیا وہ ایک فوجی مشن کے لئے ابومسلم سے مشاورت کرنا چاہتا ہے۔ روایت ہے کہ فاتح دمشق کو اپنے دربار میں بلا کر خلیفہ نے اس کے ہاتھ بندھوا دیئے اور محل کے محافظوں نے فوراً اس پر جھپٹتے ہوئے اس کا سر قلم کر دیا۔ یوں عباسیوں کو اقتدار میں لانے والے بادشاگر کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ موت برق رفتار تھی۔ اقتدار فوراً مستحکم ہو گیا، اس کے بعد منظور کو چند بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن کوئی بڑا چیلنج نہیں تھا اور پھر اس نے زمین پر سب سے زیادہ خوبصورت شہر کی تعمیر کے منصوبے پر کام شروع کر دیا۔ یہ شہر تھا بغداد۔

اس سے پہلے کہ بغداد تعمیر کیا جاتا پیغمبر اسلامؐ کے خاندان کے مسئلے سے نمٹنا ضروری تھا۔ منصور اور اسکے خاندان نے اس بنیاد پر خلافت پر حق جتایا تھا کہ وہ حضرت محمدؐ کے رشتہ دار ہیں لیکن انہیں معلوم تھا کہ یہ دعویٰ مکمل طور پر سچ نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وہ پیغمبرؐ کے قبیلے بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے لیکن آپؐ کی اولاد میں سے نہیں تھے۔ عباسیوں کا اہل بیت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مراد حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کی نسل ہے۔ یہ لوگ سانحہ کربلا میں بچ جانے والوں کی اولاد یعنی شیعہ تھے۔ ان میں سے کچھ جان بچا کر ہندوستان اور باقی مدینہ اور بصرہ فرار ہو گئے اور انہیں مسلمانوں بالخصوص عراقی عوام کی اب بھی ہمدردیاں حاصل تھیں یہ وابستگی غیر متزلزل ہے اور آج بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ منصور اس بات پر غور کر رہا تھا کہ پیغمبرؐ کی اولاد میں سے کون اس کے لئے مسئلہ بن سکتا ہے اور نئے خلیفہ کی اتھارٹی چیلنج کر سکتا ہے، جلد ہی اسے پتہ چل گیا۔

منصور ایک چالاک سیاستدان تھا اس نے ڈنڈے کے استعمال سے پہلے لالچ دینے کا ہتھیار استعمال کیا، اس نے اہل بیت کے تمام ارکان کو اپنے محل میں رہائش فراہم کی تاکہ انہیں بھاری پنشن ادا کی جا سکے لیکن اس کا مقصد ان افراد کی ممکنہ پریشان کن سرگرمیوں

MashalBooks.org

پر جاسوسوں کے ذریعے نظر رکھنا تھا۔

خاندان کے اکثر افراد نے بیعت کر کے منصور سے صلح کر لی تاہم کچھ دیگر لوگوں کے اندیشے برقرار رہے، منصور کے زمین پر خدا کے نائب ہونے کے دعوے کو جھٹلایا گیا، کچھ عرصے بعد خلیفہ کو بتایا گیا کہ حسنؓ ابن علیؓ کی نسل سے بعض مرد غائب ہو گئے ہیں۔

756ء میں محمد ابن عبداللہ اور ان کے چھوٹے بھائی ابراہیم کو اس بات پر قائل کر لیا گیا کہ عباسی خاندان نے انہیں دھوکہ دیا ہے۔ جس پر انہوں نے خلیفہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور شہر رسول مدینہ کا رخ کر لیا جہاں انہوں نے سوچا کہ مسجد نبوی کے سائے میں بغاوت کا علم بلند کرنا آسان ہے۔

روحانی نقطۂ نظر سے یہ دونوں بھائی ٹھیک سوچ رہے تھے لیکن سیاست اور جنگ کی دنیا میں مدینہ اپنی اہمیت کھو چکا تھا۔ اسلام کا پہلا شہر مصر، عراق، شام اور ایران کے شہروں سے پیچھے رہ کر اب سلطنت کا جامد پانی بن چکا تھا۔ حکمران طبقہ عرصہ دراز سے اسلام کے مرکز کے طور پر اس شہر کو خیر باد کہہ چکا تھا اور اب یہاں صرف دیندار لوگوں کا ہی قیام تھا۔

محمد ابن عبداللہ جو نفس ذکیہ کے نام سے بھی مشہور ہیں کو جلد ہی مکہ اور مدینہ کے لوگوں کی حمایت مل گئی، اس کے بعد انہوں نے اپنے بھائی ابراہیم کو بصرہ اور کوفہ بھیجا تاکہ وہاں بھی حمایت حاصل کی جا سکے اور خود انہوں نے سرزمین حجاز کا کنٹرول حاصل کر لیا۔ اگرچہ انہوں نے کھلے عام بغاوت کا اعلان نہیں کیا تھا لیکن اس مرحلے پر کم سطح کی سرکشی بھی خلیفہ کو گراں گزر رہی تھی۔ محمد نے نئے خلیفہ کا یہ کہہ کر تمسخر اڑایا کہ میں تو پیغمبرؐ کی صاحبزادی کی اولاد میں سے ہوں جبکہ خلیفہ منصور کی ماں محض ایک بربر کنیز تھی۔

منصور کے سپاہیوں کی طرف سے دونوں باغی بھائیوں کی سرکوبی کی کوششیں ناکام رہیں اور بغاوت مزید ابھرتی چلی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ نفس ذکیہ گرفتاری کے لئے آنے والوں سے کئی بار بال بال بچ گئے اور دشوار گزار پہاڑیوں میں روپوشی کے دوران کچھ عرصے کے لئے ان کا ایک نومولود بچہ بھی لاپتہ ہو گیا۔

761ء میں خلیفہ خود حج کے لئے مکہ جاتے ہوئے مدینہ چلا گیا اور دونوں باغی بھائیوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے دربار میں پیش ہوں، محمد اور ابراہیم انکار کرتے ہوئے

MashalBooks.org

پہاڑیوں میں روپوش ہو گئے۔ اس سرکشی پر غضبناک ہو کر منصور نے دونوں بھائیوں کے معمر والد عبداللہ ابن حسن سمیت پورے خاندان کی گرفتاری کا حکم جاری کر دیا۔ ان سب کو عراق میں خلیفہ کے دربار تک تمام راستے آہنی زنجیروں میں جکڑ کر لے جایا گیا، اس دوران ان میں سے کئی افراد راستے میں جاں بحق ہو گئے، بوڑھے عبداللہ کو خلیفہ کے سامنے پیش کر کے مسلسل کوڑے مارے گئے، خلیفہ نے المونت سے پوچھا ''تمہارے بیٹے کہاں ہیں؟ کوئلے کی شکل والا کہاں ہے؟ اس کا اشارہ محمد نفس ذکیہ کی طرف تھا جن کی رنگت سیاہی مائل تھی۔ یہ تھا وہ حقارت آمیز رویہ جو ابتدائی اسلامی سلطنتوں میں رنگت کے حوالے سے پایا جاتا تھا اور آج بھی جاری ہے۔ یقیناً بوڑھے آدمی نے اپنے بیٹوں کے بارے میں کچھ نہ بتایا اور نتیجتاً مزید کوڑے کھائے۔

23 ستمبر 762ء کو ایک سال تک روپوش رہنے کے بعد محمد ابن عبداللہ مدینہ میں منظر عام پر آ گئے اور اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے اپنے حامیوں پر زور دیا کہ وہ شہر کا کنٹرول سنبھال کر عباسی عمال کو گرفتار کر لیں لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ کسی کو ہلاک یا زخمی نہ کیا جائے۔ جلد ہی شہر پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا، چند روز کے اندر اندر مکہ بھی نئے خلیفہ محمد ابن عبداللہ کے تابع ہو گیا، حجاز ایک بار پھر اسلامی سلطنت سے الگ تھلگ ہو گیا تھا، عبداللہ ابن زبیرؓ کے امویوں کے خلاف بغاوت کی یادیں ابھی تک تازہ تھیں، اس وقت حضورؐ کے ایک صحابی (ابن زبیرؓ) نے اپنی خود مختار خلافت قائم کی تھی لیکن عبداللہ ابن زبیرؓ کے برعکس نئے خلیفہ کی بغاوت زیادہ عرصے تک نہیں چلی۔

بیک وقت دو افراد کی طرف سے خلافت کے دعوے کے بعد ایک بار پھر مسلمان اسلام کے نام پر مسلمانوں کا خون بہانے پر آمادہ دکھائی دیتے تھے۔ منصور کی عباسی فوج اور پیغمبر کے (پانچ واسطوں سے) نواسے محمد ابن عبداللہ کے مابین جنگ چھڑنے سے قبل خلافت کے دونوں داعیوں کے درمیان خط و کتابت بھی ہوئی۔ جس سے اسلام کے زیر سایہ خواتین کے بارے میں رویے اور غیر عربوں سے حقارت کی اندرونی کیفیت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جہاں محمد نے حضرت فاطمہؓ سے اپنے خونی رشتے پر فخر کا اظہار کیا وہاں منصور نے خلافت کے دعوے کے لئے ایک عورت سے خونی رشتے پر انحصار کا مذاق اڑایا۔

خلیفہ محمد ابن عبداللہ نے خلیفہ ابو قیصر منور کو لکھا:

MashalBooks.org

''تم نے خلافت کا دعویٰ ہمارے (آل رسول کے) نام پر کیا تم نے (امویوں کے خلاف) ہمارے تعاون سے بغاوت کر کے خلافت حاصل کی، ہمارے جدامجد علیؑ رسولؐ کے ولی اور امام تھے اور جبکہ ان کے اپنے جانشین زندہ ہیں تو تم کس طرح ان کی ولایت کے دعویدار ہو سکتے ہو۔ مزید یہ کہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس منصب کا دعویٰ کرنے والے کے لئے ہمارے جیسا خونی رشتہ، شرافت اور رتبہ ہونا ضروری ہے، اپنے آباؤ اجداد کے اعلیٰ رتبے کے اعتبار سے ہم مردود، بیدخل اور آزاد کئے گئے لوگوں کی اولاد نہیں............ ان کے مقابلے میں میرا نسلی خون خالص ہے اور غیر عرب خون سے پاک ہے اور میرا کسی کنیز (منصور کی بربر والدہ سلمیٰ کی طرف اشارہ) سے بھی کوئی تعلق نہیں۔''

خلیفہ منصور اپنی والدہ کی ذات پر ان حملوں اور اسے طوائف اور غیر عرب قرار دینے پر طیش میں آ گیا اور اس نے جواب میں محمد ابن عبداللہ کے نسلی بنیادوں پر دعویٰ خلافت کو تو مسترد کر دیا لیکن غیر عرب خونی تعلق اپنی تضحیک کا جواب نہیں دیا، اس نے جواب میں لکھا:

> ''تم عورتوں کے واسطے سے اپنی نسل پر کیسے فخر کر سکتے ہو، یہ تو کم ذات ہونے کی دلالت اور دھوکہ ہے لیکن اللہ نے عورتوں کو چچاؤں اور باپوں حتیٰ کہ باپ کے رشتے کے برابر نہیں بنایا، تمہاری نسل میں سب سے بہترین بیٹوں اور سب سے افضل افراد بھی کنیزوں کے بیٹے تھے۔ پیغمبر خداؐ کے انتقال کے بعد تم میں سے علی ابن حسین (واقعہ کربلا میں زندہ بچنے والے واحد مرد امام زین العابدین کا حوالہ) افضل کوئی نہیں تھا لیکن وہ بھی ایک کنیز کا بیٹا تھا، وہ یقیناً تمہارے دادا حسن ابن حسن سے بہتر تھا، علی کے بعد تم میں سے کوئی بھی اس کے بیٹے محمد بن علی (امام حسن کے پوتے اہل تشیع کے) کے برابر نہیں تھا، اس کی والدہ بھی کنیز تھی، وہ بھی تمہارے باپ سے بہتر تھا، جہاں تک تم یہ کہتے ہو کہ تم پیغمبر خدا کے وارث ہو تو خدا نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ ''محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں''۔ تم لوگ حضورؐ کی صاحبزادی کی اولاد میں سے ہو جو ایک قریبی رشتہ ضرور ہے لیکن وراثت کو جائز قرار نہیں دیتا اور نہ ہی اس سے ولایت کا حق ملتا

ہے اور امامت جائز قرار پاتی ہے، تو پھر اس (حضرت فاطمہؓ) سے
وراثت کیسے منتقل ہوسکتی ہے؟............تم نہیں بلکہ ہم مہر نبوت کے وارث
ہیں۔''

''خلیفہ اسلام'' ہونے کے ان دعویداروں کے درمیان خط و کتابت سے بعض تکلیف دہ حقیقتوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔حضرت محمدؐ کے دور میں خواتین کو ملنے والے حقوق پہلے ہی عجلت سے ختم کئے جا چکے تھے جبکہ محمدؐ کی یہ تلقین کہ نسلی برتری کو مسترد کر دیا جائے عربوں کے بہرے کانوں پر بے اثر رہی۔مورخ طبری نے اپنی کتاب کا پورا ایک حصہ اس مسئلے پر بحث کے لئے مخصوص کیا لیکن اس نے اور بعد میں آنے والے مبصرین نے عرب اشرافیہ کے غیر عرب مسلمانوں سے ہتک آمیز سلوک پر غفلت آمیز خاموشی اختیار کئے رکھی۔

تین ماہ کے اندر عباسی لشکر اور ان کے سیاہ جھنڈوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا جبکہ سرکش خلیفہ کے حامیوں کا جھنڈا سفید تھا ستم ظریفی یہ تھی کہ یہ امویوں کا رنگ تھا۔مزاحمت ہوا کا جھونکا ثابت ہوئی اور محض چند گھنٹوں میں عباسی فوج نے شہر میں گھس کر محمد ابن عبداللہ نفس ذکیہ کا سر قلم کر دیا۔ان کا سر نیزے کی انی پر چڑھا کر کوفہ میں منصور کو بھجوا دیا گیا اور اس وقت چاندی کی ٹرے میں رکھ کر پیش کیا گیا جب خلیفہ عمائدین سے ملاقات کر رہا تھا، ایک بار پھر اسلام کے لئے محمدؐ کے خاندان کا خون بہایا گیا اور شکست سے ان کی تذلیل کی گئی۔ دوسری طرف محمد کے بھائی ابراہیم نے منصور کی فوج کے سامنے زیادہ موثر مزاحمت شروع کر دی لیکن اسے بھی شکست دے کر اس کا سر پلیٹ میں عباسی خلیفہ کو پیش کیا گیا۔طبری بیان کرتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے نواسے کا سر دیکھ کر خلیفہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ یہ تھا ''خلیفۃ الاسلام'' جس نے پیغمبرؐ کے دونوں نواسوں کو پہلے قتل کر دیا اور پھر ان میں سے ایک کا قلم شدہ سر دیکھ رہا تھا، مجھے یقین ہے کہ جب وہ اپنے آنسو پونچھ رہا ہوگا تو حیرت سے سوچ رہا ہوگا کہ ''کیا اسلام نے ان چیزوں کا درس دیا تھا''؟ انسانی تاریخ میں کسی اور مذہبی کمیونٹی نے اپنے ہی رسول کے کنبے کی ایسی المناک حالت نہیں کی ہوگی اور کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ یہ المیہ کیسے منظر عام پر لایا جائے گا۔

حضرت محمدؐ کے ان دونوں نواسوں (Great, Great Grandsons) کی شورش کا ایک پہلو کئی اسلامی تذکروں سے غائب ہے۔جس وقت ابن عبداللہ مدینہ کا کنٹرول

سنبھال رہے تھے تو انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ اشتر کو ہندوستان (اب پاکستان) کے صوبہ سندھ کو بھیجا جہاں کا گورنر عمر ابن حفص شیعوں سے ہمدردی رکھتا تھا، گورنر نے ایک تاریخ پر اتفاق کر لیا جس دن اسے عباسی خلیفہ کی بیعت توڑ کر مدینہ کے نئے خلیفہ سے اطاعت کا اعلان کرنا تھا تاہم یہ کچھ ہونے سے پہلے ہی محمد ابن عبداللہ کی شکست کی خبر پہنچ گئی۔ خلیفہ منصور کے کان میں سندھ میں ہونے والی سازش کی بھنک پڑنے پر گورنر کا تبادلہ افریقیہ (آج کے تیونس) میں کر دیا۔ حضرت محمدؐ کے تنہا وارث کو اسلامی دنیا میں چھپنے کے لئے اب کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ ایک مرتبہ پھر پیغمبر کے بلاواسطہ وارث کو پناہ اور تحفظ کے لئے ہندوستان کے ایک شہزادے کا سہارا لینا پڑا، پاکستان کی کسی درسی کتاب میں سندھ کے ہندو راجہ کی اس مہمان نوازی کے تاریخی واقعے کا ذکر نہیں ملتا کہ کس طرح اس نے ایک ہندو سلطنت میں حضرت محمدؐ کے بے خانماں جانشین کو پناہ دی۔ جب منصور کو اطلاع ملی کہ نفس ذکیہ کا نوجوان بیٹا ایک ہندو سلطنت میں پناہ گزین ہے تو اس نے ایک لشکر اس ہدایت کے ساتھ ہندوستان روانہ کیا کہ اس نوجوان کو پکڑ کر قتل کر دیا جائے جبکہ پیغمبر کے وارث کو پناہ دینے کی پاداش میں ہندوستان کی اس سلطنت کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ عبداللہ اشتر کو دریائے سندھ کے کنارے پر پکڑ کر قتل کر دیا گیا جبکہ اس کی سندھی بیوی جو ہندو راجہ کی بیٹی تھی کو گرفتار کر کے مدینہ بھجوا دیا گیا جہاں سے دوبارہ وہ کبھی اپنے خاندان سے نہ مل سکی۔

پیغمبرؐ کے خاندان میں ماسوائے عبداللہ ابن حسن کے تین بیٹوں کے سب کا صفایا کیا جا چکا تھا، بڑے بھائیوں کی شکست اور ان کے سر قلم کئے جانے کے بعد سب سے چھوٹا لڑکا ادریس 786ء میں عباسی سلطنت سے نکل کر شمالی افریقہ کے ملک میں جا چھپا، جہاں اس نے ادریسی خاندان کی بنیاد رکھی جو عباسیوں کی پہنچ سے باہر تھی اور اس نے مولائے ادریس اور بعد ازاں فیض (FEZ) کے شہر آباد کئے، فیض کو بعد ازاں ادریس کے بیٹے نے دارالحکومت بنا لیا، ادریسی خاندان کا جنم دراصل مراکش کا جنم سمجھا جاتا ہے۔

بغداد:

مدینہ اور بصرہ میں بغاوتیں فرو کرنے کے بعد منصور نے اپنی توجہ اس منصوبے کی طرف مرکوز کی جس نے اسلامی تاریخ اور ورثے پر انمٹ نشان چھوڑے۔ وہ تھا ایک شہر کی

MashalBooks.org

تعمیر جسے ہم بغداد کے نام سے جانتے ہیں، 762ء کے موسم بہار میں اس نے شہر کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب میں شرکت کی اور اسے ''مدینۃ السلام'' یعنی امن کے شہر کا نام دیا۔

شہر کے لئے جگہ کا انتخاب منصور نے ایرانی مشیر خالد ابن برمکی اور ''نجومیوں ایک زرتشت نو بخت اور دوسرے یہودی مرو کی مشاورت سے کیا، بتایا جاتا ہے کہ اس موقع پر خلیفہ نے کہا کہ: ''یہ جگہ کسی لشکر کے پڑاؤ کے لئے بہترین ہے، ایک طرف دریائے دجلہ ہے، جس طرف چین اور ہمارے درمیان میں کچھ نہیں اور اس دریا سے وہ سب کچھ آ سکتا ہے جو ایک سمندر سے آتا ہے، اس کے علاوہ الجزیرہ، آرمینیا اور ملحقہ علاقوں سے کمک ملے گی، اس کے ساتھ دوسری جانب دریائے فرات ہے جس کے ذریعے شام اور ملحقہ علاقوں سے ہر چیز میسر آ سکتی ہے۔''

بغداد کے لئے جس مقام کا انتخاب کیا گیا وہاں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان 30 کلو میٹر کا فاصلہ تھا، اس جگہ پر نہر عیسیٰ دونوں دریاؤں کو ملاتی تھی، اس طرح ہندوستان اور خلیج فارس سے آنے والا تجارتی سامان شام اور اس سے آگے بھیجا جاتا تھا۔ بغداد کی تعمیر میں زرتشیوں، یہودیوں اور ایرانیوں کو شامل کر کے منصور نے عباسی دارالخلافے کی بنیاد رکھتے ہوئے یہ ظاہر کیا کہ وہ نسل یا مذہب کی بجائے میرٹ پر یقین رکھتا ہے۔ وہ ایک نئے باب کا آغاز کر رہا تھا اور خود کو امویوں کے قریش کی برتری کے نظریے اور ملائیت پر مبنی شیعہ فلسفے سے فاصلہ اختیار کر رہا تھا۔ زرتشی ماہرین علم فلکیات کے بتائے ہوئے موزوں وقت جب برج قوس کا عروج تھا پر خلیفہ نے 740 ہزار میٹر سے زائد قطر کے کم گہرائی والے دائرے کی کھدائی شروع کی، اس خندق کو روئی اور مٹی کے تیل سے بھر کر جلا دیا گیا، بغداد کی پیدائش آگ کے ایک دائرے میں ہوئی جسے میلوں دور سے دیکھا جا سکتا ہے، 500 سال بعد اس شہر کو اس وقت دوبارہ آگ لگائی گئی جب منگولوں نے یہاں حملہ کیا، اس کے مزید 1200 سال بعد 2003ء میں بغداد کے آسمان پر اس وقت آگ کی بارش کی گئی جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا۔

ہزاروں مزدوروں نے چار سال تک خلیفہ کی براہ راست نگرانی میں کام کیا اور کہا جاتا ہے کہ پورے منصوبے پر 50 لاکھ درہم لاگت آئی۔ اس کام میں قلعہ بند شہر سٹیسی فون (Ctesiphone) کو مسمار کر کے وہاں سے اینٹیں بغداد لانا شامل تھا۔ شہر سے 130

MashalBooks.org

کلومیٹر دور کوہ ہمرین سے بھاری پتھر لائے گئے، جب عظیم الشان دارالخلافہ مکمل ہو گیا تو شہر کے گرد اینٹوں سے بنی دو فصلیں ایک گہری خندق اور خلیفہ کے محل کے گرد 27 میٹر اونچی ایک تیسری دیوار قائم ہو گئی تھی۔ شہر کے چار داخلی دروازے تھے جو دمشق، بصرہ، کوفہ اور خراسان کی سمت کھلتے تھے۔ اگرچہ شہر دجلہ کے کنارے آباد تھا لیکن یہاں استعمال کے لئے پانی دریائے فرات سے لایا گیا۔

بغداد ہو سکتا ہے خلیفہ منصور کی بادشاہت کی عظمت کا نشان ہو لیکن منصور کے حقیقی ورثے میں اس کی موثر اور ریاستی وسائل کا کفایت شعاری سے استعمال، محنت اپنے امور سلطنت کی نگرانی اور سب سے بڑھ کر دنیا کا پہلا ڈاک کا نظام متعارف کرانا شامل تھا۔ دارالخلافہ بغداد کو منتقل کرتے ہوئے عباسیوں نے اسلامی سلطنت کی سمت میں اہم تبدیلی بھی کی۔ بحیرہ روم اور یورپ کی جانب دمشق مغرب زدہ نظر آتا تھا وہاں بغدادی کلچر مشرق بالخصوص ایران سے متاثر دکھائی دیتا تھا۔ اگر دمشق بدستور اسلام کا دارالخلافہ رہتا تو شاید 1099 کو صلیبی جنگجو مسلمانوں کو عبرتناک شکست دے کر یروشلم ختم کرنے کے قابل نہ ہوتے، اس وقت متحارب مسلمان دھڑے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لئے صلیبیوں کی مدد کرنے میں لگے ہوئے تھے اور قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے بھی مسلمان فوج کو پندرہویں صدی کا انتظار نہ کرنا پڑتا۔

منصور ایک مطمئن انسان کے طور پر 775 میں انتقال کر گیا اس نے ایک ایسے شہر اور حکمران خاندان کی بنیاد رکھ دی تھی جو دنیا کے لئے قابل رشک بن گئے تاہم اگر اس کے کھاتے میں ایک ناکامی تھی تو وہ سپین کی خلافت سے علیحدگی تھی۔ آخری زندہ بچ جانے والے اموی عبدالرحمٰن اول نے اندلس پر کنٹرول حاصل کر لیا تھا، جب منصور نے کنٹرول واپس لینے کے لئے اپنا سفارتی وفد اندلس بھیجا تو عبدالرحمان نے نمک اور کافور میں لپٹے ان کے سر واپس بھیجے ان میں سے تینوں کے نام ان کے کانوں پر لکھ کر لٹکائے گئے تھے، اسلامی خلافت پہلے ہی دو حصوں میں منقسم ہو چکی تھی، بعد ازاں مصر اور پورا شمالی افریقہ بھی عباسیوں کے ہاتھ سے نکل گیا، اس کے باوجود اکیسویں صدی میں مسلمان نوجوان نسل اور مغرب کا خیال ہے کہ اس وقت ہمیشہ ایک ہی خلافت رہی جو بعد ازاں انیسویں صدی میں یورپی عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو گئی۔ اپنی تاریخ سے نابلد یہ نوجوان ان دیو مالاؤں

MashalBooks.org

سے مسحور ہیں جو اسلام پسند ملا ان کے سامنے پیش کرتے ہیں، یہ ملا اپنی بکھرتی ہوئی طاقت کے زوال سے خوفزدہ ہیں۔

خلیفہ منصور کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا محمد مہدی تخت نشین ہوا۔ نو جوان شہزادہ اگرچہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا تاہم اس میں اپنے والد کی بہ نسبت برداشت اور درگزر کرنے کی کم صلاحیت تھی۔ اس کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے دنیا میں پہلی بار معذوری الاؤنس جاری کیا، جس کے تحت کوڑھی اور دیگر معذور افراد جو کام نہیں کر سکتے تھے کو بھیک مانگے بغیر زندگی گزارنے کی سہولت مل گئی۔

مہدی دس سال تک برسر اقتدار رہا اور اس دوران اس نے 782ء میں قسطنطنیہ فتح کرنے کی ایک اور کوشش کی، اس لشکر کی قیادت مشہور شہزادے ہارون الرشید نے کی جسے عباسی خلفاء میں سب سے زیادہ شہرت ملی۔ ہارون قسطنطنیہ شہر فتح کرنے میں ناکام رہا لیکن وہ ایک باعزت امن معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو گیا جس پر آبنائے مرمر کے قریب دستخط کئے گئے۔ اس معاہدے کے تحت بازنطینی ملکہ آئرین کو سالانہ 70 ہزار سے 90 ہزار دینار خلیفہ کو خراج دینے کا پابند بنایا گیا۔

خلیفہ مہدی کا دس سالہ دور قدامت پرست مذہبیت سے سیکولر ماحول کی طرف بڑھنے کے حوالے سے بھی مشہور ہوا ہے جہاں دربار میں شراب، موسیقی اور گانا بجانا ہوتا تھا۔ جہاں ابو العباس اور المنصور دونوں موسیقی اور شراب کے خلاف تھے۔ وہاں ایرانی تہذیب کے اثرات نے مہدی کے نرم رویے کو زیادہ متاثر کیا۔ اپنے پسندیدہ غلام کو آزاد کرتے وقت خلیفہ مہدی نے یہ شعر کہے:

اے خدا میری دعا ہے، میری خوش قسمتی کبھی ختم نہ ہو
میرے دوست اور راحت کے ساتھی ابوحفص کے ذریعے
کیونکہ میری زندگی کا لطف شراب اور گیت ہیں
خوش بدن کنیز، موسیقی اور عیش و عشرت بھی

یہ خلیفہ کی سرپرستی میں فصیح شاعری کا وقت تھا، کچھ نظمیں تو انتہائی شہوت انگیز اور معنی خیز ہوتی تھیں، جن کا آغاز جنسی اشتہا، شراب اور عورت سے ہوتا اور ذو معنی الفاظ میں فحش گوئی کی جاتی اور اس شاعری کو آج کی عرب اشرافیہ کے مڈل کلاس دانشور طبقے میں بھی

MashalBooks.org

پذیرائی ملتی ہے۔

خلیفہ مہدی 43 سال کی عمر میں شکار کرتے ہوئے گھوڑے سے گر کر مر گیا، اس حادثے میں اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہاں اس کا بیٹا ہارون ساتھ تھا اور چاہتا تو تخت کا دعویٰ کر سکتا تھا لیکن پختگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو مسلمان شہزادوں میں عموماً عنقا تھی اس نے پیغمبر کا عصا جو خلافت کی علامت تھی اور اپنی بیعت اپنے بھائی موسیٰ ہادی کو بھجوائی، موسیٰ اس وقت ایران میں مہم جوئی میں مصروف تھا۔

خلیفہ موسیٰ ہادی عبوری حکمران ثابت ہوا، روایت بیان کی جاتی ہے کہ اسے اس کی اپنی والدہ کی خواہش پر قتل کرا دیا گیا تاکہ ہارون الرشید تاج پہن سکے۔ خلیفہ ہادی ایک سال تک حکمران رہا اور اس عرصے کا زیادہ تر حصہ اس نے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنوانے کی جوڑ توڑ پر صرف کیا حالانکہ اسے پتہ تھا کہ مرحوم خلیفہ مہدی نے واضح طور پر پہلے ہادی اور پھر ہارون کو اپنا وارث نامزد کیا تھا۔ یہ کشیدگی اتنی بڑھی کہ ہادی نے اپنے بھائی ہارون کو زہر دلوانے کی کوشش کی تاہم وہ بغداد سے فرار ہو گیا۔

مادر ملکہ اپنے خلیفہ بیٹے کے عزائم سے چونک گئی اور کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے دو غلاموں کے ذریعے اس کا گلا گھونٹ دیا، اس طرح ہارون الرشید کی بغداد کو واپسی کی راہ ہموار ہو گئی اور ستمبر 786 میں اس نے خلافت کا منصب سنبھال لیا۔

اگرچہ خلیفہ موسیٰ ہادی کا دورہ مختصر تھا لیکن اس نے علی ابن طالبؓ کے وارثوں اور حامیوں کے اندر بغاوت کو جنم دیا، خلیفہ نے خانوادہ رسولؐ کی پنشن بند کر دی جس سے مکہ میں نئی بغاوت پیدا ہو گئی اور ایک المیے پر اختتام پذیر ہوئی۔ پیغمبر اسلامؐ کے ایک اور وارث ایک اور حسین ابن علی کا سر قلم کر کے بغداد میں خلیفہ کے محل میں اسے پیش کیا گیا جہاں مزید آنسو بہائے گئے۔

اس دور میں عباسی خلافت کے عرب ایران کلچر کے ملاپ اور اس کے نتیجے میں ڈھیلی ڈھالی رسوم کی عمدہ مثال ذہین شاعر ابو نواس (757-814) ہے۔ اس کا باپ ایک عرب تھا جو اس کی پیدائش کے فوراً بعد انتقال کر گیا جبکہ والدہ ایرانی درزن تھی۔ اگرچہ ابونواس کو عرب شاعری پر مکمل عبور حاصل تھا تاہم فارسی کلچر نے اس کی زندگی پر اثرات مرتب کئے تھے جو اس کے ادبی کام میں بھی نظر آتے ہیں۔ وہ بالوں میں لمبی چوٹی باندھتا

MashalBooks.org

اور جشن نوروز مناتا اور اس کے الفاظ میں فارسی کی آمیزش تھی (اس کی ماں نے کبھی عربی نہیں بولی تھی اور ابونواس کی بچپن میں زبان بھی فارسی تھی)۔

ابونواس علانیہ ہم جنس پرست تھا اور نوجوان مردوں کے ساتھ اس کے تعلقات کو اہل بصرہ جانتے تھے اور اسے قبول کرتے تھے۔ وہ ایسا شاعر تھا جو کسی سے خوفزدہ نہیں تھا بلکہ اپنا آپ منواتا تھا، حالانکہ اس وقت اشرافیہ کے لوگ انگوری شراب کی چسکی لیتے اور رقص سے لطف اندوز ہوتے ہوئے طنزیہ شاعری سنتے اور شعراء کا مذاق اڑاتے تھے۔ وہ خوش قسمت تھا کہ وہ خلیفہ المنصور کی بجائے خلیفہ مہدی کے دور حکومت میں پیدا ہوا، وہ خوش قسمت تھا کہ اس کا جنم آج کے بصرہ میں نہیں ہوا، ورنہ اس کے فارسی النسل ہونے کے باوجود اسے سنگساری سے نہیں بچایا جا سکتا تھا کیونکہ اہل ایران اکیسویں صدی میں بھی ہم جنس پرستوں کو فٹ بال سٹیڈیم کے اندر کرین کے ساتھ پھانسی پر لٹکا دیتے ہیں لیکن ابونواس کے دور کے بصرہ اور ایران کثیر الثقافت مرکز تھے۔

جب ابونواس ایک خوبصورت لڑکی جانان کی زلفوں کا اسیر ہوا تو یہ بات جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی، بھلا لونڈوں سے رغبت رکھنے والا کسی عورت سے کیونکر محبت کر سکتا ہے؟ ابونواس کو اگرچہ دینداری سے کم ہی دلچسپی تھی لیکن اس کے باوجود وہ ایک بار فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے گیا جہاں جانان بھی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ دونوں اس وقت ایک دوسرے کے قریب آئے جب انہوں نے بیک وقت حجر اسود کا بوسہ لیا اور ان کی ٹھوڑیاں آپس میں مس ہوئیں۔ حج کے موقع پر بے انتہا ہجوم ہونے کے باوجود اسے دیکھ لیا گیا اور خانہ خدا کی توہین کا مرتکب قرار دیا گیا۔ اگرچہ اس کی مقبولیت کے باعث اسے کچھ نہ کہا گیا۔ یا ہوسکتا ہے کہ عباسی دور کا اسلام ایسا ہو کہ ایک اعلانیہ ہم جنس پرست شاعر کی خانہ کعبہ کے اندر ایک لڑکی سے ملاقات کو بہت بڑا سانحہ نہ سمجھا گیا، جیسا کہ آج کل نظر آتا ہے۔

یہ جوڑا اس وقت ٹوٹ گیا جب نوجوان جانان نے ابونواس پر زور دیا کہ وہ ہم جنس پرستی چھوڑ دے اور صرف اس کے ساتھ تعلق رکھے۔ شاعر نے یہ کہہ کر قطع تعلق کر لیا کہ وہ ہم جنس پرستی کو خیر باد نہیں کہہ سکتا۔

786ء میں ہارون رشید خلیفہ بنا تو ٹوٹے دل کے ساتھ ابونواس بھی بغداد منتقل ہو

MashalBooks.org

گیا۔ اسلامی خلفا میں سب سے زیادہ شان وشوکت والا خلیفہ اورعرب شعراء میں سے سب سے زیادہ بے باک شاعر بیک وقت ایک ہی شہر میں تھے۔ یہ معجزہ قدرت کا ہاتھ ہی دکھا سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے نویں صدی میں بغداد میں کوئی سید قطب موجود نہیں تھے جو ایک متحرک عرب خلیفہ اور ایک سرکش عرب شاعر کے زیر سایہ کلاسیک اسلامی تہذیب کے عیش و عشرت پر تلملا سکتے۔

ابونواس اگرچہ مسلمان تھا لیکن علماء کے لئے دل میں کم ہی احترام رکھتا تھا۔ وہ انتہائی تیز حس مزاج، شریر طبیعت اور برداشت کی کم سطح کا حامل انسان تھا۔ ایک بار نماز کے دوران جب پیش امام نے یہ قرآنی آیت شروع کی کہ ''اے اہل کفار سنو..........'' تو ابونواس نے فوراً لقمہ دیتے ہوئے کہا ''لبیک''۔ ایک بار اسے یوم حشر پر یقین نہ رکھنے کی خلاف شرع بات پر تھوڑی دیر کے لئے حراست میں رکھا گیا جب اس سے استفسار کیا گیا تو اس نے بذلہ سنجی سے یہ دعویٰ کیا چونکہ آج تک اگلے جہاں سے کسی نے واپس دنیا میں آ کر آخرت کے وجود کی تصدیق نہیں کی لہٰذا اس کا کوئی وجود سرے سے ہے ہی نہیں۔

اگرچہ ابونواس کی وجہ شہرت ''شراب کے موضوع پر شاعری' ہے لیکن اس کی جنسی عمل سے متعلق شہوانی شاعری اس شاندار دیندار معاشرے کے تصور کے الٹ ہے جو اسلام پسند ہمیں قرون وسطیٰ کی اسلامی دنیا کے حوالے سے دکھاتے ہیں۔

صرف رومانوی شہوانی شاعری اور عمدہ شراب ہی عباسی خلافت کی پہچان نہیں تھی بلکہ فنون لطیفہ اور لٹریچر اس دور میں فلسفے، سائنس، علم فلکیات اور انجینئرنگ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ترقی کرتے رہے۔ اہل عرب دنیا کو تابناک بنا رہے تھے جبکہ باقی سب محض تماشائی بن کر دیکھ رہے تھے۔ حقیقت میں مورخ فلپ حتی نے اس دور کو جس تناظر میں دنیا کے تمام واقعات سے زیادہ رنگین قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں دانشورانہ بیداری نہ صرف اسلام بلکہ فکر اور کلچر کی تمام تاریخ کا یادگار حصہ تھی۔

اپنے سے زیادہ ترقی یافتہ اور ثقافتی لحاظ سے ارفع تہذیبوں کے لوگوں کو فتح کرنے کے بعد عرب بدوؤں کا دانشورانہ تجسس اور بھوک ابھر کر سامنے آ گئی۔ ہندوستانی، فارسی اور یونانی فلسفے اور سائنسی علوم کا عربی میں ترجمہ کیا گیا، اس طرح بغداد کی تعمیر کے ایک سو سال مکمل ہونے سے بھی کم عرصے میں وہاں کے شہری مابعد افلاطونی فلاسفر اور ارسطو

کی تحریروں کا مطالعہ کر رہے تھے، ہندوستان کے علم فلکیات سے مسلمانوں کو اس وقت آگاہی ہوئی جب منصور نے سنسکرتی فلسفے ''سدھانت'' (عربی میں سند ہند) کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ بغداد نے نامعلوم دنیاؤں، یونان، ہندوستان، ایران حتیٰ کہ چین کی فکر کو مزید جلا بخشی۔ مشہور عالم الخوارزمی کے فلکیاتی ٹیبل کی بنیاد فارسی کے ریاضی دان الفضاری اور ہندوستانی و یونانی نظام فلکیات کے امتزاج پر تھی تاہم اس نے خود بھی اس میں نمایاں اضافہ کیا۔

قرون وسطیٰ کے اسلام پر ہندوستان نے جو اثرات مرتب کئے ان کا کم ہی ذکر ملتا ہے حالانکہ دنیا بھر میں ہر قرآنی نسخے پر ہندوستانی اثرات کی شہادت موجود ہے، قرآنی صفحات کی نمبرنگ عربی نہیں ہندوستانی اعداد کے مطابق کی گئی ہے۔ عربی ہند سے یورپی زبانوں میں بہت پہلے اختیار کر لئے گئے تھے۔

ائمہ کا دور:

خلفاء کے محلوں کی غلام گردشوں میں اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے یا دشمنوں کو ختم کرنے کی سازشوں کے ساتھ ساتھ سائنس، انجینئرنگ، ریاضی، رقص اور شاعری پروان چڑھتے رہے لیکن عباسی دور کی تمام کامیابیاں اسی عرصے میں اسلام کے 5 مکاتب فکر کے جنم سے موازنہ کرتے ہوئے ماند پڑ جاتی ہیں۔ عربی کے ان ناموں کا انگریزی میں بمشکل ترجمہ ''مذہبی فقہ'' کے نام سے کیا جاتا ہے۔

پیغمبرؐ کے وصال کے بعد اسلامی فقہ کے ایسے کئی ''مکتب فکر'' پیدا ہو گئے جن میں سے اکثر صحابہ نے تخلیق کئے تھے۔ دمشق کے ایسے کچھ مکاتب فکر ''مالکی مذہب'' کے نام سے زندہ رہے جبکہ کئی عراقی مکاتب فکر آپس میں مدغم ہو کر حنفی مذہب بن گئے، شافعی اور حنبلی فقہ بعد میں عباسی دور میں وقوع پذیر ہوئے۔ یقیناً شیعہ اسلام کی اپنی الگ فقہ جعفریہ تھی جو امام جعفر الصادق (65-702) نے مرتب کی جنہیں تاریخی حوالوں کے مطابق ابتدائی عباسی حکومت نے گرفتار کر کے جیل میں زہر دے دیا تھا۔ جو بات جعفر صادق کے حوالے سے دلچسپی کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ فقہ حنفیہ کے بانی ابو حنیفہ اور فقہ مالکی کے بانی امام مالک دونوں ان کے شاگرد تھے اور آپ خود شیعہ مکتبہ فکر کے بانی تھے۔ جو کام ان پانچوں ائمہ نے

کیا اسے آج شرعی قانون کے نام سے جانا جاتا ہے۔

بڑے اسلامی مکاتب فکر کے ان 5 بانیوں کی کہانی سنانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو بتا سکوں کہ ان انتہائی دیندار شخصیات جن سے اسلام کے سیاسی نظام کو کوئی خطرہ نہیں تھا کو بھی عباسی بادشاہوں کی ظالمانہ اور شک وشبہے والی فطرت کا نشانہ بننا پڑا تھا۔ خلفاء نے اپنی اتھارٹی اور مطلق العنانیت کے لئے کسی بھی ممکنہ خطرے کے پیش نظر صرف امام جعفر صادق کو ہی قید یا شہید نہیں کیا۔

700 سے 900ء کے عرصے میں جب شرعی قانون تخلیق ہوا اور احادیث کے مجموعے مرتب کئے گئے۔ اس کے دوران مسلمانوں کی مسلمانوں کے خلاف 45 جنگیں، بغاوتیں اور جوابی کارروائیاں ہوئیں۔ اس کا مطلب ہے ہر 5 سال کے بعد پرتشدد تصادم۔ اس روایت سے مسلمان معاشرے میں تشدد کے کلچر کو فروغ ملا اور یہ شرعی بنیادوں پر سیاسی اسلام کے حامیوں کی سیاسی کارروائیوں کا آج بھی غالب طریقہ ہے۔

امام ابو حنیفہ (699-767) امام جعفر الصادق کے شاگرد تھے لیکن انہوں نے سب سے بڑی سنی فقہ کی داغ بیل ڈالی، وہ کابل سے ہجرت کر کے بصرہ جانے والے ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے اور ہزاروں علمی تحریروں کے مصنف تھے۔

763ء میں خلیفہ منصور نے انہیں قاضی القضاء کے عہدے کی پیشکش کی، جب امام ابوحنیفہ نے انکار کیا تو خلیفہ نے انہیں قید کر دیا۔ خلیفہ کی بات سے انحراف کے جرم میں انہیں اپنی باقی زندگی کے تمام ایام بغداد کی جیل میں گزارنے پڑے یہاں تک کہ موت نے انہیں آزادی دلائی۔

امام مالک (715-796) مالکی فقہ کے بانی تھے جس کے پیروکار ان دنوں شمالی اور مغربی افریقہ میں غالب اکثریت میں ہیں۔ آپ مدینہ کے ایک یمنی خاندان میں پیدا ہوئے، وہ اپنے وقت کی سیاست میں مطلق العنانیت کے برملا ناقد تھے اور انہوں نے خلیفہ منصور کی طرف سے بزور طاقت بیعت لینے کی روش کے خلاف فتویٰ بھی جاری کیا، انہیں بھی حکم عدولی پر سر عام کوڑے مارے گئے تاہم بعض روایتوں میں ہے کہ امام مالک کو اس لئے کوڑے مارے گئے کیونکہ انہوں نے زبردستی لی جانے والی طلاق کو باطل قرار دیا تھا۔ اس فتوے کے سنجیدہ سیاسی اثرات بھی تھے کیونکہ اس میں اس تنقید کو تقویت ملی تھی کہ خلیفہ

MashalBooks.org

منصور کو طاقت کے بل بوتے پر اقتدار مسلط کرنے کا حق نہیں۔

وسیع علم کی بنیاد پر محمد ابن ادریس الشافعی (820-767) جنہیں امام شافعی کے طور پر جانا جاتا ہے کو ''ابو اصول الفقہ'' کا قابل احترام خطاب بھی دیا جاتا ہے۔

آپ فلسطین کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے اور پہلے مکہ اور پھر مدینہ چلے گئے جہاں آپ امام مالک بن انس کے شاگرد ہو گئے۔ امام شافعی ان پانچوں ائمہ کرام میں سے واحد امام تھے جنہوں نے خلیفہ کی حکومت میں ملازمت اختیار کی لیکن جلد انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ 796ء میں امام مالک کی رحلت کے بعد خلیفہ ہارون الرشید نے امام شافعی کو یمن میں قاضی مقرر کیا، جب انہوں نے گورنر پر تنقید کی تو ان پر خلیفہ کے خلاف بغاوت کا جھوٹا الزام لگا دیا گیا، جیل میں سے شافعی نے خلیفہ کو اپنی بے گناہی کا یقین دلانے میں کامیابی حاصل کر لی اور رہا کر دیئے گئے لیکن اس سے انہوں نے سبق حاصل کرتے ہوئے دوبارہ سرکاری ملازمت سے گریز کیا۔

امام شافعی کے شاگرد احمد بن حنبل (855-780) جنہوں نے فقہ حنبلی کی بنیاد رکھی کو طویل قید اور سر عام تشدد سے گزرنا پڑا۔

وہ ایرانی شہر مرو میں پیدا ہوئے لیکن ان کی پرورش بغداد میں ہوئی، ان کے دور میں عقلیت پسند معتزلہ جو عقیدے کے بجائے منطق اور عقل کو ترجیح دیتے تھے کے ساتھ بڑے بڑے مناظرے بھی کئے گئے۔ معتزلہ کا خلیفہ عبداللہ مامون (833-786) پر گہرا اثر و رسوخ تھا۔ ان حالات میں روایت پسندوں اور عقلیت پسندوں کے مابین تصادم ناگزیر تھا اور دونوں گروہوں کے درمیان مناظرے کو ''خلق قرآن'' کی بحث کا نام دیا جاتا ہے۔

خلیفہ مامون معتزلہ کی پشت پناہی کر رہا تھا جن کا عقیدہ یا نظریہ یہ تھا کہ وہ اگرچہ قرآن کو اللہ کا کلام تسلیم کرتے ہیں لیکن مامون نے سپین کے عدالتی احتساب کی طرز پر مگر اس کا الٹ اور مہذب ادارہ ''تحفہ'' متعارف کرایا، جس کے تحت سرکاری فقہا جن کی اکثریت معتزلہ کی ہوتی تھی کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ تمام علماء سے پوچھ گچھ کر سکیں۔ جس کسی نے معتزلہ کی مخالفت کی اسے جیل کی ہوا کھانا پڑی، جب امام احمد بن حنبل کو بھی خلیفہ کے حکم پر اس امتحان سے گزارا گیا تو انہوں نے ''خلق قرآن'' کے نظریے کو مسترد کر دیا اور کہا کہ یہ مطلقاً خدا کے الفاظ ہیں۔ چنانچہ سرکاری عقیدے پر عمل درآمد سے انکار پر انہیں قید کر

دیا گیا۔

روایت پسند علماء کے خلاف کارروائیوں کا سلسلہ مامون کے جانشین معتصم باللہ کے دور میں بھی جاری رہا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سنی سکالروں کی بابت بالعموم اور امام حنبل کے لئے بالخصوص انتہائی ظالمانہ سوچ رکھتا تھا۔ غصے میں آ کر بالآخر خلیفہ نے احمد حنبل کو سر عام کوڑے مارنے کا حکم دیا، معتصم کی موت کے بعد واثق باللہ خلیفہ بنا تو اس نے ابن حنبل کو بغداد سے جلا وطن کر دیا۔

علماء سے تفتیش کا یہ سلسلہ 847ء میں خلیفہ المتوکل کے دور میں جا کر ختم ہوا اور تمام عقیدوں کے قید افراد کو رہا کر دیا گیا۔ قسمت کا الٹ چکر کہ متوکل نے معتزلہ کی گوشمالی شروع کر دی اور انکے تمام قاضیوں کو برطرف کر کے حکم دیا کہ مساجد کی منبروں سے معتزلہ پر لعنت بھیجی جائے۔

847ء میں حالات کی لہر عقلیت پسندوں کے خلاف پلٹ پڑی اور ابن حنبل جنہوں نے اس دوران خاموشی اختیار کر رکھی تھی عوامی سطح پر دوبارہ سکالر اور امام بن کر ابھرے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ کا 31 جولائی 855 کو بغداد میں انتقال ہوا تو جنازے میں 8 لاکھ افراد نے شرکت کی۔

اسلام کے پانچوں مکاتب فکر کے بانیوں کے مطالعے سے کئی اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں،۔ یہ پانچوں امام ایک ہی خطے میں ایک ہی دور میں پیدا ہوئے، یہ عرصہ آٹھویں اور نویں صدی کے درمیان تھا۔ ان سب کا ایک دوسرے سے استاد یا پھر یا گرد کا تعلق تھا۔ تاہم جیسے ہی عباسی سلطنت نے لرزنا اور ٹوٹنا شروع کیا تو ایک اور مکتبہ فکر بھی ابھر کر سامنے آ گیا۔ یہ ایسے تھا جیسے اسلامی سوچ منجمد ہو کر جمود کی دلدل میں پھنس گئی ہو۔ اس صورتحال سے یہ سوال اٹھتا ہے کہ: کیا اسلامی فکر کا فروغ صرف مشرق وسطیٰ کے علاقے تک محدود تھا؟ کیا ایسا ممکن تھا کہ بنگال کے گنگا ڈیلٹا، انڈونیشیا کے جزائر، مراکش کے کوہ اطلس یا پنجاب کے میدانوں میں کوئی ایک بھی دانشور پیدا نہیں ہوا؟ یا پھر ایسے لوگوں کو بغداد کے معتزلہ کی طرح مٹا دیا گیا تھا؟

اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی پوچھنا ہو گا، کہ کیا اسلامی فکر صرف آٹھویں اور نویں صدی کے سو سال تک محدود رہی اور پھر بیمار ہو گئی؟ ہم مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی دانش

MashalBooks.org

نویں صدی میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور اس کے بعد آنے والی صدیوں کے مرد اور خواتین آج کے دور تک زوال پذیر رہے یہ لوگ ان لوگوں کے فلسفیانہ عمرانی اور سائنسی کمال تک پہنچنے میں ناکام رہے جو ہمیشہ کے لئے ہمارے امام بن گئے۔ یا پھر ہم اختلافات پیدا کرتے ہوئے یہ کہیں کہ یہ شریف لوگ اپنے دور کے سکالر ضرور ہوں گے لیکن انہوں نے ہمارے بارے میں کچھ نہیں لکھا نہ ہی اللہ اور اللہ کے رسول نے ہمیں یہ پابند کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کے لکھے قوانین پر اندھا عمل درآمد کریں جنہیں نہ ہم جانتے ہیں نہ ان سے کبھی سوال کر سکتے ہیں۔

پھر یہ بھی سوال ہے کہ اگر نویں صدی کے مسلمان بے باک طریقے سے چاہے جان خطرے میں ہی ڈال کر، خلق قرآن جیسے حساس معاملات پر بحث کر سکتے تھے تو آج کے مسلمان ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟

اور آخر میں یہ کہ اگر اسلام پسند ہمیں یہ سمجھاتے ہیں کہ عباسی دور ہمارے لئے نمونہ ہے اور اسے نافذ کرنا چاہیئے تو پھر اس بارے میں کیا کہیئے گا کہ پانچوں ائمہ کرام جن کے مسلمان پیروکار ہیں کو تشدد، اسیری حتیٰ کہ اسلام کے نام پر موت کا نشانہ کیوں بنایا گیا؟ اور اگر اس ماڈل میں عقلیت پسند تحریک ''معتزلہ'' کا اسلام سے صفایا شامل ہے تو پھر وہ لوگ کہاں جائیں جو سکہ بند دیو مالاؤں کو چیلنج کرتے ہیں؟ کیا ایسے میں کسی اودنس یا فیض احمد فیض یا ابونواس کی گنجائش ہوگی؟

ہارون الرشید:

خلیفہ ہارون الرشید نے اسلامی سلطنت پر ستمبر 786ء سے مارچ 809 تک تقریباً 23 سال حکومت کی لیکن ان دوعشروں میں اس نے عباسی حکمرانی کے مستقبل کو سانچے میں ڈھال دیا۔ ان کے دور میں بغداد اپنے وقت کا سب سے پرشکوہ شہر بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ دریائے دجلہ کے 30 کلومیٹر تک کے علاقے میں ساحل پر بندرگاہیں چین اور ہندوستان سے آنے والے سینکڑوں جہازوں سے کھچا کھچ بھری ہوتی تھیں۔ اس کے علاوہ شاہانہ گنڈولے ''زرق'' اہل بندرو کو دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر پہنچاتے تھے۔ شہر کے بازاروں میں دنیا کے کونے کونے سے لایا ہوا سامان تھا۔ حتیٰ کہ غلاموں کی خرید و

MashalBooks.org

فروخت بھی ہوتی تھی اور نہ صرف سیاہ فام غلام بلکہ سفید روسی بھی فروخت کے لئے لائے جاتے تھے۔ حضرت محمدؐ کے حکم کے باوجود پوری اسلامی سلطنت اور تاریخ میں انسانوں کی خرید و فروخت جاری رہی۔ ابوبکر صدیقؓ سے لے کر بیسویں صدی کے سعودی حکمران خاندان تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اسلام کے تمام فرقے اگر کسی ایک ادارے پر متفق ہوئے تو وہ غلامی کا شعبہ تھا اور خلیفہ ہارون الرشید بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

انتہائی وجیہہ انسان ہارون نے جب خلافت سنبھالی تو اس وقت اس کی عمر محض 20 سال تھی۔ اس کی ماں جس نے اس بات کو یقینی بنایا کہ ہارون کی جگہ کوئی اور خلیفہ نہ بنے ریاستی امور میں کافی عمل دخل رکھتی تھی۔ اس خاتون کا انتقال 789 میں ہوا۔ خلیفہ ہارون الرشید کی معاونت بغداد کے انتہائی امیر فارسی گوفرد یحییٰ برمکی جو منصور اور مہدی کے دور سے عباسیوں سے منسلک تھا بھی کرتا تھا۔ ریاست کے مالیاتی امور پر برمکیوں کا کنٹرول تھا اور انہیں اس حوالے سے کافی آزادی بھی دی گئی تھی۔ یحییٰ برمکی نے ہارون کو خلافت کے حصول میں مدد دی تھی اور یحییٰ اور اس کا بیٹا جعفر 798ء تک دربار میں نہایت اعلیٰ رتبے پر فائز رہے تاہم پھر خلیفہ ان سے ناراض ہو گیا کیونکہ اسے پتہ چلا کہ جعفر برمکی کے اس کی بہن عباسہ سے تعلقات ہیں جس پر اس نے جعفر کو قتل کر کے لاش کے دو ٹکڑے کر دیئے اور پھر یہ ٹکڑے دریائے دجلہ کے پل پر لٹکا دیئے۔ خلیفہ نے اس پر بس نہیں کی بلکہ تمام برمکی خاندان کو گرفتار کر کے ان کی دولت اور جائیداد ضبط کر لی۔

جعفر سے ملاپ کے نتیجے میں عباسہ نے ایک بیٹے کو جنم دیا۔ اپنے حمل اور پھر بچے کی پیدائش چھپانے کے لئے وہ حج کے بہانے مکہ چلی گئی جہاں اس نے بچے کو جنم دیا۔ بعد ازاں وہ بچے کو ایک خادمہ کی نگرانی میں چھوڑ کر واپس آ گئی۔ مورخین بتاتے ہیں کہ جب خلیفہ کو بچے کے بارے میں پتہ چلا تو وہ مکہ گیا اور بھانجے سے مل کر اسے قتل کرا دیا۔ بغداد واپسی پر ہارون نے اپنے چیمبر میں عباسہ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

کہا جاتا ہے کہ اپنی پسندیدہ بہن اور اس کے محبوب جو خلیفہ کا بھی قریبی دوست تھا کی موت نے ہارون الرشید پر گہرا اثر ڈالا اور اس صدمے کی تاب نہ لاتے ہوئے 6 سال بعد صرف 40 سال کی عمر میں چل بسا۔ رابرٹ پائن نے اپنی کتاب ''اے ہسٹری آف اسلام'' میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ:

MashalBooks.org

''اس المیے کا مختصر تذکرہ خزانے کے ایک ریکارڈ میں ملتا ہے جہاں لکھا تھا ''جعفر ابن یحیٰ کے کپڑوں کے لئے خرچہ 4 لاکھ دینار۔'' چند روز بعد ایک اور اندراج کیا گیا۔ ''جعفر ابن یحیٰ کے لڑکے کی لاش جلانے کے لئے اخراجات 10 قیراط۔'' ایک قیراط دینار کا چوتھائی حصہ ہوتا تھا۔''

ہارون الرشید ایک ہم جنس پرست شاعر کی خوبرو اور شہوت انگیز عورتوں کے بارے میں شاعری تو برداشت کرسکتا تھا لیکن بات جب اس کے اپنے خاندان کی غیرت کی آئی تو اس کی کم از کم قیمت اس کی پسندیدہ بہن کی موت تھی۔ کئی سو سال بعد ایک اور مسلمان بادشاہ مغل شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر نے بھی ہارون رشید کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی بہن کو ایک عام شخص سے محبت کے جرم میں دہلی کے لال قلعے کی دیواروں سے نیچے پھنکوا دیا۔

ہارون رشید مسلمان ریاست میں بے انتہا دولت لایا تھا۔ مورخ طبری ہارون کے دور پر اپنے تبصرے کا اختتام ان الفاظ میں کرتا ہے: ''کہا جاتا ہے کہ جب ہارون رشید کا انتقال ہوا تو خزانے میں 900 ملین درہم موجود تھے۔''

ہارون کے 3 بیٹے تھے۔ عبداللہ مامون کی پیدائش اس کی تخت نشینی کے روز ہوئی، دوسرا بیٹا محمد امین کچھ عرصہ بعد خلیفہ منصور کی پوتی اور خلیفہ کی دوسری ملکہ زبیدہ کے بطن سے پیدا ہوا، چونکہ مامون کی والدہ فارسی کنیز تھی اس لئے اسے اپنے چھوٹے بھائی کی بہ نسبت کمتر سمجھا جاتا تھا۔ گویا بہترین دور اور دانا ترین خلیفہ کے وقت میں بھی نسلی تعلق میرٹ اور عقیدے سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ اگر ہارون کوئی ایسا سیاسی ادارہ نہیں بنا سکا یا نہیں بنایا جو انتقال اقتدار میں کردار ادا کرسکتا تو پھر اس میں شبہ ہے کہ کوئی اور لیڈر ایسا کرتا۔ اس بات کی تصدیق تاریخ کرتی ہے۔

798ء میں خلیفہ ہارون نے اعلان کیا کہ چھوٹا سا شہزادہ محمد امین اس کا ولی عہد ہوگا اور بڑا بھائی اس کے بعد جانشین ہوگا۔ مسئلہ یہ تھا کہ عہدوں سے زیادہ اس وقت شہزادوں کی تعداد زیادہ تھی، کچھ عرصے بعد ہی خلیفہ کو ایک اور شہزادے مستعصم باللہ کے مطالبات سے بھی نمٹنا پڑا۔ تینوں شہزادوں کے درمیان تقسیم اقتدار کا مسئلہ حل کرنے کے لئے وہ انہیں 802ء میں مکہ مکرمہ لے گیا اور ممتاز ججوں، علما اور جنرلوں کی موجودگی میں ایک

MashalBooks.org

تفصیلی معاہدے پر دستخط کرائے، معاہدے کے تحت خلیفہ ہارون الرشید کی موت کے بعد امین اس کی جگہ خلیفہ بنے گا لیکن وہ اپنے بھائیوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کرے گا، مستعصم باللہ کو الجزیرہ اور مامون کو ایران کا گورنر لگایا گیا، وفاداری اور وابستگی کے ساتھ اس دستاویز پر خانہ کعبہ کے سائے تلے دستخط کیئے گئے اور اس کے تقدس کے اظہار کے لئے پھر اسے خانہ خدا کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیا گیا لیکن فلسطین کے متحارب دھڑوں حماس اور الفتح کے 2007ء میں کیئے ہوئے معاہدے سمیت مکہ میں کیئے گئے دیگر تمام معاہدوں کی طرح یہ معاہدہ بھی محض کاغذ کا ایک ٹکڑا ثابت ہوا۔ دراصل خلیفہ نے اپنی سلطنت کو 3 حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور جب خاندانی معاملہ درپیش ہو تو خدا اور ملک کے معاملات ثانوی ہو جاتے ہیں۔

808ء میں عظیم خلیفہ ہارون الرشید انتقال کر گیا اور اس کی موت کے ساتھ سلطنت کو ایک اور خانہ جنگی، لیکن اس بار خاندان کے اندر سے، کا سامنا کرنا پڑا۔ جیسے ہی یہ خبر بغداد پہنچی کہ خلیفہ مر چکا ہے تو شہزادے امین نے زمین پر خدا کے نائب یعنی خلیفہ اور مسلمانوں کے رہنما کا حلف اٹھا لیا۔ مامون اپنے باپ کے انتقال کے وقت ملک کے شمالی حصے میں ایک باغی کے بہیمانہ قتل کی صورت حال دیکھ رہا تھا اور اس نے خاموشی سے اپنے تیئں خود کو ملک کے شمالی حصے کا حقیقی حکمران سمجھ لیا تھا، دوسری طرف امین کے عزائم کچھ اور ہی تھے اس نے پہلے تو مستعصم باللہ کو الجزیرہ کی گورنری سے برطرف کیا اور پھر ان علاقوں کا کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کی جو اس کے بھائی مامون کی عملداری میں دیئے گئے تھے۔

دونوں فریقوں کے درمیان سرد جنگ 3 سال تک چلتی رہی اور پھر مکمل جنگ پر منتج ہوئی جس میں امین کو بری طرح شکست ہوئی، اس طرح پوری سلطنت پر مامون کا کنٹرول ہو گیا۔

عبداللہ مامون اور عقلیت پسند (معتزلہ) (833-786)

عبداللہ مامون عباسی خاندان کا ساتواں خلیفہ تھا اس کے دور کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں اسلام کی واحد عقلیت پسند تحریک معتزلہ کو انتہائی عروج ملا، اس دور میں یونانی فکر سکالروں میں سما گئی اور طاقت کا توازن نمایاں طور پر عربوں سے ایرانیوں اور غیر عربوں

MashalBooks.org

کو منتقل ہو گیا۔

اپنے بھائی امین کو خانہ جنگی میں شکست دینے کے باوجود ماموں نے بغداد میں قیام کرنا پسند نہ کیا بلکہ ایرانی شہر مرو میں رہنے کو ترجیح دی۔ اس کی فوج نے خانہ جنگی میں فتح حاصل کی لیکن بغداد لاقانونیت کی آماجگاہ بن گیا اور ابھی اسے خلیفہ کے زیر نگیں لانا باقی تھا۔

جس وقت متحارب دھڑے اقتدار کے لئے آمنے سامنے تھے، مامون نے سنی اور شیعہ فرقے کو قریب لانے کی کوشش کرتے ہوئے 817ء میں حضورؐ کی اولاد میں سے امام علی رضا کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تاہم اس اقدام سے بغداد میں بغاوت پھیل گئی۔ خلیفہ کے چچا ابراہیم بن مہدی نے خلافت کا وارث ایک شیعہ کو مقرر کرنے کا فیصلہ مسترد کرتے ہوئے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ مامون کے پاس بغاوت کچلنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا، اس نے اپنی کمان میں فوج کے ساتھ 819ء میں بغداد پر حملہ کیا اور بغاوت فرو کر دی لیکن امام رضا کو مشہد میں زہر دے دیا گیا۔ یوں ایک بار پھر اسلامی قانون میں کسی سیاسی نظام کی عدم موجودگی سے خانہ جنگی میں مسلمانوں اور سیاسی مخالفین کا خون بہانے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس میں زیادہ عمل دخل حرم کی ریشہ دوانیوں کا تھا جہاں کیئی ملکائیں اور کنیزیں اپنے، اپنے بیٹوں کو آگے لانے کی دوڑ میں لگی تھیں۔ اسلامی اداروں میں سے سب سے زیادہ کثرت ازدواج کے شعبے نے لاتعداد مسلمان حکمرانوں کو صدمے سے دوچار کیا کیونکہ امور سلطنت میں خواتین مداخلت کرتی تھیں۔

خلافت کے حصول میں کامیابی کے بعد مامون نے مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی عقلیت پسند تحریک جو معتزلہ کے فلسفے کے فروغ کی خواہاں تھی کی بھرپور پشت پناہی کی۔ معتزلہ کی سوچ کا آغاز آٹھویں صدی میں دم توڑتی ہوئی اموی خلافت کے آخری ایام میں بصرہ میں ہوا جہاں واصل بن علی (المتوفی 748) اس سوال پر اپنے اساتذہ سے الجھ پڑا کہ گناہ کبیرہ (مثلاً قتل یا جنسی زیادتی) کرنے والا کوئی مسلمان کافر ہو جاتا ہے یا محض گناہگار مسلمان رہتا ہے؟ اس مناظرے کو المنز لہ بین المنزلتین کا نام دیا گیا۔ دراصل اور اس کے پیروکاروں کا موقف تھا کہ جب تک کوئی گناہگار یا مجرم توحید اور عقیدہ رسالت پر قائم رہتا ہے اسے کسی صورت میں بھی کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان لوگوں کو معتزلی قرار دیا گیا جبکہ وہ

MashalBooks.org

خود کو اہل التوحید والعدل کہتے تھے۔ تاہم مامون کے دور میں 800ء کے اوائل تک اسے باقاعدہ تحریک کی شکل نہیں ملی تھی، اس وقت ابوالہذیل (متوفی 849) نے بصرہ میں اس تحریک کو منظّم و مربوط کیا۔

اگرچہ معتزلہ کے فلسفے کی بنیاد منطق اور یونانی فلسفے کے بعض پہلوؤں پر تھی تاہم ان کا حوالہ اسلام ہی تھا۔ مخالف مکاتب فکر میں ان کے مخالفین...... روایتی سنی اور شیعہ۔ ان پر بدعت کا الزام لگاتے ہوئے کہتے تھے کہ ان کا عقل کو وحی کے ادراک کی بنیاد قرار دینا اسلام کے خلاف ہے۔

اسلام کے ابتدائی ایام سے ہی مسلمانوں نے اپنے علما سے بعض بنیادی سوالات کئے تھے: کیا قرآن تخلیق کیا گیا ہے یا یہ لافانی ہے؟ کیا شرخدا نے خود پیدا کیا؟ اللہ نے انسان کی جو تقدیر بنائی ہے اس کے سامنے انسان کی آزادی رائے کی کیا حقیقت ہے؟ اگر کوئی پتہ تک حکم الٰہی کے بغیر ہل نہیں سکتا تو پھر خدا برائی کو یکسر ختم کیوں نہیں کر دیتا؟ مسلمان، بالخصوص عباسی دور کے مسلمان، اس بات پر بحث کرتے تھے کہ خدا کی قرآن میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ تمثیلی ہیں یا ادبی ہیں۔

معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ اندھے ایمان کی بجائے انسان کو اپنی عقل کا استعمال کرتے ہوئے یہ اخذ کرنا چاہئے کہ کیا خدا موجود ہے یا نہیں۔ انہوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنی ذات کا جائزہ لے کر خدا کی صفات سے آگاہی حاصل کریں۔ وہ کہتے تھے کہ انسان کسی چیز کے وجود یا عدم وجود کا اندازہ اپنی عقل کے ذریعے کرے۔ ان کے نظریے کے مطابق اگر کوئی شخص اس بات پر یقین کر لیتا ہے کہ خدا موجود ہے تو پھر اسے یہ بھی پتہ کرنا چاہئے کہ خالق انسان سے کیا چاہتا ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہ سوالات اٹھائے بغیر انسان صرف خود کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ اس طرح وہ وجود کے پورے اسرار کو نظر انداز کرنے کا مرتکب ہوتا ہے اور نتیجتاً خالق کے منصوبے کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

خلیفہ مامون کی طرف سے معتزلہ کی پشت پناہی ملی جلی مہربانی ثابت ہوئی۔ اگرچہ اس بنا پر انہیں اپنے نظریے کی آزادانہ بدعتی ہونے کے الزام کے باوجود ترویج کی سہولت مل گئی تاہم ان کا جذبہ جارحانہ نوعیت کا تھا۔ خلافت کا سرکاری سطح پر حواری بننے سے معتزلی نظریے نے اپنی اصل بنیاد پرست شناخت کھو دی اور جلد ہی اسے ریاست کا ایک

MashalBooks.org

ادارہ سمجھا جانے لگا۔ معتزلہ کی روایت پسند اماموں کے خلاف کارروائیوں سے انہیں عام آدمی کی حمایت سے محروم ہونا پڑا اور الٹا انہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

معتزلہ نے اپنی حدود سے بہت زیادہ تجاوز کیا نتیجتاً گزشتہ ہزاریے میں کسی نے مرتد قرار دینے کے خوف سے ان کی تقلید کرنے کی جرأت نہیں کی۔ البتہ حال ہی میں مسلم دنیا بالخصوص انڈونیشیا میں عباسی دور کے معتزلی فلسفے کا احیاء ہوا ہے۔ جہاں جدت پسند سکالر ہارون ناسوتیان Harun Nasutiyan نے 1970ء کے عشرے کی اسلام میں عقلیت پسندی کے حوالے سے لکھنا شروع کیا ہے۔ 847ء میں خلیفہ متوکل نے معتزلہ کی سرکاری حمایت واپس لے لی اور جلد ہی انہیں دفاعی پوزیشن میں جانا پڑ گیا، نو ویں صدی کے اختتام تک معتزلہ کو نہ صرف روایت پسندوں بلکہ مشرک دانشوروں کی بڑھتی تعداد کے حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اگرچہ معتزلی علما حملوں کی زد میں آ گئے لیکن ان کے نظریات اتنی جلدی متروک نہیں ہوئے۔ حقیقتاً وہ بندرگاہی شہر بصرہ میں فروغ پاتے رہے جہاں ممتاز رہنما عبدالجبار دسویں اور گیارہویں صدی تک معتزلی نظریے کا مقبول پرچارک رہا۔ عباسیوں کے زوال اور صلیبیوں کی آمد اسلامی بنیاد پرستی کے فروغ کا باعث بن گئی۔ بیت المقدس پر عیسائیوں کے قبضے کے بعد خود اسلام کا وجود عیسائیت کے ہاتھوں خطرے میں پڑ گیا۔ خوف اور ممکنہ جنگ و جدال کے ماحول میں عقلیت پسندی کے طلب بہت کم رہ گئی تھی۔ ''اسلام خطرے میں ہے'' کے نعرے نے ہمیشہ ناقدانہ جائزے اور منطقی سوچ کو دھچکا لگایا ہے۔ 1099ء سے 1258 کا دور۔ جب منگولوں نے بغداد کو بھسم کر کے عباسی خلافت کا خاتمہ کیا اور سقوط یروشلم ہوا، معتزلہ کے فلسفے کی ترویج کے لئے قطعی موزوں نہیں تھا۔ ہر شکست، ہر تقسیم اور شکست و ریخت کے ساتھ بنیاد پرستی اور انتہا پسندی مضبوط ہوتی چلی گئی۔ مباحثے اور تنقیدی تجزیے کے لئے حاصل ہونے والا اعتماد مرجھانے لگا۔ اکیسویں صدی تک مسلمان وسوسے کا شکار تھے اور دفاعی پوزیشن میں تھے اور پوری دنیا کو ایسی نظروں سے دیکھ رہے ہیں جیسے وہ ان کے عقیدے کے خلاف سازش کر رہی ہو۔ جس وقت سقوط بغداد ہوا تو اسلام میں معتزلہ کی متعارف کردہ عقلیت پسندی بھی عرصہ ہوا اس کے ساتھ دفن ہوگئی۔

ہارون ناسوتیان جو کینیڈا کے تعلیم یافتہ انڈونیشی سکالر اور جدید معتزلی ہیں کہتے

MashalBooks.org

ہیں کہ انیسویں صدی میں معتزلہ کا عروج دراصل اسلامی ریاست اور علم کلام میں اخلاقیات کے زوال کا نتیجہ ہے۔ رچرڈ مارٹن مارک وڈورڈ اور دوی آتماجا Dwi Atmaja نے اپنی کتاب ''ڈیفنڈرز آف ریزن ان اسلام'' میں لکھا ہے کہ ''ہارون ناسوتیان نے اپنی کتاب کا آغاز معتزلہ کے اس اہم دعوے کے ساتھ کیا ہے کہ اسلامی سیاست اور علم کلام نومولود اسلام میں تیسرے خلیفہ عثمان بن عفان (وفات 6561) کے قتل کے تکلیف دہ واقعے کے نتیجے میں ابھرے، اس کے کچھ عرصے بعد ہونے والی خانہ جنگی جس کے آئندہ اسلامی سیاست کی اور معاشرتی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب ہوئے کوئی ایشو نہیں........... ناسوتیان ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ فتنے پہلے سیاسی اور معاشرتی تنازعوں کی صورت میں پیدا ہوئے اور ان سے مذہبی مکاتب فکر کے راستوں کا تعین ہو۔''

معتزلہ کی فکر کو سب سے بڑا چیلنج اشعری مکتب فکر سے لاحق ہوا جس کی بنیاد ابو الحسن الاشعری (متوفی 936ء) نے رکھی۔ اشعری فکر کے لوگ اسلامی علم کلام کو سختی سے معتزلی فکر سے دور رکھنے میں سرگرم رہے۔

اشعریوں کا نظریہ یہ تھا کہ خدا کی صفات کا ادراک انسانی سوچ کے احاطے میں نہیں آ سکتا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسان اپنے طرز عمل میں آزاد ہونے کے باوجود کچھ تخلیق کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہ محض ایک خیال ہے کہ اخذ کردہ انسانی عقل اخلاقیات میں فرق کر سکتی ہے۔ یہ سوچ یونانی مفکرین سے متاثر معتزلہ کے مکتب فکر سے قطعی برعکس تھی۔

اس تحریک کا بانی جو خود ایک معتزلی رہا تھا اس نے لکھا کہ ''ربوبیت'' کی شکل طبعی ہے۔'' یہ بات قرآن کے حوالے سے اجنبی سوچ تھی، بہرحال جیسے جیسے یہ اندھا عقیدہ پھیلا، ابوالحسن الاشعری کے نظریات کو قبولیت ملتی چلی گئی۔ وہ لکھتا ہے کہ ''ہم اعتراف کرتے ہیں کہ خدا مضبوطی سے تخت نشین ہے ہم مانتے ہیں کہ خدا کے دو ہاتھ ہیں، یہ پوچھے بغیر کہ کیسے........... ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خدا کی دو آنکھیں ہیں، یہ پوچھے بغیر کہ کیسے ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ خدا کا چہرہ بھی ہے وہ سنتا ہے دیکھتا بھی ہے۔''

فلسفی غزالی اس نظریے کے پیکاروں میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کی وجہ شہرت ان کی کتاب ''تہافت الفلاسفہ'' ہے جو عقلیت پسند ہیلنی Hellenic اور اس کے اسلام پر اثرات پر مفصل اور جامع حملہ ہے۔ انہیں اجتہاد کے دروازے بند کرنے کی بنیاد

رکھنے کا بھی ذمہ دار گردانا جاتا ہے اور سید حسین نصر کے الفاظ میں ''انہوں نے سائنس کو دبا کر بنیاد پرستی کو بچا لیا۔'' ہوسکتا ہے کہ غزالی کا مطمح نظر یہ نہ ہو لیکن ان کی فکر کی تشریح نے اسلامی معاشروں کو ایسا کرنے کی ہی ترغیب دی۔ ان کے ناقدین جن میں اندلس کے ابن رشد بھی شامل ہیں ان کے کام کو صدیوں تک ممنوعہ رکھا گیا۔ غزالی نے مسلمانوں کے ارسطو فکر کے فلسفیوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔ انہوں نے اعلان کیا کہ: ''ہمیں ارسطو کے فلسفے کی ترویج کرنے والے ابن سینا، فارابی اور دیگر فلسفیوں اور ان کے پیروکاروں دونوں کو کافر سمجھنا چاہیئے۔''

اشعریوں اور غزالی کے نزدیک دنیا کسی طبعی سائنس کی بنیاد پر نہیں بلکہ خدا کی مرضی سے چل رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب روئی کو آگ لگ سکتی ہے تو اس کی وجہ شعلوں کی حدت نہیں بلکہ خدا کی مرضی ہوتی ہے۔'' غزالی کے مطابق:

''ہم اس کو مانتے نہیں اور کہتے ہیں کہ آتشگیر مادہ خدا ہے کیونکہ اس نے ہی کپاس کے مختلف حصے تخلیق کیئے اور یہی خدا ہے جو سوت کو فرشتوں کے توسط سے یا اس کے بغیر جلا کر خاکستر کرتا ہے، کیونکہ آگ ایک بے جان چیز اور حرکت نہیں کر سکتی اور اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ اس میں کوئی معاون مادہ Agent موجود ہے، دراصل فلسفیوں کے پاس آگ کے پاس جاتے ہوئے جلنے کے عمل کے مشاہدے کے سوا کوئی اور ثبوت نہیں۔ تاہم مشاہدے سے صرف تسلسل کا پتہ چلتا ہے وجہ کا نہیں اور حقیقت میں خدا کے سوا کوئی موجد نہیں۔''

آج کے اسلام پسند بھی اس دور کی طرف مراجعت چاہتے ہیں جب یہ اس نظریے کی ترویج قابل قبول سمجھی جاتی تھی کہ آگ لگنے کی وجہ حرارت نہیں خدا ہے۔ یہ اشعری ہی تھے، امام حنبل اور دیگر انتہائی بنیاد پرستوں کے پیروکار جنہوں نے اسلام میں عقلیت پسندی کا قتل کیا، سائنس اور فلسفے کی ترقی روک دی اور یورپ میں ابھرتی ہوئی نشاۃ ثانیہ اور سائنس کے عروج کے سامنے اسلامی سلطنت کو بے دست دیا بنا ڈالا۔ آج اسلام پسند غزالی کی سائنس کش سوچ کو اپنی سرگرمیوں کے لئے مشعل راہ سمجھتے ہیں۔ کینیڈا کی شریعت نواز اسلامی کانگریس کے صدر جو خود بھی سائنسدان ہیں کہتے ہیں کہ: میرے استاد اور روحانی رہنما، حالانکہ ہم نے زندگی میں کہیں ملاقات نہیں کی، امام ابو حمید محمد الغزالی

MashalBooks.org

(1058/1111ء) ہیں، میں ان کی تحریروں کا مداح ہوں کیونکہ وہ ایسے بہترین سکالر تھے جنہوں نے مغرب کو اسلام سے متعارف کرایا۔''

قرون وسطیٰ کے مسلم ادوار حکومت ایسے سکالروں کی سر بریدہ لاشوں سے بھرے پڑے ہیں جنہوں نے سلاطین اور خلفائے وقت کے اقتدار کی توثیق کرنے سے انکار کیا۔ ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں میں قیدیوں کو ایسے تربیت یافتہ ہاتھیوں پر اچھالنے کے کئی واقعات ملتے ہیں جن کے سونڈ پر دو دھاری تلوار بندھی ہوتی تھی۔ یہ تھا سنہری دور؟ یہ تو کسی بھی معیاری دور کے برابر نہیں۔

قرآن میں ریاستی امور چلانے کا کوئی بنیادی ڈھانچہ موجود نہیں۔ پیغمبر اسلامؐ نے سیاسی قیادت اور جانشینی کے حوالے سے حکومت نہیں کی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ خدا اسلام کی ترویج میں ریاست کا کوئی کردار نہ چاہتا ہو۔ اسلام کے تینوں بانی خاندان اور ابتدائی چاروں خلفا ئی معاملات میں کامیاب رہے لیکن یہ سب سیاسی استحکام کے شعبے میں ناکام ہو گئے۔ عباسی ایسا ماحول بنانے میں کامیاب ہوئے جس میں معاشرے میں فلسفے، ادب، آرٹ، موسیقی اور رقص کو پنپنے کا موقع ملا اور جہاں عام شہری کے حقوق ایک تصور کے طور پر ابھرے اور حتیٰ کہ کوڑھیوں کو تاحیات پنشن دی جاتی تھی لیکن بار بار اس ترقی میں خونریزی اور سیاسی شورش سے تعطل پیدا ہوتا رہا۔ عقلیت پسندی کے مقابلے میں بنیاد پرستی کے عروج نے بھی خلافت کے زوال کی سمت میں طویل سفر میں کردار ادا کیا۔

زوال:

عباسی خلافت کا زوال صرف دانشورانہ ابتلا کا نتیجہ نہیں تھا، اس کی سیاسی، مالیاتی اور معاشی وجوہات تھیں۔ نویں صدی میں اسلامی سلطنت کے سقوط اور چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کے دو بڑے عوامل تھے۔ اول یہ کہ عباسی فوج میں ترکوں کا عمل دخل شروع ہو گیا۔ وہ بہادر، جرائتمند اور گھوڑے کی پشت پر تیز رفتار تھے۔ لیکن جلد ہی انہوں نے پورے عسکری ڈھانچے پر برتری حاصل کر لی اور خلفاء کو محض کٹھ پتلی بنا کر رکھ دیا۔ دوم یہ کہ افریقہ کے سیاہ فام غلاموں نے بغاوت جسے ''بغاوت زنج''☆ کہتے تھے برپا کر دی۔ ان دونوں عوامل کے ساتھ مذہبی فرقوں میں لامتناہی تصادم سے عباسی خلافت کو مستقل طور پر نقصان پہنچا۔ عباسی

☆ زنج کا مطلب کالوں کی سرزمین

MashalBooks.org

فوج میں ترک یونٹوں کا اجراء پہلی بار خلیفہ معتصم باللہ (842-833) کے دور میں ہوا، شروع شروع میں غلاموں کے طور پر لائے گئے ترک فوجیوں نے داخلی مسائل سے نمٹنے کے لئے خلیفہ کے وفادار دستے کے طور پر کام کیا تاہم بغداد میں عوام کی اکثریت ان ترکوں سے نالاں تھی۔ شہریوں اور غیر عربی لشکر میں بڑھتی ہوئی چشمک سے بچنے کے لئے خلیفہ نے ایک بڑی غلطی یہ کی کہ اپنی حکومت کو بغداد کے شمال میں دریائے دجلہ کے کنارے آباد علاقے سمارا میں منتقل کر دیا۔ یہ اقدام اسلامی ریاست کی تحلیل کی سمت میں پہلا قدم ثابت ہوا۔

نتیجتاً ترک فوجیوں کو اپنی خودمختار کمیونٹی بنانے کا موقع مل گیا جو بغداد کے خلاف بغاوت اور جھڑپوں کا موجب بن گیا۔ 842ء میں خلیفہ کے انتقال پر ترکوں کی طاقت حقیقت بن کر ابھر آئی اور یہی وہ ترک تھے جنھوں نے خلیفہ متوکل کو تخت خلافت پر بٹھانے کا انتظام کیا، بغداد 56 سال (892-836) تک عباسی خلفاء کا دارالخلافہ رہا اور یہاں 8 خلفا متمکن رہے۔

خلیفہ متوکل کو اپنی کمزور حیثیت کا اندازہ تھا جب اس نے اپنی فوج کو متنوع بنانے کے لئے شمالی افریقہ اور آرمینیا کے لوگوں کو بھرتی کرنے کی کوشش کی تو اسے قتل کر دیا گیا، اس وقت سے بغداد اور سمارا کے درمیان مستقل جنگ ہونے لگی جس سے خطے کی معیشت پر مضر اثرات مرتب ہوئے۔ زرعی پیداوار، ٹیکس ریونیو میں کمی اور عمومی لاقانونیت سے بغداد مسائل کے نرغے میں گھر گیا۔

مرکزی اتھارٹی تقریباً نہ ہونے کی وجہ سے مصر، آرمینیا اور عرب میں علاقائی وارلارڈز نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ ترکوں کو خلافت کے تحفظ کے لئے بھرتی کیا گیا تھا لیکن ستم ظریفی دیکھئے کہ ان کی بطور ''غیر ملکی'' موجودگی نے ہی ریاست کے انہدام کا کردار ادا کیا۔ جہاں ایرانیوں سمیت دیگر غیر عرب قومیتوں نے خود کو عرب ثقافت اور ریاست میں سمو دیا اور اپنی الگ شناخت برقرار رکھتے ہوئے بالواسطہ طریقے سے اثر و نفوذ کیا وہاں ترکوں کی سوچ ذرا مختلف تھی۔ وہ سلطنت کی عسکری طاقت تھے اور سمجھتے تھے کہ انہیں خلافت کا خلا پر کرنے کے لئے دوسرے درجے کا کردار ادا کرنا چاہئے۔

869ء میں جبکہ ترک پہلے ہی دو خلفاء کا قتل کر چکے تھے انہوں نے معتمد باللہ کو

MashalBooks.org

خلیفہ نامزد کر دیا، ابھی اس نے بمشکل اقتدار سنبھالا ہو گا کہ بصرہ میں بغاوت پھوٹ پڑی، جو غلاموں کا مرکزی شہر تھا۔ کئی برسوں سے ہزاروں سیاہ فام غلام مشرقی افریقہ سے پکڑ کر بصرہ لائے گئے اور انہیں وہاں فروخت کر دیا گیا۔ ان کی حالت زار قرون وسطیٰ کے معیارات کے لحاظ سے بھی انتہائی ہولناک تھی۔ ان کا تعلق ایتھوپیا صومالیہ اور زنجبار سے تھا، انہیں غلاموں کے تاجر انہیں اغوا کرتے اور پھر عرب اور ایرانی امراء کے ہاتھوں فروخت کر دیتے انہیں زیریں فرات کے دلدلی اور کانوں کے مشکل علاقے میں انتہائی مشقت کرنا پڑتی تھی، یہ سب مسلمان تھے لیکن سیاہ فام تھے، یہ سب امہ کا حصہ تھے لیکن افریقی تھے، صدیوں بعد حتیٰ کہ عظیم ابن خلدون تک نے انہیں جانور نما ہی سمجھا۔ یہ لوگ تقریباً 100 سال تک غلاموں کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن ان بیچاروں کو عباسی خلافت میں بھی اسلام کا نام نہاد سنہری دور نظر نہیں آیا۔

انسانی تاریخ میں کسی بھی جگہ پر غلاموں کی انتہائی ڈرامائی بغاوت بصرہ میں افریقی غلاموں نے کی انہوں نے خود کو ایک منظّم فوج میں تبدیل کیا اور اپنے سابق آقاؤں کو محصور بنا لیا۔ بالکل عام آدمی جنہیں افریقہ میں ان کے گھروں سے اغواء کیا گیا، نے اسلام قبول کیا لیکن پھر زمین ان پر جہنم بنا دی گئی اور یہ سب کچھ دولت اور خود نمائی کے سائے تلے کیا گیا تو وہ باغی ہو گئے۔ انہوں نے قرآن کی اس آیت کا سہارا لیا جس میں خدا نے انہیں کہا کہ امراء کی دولت پر ان کا بھی حق ہے۔ انہوں نے اپنے عربی اور ایرانی آقاؤں سے کہا کہ وہ حضرت محمدؐ کی حدیث جو تم لوگوں نے ہی ہمیں پڑھائی یاد کرو کہ (نہ جبر کرو نہ جبر برداشت کرو۔)

ان غلاموں کا لیڈر علی ابن محمد غلام نہیں تھا، انہیں صاحب الزنج کے نام سے جانا جاتا تھا اور وہ حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے تھے۔ علی ابن محمد کی دادی کا تعلق ہندوستان کے صوبہ سندھ سے تھا۔ وہ غلاموں کی طرف اس وقت آئے جب بعض غلاموں نے بغاوت کرتے ہوئے فرات کے کیمپوں سے خروج کیا۔ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور وعدہ کیا کہ ان کا جینا مرنا ایک ساتھ ہو گا۔ علی ابن محمد کی سحر انگیز تقریروں سے غلاموں کے حوصلے بلند ہو گئے کیونکہ انہوں نے باغیوں سے کہا کہ وہ ہتھیار اٹھا کر اپنے آقاؤں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ انہوں نے غلاموں سے آزادی کا وعدہ کیا

اور پھر نہ نبھایا۔

جس وقت خلیفہ سمارا میں تھا اور ترک جرنیل اپنی طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے چوہے بلی کے کھیل میں مصروف تھے تو غلام افریقی جوق در جوق علی ابن محمد کی غیر منظّم فوج میں شامل ہو رہے تھے۔ خونریز جھڑپوں کے دوران لشکر زنج ایک شہر سے دوسرے شہر میں داخل ہوتا اور خلیفہ کی فوج کو شکست دیتے ہوئے اپنے سابق آقاؤں کو قتل کرتا رہا۔ مورخ طبری نے قرون وسطیٰ پر اپنی 30 حصوں پر مشتمل تاریخ میں ایک مکمل باب بغاوت زنج کے لئے مختص کیا ہے۔ اس کا انداز بیان اس لحاظ سے منفرد ہے کیونکہ بغاوت کے وقت وہ خود بغداد میں موجود تھا۔

یہ بغاوت 14 سال تک کامیابی سے چلی اور اس کی حدود پھیلتی چلی گئیں۔ جمہوریہ زنج عباسیوں کی سوچ سے زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔ تنخواہ دار ترکوں اور شمالی افریقہ سے حال ہی میں بھرتی کئے گئے فوجیوں میں سے کوئی بھی سلطنت کے ان آزاد غلاموں کے مقابلے کا نہیں تھا۔ بصرہ پر قبضے کے بعد زنج فوج نے اپنا الگ دارالحکومت اور المختارہ میں قلعہ بنایا۔ بغاوت کے عروج پر اس کے اثرات ایران تک پھیل گئے اور ان کا دائرہ عمل بغداد سے 112 کلومیٹر تک وسیع ہو چکا تھا۔

خلیفہ کی فوج 883ء تک قلعہ مختارہ پر حملے کے قابل نہیں ہو سکی تھی۔ لڑائی میں علی ابن محمد مارے گئے، غلاموں کی بغاوت کچل دی گئی لیکن 14 سالہ بغاوت نے اقتصادی مرکز اور خلافت کو برباد کر کے رکھ دیا۔ مورخ فلپ کا اندازہ ہے کہ بغاوت میں اور مابعد 5 لاکھ کے لگ بھگ لوگ مارے گئے۔ وہ لکھتا ہے کہ دونوں دریا انسانی ڈھانچوں سے بھر گئے کیونکہ مرنے والوں کو دفنایا نہیں جا سکا۔

یہ بغاوت ایسے وقت پر ہوئی جب عراق پہلے ہی روبہ زوال تھا۔ جب یہ بغاوت کچل دی گئی تو وہ خطہ جس کی معیشت غلاموں کی تجارت پر استوار تھی بیٹھ گیا۔ بصرہ پھر کبھی بحال نہ ہو سکا۔ غلاموں کی تجارت کم سطح پر افریقہ سے عرب کے قلب حتیٰ کہ ہندوستان کے ساحلی علاقوں تک میں مزید کئی صدیوں تک جاری رہی۔ غلامی کی یہ لعنت بعض مسلمان ملکوں میں بیسویں صدی تک برقرار رہی۔

زنج کی بغاوت کے دوران احمد ابن طولون (84-835) کی قیادت میں مصر

عباسی سلطنت سے الگ ہو گیا۔ اسے خلیفہ نے وہاں کا گورنر بنا کر بھیجا تھا لیکن اس نے بغاوت کرتے ہوئے طولونی خاندان کی حکومت کی بنیاد رکھ دی جس کی حکومت مصر پر 868 سے 905ء تک برقرار رہی اور پھر عباسیوں نے مصر کو دوبارہ فتح کر لیا۔ جس وقت افریقی غلام ترک عرب ایرانی فوجوں سے لڑ رہے تھے شیعہ اکثریت والے ملک عراق میں ایک اور واقعہ رونما ہو رہا تھا۔ 874ء میں اہل تشیع کے امام حسن العسکری عراق میں اپنے گھر کے اندر نظر بندی کے دوران انتقال کر گئے، ان کی رحلت کے بعد اہل تشیع کا ایمان ہے کہ ان کا پانچ سالہ بیٹا محمد المہدی غائب ہو گیا۔ اس وقت (اور اب بھی) انکا عقیدہ ہے کہ یہ بچہ بارہویں امام ہیں اور ایک روز مسیحا کے طور پر آپ کا دوبارہ ظہور ہو گا لہٰذا جب تک ایسا نہیں ہو گا کہ کسی عباسی خلیفہ کی بیعت نہیں کریں گے۔

آج بھی ایرانی صدر محمود احمدی نژاد اور حزب اللہ کے حسن نصر اللہ سمیت شیعہ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امام مہدی ایک ہزار سال بعد پردہ غائب سے دوبارہ نمودار ہوں گے۔

امام غائب کے نظریے کے اجراء کے وقت تک سنی اور شیعوں کے درمیان اختلافات محض تاریخی اور سیاسی نوعیت کے تھے تاہم امام عسکری کے انتقال کے بعد یہ تقسیم فقہی اختلاف پیدا ہونے کے باعث ختم کرنا ناممکن ہو گیا۔ نویں صدی کے واقعات نہ صرف عباسی خلافت کے زوال کا باعث بنے بلکہ اس سے اسلام میں مستقل تقسیم کا منظر نامہ بھی تیار ہو گیا۔

صلیبی جنگیں:

1099ء میں جب عیسائی جنونی آئے تو عباسی خلافت اس وقت محض نمائشی رہ گئی تھی۔ اسلامی دنیا کا بیشتر حصہ مرکز سے ٹوٹ کر الگ ہو چکا تھا جبکہ عباسی خلفا ترک فوجی کمانڈروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن چکے تھے۔ اسلامی سلطنت تین متحارب خلافتوں میں منقسم تھی جبکہ دور دراز کے علاقوں میں کئی خود مختار سلطنتیں بھی قائم ہو چکی تھیں۔ عراق پر عباسیوں، مصر اور فلسطین پر فاطمیوں اور سپین پر امویوں کی حکومت تھی۔

سنی عباسیوں نے زیادہ شور شرابہ کئے بغیر شیعہ فاطمیوں کے ہاتھوں یروشلم کھو دیا۔ ان دونوں کے درمیان شیعہ سنی جنگ زبانی اور عملی لحاظ سے شروع دن سے جاری ہے۔

MashalBooks.org

تمام اسلامی شہروں میں سے یروشلم زمانہ قریب تک اپنی یہودی اور عیسائی جڑوں کی بنا پر سب سے زیادہ کثیر المذہبی شہر رہا ہے۔ 1009ء میں فاطمی خلیفہ الحکم بامر اللہ نے مقدس چرچ سپلکر Holy Spulchre کو مسمار کرنے کا حکم دیا تھا۔ اگرچہ اس کے جانشین نے 1039ء میں بازنطینی ریاست کو یہ تاریخی چرچ دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دی تھی لیکن اس چرچ کی تباہی سے پورے یورپ کے عیسائیوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی تھی اور پاپائے روم کو مسلمانوں کے قبضے سے مقدس سرزمین آزرو کرانے کے لئے مقدس جنگ لڑنے کی کال دینے کا موقع مل گیا۔ فاطمیوں کی اشتعال انگیزی اس برے وقت میں کام نہ آسکی۔ سپین میں مسلمانوں کو پیچھے دھکیلا جا رہا تھا۔ یورپ سے لاحق خطرات کے باوجود فاطمیوں اور عباسیوں کے درمیان شیعہ سنی تنازعہ مسلمانوں کے درمیان عدم تعاون کا باعث بن گیا۔

جمعہ 15 جولائی 1099ء کو صلیبی عیسائیوں نے چالیس دن تک محاصرہ جاری رکھنے کے بعد یروشلم فتح کر لیا، دو روز تک آخری مسلمان کے صفائے تک شہر میں قتل عام جاری رکھا گیا، یہودی ایک الگ احاطے میں جمع ہو گئے جسے آگ لگا دی گئی تا کہ وہ سب اجتماعی طور پر جل مریں۔ یہ سوال ہمیشہ کیا جاتا ہے لیکن اس کا جواب کم ہی ملتا ہے کہ ایسا کیسے ممکن ہوا؟ خدا اپنی مقدس ترین شہر کو جہنم کی طرح کیسے جلنے دے سکتا ہے؟ اور وہ خلفاء جو زمین پر ظل الہٰی ہونے کے دعویدار تھے اس شہر کی حفاظت میں کیسے ناکام ہو گئے جسے وہ زمین پر اپنا تیسرا مقدس ترین مقام قرار دیتے ہیں؟

امین مالوف کی کتاب ''صلیبی جنگیں عربوں کی نظر میں'' پڑھ کر سقوط یروشلم پر عباسی خلافت کے ردعمل کی افسوسناک تصویر ابھرتی ہے۔ یہ انکشاف چشم کشا ہے۔ مالوف لکھتے ہیں کہ دمشق کے قاضی ابو سعد الحراوی اپنے ساتھیوں سمیت مسلمانوں کے دارالخلافہ کے لوگوں کو یروشلم میں ہونے والے ظلم سے آگاہ کرنے کے لئے آئے۔

مالوف نے اپنا بیان رمضان کے دوران جمعہ کے روز سے شروع کیا ہے جب ہر شخص ممکنہ طور پر روزے سے تھا، الحراوی اور اس کے ساتھی بغداد کی عظیم مسجد میں داخل ہوئے اور جائے نماز بچھا کر کھانا کھانے لگے۔ اجتماع میں سراسیمگی پھیل گئی، دن دہاڑے اور وہ بھی جمعہ کے روز رمضان میں کھانا توہین آمیز فعل تھا۔ جلد ہی مشتعل ہجوم نے الحراوی اور ان کے وفد کو گھیر لیا جنہوں نے کھانا بند کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب سپاہی انہیں

MashalBooks.org

گرفتار کرنے آئے تو وہ پرسکون انداز میں کھڑے ہوئے اور پوچھا کہ ہمارے روزہ نہ رکھنے پر تو آپ بہت مشتعل ہیں لیکن ہزاروں مسلمانوں کے قتل عام اور اسلام کے مقدس مقامات کی تباہی پر آپ کا ردعمل بالکل مختلف ہے۔ اپنا نقطۂ نظر جو آج بھی موثر ہے ثابت کرنے کے بعد الحراوی مسجد سے نکلا اور اپنا احتجاج محل تک پہنچانے چلا گیا۔

افغان نژاد عالم خلیفہ مستنصر باللہ کے دربار میں گھس گیا، اس کے پیچھے اس کے ساتھی بھی واویلا کر رہے تھے۔ وہ خلیفہ کو مقدس سرزمین پر کھیلی جانے والی خون کی ہولی سے آگاہ کرنے آیا تھا۔ درباریوں کو حقارت سے نظر انداز کرتے ہوئے الحراوی بھرے دربار میں خلیفہ کو وعظ دینے لگا: اے خلیفہ! ایسے وقت میں جب شام میں تمہارے بھائیوں کے پاس اونٹوں کی پشت اور گدھوں کے پیٹ میں بھی کوئی جائے عافیت نہیں۔ تم ایک پھول جتنی عارضی زندگی آسودگی سے گزارنے کی کیسے ہمت کر سکتے ہو؟ خون بہایا جا چکا ہے، خوبصورت لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی ہے اور وہ اپنے حسین چہرے ہاتھوں میں چھپا کر رو رہی ہیں۔ کیا بہادر عرب یہ ذلت برداشت کر لیں گے اور دلیر ایرانی بھی یہ بے عزتی قبول کریں گے؟

درباری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے لیکن الحراوی اپنی بھڑاس نکالتا رہا اور بولا: ''انسان کا کمزور ترین ہتھیار یہ ہے کہ وہ اس وقت آنسو بہانے لگتا ہے جب خنجر سے آگ بھڑکائی جا رہی ہے۔ الحراوی صحرائے شام سے گزرتے ہوئے بغداد پہنچا تھا تاکہ یروشلم کے قتل عام کے متاثرین کے لئے خلیفہ سے مدد مانگ سکے لیکن اسے اپنے میزبانوں کی کوئی ہمدردی نہ مل سکی، قاضی کی تقریر سننے اور یروشلم کے شہریوں پر ٹوٹنے والی قیامت کا حال جاننے کے بعد 22 سالہ خلیفہ مستنصر نے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے اس مسئلے کی تحقیقات کے لئے دانا افراد پر مشتمل کمیٹی بنا دی۔ ان سات افراد کی رپورٹ اب تک بغداد میں ملنے کا انتظار ہے۔

جو بات اکثر مسلمان نہیں جانتے اور شاید جاننے کی خواہش بھی نہیں رکھتے وہ سقوط یروشلم میں کئی مسلمان حکمرانوں کا شریک جرم ہونا ہے۔ جب فرانسیسیوں نے شہر کا محاصرہ کیا تو یروشلم کے فاطمی کمانڈر جنرل افتخار الدعوہ نے مزاحمت کرنے کی بجائے فوج شہر سے نکال لی اور نہتے شہریوں کو صلیبی لشکر کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ اس بات کے کم ہی

MashalBooks.org

حوالے ملتے ہیں کہ جب صلیبی فوج پیش قدمی کرتے ہوئے ترکی کے شہر انتیوج پر قابض ہوئی تو اسے فاطمیوں کی طرف سے گلدستے اور پیغامات ارسال کئے گئے۔ دراصل فاطمی سنی ترکوں (سلجوقوں) کے بارے میں اتنے متعصب تھے کہ انہوں نے ترکوں کو جنوب کی طرف سے مصر کی جانب پیش قدمی سے روکنے کے لئے یورپی فوجوں کو اتحاد تک کی پیشکش کر ڈالی۔صلیبیوں نے حقارت سے فاطمیوں کی پیشکش مسترد کر دی اور وہاں آنے والے مصری وفد کو فتح انتیوج کے دوران ہلاک ہونے والے تین ترکوں کے سروں کا نظارہ کرایا گیا۔ فاطمی وزیراعظم الفضل کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے فرانسیسیوں کو فتح پر مبارکباد دی اور پھر قاہرہ کو واپس لوٹ گیا۔

اسلامی دنیا کی ایسی ہی افسوسناک صورت حال مشرقی بحر روم کے ملکوں میں نظر آئی جب صلیبی وہاں پہنچے۔ شیعہ فاطمی جو حضرت محمدؐ اور حضرت علی ابن طالبؓ کی اولاد میں سے تھے۔صدیوں تک ظلم و جبر کی چکی میں پسنے کے بعد بالآخر پیغمبر کے نام پر حصول اقتدار میں کامیاب ہو گئے لیکن اب وہ شاید انجانے میں یروشلم کی بربادی میں حصہ ڈال رہے تھے۔ بغداد میں 1258 کی طرح 2003 میں شیعہ قیادت ایک بار پھر اسی طرح جھانسے میں آ گئی۔سنی غلبے کے خوف سے شیعوں نے تاریخ میں کئی غلطیوں کا ارتکاب کیا۔ بہرحال یہ ایک الگ کہانی ہے۔

امین مالوف اپنی شاہکار کتاب کے آخری حصے میں رقمطراز ہے کہ: ''صلیبی جنگوں کے وقت سپین سے عراق تک عرب دنیا بدستور دنیا کی سب سے ترقی یافتہ تہذیب اور علم و دانش کا گڑھ تھی۔ دنیا کا مرکز فیصلہ کن طور پر مغرب کو منتقل ہو گیا۔ کیا اس میں ''اسباب و علل'' کا تعلق موجود ہے؟ کیا ہم یہ دعویٰ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ صلیبیوں نے مغربی یورپ کے عروج کا آغاز کیا اور یہی یورپ بتدریج دنیا پر غالب آ گیا اور پھر عرب تہذیب کی موت کا نقارہ بج اٹھا۔''

مالوف اپنے سوالات کا جواب ہاں میں دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ عرب پہلے ہی کئی کمزوریوں کا شکار تھے، صلیبی یہ کمزوریاں پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں تھے بلکہ انہوں نے انہیں آشکار کیا یا شاید انہیں مزید بگاڑ دیا۔

ہاں البتہ امین مالوف جیسا ذہین عرب مصنف بھی غیر عرب مسلمانوں پر عربوں

MashalBooks.org

کی فوقیت کے تصور سے متاثر نظر آتا ہے۔ وہ نوحہ کناں ہے کہ اس دور میں غریب عرب مسلمان چھائے ہوئے تھے اور یہی مسلمانوں کے زوال کی وجہ بنی۔ اپنے چونکا دینے والے تبصرے میں وہ لکھتے ہیں کہ: رسولؐ کے امتی لوگوں نے اپنی تقدیر پر کنٹرول سے ہاتھ دھولیا، ان کے تمام لیڈر غیر ملکی تھے۔

ذرا ٹھہریے، غیر ملکی؟ کیا مالوف صرف عربوں کو ''رسول کے لوگ'' سمجھتے ہیں؟ عربوں کی غیر عربوں پر فوقیت کے صدیوں پرانے خیال کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان دونوں میں آقا اور موالی کا رشتہ تھا اور یہ بات مسلمانوں کے درمیان تعلقات کو آج بھی متاثر کر رہی ہے۔

مالوف کے ایرانیوں، کردوں اور ترکوں کو ''غیر ملکی'' قرار دینے اور ''رسولؐ کے لوگ'' نہ سمجھنے کے خیالات سے قطع نظر ان کی کتاب صلیبیوں سے لڑائی کے بعد کی اسلامی دنیا کا ٹھیک، ٹھیک نقشہ پیش کرتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''صلیبی جنگوں کے دور سے اگرچہ مغربی یورپ میں حقیقی معاشی اور ثقافتی انقلاب کی راہ ہموار ہوئی لیکن مشرق میں ان مقدس جنگوں سے صدیوں پر محیط شکست و ریخت اور ظلمت کا دور شروع ہوا۔ تمام اطراف سے حملوں سے مسلم دنیا اپنے اندر قید ہوگئی۔ پہلے سے کہیں زیادہ حساس، دفاعی، عدم رواداری، زہریلے رویے عالمگیر ارتقا کے تسلسل کے ساتھ تیزی سے تقویت پکڑتے گئے۔ نتیجتاً ترقی ''دوسروں'' کا مقدر سمجھی گئی، جدت پسندی ان کے لئے اجنبی ہوگئی۔''

گویا صلیبی جنگیں مسلمانوں کا ضمیر جھنجھوڑنے کے لئے کافی نہیں تھیں لہٰذا ابھی اور کچھ بھی ہونے والا تھا۔ کرد جرنیل صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں 1187ء میں مسلمانوں نے بمشکل صلیبیوں کو شکست دے کر یروشلم دوبارہ حاصل کر لیا تھا کہ منگول سر پر منڈلانے لگے۔ 1258ء میں خونریزی کے کھیل کے بعد مشرق سے آئے ہوئے یہ ریوڑ بغداد پر جھپٹ پڑے اور 1099ء میں صلیبیوں نے یروشلم میں جو کچھ کیا تھا اس سے بڑھ کر اہل شہر کو سزا دی۔ سقوط بغداد سے عباسی خلافت کے 500 سالہ دور کا بھی خاتمہ ثابت ہوا۔

سقوط بغداد کے وقت خلیفہ مستعصم برسر اقتدار تھا جو 37 واں عباسی خلیفہ تھا اسے 1242ء میں اقتدار میں لایا گیا اور اس نے اپنے پیشرو خلفا کی طرح یوم حساب تک پورے اعتماد کے ساتھ حکومت کی۔ 1257ء کے اواخر میں اسے منگول لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع دی گئی لیکن دارالخلافے کے دفاع کی تیاری کرنے کی بجائے اس نے سر پر منڈلاتے ہوئے

MashalBooks.org

خطرے کا مذاق اڑایا۔ بہرحال اس نے اپنے دربار کو یقین دلایا کہ ماضی میں اس کے باپ مستنصر کے دور میں بھی منگولوں نے بغداد پر حملہ کیا تھا لیکن انہیں مار بھگایا گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ طاقتور عباسی خلافت کے سامنے منگولوں کی کوئی حیثیت نہیں۔

لیکن منگولوں نے ماضی کی غلطی سے سبق سیکھ لیا تھا، اس باران کے لشکر کی قیادت چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان (1216-65) کر رہا تھا۔

ہلاکو خان نے 1253ء میں منگولیا سے کوچ کیا، منگولوں کی اس وقت کی سب سے بڑی فوج کی قیادت کرتے ہوئے اس نے مغرب کی سمت میں پیش قدمی کی اور موزوں ترین راستے کا انتخاب کیا۔ 18 مہینوں تک پیش قدمی کے دوران اس نے کئی مقامات پر شیعہ اسماعیلی لشکروں کو شکست دی اور ایرانی پہاڑی سلسلے تک جا پہنچا۔ جہاں اس نے قلعہ الموت کا محاصرہ کر لیا جو اب تک نا قابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ یہ ایک انتہا پسند دہشتناک شیعہ فرقے حشیشین کا مرکز تھا جو ہمسایہ حکمرانوں کو خودکش قاتل حششین☆ بھیج کر خوفزدہ کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹڈی دل منگول لشکر اور اس کے بڑے توپخانے کو دیکھ کر انتہا پسند شیعہ ہمت ہار گئے اور غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے اس کے باوجود وہ قتل عام سے بچ نہ سکے اور بقول فلپ ''منگولوں نے دوشیزاؤں تک کو تہ تیغ کر ڈالا''

1257ء کے موسم گرما میں ہلاکو بغداد کے نواح میں پہنچ گیا اور خلیفہ مستعصم کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کے سامنے پیش ہو کر شہر اس کے حوالے کر دے۔ خلیفہ نے جو خود کو زمین پر ظل الٰہی سمجھتا تھا اس پیشکش کو قبول نہ کیا اور جواب میں کہا کہ منگول واپس چلے جائیں اور انہیں یاد دلایا کہ پورا عالم اسلام بغداد کے دفاع کے لئے تیار ہے۔

نومبر 1257ء میں امن کا شہر جسے 500 سال پہلے منصور نے تعمیر کرایا تھا اور جو ایک حسین عورت کے سینے پر ہیرے کی طرح دمکتا تھا۔ رشک دنیا——— کے افق پر چاروں سمت سے بڑھتے ٹڈل دل لشکر سے اندھیرا سا چھا گیا۔ تقریباً 10 لاکھ منگول سپاہیوں جن میں جارجیا کی عیسائی فوج بھی شامل ہوگئی نے بغداد کا محاصرہ کر لیا، مستعصم نے مغرب کی طرف سے گھیراؤ توڑنے کے لئے فوج بھیجی لیکن منگولوں نے اس لشکر کو دریائے دجلہ کے ٹوٹے کناروں کے پاس نرغے میں لے لیا۔ اکثر مسلمان سپاہی یا تو ڈوب گئے یا فرار کی کوشش کے دوران مارے گئے۔

MashalBooks.org

ہلاکو صرف اپنی فوجی برتری پر انحصار نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ عراقی معاشرے کو گھن کی طرح چاٹنے والی تقسیم سے بھی فائدہ اٹھانے میں مصروف تھا۔ وہ شیعہ آبادی کو سنی خلیفہ کے خلاف ابھار رہا تھا۔ 2003ء میں ایک اور حملہ آور نے بھی عراقی معاشرے کے اسی Dynamic سے فائدہ اٹھایا، امریکہ کا صدام حسین کا تختہ الٹنے کے لئے حملہ ملک کی شیعہ آبادی کی مہربانی کا نتیجہ تھا۔

شراب فلسفیوں، شاعروں، موسیقاروں کا رسیا خلیفہ مستعصم سر عام شیعہ عقائد اور ان کے رہنماؤں کا تمسخر اڑانے میں مشہور تھا۔ بعض شیعوں جو قابل نفرت سنی خلیفہ کو گھیرے میں دیکھ رہے تھے نے حملہ آور فوج کا ساتھ دیا۔ انہوں نے بغداد کے راستے میں آنے والے شہروں اور قصبوں پر قبضے کے لئے منگولوں کی مدد کی۔ القمزی نے خلیفہ سے غداری کی، شیعہ آبادی کی حمایت مزید مستحکم بنانے کے لئے خلیفہ نے ان سے وعدہ کیا کہ کربلا اور نجف میں شیعہ مقدس مقامات کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

بغداد پر عام حملہ 29 جنوری 1258ء کی صبح شروع ہوا۔ جیسے ہی ہلاکو کے چینی دستوں نے شہر کی بیرونی مشرقی فصیل میں دراڑ ڈالی تو خلیفہ نے حملہ آوروں کو مذاکرات کی دعوت دے دی۔ وہ ذاتی طور پر شہر سے باہر آیا، اس کے ساتھ فوجی اور عمائدین شہر بھی تھے۔ ہلاکو نے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش مسترد کر دی اور خلیفہ کو گرفتار کر کے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ شہر میں موجود ہر شخص کو ہلاک کر دیا جائے۔ پورے 7 روز تک منگولوں نے شہر میں لوٹ مار کی اور تقریباً 10 لاکھ افراد کو مار ڈالا۔ مسلمان کے خون سے دریا کا پانی سرخ ہو گیا، منگولوں کے ریوڑ شیعہ اور سنی میں کوئی تمیز نہیں کر رہے تھے: شہر امن کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔

ایرانی مورخ عبداللہ واصف جو مارکو پولو کے ہم عصر تھے نے بغداد کے المناک انجام کو اس طرح بیان کیا ہے:

''حملہ آور شہر پر بھوکے عقابوں کی طرح ٹوٹ پڑے اور اڑتی فاختاؤں پر حملہ آور ہوئے، جس طرح بھیڑیوں کا گروہ بھیڑوں پر ڈھٹائی اور کسی رکاوٹ کے بغیر دھاوا بول دیتا ہے۔ قتل کرنے اور دہشت پھیلاتے منگول سپاہیوں نے سونے، اور جواہرات سے مزین بستروں اور غلافوں کو چھریوں سے ٹکڑوں میں کاٹ دیا۔ حرم کے پردوں کے پیچھے چھپنے والی خواتین کو گھسیٹ کر باہر نکال کر گلیوں میں گھمایا گیا اور ان میں سے ہر کوئی تاتاری کے

MashalBooks.org

ہاتھوں میں کھیل رہی تھی۔''

ایان فریزئیر نے 2005ء میں امریکی اخبار نیویارکر میں ''بغداد کی تباہی کے عنوان سے لکھا کہ ہلاکو خان جس کی بیوی عیسائی تھی نے بغداد کے تمام عیسائیوں کو چرچوں میں پناہ لینے کا حکم دیا جو اس کی فوج کے حملوں سے محفوظ تھے، فریزئیر نے کہا کہ منگولوں کے جارجین اتحادیوں نے خصوصی طور پر عیسائیوں کی شناخت میں حملہ آوروں کی مدد کی:

''لٹیروں نے اپنی تلواریں پھینک دیں اور نیاموں میں سونا بھرلیا، ہلاکو کے خیمہ کے قریب سونے، چاندی اور جواہرات کے اونچے اونچے ڈھیر لگ گئے۔ آگ کے شعلے خلیفہ کا محل چاٹ چکے تھے، صندل، آبنوس اور ایلوا کی لکڑی کی خوشبو 30 میل دور تک سونگھی جاسکتی تھی۔ بغداد کی لائبریریوں میں سے بے شمار کتابیں دجلہ میں ایسے پھینک دی گئیں کہ ایک گھڑسوار ان پر سے گزر کر دریا پار کرسکتا تھا۔ دریا کا پانی سکالروں کی تحریروں کی روشنائی سے سیاہ اور شہداء کے خون سے سرخ ہوگیا۔''

عباسیوں کا آخری خلیفہ اب ہلاکو کا قیدی تھا اور کہا جاتا ہے کہ منگول اسلامی دنیا کے رہنما کا تمسخر اڑا کر انتہائی خوشی محسوس کرتے تھے۔ ایک کہانی یہ بھی ہے کہ جب بغداد جلا دیا گیا اور اس کے باسیوں کو قتل کیا جا رہا تھا تو ہلاکو نے مزے لینے کے لئے خلیفہ کو کھانے پر مدعو کیا اور ایسے ظاہر کیا جیسے مستعصم اس کا مہمان ہو۔ ایک اور روایت یہ ملتی ہے کہ ہلاکو نے خلیفہ کو کھانے کے لئے سونا اور ہیرے پیش کئے۔ جب مستعصم نے احتجاج کیا کہ وہ یہ نہیں کھا سکتا تو ہلاکو نے اس سے پوچھا کہ اس نے یہ دولت اپنی فوج مضبوط کرنے اور دفاع کے لئے استعمال کیوں نہ کی؟ تو خلیفہ نے کہا کہ یہ خدا کی رضا تھی جس پر ہلاکو نے جواب دیا کہ ''تمہارے ساتھ جو کچھ ہوا، یہ بھی خدا کی مرضی تھی۔''

بغداد کی تباہی کے بعد ہلاکو کو 2 مسئلے حل کرنے تھے، ایک یہ کہ مرنے والوں کی گلی سڑی لاشوں کے انبار ٹھکانے لگانے تھے، لاشوں کی سرانڈ سے بچنے کے لئے ہلاکو نے اپنا پڑاؤ شمال کی جانب منتقل کر دیا۔ دوسرا یہ چیلنج تھا کہ اپنے قیدی (خلیفہ) سے کیا سلوک کرے، بغداد میں یہ عقیدہ تھا کہ اگر خلیفۃ الاسلام کا خون زمین پر بہایا جائے تو خدا تباہی و بربادی نازل کرے گا، ماہرین فلکیات نے زلزلے کی پیشنگوئی کی تاہم مورخین بتاتے ہیں کہ اس موقع پر ممتاز شیعہ اماموں جو اب ہلاکو کو مشاورت فراہم کر رہے تھے نے کہا کہ منگولوں کو

خدا سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جان The Baptist، یسوع مسیح حتیٰ کہ نواسہ رسول کا خون بہنے پر بھی کوئی آفت نہیں آئی تھی۔ انہوں نے ہلاکو کو مشورہ دیا کہ وہ خلیفہ کو قتل کر دے۔ ہلاکو نے احتیاطی تدبیر کے طور پر خلیفہ کو قالین میں لپیٹا تا کہ اس کا خون زمین پر نہ گرے اور پھر گھوڑوں کے سموں تلے روند ڈالا۔ یوں حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کی نسل کے حکمرانوں کا 500 سالہ دور اختتام کو پہنچ گیا۔

اس طرح میں نے اس کتاب میں کئی صدیوں پر محیط طویل سفر کیا تا کہ اسلامی تاریخ کی خلافتوں میں ایسا کوئی ماڈل مل سکے جسے اسلام پسند معاصر مسلمانوں کے سیاسی مسائل کے حل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ میں نے اسلام کے نام نہاد سنہری دور کی تلاش کی مخلصانہ کوشش کی جو خون خرابے، شہری تصادم، محلاتی سازشوں، نسلی عصبیت، غلامی اور لوٹ کھسوٹ سے پاک تھا۔ مجھے ناکامی ہوئی۔ خلیفہ ابوبکرؓ کی ارتداد کے خلاف جنگوں سے خلیفہ مستعصم کی ذلت آمیز شکست تک مجھے ایک بھی ایسا دور نہیں مل سکا جسے میں مکمل دیانتداری سے 21 ویں صدی کے لئے نمونہ قرار دے سکوں جہاں آج کے مسلمان سیکولر اور جمہوری معاشرے میں زندگی گزار سکیں، اسلام پسند جس خونی ماضی کی آرزو کرتے ہیں وہ عقلی وضاحت سے بالاتر ہے لیکن عقلیت پسندی بذات خود خلفاء کا نشانہ بنی۔

یقیناً مسلمانوں نے صرف زمین فتح نہیں کی بلکہ سائنس اور فلسفے کے میدان بھی مار لئے لیکن وہ ایسے سیاسی ادارے تخلیق کرنے میں قطعاً ناکام ہو گئے جو آج کی خرابیوں کے سامنے مزاحم ہو سکتے۔

یہ بھی سچ ہے کہ ہندوستان، چین، رومن، بازنطینی، ایرانی یا منگول تک کوئی دوسری سلطنت مطلق العنانیت، جنگ، لوٹ مار، قتل عام سے پاک نہیں تھی جس کا مشاہدہ اسلامی خلافتوں میں دیکھنے میں آتا رہا، فرق صرف یہ ہے کہ ہندوستان میں ایسے کوئی مظاہرے نہیں ہوتے اور یہ نعرے نہیں لگتے کہ شیوجی کا دور واپس لایا جائے نہ تیان من سکوائر میں جمع ہونے والوں نے منگ سلطنت کے دور کے احیاء کے نعرے لگائے۔ اسلامی ریاست کے تصور پر میری تنقید اور اسلامی ریاست کی خامیوں پر رائے کا مقصد اسلام پسندوں کی طرف سے دیو مالائی سنہری دور کے احیا کے خلاف آواز اٹھانا ہے۔ یقیناً اسلامی تاریخ میں بعض سنہری لمحات بھی آئے لیکن وہ کسی اسلامی ریاست میں ترقی پسند سیاسی

MashalBooks.org

اداروں کے فروغ کا نتیجہ نہیں تھے۔ یہ لمحات اسلامی ریاست کے قیام کی کوششوں کے برعکس سامنے آئے۔

پاکستان کے امن کے علمبردار پروفیسر پرویز ہود بھائی جو امریکہ کی میسا چوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی اور اسلام آباد کی قائداعظم یونیورسٹی میں نیوکلیئر فزکس پڑھاتے ہیں مسلمانوں کے لئے قابل غور مقدمہ تیار کرتے ہیں کہ ہم اس بات کا تنقیدی جائزہ لیں کہ امہ کے بہترین دماغوں سے ہم کیسا سلوک کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''اسلام کے عظیم سکالروں کو اکثر صرف منگول لشکروں یا مشرک عیسائیوں سے خطرہ نہیں رہا بلکہ وہ زیادہ تر مقامی سطح پر فروغ پانے والی بنیاد پرستی کا نشانہ بنے۔''

ہود بھائی نے اپنی کتاب ''مسلمان اور سائنس میں ایک پورا باب ان 5 شخصیات کے لئے مخصوص کیا ہے جنہیں پانچ عظیم بدعتی قرار دیتے ہیں، وہ ہیں ریاضی دان یعقوب الکندی (801-873) طبیعیات دان الرازی (865-925) ارسطو کا پیروکار ابن رشد (1126-1198) ماہر طب ابن سینا (980-1037) اور تاریخ کے مطالعے کا بانی ابن خلدون (1332-1406) شامل ہیں۔

اسلام پسند ان شخصیات کو اسلامی سیاسی نظام کی عظمت کا ثبوت قرار دیتے ہیں لیکن وہ یہ بتانے میں کیوں ناکام ہیں کہ ان سب عظیم افراد کو گستاخی اور بدعت کا مرتکب قرار دیا گیا تھا۔

تو پھر اسلام پسند کس بنا پر نام نہاد سنہری دور کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں جو سرے سے کبھی آیا ہی نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب نوجوان مرد اور عورتیں اپنے اردگرد دیکھتے ہیں تو انہیں دنیا میں گزشتہ 200 سال کے دوران ہونے والی ترقی میں اپنا بہت کم حصہ نظر آتا ہے۔ انسانی معاشرے کی کامیابی میں نہ ان کا کوئی کردار ہے نہ وہ اس دنیا کا حصہ ہیں۔ اپنے آباؤ اجداد کی ناکامیوں کی وجہ سے وہ اس دنیا کو یا تو جعلی ماضی یا پھر یوم آخرت اور جنت کے وعدوں کے تناظر میں مسترد کر دیتے ہیں۔

میں نے اپنے ان بھائی بہنوں کے سامنے دردمندانہ مقدمہ رکھ دیا ہے جو اسلام کو اپنے ماتھے پر سجائے پھرتے ہیں۔ میں یہ کہوں گا: ''آپ کو ورغلایا جا رہا ہے، اس بارے میں کوئی غلطی نہ کرنا، اس کا حل یہ بھی ہے کہ پوری انسانیت کو امہ کے طور پر تسلیم کرو، خدا

MashalBooks.org

کے بچوں کے طور پر اور خود کو دوسروں سے الگ تھلگ نہ سمجھو، تمام انسانوں کی کامیابیاں ہم مسلمانوں کی بھی کامیابیاں ہیں، مساوات سے اس طرح ناتا جوڑو جس طرح عربوں نے ارسطو سے تعلق استوار کیا تھا۔ مجھے پتہ ہے کہ ایسا کرنا کہنے سے زیادہ مشکل ہے لیکن ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے، بس! یہی وہ جنت ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے، آیئے اسے جہنم نہ بننے دیں۔

☆ نوجوانوں کو حشیش کے نشے کا عادی بنا کر کہا جاتا تھا کہ جب وہ مر جائیں گے تو سیدھے جنت میں جائیں گے جہاں عورتیں اور دیگر آسائشیں ان کی منتظر ہیں یہ روایت القاعدہ اور حماس کے خودکش بمباروں میں آج بھی زندہ ہے۔

MashalBooks.org

حصہ سوم

(نتائج و عواقب)

MashalBooks.org

MashalBooks.org

گیارھواں باب

شریعت ....خدا کا قانون یا انسانی نقص

حسن محمود نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ شریعت کوئی مہربان قانونی نظام نہیں ہے، بلکہ یہ عالمگیر ملائی (Theoratic) اسلامی ریاست قائم کرنے کی بنیاد ہے مزید یہ کہ شریعت قطعاً اسلام کی روح سے ہم آہنگ نہیں ہے، میں نے اسے ٹوکا، ''وہ کس طرح؟ اس نے کہا کیونکہ ایسا کوئی قانون جس نے ہمیشہ ہماری ماؤں اور بیٹیوں سے بے انصافی کی ہو اسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا، شریعت مسلمانوں کو اسلام کی اخلاقی ہدایت کی روح سے روگردانی پر مجبور کرتی ہے اور اس کی جگہ عام مسلمانوں کو انسان کی بنائی ہوئی اقتدار کی سیاسی کشمکش کا غلام بنا دیتی ہے۔''

یہ 2003ء کا موسم گرما تھا، ہم میں سے چند افراد مسلم کینیڈین کانگریس (ایم سی سی) کی سٹریٹیجی میٹنگ میں شریک تھے، اور اس بات پر غور کر رہے تھے کہ انٹاریو کے عائلی قوانین میں شرعی قانون متعارف کرانے کی کوشش کیسے ناکام بنائی جائے، کینیڈا کے اسلام پسند کئی برس سے کینیڈین حکومت کو شرعی قانون کی منظوری کے لئے آمادہ کر رہے تھے۔

میں نے محمود سے کہا کہ کیا آپ شریعت پر جسے ائمہ قرآنی تعلیمات پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ بے وزن الزام نہیں عائد کر رہے؟ انہوں نے جواب میں کہا ''ہرگز نہیں۔'' شریعت کی کتابوں میں پائے جانے والے قوانین کی بھاری تعداد انسان کے ہاتھوں نے تحریر کی ہے لہٰذا ایسے قوانین کو الہامی یا قرآنی کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے فوٹو کاپیوں کا ایک ڈھیر میری طرف بڑھاتے ہوئے غصے سے کہا کہ انہیں پڑھئے، کیا یہ قوانین اسلامی نظر آتے ہیں؟ اس دستاویز میں احادیث نبوی کی لمبی تشریحات کی فہرست اور فقہ کی کتابوں سے لئے گئے شرعی قوانین کے اقتباسات تھے۔ ان میں سے میری توجہ حاصل کر لی۔

MashalBooks.org

☆ کسی اسلامی ریاست کے سربراہ کو حدود قوانین (جن کا اطلاق قتل، جنسی زیادتی اور چوری سے ہے) کے تحت مستوجب سزا نہیں سمجھا جا سکتا۔

☆ اگر کسی شوہر کی لاش پیپ اور خون سے لتھڑی ہے اور بیوی اسے چاٹ لیتی ہے یا پی لیتی ہے تو بھی اس کے ذمے شوہر کے فرائض پورے نہیں ہو سکتے۔

میں نے کہا کیا تم سنجیدہ ہو؟ کیا یہ شرعی قوانین کا حصہ ہیں؟ اس نے کہا ''جی ہاں'' اسلامی کوڈ قانون کے حصہ سوم کے آرٹیکل 914 سی کے تحت کسی اسلامی ریاست کے سربراہ کو ہر قسم کے فوجداری مقدمات میں تحفظ حاصل ہے اور ایک عورت کی ذمہ داری کی یہ مثال کسی اور جگہ سے نہیں بلکہ معروف عالم امام غزالی کی کتاب ''احیا العلوم الدین'' سے لی گئی ہے۔ کیا عورت کے بارے میں ایسی کسی رائے کو اسلامی سمجھا جا سکتا ہے؟ لیکن اس کے باوجود اسے من وعن درست کہا جاتا ہے۔

شمالی امریکہ میں اسلام پسندوں کے ایجنڈے کا کوئی تجزیہ کینیڈا کے آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑے صوبے انٹاریو میں شریعت کے نفاذ کی کوشش کا کچا چٹھا کھولے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، اسلام پسندوں نے اس پر کام تقریباً مکمل کر ہی لیا ہے۔ 2003ء کی اس سٹریٹجی میٹنگ میں شریک ایک اور شریعت مخالف مسلمان کے الفاظ میں ''اسلام پسند احساس ندامت اور زخمی دل والے لبرلز اور بائیں بازو والوں پر اثر انداز ہو رہے ہیں اور ان افراد کو بآسانی یہ کہہ کر بے وقوف بنایا جا سکتا ہے کہ شرعی قوانین کینیڈا کی کثیر الثقافت پالیسی کے لئے موزوں ہیں۔ تاہم ملاؤں نے اب تک جس بات پر غور نہیں کیا وہ یہ ہے کہ یورپ کے برعکس کینیڈا میں شریعہ کی مخالفت مسلم کمیونٹی کے اندر سے سامنے آ گئی۔

شریعت متعارف کرانے سے متعلق اہم کام کے ضمن میں اس کے متحرکین محتاط طور پر یہ بات چھپاتے ہیں کہ کینیڈا میں شرعی قانون نافذ کرنے کی تحریک شروع کرنے والوں میں سے ایک مرحوم سید وصی مظہر ندوی تھے جو پاکستان کے وزیر مذہبی امور رہ چکے تھے۔ مظہر ندوی جو جماعت اسلامی کے رکن تھے حال ہی میں کینیڈا منتقل ہوئے تھے۔ وہ یہاں ایک پاکباز اسلام پسند کی حیثیت کے ساتھ آئے۔ یہ وہی صاحب تھے جنہوں نے اسلام پسند ڈکٹیٹر جنرل ضیاء الحق کے زیر سایہ پاکستان میں شریعت متعارف کرائی تھی۔ انہوں نے جو کام کئے اس سے پاکستانی قوم آج بھی لرزہ براندام ہے۔ پاکستان میں مذہبی

MashalBooks.org

اقلیتوں اور خواتین کو امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا گیا جبکہ مرتد کا الزام لگا کر کئی افراد کو قتل کیا گیا۔

سید ندوی ان لوگوں میں بھی پیش پیش تھے جنہوں نے دارالقضا قائم کیا تھا، 30 مرد مسلمانوں پر مشتمل اس ''عدالت'' کو اونٹاریو حکومت کی طرف سے اجازت ملنے کی صورت میں شریعت کا نفاذ یقینی بنانا تھا۔ کینیڈا میں شرعی قوانین متعارف کرانے کا دفاع کرتے ہوئے انہوں نے قدامت پسند رسالے میں لکھا کہ ''مسلمانوں کوا پنے ذاتی تنازعات صرف الوہی قوانین و ہدایات کے تحت حل کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ (پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت نہیں) اس سلسلے میں قرآن کا حکم واضح ہے جہاں خدا مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم میں سے وہ (مسلمان) جو اللہ کے احکامات کے تحت اپنے معاملات نہیں نمٹاتے وہ فاسق، فاجر اور ظالم ہیں۔''

انٹاریو میں شریعہ نواز طاقتوں کے عوامی سطح پر وکیل ریٹائرڈ بیرسٹر ممتاز علی ہیں، جنہوں نے خود ساختہ ''اسلامی ثالثی عدالت'' قائم کی اس کے علاوہ انسٹی ٹیوٹ آف سول جسٹس بنایا۔ وہ سید ندوی سے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسے مسلمان جو شریعت کے نفاذ کے مخالف ہیں یا اس کی جائز حیثیت تسلیم نہیں کرتے وہ کافر ہیں ایک ویب سائٹ پر اپنے انٹرویو میں ممتاز علی نے کہا کہ ''مذہبی نقطۂ نظر سے وہ مسلمان جو محض عقلی دلیل کے راستے کا انتخاب کرتے ہیں وہ بڑے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اس سے مذہب کی توہین اور شرک کا پہلو نکلتا ہے۔

یہ انٹرویو پہلے 1995ء میں سامنے آیا اور دوبارہ 2003ء میں اس وقت تسلیم کیا گیا جب شریعت کے موضوع پر ٹورانٹو میں مباحثے (اکثر تند و تیز) چل رہے تھے۔ یہ ایک تشویشناک اعلان اور دھمکی تھی کہ شریعت کی مخالفت کرنے والوں کو سنگین نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ کیونکہ کافر یا مرتد ہونے کی روایتی سزا موت ہے۔

سید ممتاز علی اور سید وصی ندوی جیسے لوگوں اور اسلام پسند نیٹ ورک کے مقاصد کے دو پہلو تھے: اول یہ کہ وہ شمالی امریکہ میں اسلام پسندوں کا ایک ایسا مرکز قائم کیا جائے جہاں سے حکومتی اور سیاسی پارٹیوں کی سطح پر سرپرستی سے مسلمانوں کے لئے اسلام پسند ایجنڈے کی تکمیل یقینی بنائی جا سکے۔ کینیڈا کثیر الثقافت اور کثیر المذاہب معاشرے کا نمونہ

MashalBooks.org

ہے اس لئے اسلام پسند برطانیہ اور سیکنڈ سے نیویا میں اپنا یہ آپشن استعمال کریں گے جہاں (جرمنی اور فرانس کے برعکس) اسلام پسندوں کے ساتھ کافی حد تک سادہ لوح طریقے سے معاملات طے کئے جاتے ہیں۔

دوسرا اور فوری مقصد شمالی امریکہ میں مسلم کمیونٹی پر آہنی گرفت قائم کرنا ہے، بالخصوص جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی آبادی پر جو مسلسل شناخت کے بحران کا شکار ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے والدین کے پاک و ہند کے پس منظر سے لاتعلق ہو کر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ بنیادی طور پر عربی النسل ہیں۔ یہ لوگ ان چند مسلمانوں گروپوں میں شامل ہیں جنہیں یہ قائل کیا گیا ہے کہ ان کا اپنا ہندوستانی کلچر غیر اسلامی ہے لہٰذا اسے مٹا دینا چاہئے۔

منصوبہ یہ تھا کہ جب اسلامی قوانین نافذ کرنے والی شرعی ثالثی عدالتیں قائم ہو جائیں گی تو پھر اگلے مرحلے میں ملا اور امام اس تعریف کو مزید محدود بنا دیں گے کہ کس شخص کو مسلمان سمجھا جائے۔ جہاں عربی اور ایرانی مسلمان، اس کلب سے باہر نکل کر اپنی ثقافتی اور لسانی روایات سے رجوع کر لیتے ہیں وہاں جنوبی ایشیا کے مسلمان اسلام پسندوں کے شکنجے میں پھنس جاتے ہیں۔

بہر حال انٹاریو حکومت نے کسی مذہب کی بنیاد پر تیار کردہ قانونی نظام پر پابندی لگانے کا فیصلہ کیا تاہم مسلمانوں کے مخالف گروپوں کے درمیان بحث کافی تند و تیز رہی۔ لبرل اور سیکولر تنظیم مسلم کینیڈین کانگریس (ایم سی سی، جس سے میں نے بھی تعاون کیا) نے کینیڈا میں شریعت متعارف کرانے کی تجویز کے خلاف سب سے بڑھ کر آواز اٹھائی اور یہ موقف اختیار کیا کہ خاندانی تنازعات حل کرنے کے لئے مذہبی قوانین کے استعمال کی تجویز سے مسلمان کمیونٹی میں گہرے اختلافات پیدا ہوئے ہیں اور خواتین تنظیموں حقوق اطفال کے علمبرداروں اور مذہب کو ریاست سے الگ کرنے کے حامیوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ایم سی سی نے کہا کہ:

شریعت متعارف کرانے کی تجویز نے کینیڈا میں مسلمان کمیونٹی کو ایک سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ میں محصور کر دیا ہے حالانکہ انسانی اور عائلی قانونی حقوق مفاد عامہ کا مسئلہ ہے۔ یہ اندرون خانہ مسلمانوں کو الگ تھلگ کرنے کی کوشش ہو گی۔ اول یہ کہ کینیڈا کے آئین اور اقدار سے متصادم ''مسلم لاء'' کے نفاذ کے حامیوں کے انتہا پسندانہ اور نظریاتی ایجنڈے کو

تقویت ملے گی دوم: اسی طرح اس امر سے عدم رواداری کے حامل نسل پرست کینیڈین غیر مسلم سوسائٹی کو موقع ملے گا جو مسلمانوں کو معاشرے کے مرکزی دھارے سے باہر رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ سب کچھ مذہبی رواداری اور برداشت کے بددیانت پردے کی آڑ میں ہوگا۔

کینیڈا میں شرعی قانون متعارف کرانے کی تجویز کے مخالفین نے انٹاریو کے وزیراعظم ڈالٹن مک گوئنٹی پر زور دیا کہ وہ مذہبی علما کی طاقت میں اضافے کے نتائج کا نوٹس لیں، بالخصوص ان واقعات کا جائزہ لیں جہاں مذہب کو امن ہم آہنگی کے قیام کی بجائے دہشت پھیلانے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ شریعت کی مخالفت کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنی زندگی کے معاملات میں مذہب کے کردار کی اہمیت گھٹانا چاہتے ہیں بلکہ اس کا مقصد مذہب کو پبلک پالیسی میں گھسیٹ لانے کے خطرات اور اس کے ساتھ ساتھ اس معاشرے جس میں مذہبی تصادم کے خطرات موجود ہیں کو مزید تقسیم کرنے سے بچانا ہے۔

حکومت نے انٹاریو کی ایک سابق خاتون اٹارنی جنرل میرین بوائڈ کو صورتحال کا جائزہ لے کر سفارشات مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی، میرین بوائڈ جو بائیں بازو کی جماعت نیو ڈیموکریٹک پارٹی کی وجہ سے اٹارنی جنرل بنی تھیں کی رپورٹ دیکھ کر ملک کو شدید دھچکا لگا۔ انہوں نے سفارش کی کہ ''مسلم اصولوں'' کو فیملی ایکٹ کے متبادل کے طور پر فیملی تنازعات کے حل میں استعمال کی اجازت دی جانی چاہئے۔ انہوں نے احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''شریعہ کی جگہ پر'' ''مسلم اصول'' کا لفظ استعمال کیا کیونکہ شریعت کے نکتے پر سوال اٹھائے جا سکتے تھے۔

میرین بوائڈ بائیں بازو والوں میں سے وہ واحد فرد نہیں جنہوں نے کینیڈا میں شریعت کے نفاذ کی حمایت کی۔ شدت پسند بایاں بازو گروپ بھی آگے بڑھا اور یہ خیال پیش کیا کہ چونکہ لینن نے سوویت یونین کی ایشیائی ریاستوں میں شرعی عدالتوں کو برقرار رکھنے کی اجازت دی تھی لہٰذا اسلام پسندوں کی حمایت سوشلسٹ اصولوں کے عین مطابق ہے۔

برطانیہ کے بائیں بازو کے بے باک اور متنازعہ سیاستدان جارج گیلووے نے بھی کینیڈا کے دورے میں اسلام پسند مقاصد کا ساتھ دیا۔ شریعت کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے انہوں نے مسلمانوں کے معاملات ان کے اپنے قانون کے تحت چلانے کے حقوق کا دفاع کیا۔ ٹورانٹو یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے انٹاریو کی جماعت این ڈی پی

MashalBooks.org

کے رہنما ہاورڈ ہمپٹن پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ اسے کینیڈا میں شریعت کے نفاذ کی حمایت اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے اٹھ کھڑا ہونا چاہئے۔ ہمپٹن اور ان کی پارٹی حال ہی میں اپوزیشن میں بیٹھی ہے اور وہ اسے عدالتی نظام کی نجکاری قرار دیتی ہے۔ گیلووے کی طرف سے شریعہ کی توثیق سے الٹرا لیفٹ اور اسلام پسندوں کے درمیان قریبی تعلقات کار کی عکاسی ہوتی ہے۔ یقیناً گیلووے نہ ٹورانٹو کا انتہائی بایاں بازو لینن کی اس تنبیہہ کا حوالہ دیتا ہے جس میں انہوں نے پان اسلام ازم اور اس قسم کے دیگر رجحانات کے خلاف لڑائی کی ضرورت پر زور دیا ہے، جس کے بارے میں انہوں نے لکھا کہ یورپی اور امریکی استعمار کے خلاف آزادی کی تحریک کے ساتھ خواتین، جاگیرداروں، ملاؤں وغیرہ کی پوزیشن مضبوط کرنے کے خلاف بھی لڑائی کی ضرورت ہے۔

مسلم کینیڈین کانگریس نے بوائڈ کی رپورٹ کی فوری مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ''اسلامی اصولوں'' کی منظوری کے پردے کے پیچھے درحقیقت چوری چھپے شریعت کی حمایت کی گئی ہے ــــ انسان کے بنائے ہوئے قوانین جنہیں غلط طریقے سے الوہی احکام قرار دیا جاتا ہے یہ کینیڈین قانون کے تحت بحث یا ترمیم کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ دیگر مسلمانوں نے بھی کینیڈین عدالتی نظام میں شرعی قوانین متعارف کرانے کے خلاف آواز بلند کی۔ نیویارک ریاست کی کولگیٹ یونیورسٹی کے ایرانی نژاد امریکی پروفیسر امید سفی نے کہا کہ: کینیڈین باشندوں یا کینیڈا کے مسلمانوں کے لئے مذہبی قانون کو پارلیمنٹ کے تخلیق کردہ کثیر الجہتی قانونی نظام کا متبادل قرار دینا نہ صرف بے انصافی بلکہ تمام کینیڈین شہریوں کے مفادات سے متصادم ہے۔ اس کے علاوہ ترقی پسند مسلمانوں کا یہ موقف ہے کہ عدالتی نظام میں شریعت متعارف کرانے سے مسلمان کمیونٹی مزید الگ تھلگ ہو جائے گی حالانکہ یہ لوگ پہلے ہی کینیڈین معاشرے میں شامل ہونے کی مشکل ٹاسک سے نبرد آزما ہیں۔

ادھر یورپ سے پروفیسر طارق رمضان جو پہلے سوئٹزرلینڈ کی فرائبرگ یونیورسٹی میں پڑھاتے تھے نے مصری میگزین کو بتایا کہ کینیڈین مسلمانوں کو اپنی شرعی عدالتیں قائم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ایسی عدالتیں ضروری نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایسی عدالتیں مسلمانوں میں تخلیقیت کی کمی کی ایک اور مثال ہیں، یقیناً طارق رمضان کا بیان مسلمانوں کے لئے ذومعنی مشورہ ہے کہ وہ وقت کا انتظار کریں اور اسی وقت شریعہ کا مطالبہ

MashalBooks.org

کریں جب ایسے خیال کے لئے زمین ہموار ہو گی۔ ان کا ''تخلیقیت کی کمی'' کا فقرہ اس بات کا اظہار ہے جیسا کہ کئی لوگ محسوس کرتے ہیں کہ طارق رمضان اخوان المسلمون کی خاندانی روایت سے چمٹے ہوئے ہیں لیکن وہ بڑے منظّم پیرائے میں سیکولر سامعین کو اپنے سیاسی نظریات منتقل کرتے ہیں۔

اگر طارق رمضان کی شریعہ پر تنقید ذومعنی ہے تو نوبل انعام یافتہ ایرانی خاتون شیریں عبادی بالکل واضح بات کرنے کی مثال ہیں۔ انہوں نے کینیڈا میں اسلامی عدالتیں قائم کرنے کے خلاف سخت موقف اختیار کیا اور خبردار کیا کہ اس سے انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔

چونکہ شریعت کے حامیوں کو پوری مسجد اسٹیبلشمنٹ کی پشت پناہی حاصل ہے اس لئے مخالفین کا مسلم کمیونٹی سے رابطہ صرف بڑے اخبارات کے کالموں کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ یہ بس دونوں فریقوں کو اظہار رائے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ کینیڈا کی کسی ایک مسجد میں بھی شریعت کے مخالفین کو اپنا مقدمہ پیش کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ میں نے اگست 2005ء میں کچنز واٹرلو کے اخبار ''دی ریکارڈ'' میں لکھا: میں سمجھتا ہوں کہ مساجد، چرچ، مندر اور معبد معاشرے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں لیکن ان کا کردار صرف مصالحت تک محدود ہونا چاہئے اور انہیں نہ کینیڈا کے عدالتی نظام میں مداخلت کرنی چاہئے اور نہ خود ساختہ مذہبی جج کرائے پر لے کر متوازی پرائیویٹ سیکٹر کی عدلیہ چلانی چاہئے۔

میں نے صوبے کے وزیراعظم کے نام کھلے خط میں اس فیصلے کے بین الاقوامی اثرات پر زور دیا اور مک گوئنٹی سے یہ بھی کہا کہ ان کے فیصلے کے کینیڈین معاشرے اور پوری اسلامی دنیا پر طویل المدت مضمرات مرتب ہوں گے جہاں ترقی پسند اور لبرل مرد اور خواتین شریعہ کو سیاسی نظام سے باہر کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ میں نے خط میں لکھا کہ: میرا موقف مذہب کے خلاف نہیں بلکہ اس کے برعکس میں مذہبی آزادی کی آئینی ضمانت کا حامی ہوں، لیکن مذہبی آزادی کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم قوانین کو کمزور اور اماموں، ربیوں اور پادریوں کو ان کی متعلقہ کمیونٹی پر مسلط کریں۔ بالخصوص سب سے زیادہ متاثرہ کمیونٹی پر۔

پروفیسر امیر صفی جو اس وقت شمالی امریکہ کی پروگریسو مسلم یونین کے سربراہ ہیں

نے لکھا کہ:

''ہمیں اس صورتحال پر تشویش ہے کہ دنیا بھر کی غلام اسلامی حکومتیں کینیڈا کی نشاندہی کر کے وہاں شریعت نافذ کرنے کے امکانات دیکھ رہی ہیں تا کہ ان کے جابرانہ قانونی نظام کو جواز میسر آ سکے، یہ اسلامی فقہ پر بحیثیت مجموعی تبصرہ نہیں بلکہ ان ممالک میں شریعت کی غلامانہ تشریحات پر اظہار رائے ہے۔ یہ سوچنا غیر حقیقت پسندانہ ہوگا کہ ایران کے آیت اللہ حضرات یا سعودی عرب میں وہابی ازم کے مبلغین اس اقدام کو اپنے جابرانہ ویژن کے فروغ کے لئے استعمال نہیں کریں گے۔''

فرانس سے مارسیلز کے اسلامی ماہر قانون اور مفتی اعظم نے ان لوگوں کی آواز میں آواز ملائی جو عائلی معاملات میں شرعی قوانین کے اطلاق کی مخالفت کر رہے تھے۔ مفتی شعیب بن شیخ جو اسلامی قانون کے سب سے بڑے عہدیدار ہیں نے مانٹریال کانفرنس کو بتایا کہ شریعت کی تخلیق کئی صدیوں پہلے خالصتاً انسانوں نے کی۔ انہوں نے کہا کہ ان تشریحات کا معاصر کینیڈین معاشرے پر اطلاق نہیں ہونا چاہئے۔ انہوں نے سوال کیا کہ کیا ایسے معاشروں میں شریعہ کا نفاذ ممکن ہے جہاں ایسے دساتیر سے امور حکومت چلائے جاتے ہیں جو صنفی برابری کے علمبردار ہیں، یہ بات انتہائی غیر منطقی ہوگی کہ (قبائلی اور پادریوں کے معاشرے میں پروان چڑھنے والے) ایسے تصورات کا آج اطلاق کر کے کل کے مفادات کا تحفظ کیا جائے۔

وینکوور کی سائمن فریزر یونیورسٹی کے اس وقت کے پروفیسر تاج ہاشمی نے آن لائن میگزین ''مسلم ویک اپ ڈاٹ کام'' میں اپنے ایک آرٹیکل میں ''شریعہ اسلامی ہے نہ کینیڈین'' کے عنوان سے لکھا کہ اسلام پسند اور ان کے بائیں بازو کے حمایتی عام کینیڈین کی معصومیت سے کھیل رہے ہیں، انہوں نے لکھا کہ:

> ''معاصرین بوائڈ نے اپنا مقدمہ بڑے ''مناسب'' انداز میں پیش کیا ہے، ان کے نزدیک ''اسلامی اصولوں'' کو مذہبی ثالثی کے لئے قابل قبول بنانے پر غور کرنا چاہئے جب تک کہ یہ کینیڈین قانون کی خلاف ورزی نہ کریں............ حیران کن طور پر وہ ہمیں بتاتی ہیں کہ ہمیں اس بات پر بالکل واضح ہونا چاہئے کہ یہ شہری قانون نہیں، اس سے بھی بڑھ کر حیران

MashalBooks.org

کن بات یہ ہے کہ انتاریو میں شرعی ثالثی بڑے وکیل سید ممتاز علی بوئڈ رپورٹ پر بہت ''مسرور'' ہیں کیونکہ اس رپورٹ میں شامل 46 سفارشات ان کی تیار کردہ ہیں۔ ممتاز علی مجوزہ شرعی بورڈ کو دنیا کے لئے مغربی معاشرے میں شرعی قانون کے استعمال کا نمونہ قرار دیتے ہیں۔ میرین بوائڈ اور ممتاز علی کے تبدیل ہوتے بیانات رپورٹ کے متضاد رنگ کی نشاندہی کرتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ بوائڈ ہمارے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہی ہیں اور چاہتی ہیں کہ شریعت کو مختلف نام سے متعارف کرایا جائے۔''

تاج ہاشمی جو ان دنوں ہونولولو کی ایسٹ ویسٹ یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں نے خبردار کیا کہ کینیڈا میں شرعی قانون کے نفاذ سے دنیا بھر میں شریعت کے نام پر ہونے والی زیادتیوں کو قانونی جواز مل سکتا ہے۔ انتاریو کی تمام جماعتوں سے تعلق رکھنے والی خاتون ارکان پارلیمنٹ اسلام پسند منصوبے کے خلاف کھڑی ہوگئیں۔ کیوبک کی قومی اسمبلی نے مسلمان ایم این اے فاطمہ ہدیٰ پپن کی کاوشوں کے باعث متفقہ طور پر کیوبک میں شریعہ قانون نافذ کرنے کو مسترد کر دیا اور انتاریو کی حکومت سے درخواست کی کہ وہ بھی اس کی تقلید کرے۔ اس کے علاوہ عام کینیڈین شہریوں میں بھی غم و غصے کی لہر دوڑ گئی کیونکہ انہیں یہ جان کر صدمہ پہنچا کہ اسلام پسند چوری چھپے ان پر اپنا ایجنڈا مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ہٹ کر لیکن نہایت اہم طور پر کینیڈین کونسل آف مسلم ویمن کی زیر قیادت خواتین کے گروپوں اور ان کی صدر عالیہ ہوگبن نے اسلام پسندوں کو ان کے عزائم میں ناکام بنانے کے لئے متاثر کن لابنگ کی۔ اس کونسل اور انتاریو کی خواتین ارکان پارلیمنٹ کی کوششوں سے اس مہم کے آگے بند بندھ گیا۔

نفاذ شریعت کے مخالفین کے خلاف طاقتور مسلم تنظیمیں اور تقریباً پورے ملک کی مسجد اسٹیبلشمنٹ متحد تھی۔ کینیڈین اسلامک کانگریس اور امریکہ میں قائم کونسل فار امریکن اسلام ریلیشنز (کیئر)، اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ اور اسلامک سرکل آف نارتھ امریکہ نے مل کر مہم چلائی اور یہ موقف اختیار کیا کہ کینیڈا میں نفاذ شریعہ سے انکار مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک میں اضافے کا باعث بنے گا۔

انتاریو کی فیملی لا کورٹ سسٹم میں نفاذ شریعت کا مطالبہ کرنے والے اسلام

MashalBooks.org

پسندوں کو اخبار ''دی گلوب اینڈ میل'' اور ''ٹورانٹو سٹار'' کے سینئر ایڈیٹر کا دست شفقت بھی حاصل ہوا۔ سٹار میں ہفتے میں 2 بار شائع ہونے والے اپنے کالم میں ہارون صدیقی نے شرعی قانون کے مخالفین کا تمسخر اڑاتے ہوئے ان میں سے ایک کیوبک کی مسلمان رکن قانون ساز اسمبلی فاطمہ ہدیٰ پیپن کے بارے میں لکھا کہ وہ ''باطل مسلمان'' ہیں اور کئی مسلمان ان پر لعن طعن کر رہے ہیں۔

ایسا پہلی بار نہیں ہوا تھا کہ انہوں نے شریعت کا دفاع کیا ہو، جنوری 2001ء میں جب ایک بدنام مقدمے میں نائیجیریا کی شرعی عدالت نے ایک کمسن نائیجیرین کو سو کوڑوں کی سزا دی تو ہارون نے اس سزا کے خلاف احتجاج کی مذمت کرتے ہوئے شریعت کا دفاع کیا اور اسے ''اچھا قانون'' قرار دیا۔ انہوں نے لکھا کہ ''شریعہ تاہم مقبول ہے جس سے ایک بدعنوان اور لاقانونیت والے معاشرے میں امن قائم ہوا''

کینیڈین اسلامک کانگریس کے صدر نے ''ٹورانٹو سٹار'' میں لکھا کہ ایسے مسلمان جو شریعت کے مخالف ہیں وہ ''لادین'' مسلمان ہیں جنہیں یہ بتانے کا حق نہیں کہ مذہبی لوگوں کو کیا کرنا چاہئے اصل میں یہ صاحب کینیڈا کی 99 فیصد آبادی کو ایسے وقت پر بحث سے باہر رکھنا چاہتے ہیں جبکہ ملک کا قانونی نظام خراب کیا جا رہا ہے۔ یہ منطق کہ بنیاد پرست مسلمانوں پر منطبق ہونے والے قوانین پر بحث بھی صرف انہیں کرنی چاہئے۔ملک کے ساڑھے سات لاکھ مسلمانوں کی امنگوں کے خلاف ہے۔

11 ستمبر 2005ء کو وزیراعظم میک گنسٹی نے اعلان کیا کہ ان کی حکومت نے سابق اٹارنی جنرل میرین بوائڈ کی سفارش مسترد کر دی ہے۔ ایک سال بعد انٹاریو حکومت نے تمام مذہبی عدالتیں غیر قانونی قرار دے دیں اور کینیڈین شریعہ نافذ کرنے کی کوشش ناکام بنا دی تو اسلام پسند گروہوں نے احتجاج شروع کر دیا۔ اس احتجاج میں انہیں مصر کی اخوان المسلمون، پاکستان کی جماعت اسلامی اور ایران کے حکمران آیت اللہ صاحبان کی حمایت حاصل ہوگئی۔

ایک پریس کانفرنس میں شریعہ کے حامیوں نے آئینی راستہ اختیار کرنے کی دھمکی دی تاکہ حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور کیا جا سکے۔ انہوں نے نسلی امتیاز کا شوشہ چھوڑا اور کہا کہ شرعی عدالتیں غیر قانونی قرار دینا نسلی امتیاز برتنا ہے۔ میز کے سرے پر مسلم ایسوسی

MashalBooks.org

ایشن آف کینیڈا کے نمائندے بیٹھے تھے۔ یہ ایک اہم واقعہ تھا کیونکہ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اس کا تعلق غیر قانونی جماعت اخوان المسلمون سے ہے۔

اس کی ویب سائٹ کہتی ہے کہ: مسلم ایسوسی ایشن آف کینیڈا ''ایم اے سی'' اسلام پر عمل پیرا ہے اور اس کے نفاذ کے لئے کوشاں ہے.......... جیسا کہ اخوان المسلمین کے مرحوم بانی حسن البنا نے معاصر پیرائے میں اسے سمجھا تھا۔ ایم اے سی گویا اخوان المسلمین کے فلسفے کی تقلید کر رہی ہے جس کا مقصد بڑھتے ہوئے مغربی اثر ونفوذ کے مقابلے میں اسلامی قوانین اور اقدار کا نفاذ ہے۔

اگرچہ اخوان المسلمون تشدد پسند اور بنیاد پرست گروپوں کی ایک نسل پر اثر انداز ہوئی ہے لیکن ایم اے اسی کے ترجمان یاسر حضارہ نے آنکھ جھپکے بغیر نیوز کانفرنس میں کہا کہ گروپ کی بنیادی اقدار کینیڈا کی اقدار سے ہم آہنگ ہیں۔ ایم اے سی نے اپنی ویب سائٹ پر لکھا کہ ''ہمارا پختہ یقین ہے کہ ہمارا فلسفہ اور ویژن دونوں سے برتر ہے اور ہم اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ ایسا حقیقت میں بھی ہو تاہم ترجمان نے یہ واضح نہیں کیا کہ وہ کس طرح اخوان المسلمون کے ''فلسفے'' کو کینیڈا میں حقیقت کا روپ دیں گے۔

اسی پریس کانفرنس میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (آئی ایس این اے) کی ترجمان کیتھی بولاک نے قرار دیا کہ وہ کینیڈا کے ان قوانین سے متفق نہیں جن میں مرد و خواتین سے یکساں سلوک کا ذکر کیا گیا ہے۔ انہوں نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ''مغرب میں خواتین کی برابری کا تصور دراصل آزاد خیال حقوق نسواں کے مفہوم سے عبارت ہے، جس کے مطابق اگر مردوں اور خواتین کے ساتھ واضح انداز میں یکساں سلوک نہیں کیا جاتا تو اس کا مطلب ہے کہ خواتین پر جبر کیا جا رہا ہے...... خواتین کی برابری کے بعض دیگر مفاہیم بھی ہیں اور ان میں سے سب سے بہترین قرآنی نقطہ نظر ہے کہ خواتین (مردوں سے) مختلف لیکن برابر ہیں۔

''مختلف لیکن برابر'' اور صنفی برابری کی مثال کا حوالہ دیتے ہوئے بولاک کہتی ہیں اگرچہ جائیداد میں سے بیٹوں کو شریعت کے تحت زیادہ حصہ ملتا ہے، بیٹوں کو خواتین کی دیکھ بھال کا بھی ذمہ دار سمجھا جاتا ہے لہٰذا یہ عدم مساوات جائز ہے، اس تنظیم کی ویب سائٹ کے مطابق آئی ایس این اے شمالی امریکہ میں ''اسلامی طرز زندگی'' کا قیام چاہتی ہے اور

MashalBooks.org

اس مقصد کے لئے درست عقیدے اور درست مفہوم سے رہنمائی لی جا رہی ہے۔

سیکولر MCC اور شریعہ مخالف تحریک (جس کی سربراہ ایرانی جلا وطن خاتون ہما ارجمن ہیں) کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد کینیڈا کی مسجد اسٹیبلشمنٹ غصے میں کھولتی رہی۔ ان اسلام پسندوں نے نیا چولا بدلا اور کینیڈا کے سیاسی ماحول کے لئے اپنے آپ کو قابل قبول بنانے کی کوشش کی۔ ان کے پاس مساجد اور منبر تھے۔ اس لئے بہت سے اماموں نے کینیڈا کے معاشرے کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے ان مسلمانوں کو بدنام کرنا شروع کیا جو ان کی اتھارٹی کو چیلنج کر رہے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے ووٹ کا سہارا لیا جس کی سیاست دانوں کو ضرورت رہتی ہے۔

2007ء میں اسلام پسندوں کے ایک اور گروپ نے اس مرتبہ برطانیہ میں نفاذ شریعت کی مہم شروع کی، برطانیہ میں شریعہ پیکج کو یہ کہہ کر مارکیٹ میں متعارف کرایا گیا کہ اس سے نوجوان مسلمانوں میں بڑھتے ہوئے جرائم کی شرح میں کمی ہو گی۔ خیال ہے کہ برطانوی حکومت اپنی روایتی شرافت اور اسلام پسند تحریک کے عزائم سے لاعلمی کی بنا پر اس حوالے سے غور کر سکتی ہے۔

برطانیہ اور آئرلینڈ کی یونین آف مسلم آرگنائزیشنز کے جنرل سیکرٹری سید عزیز پاشا نے برطانیہ میں قانون شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہوئے برطانوی پریس کو بتایا: کہ ''اگر آپ ہمیں مذہبی حقوق دے دیں گے تو ہم نوجوان نسل کو زیادہ بہتر انداز میں قائل کرنے کے قابل ہوں گے کہ ان کے ساتھ دیگر شہریوں کے برابر سلوک کیا جا رہا ہے۔'' پاشا نے کچھ عرصہ قبل ہی برطانیہ کے نائب وزیراعظم جان پریسکوٹ کے ساتھ 90 نام نہاد مسلم رہنماؤں سمیت ملاقات کی اور برطانوی مسلمانوں کی طرف سے بحر اوقیانوس پر پرواز کرنے والے طیاروں کو اڑانے کی دھمکی کے حوالے سے گفتگو کی، کیا شریعت اسلام پسندی سے متاثر دہشتگردی روکنے کا حل ہے؟ ذہن کو چکرا دینے والی تجویز ہے۔

شریعت کو برطانوی نوجوان مسلمانوں میں انتہا پسندی کے تدارک کا ہتھیار بنانے کے مطالبے پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے موجودہ برطانوی وزیراعظم (اب سابق) گورڈن براؤن کی کابینہ میں شامل ہونے والے برطانیہ کے پہلے مسلمان وزیر جو اس وقت لیبر رکن پارلیمنٹ تھے نے رپورٹروں سے کہا کہ ''اگر آپ کو شرعی قانون کی ضرورت ہے تو آپ کو

سعودی عرب چلے جانا چاہئے۔‘‘

اس بیان پر برطانوی اسلام پسند غضبناک ہو گئے، کینیڈا کے اسلام پسندوں سے قریبی رابطے رکھنے والے ہاؤس آف لارڈ کے مسلمان رکن لارڈ نذیر احمد نے فوراً شاہد ملک پر حملہ کرتے ہوئے الزام لگایا کہ وہ نسل پرست برطانوی جماعت برٹش نیشنل پارٹی کے لئے کام کر رہے ہیں، شاہد ملک اس وقت عوامی سطح پر مقبول ہوتے تھے۔ بی این پی کے ٹھگوں اور مسلمان نوجوانوں کے درمیان نسل پرستی کے حوالے سے تصادم روکنے کی کوشش کے دوران پولیس نے ان پر تشدد کیا تھا۔ انہوں نے لارڈ نذیر احمد کے الزام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ سچ کے ساتھ نہ کھیلیں، انہوں نے لکھا کہ لارڈ احمد، مسلم لیبر رہنما نے میرے تاثرات سنے۔ میں نے بالکل یہ کہا کہ مسلمان اگر شریعت چاہتے ہیں تو انہیں اس جگہ جانا چاہئے جہاں یہ چیز انہیں دستیاب ہو۔ جس پر لارڈ احمد نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں بی این پی کے لئے کام کر رہا ہوں۔ وہ اپنی رائے میں آزاد ہیں لیکن اس پوری بحث میں میری طرح کی تھوڑی سی دیانتداری سے سیاستدانوں کا اعتماد بحال ہو سکتا ہے اور عوامی کشیدگی میں کمی آ سکتی ہے۔

اگرچہ کینیڈا میں اسلام پسندوں کو شریعت کے نفاذ کی کوشش میں شکست ہوئی ہے لیکن وہ اب بھی ملک میں موجود ہیں اور اس مسئلے کو پھر اٹھانے کا ہر ممکن موقع استعمال کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شرعی قانون سے متاثر ہونے والے افراد کی یہ کہہ کر برین واشنگ کی گئی ہے کہ تمہاری مشکلات دراصل خدا کو خوش کرنے کی سمت میں ایک قدم ہے۔

مصنف حسن محمود نے اس مظہر کو سٹاک ہوم سینڈروم کے مماثل قرار دیا ہے جس میں یرغمالی کو اغواء کنندہ سے محبت ہو جاتی ہے۔

شریعت کیا ہے؟

اسلام پسندوں کے اس دعوے پر کہ شریعہ عالمگیر سطح پر قبول کیا جانے والا سلامی قانون ہے کے برعکس یہ لفظ متنازعہ ہے جیسا کہ کینیڈا میں ہونے والی بحث سے ظاہر ہوا کہ اس کے مخالفین بیشتر مسلمان تھے۔ یقیناً اسلام قرآن کی بنیاد پر استوار مذہب ہے۔ اللہ کی طرف سے حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے حضرت محمدؐ پر نازل فرمائی گئی وحی قرآن میں 3

مقامات پر لفظ شریعت استعمال ہوا ہے۔

پہلی جگہ پر سورۃ نمبر 45 میں اسے اسم کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اور 2 مرتبہ سورۃ نمبر 48 اور پارہ نمبر 5 میں یہ لفظ بطور فعل سامنے آتا ہے۔ شریعت کی اصطلاح کا مطلب ہے "طریقہ" یا "پانی کے ذریعے بند کی طرف جانے والا راستہ" اسلام کی مذہبی اصطلاح میں اس کا مطلب اسلامی قانون کا مجموعہ ہے۔

شریعہ ایک ایسا لیگل فریم ورک ہے جس کے اندر اسلامی معاشرے میں رہنے والے افراد اپنی زندگی کے نجی پہلوؤں کو ریگولیٹ کرتے ہیں۔ یہ قوانین اکثر ملک کے دیگر قوانین سے متصادم ہوتے ہیں۔ اپنی نوعیت اور فطرت میں قدامت کی حامل شریعت آج کی جدید روز مرہ کی زندگی کے پہلوؤں سے نمٹنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس میں سیاست، معیشت، بینکنگ، بزنس لاء، کنٹریکٹ لا، خاندان جنسیت، صفائی اور سماجی ایشو بھی شامل ہیں۔ تاہم ان میں سے اکثر قوانین عام فانی افراد کی تخلیق ہیں، ان پر کبھی کسی پارلیمنٹ میں بحث کی گئی نہ ان کی کوئی سکروٹنی ہوئی۔ قانونی سکالر ایل علی خان لکھتے ہیں کہ: معاشرے میں یہ ابہام پایا جاتا ہے کہ دانشورانہ تشریحات بھی قرآن وسنت کی طرح مقدس اور نظر ثانی سے مبرا ہیں، قرآن اور سنت ناقابل ترمیم بنیادی قانون ہیں، اور انہیں مسلسل تبدیل ہونے والے قانون یعنی فقہ سے الگ رکھنا چاہئے۔ بنیادی ماخذ Basic Code اور فقہ کے درمیان تجزیاتی تفریق شریعت کی اصطلاح کے حوالے سے ابہام دور کرنے کے لئے ضروری ہے۔

اصل میں شریعہ کم از کم 10 ماخذ سے اخذ کی گئی ہے۔

یہ ماخذ ہیں:

قرآن، سنت رسول اللہ، اجماع، قیاس، کلچر اور صحیفوں کے پرانے قوانین، مقامی رسوم، آزادانہ رائے، عوامی مفاد، عدل وانصاف تسلسل کا قرینہ۔

قرآن مجید کے سوا شریعہ کے دیگر تمام ماخذ انسانی ہیں تو پھر ایسا قانون جس کا بیشتر حصہ انسان کا تیار کردہ ہو آخر کس طرح اللہ کا قانون قرار دے کر انسان پر مسلط کیا جا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ممتاز مسلمان فقہا نے تاریخی شرعی قوانین کی تیاری کے لئے کبھی قرآن سے مدد لینے سے اتفاق نہیں کیا، انہوں نے ان آیات کے متبادل معانی اور تشریحات بیان کئے۔ کثرت زوج، بیوی پر تشدد، مردوں کا رکھیل رکھنے کا حق اور

MashalBooks.org

غلامی اس کی مثالیں ہیں۔ حتیٰ کہ قرون اولیٰ میں شریعہ میں پیشرفت کا جلد بازی سے مطالعہ بھی ثابت کرے گا کہ یہ قوانین ہرگز قرآنی نہیں بلکہ انسان کے بنائے ہوئے تھے۔ اس سے بھی پیچھے جائیں تو ان کا مقصد سخت قبائلی اور قابل نفرت قوانین کو اسلامی بنا کر عوام کو بادشاہوں کے اقتدار پر سوال اٹھانے سے روکتا ہے۔

اگر ہم شریعت کو بہتر طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اس کے وقت اور اس زمانے کو دیکھنا ہوگا۔

1- 610-32- قرآن—— خدا کی طرف سے حضرت محمدؐ پر وحی مکمل ہوئی خدا نے آخری آیت میں فرمایا ''آج ہم نے تم پر تمہارا دین مکمل فرما دیا۔''

2- 700-850- شریعہ- پانچ ائمہ کرام کی طرف سے تیار کردہ قانونی ضابطے:

امام ابوحنیفہ	(699-767)
امام جعفر صادق	(702-765)
امام شافعی	(767-820)
امام مالک	(712-795)
امام حنبل	(778-855)

3- 800-900- احادیث نبوی کے مجموعوں کا حضرت محمدؐ کے انتقال سے 200 سال بعد ریکارڈ۔

صحیح بخاری—— امام بخاری نے مرتب کی (المتوفی 870)
صحیح مسلم—— امام مسلم نے مرتب کی (المتوفی 876)
صحیح ترمذی—— امام ترمذی نے مرتب کی (المتوفی 870)
صحیح ابوداؤد—— امام ابوداؤد نے مرتب کی (المتوفی 888)
صحیح مالک موٴطا—— امام مالک نے مرتب کی (المتوفی 795)
صحیح ابن ماجہ—— امام ابن ماجہ نے مرتب کی (المتوفی 886)

یہ جانتے ہوئے کہ اسلام خاندانی یا موروثی حکمرانی کی اجازت نہیں دیتا، یہ ٹائم لائن واضح طور پر اشارہ کرتی ہے کہ مسلمان بادشاہوں (خلفا) نے پہلے شرعی قوانین (700-850) تخلیق کئے تاکہ ان کے غیر اسلامی اقتدار کو جواز مل سکے، پھر اگلے 100 سال

MashalBooks.org

تک (800 سے 900) احادیث نبوی کی کتابیں مرتب کی گئیں تا کہ شریعت کو بطور اسلامی قانون جائز قرار دیا جا سکے۔ تقریباً دکھائی دیتا ہے کہ پرانی تاریخ سے یہ تمام مشق اس حقیقت پر بھاری پردے ڈالنے کی کوشش ہے کہ حضرت محمدؐ کے مذہب اسلام پر بادشاہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔

قرآن مقدس بنیادی قوانین کا ماخذ ہے جبکہ اس کی تشریح لوگوں پر اپنے مخصوص ماحول کے مطابق چھوڑ دی گئی ہے۔ ان بنیای قوانین کے فریم ورک کے اندر رہتے ہوئے اگر حالات اجازت دیتے ہوں تو ان کی تشریح میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ اگر اس تشریح یا تفصیل کا نام شریعت ہے تو بنیادی اجزاء ناقابل تبدیل ہوں گے جبکہ شریعت چشمے سے ابلنے والے تازہ پانی کی طرح مسلسل تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اگر یہ پانی کھڑا ہو جائے گا تو اس میں سے بدبو آنا شروع ہو جائے گی، یہ بجائے زندگی کی نشوونما کے نقصان دہ ہو جائے گا۔ اسلامی قانون جسے آج کے دور کی شریعت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے کئی صدیوں سے بدبودار ہو چکا ہے۔ اس میں حیرت نہیں کہ جہاں کہیں بھی شریعت نافذ ہوئی ''پھوڑے'' کی شکل اختیار کر گئی اور انسانی روح کے لئے انتہائی مضر ثابت ہوئی۔ جس چیز کو شریعہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اسے بدبودار بارانی پانی کہنا چاہئے۔

دنیا کے ممتاز ترین فقہا میں شامل ہاشم کمیلی کا کہنا ہے کہ نفاذ شریعت کو مسلمان حکمرانوں کی مطلق العنان نوعیت سے نقصان پہنچا، وہ لکھتے ہیں کہ: ایک قرآنی حکم بیک وقت واضح یا مبہم نوعیت کا حامل ہو سکتا ہے............ ایک وقت میں سات آٹھ علماء ایک مسئلے پر مختلف رائے کا اظہار کرتے تھے، جب کوئی حکمران قرآن کی مخصوص تشریح کا اطلاق کرتا اور اسے قانون کا درجہ دیتا تو ہر کسی کے لئے اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا تھا۔ اسلام کے چار بڑے فقہا کے شاگردوں نے اسلامی قوانین کی تشریح اپنے اساتذہ ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور حنبل کے نام پر کی۔ چاروں فقہ بڑے قوانین کے بارے میں یکساں ہیں، حتیٰ کہ آج بھی سنی مسلمان خود کو ان چاروں کا پیروکار متصور کرتے ہیں۔ شیعہ فقہ بہت بعد میں تیار ہوئی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان چاروں اماموں نے مختلف خلفاء کی بار بار دعوت کے باوجود خود کو اقتدار کے ایوانوں سے دور رکھا۔ سیاسی اتھارٹی کو مسترد کرنے پر ان کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کی گئی۔ امام ابوحنیفہ کو قید کر کے زہر دیدیا گا، امام مالک کے ہاتھ سرعام کاٹ دیئے

MashalBooks.org

گئے، امام شافعی کو قید رکھا گیا اور امام حنبل کو قتل کر دیا گیا۔ وہ قوانین جو ان کے ائمہ کرام سے منسوب کئے جاتے ہیں دراصل ان کے شاگردوں نے سیکھے اور اپنے اساتذہ کے نام پر شریعت کی تشکیل کی۔ ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے ہم ٹھیک طریقے سے اندازہ لگا سکیں کہ ان قوانین کی تعریف واقعی ائمہ کرام نے کی یا ان کے شاگردوں نے۔

بیک وقت پانچ شریعتوں کی موجودگی اور ان میں تضادات اور اختلافات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خدا کا قانون نہیں بلکہ انسان کی مہم جوئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شرعی قوانین میں سات حدود قوانین ہیں۔ جن میں سنگساری، چور کے ہاتھ کاٹنا وغیرہ شامل ہیں۔ اسلام پسند قرار دیتے ہیں کہ ان قوانین میں انسان کی مداخلت سے کوئی تبدیلی، ترمیم، کمی یا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔

جیسا کہ جدید سیاسی اسلام کے بانی ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں کہ: ''جہاں خدا یا اس کے پیغمبر کے احکامات پہلے سے موجود ہوں، کوئی مسلمان رہنما یا قانون ساز یا مذہبی سکالر اپنی آزادانہ رائے نہیں دے سکتا، حتیٰ کہ پوری دنیا کے تمام مسلمان مل کر بھی چھوٹی سی تبدیلی نہیں کر سکتے۔''

ایسے حتمی فیصلوں سے شریعت کو موثر سیاسی آلہ بننے کا موقع ملتا ہے جس کے خلاف صرف چند مسلمان اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر اعتراض کرتے ہیں۔ شریعت سیاسی اسلام کا آلہ کار بن گیا ہے، اس کے پیروکار یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کا الہامی حکم ہے کہ نفاذ شریعت کے لئے عالمگیر اسلامی ریاست قائم کی جائے۔ اس تناظر میں شریعت پولیٹیکل اسلام کے ادارے کا غیر رسمی آئین ہے جس کا اظہار سیاسی اسلام کے بانی مولانا مودودی نے ان الفاظ میں برملا کیا ہے:

''اسلام زمین پر ان تمام ریاستوں اور حکومتوں کو تباہ کرنے کی اجازت دیتا ہے جو اس کے نظریے اور پروگرام کی مخالفت کرتے ہیں............ اگر اسلامی پارٹی کو کافی وسائل دستیاب ہوں تو وہ غیر اسلامی حکومتوں کا خاتمہ کر کے ان کی جگہ پر اسلامی حکومتوں کا اقتدار قائم کر سکے گی۔''

یہی وہ جارحانہ اور احساس برتری پر مبنی تصور ہے جو نوجوان مسلمانوں کو اسلامی ریاست کے قیام کے لئے تشدد اور دہشتگردی پر اکساتا ہے۔

بعض شرعی قوانین نہ صرف اسلام کے لئے خفت کا باعث ہیں بلکہ مسلمانوں پر ایک سنجیدہ ذمہ داری بھی ڈالتے ہیں۔ ان قوانین کی تنسیخ یا ان کو مسترد کرنے والے کو کفر کے فتوؤں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اس کے باوجود ان قوانین کی اشتعال انگیز نوعیت مسلمانوں کو اس بات پر قائل نہیں کر سکی کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں اور کہیں کہ ''یہ سب کچھ ہمارے نام پر نہ کرو۔''

ہاشم کمیلی اپنی کتاب ''اسلامی فقہ کے اصول'' میں کہتے ہیں کہ: ''میں نے کئی مواقع پر مسلم سکالروں اور فقہا کو درپیش چیلنج کی نوعیت پر تبصرہ کیا ہے کہ اصول فقہ اور اجتہاد کے طریقے کا احیاء کر کے اسے قانون سازی اور جدید دور کی حکمرانی کا لازمی جزو بنا لیا جائے۔''

یہ بات حیران کن نہیں کہ ''سیاسی اسلام کی وکالت کرنے والے اجتہاد اور اصول فقہ جیسے ابتدائی دور کے طریقوں کے احیاء کی طرف رجوع نہیں کرتے، اس کی تین وجوہات ہیں:

☆ شریعہ کی اصلاح نہیں کی جا سکتی بلکہ اس کی اجزائے ترکیبی اور طریقہ کار قرآن کے پیرائے اور معیار کے برعکس ہیں، ہاشم کمیلی بجا کہتے ہیں کہ ''کئی عوامل کے لحاظ سے اصول فقہ اب ان مقاصد کے حصول کے قابل نہیں رہی جن کے لئے دراصل اسے تیار کیا گیا تھا۔ اصول فقہ کو بیشتر اوقات ایک ایسی نظریاتی صنف قرار دیا جاتا ہے جو سماجی تبدیلی کی حقیقتوں سے تعلق کھو چکی ہے۔''

☆ روایتی قدامت پسند اسلام پسند قیادت دانشوری، ذہانت علم، دانائی، شاعرانہ رغبت بشمول حس مزاح........... جو کسی معاشرے کی اصلاح کے لئے ضروری ہوتی ہے جب مذہبی طبقے کی انتہائی بے ضرر سے بے عزتی ہوتی ہے تو وہ اپنے عدم تحفظ کا اظہار کرتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے اب شاید ہی ممکن ہے کہ یہ اپنے مذہبی اجتماعات یا مذہب کے اندر نشاۃ ثانیہ کا آغاز کر سکیں۔

☆ موجودہ بین الاقوامی قانون شریعہ کے لئے ایک اور چیلنج بن گیا ہے۔ وہ ہے عالمگیر انسانی حقوق کا تصور۔ عبداللہ النعیم، ایموری یونیورسٹی کے قانون کے سوڈان نژاد امریکی پروفیسر نے اپنی کتاب Towards an Islamic Reformation میں

MashalBooks.org

لکھا ہے کہ: ''موجودہ بین الاقوامی قانون اور اس کے تحت حقوق انسانی کے معیارات شریعہ کے بنیادی اصولوں کے ساتھ نہیں چل سکتے۔''

ہاشم کمیلی کہتے ہیں کہ شریعہ کی تخلیق کے اوزار اسلام کے سیاق وسباق اور معیاری پہلوؤں کی تعریف نہیں کرتے، جس سے شریعت کے بنیادی ڈھانچے میں مہلک خلا پیدا ہو گیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ''اصول کی قانونی تھیوری اپنی بناوٹ میں زمانے کے عوامل کو نظر انداز کر دیتی ہے۔''

ایک اور اسلامی سکالر ''عبدالعزیز سچی دینا نے اپنی کتاب Islamic Roots of Democratic Pluralism میں لکھا ہے کہ ''مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب تاریخی ضروریات کو معاصر سیاسی پالیسیوں کو منصفانہ قرار دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔''

اقوام متحدہ کے عالمگیر اعلان انسانی حقوق کا آرٹیکل نمبر ایک کہتا ہے کہ: ''تمام انسان آزادی، عزت و وقار اور حقوق کے ساتھ پیدا ہوئے۔'' آرٹیکل 2 میں لکھتا ہے کہ ''اس اعلامیے کے تحت تمام انسانوں کو حقوق اور آزادیاں کسی تفریق، رنگ، نسل، جنس، زبان، مذہب یا رائے، قومیت یا سماجی تعلق سے قطع نظر حاصل ہیں۔

آرٹیکل 7 میں کہا گیا ہے کہ: ''تمام انسان قانون کی نظر میں برابر ہیں اور انہیں قانون کے تحت کسی امتیاز کے بغیر تحفظ کا یکساں حق حاصل ہے۔

تمام افراد کو اس اعلامیے میں کسی امتیاز یا امتیازی سلوک کی ترغیب کے خلاف یکساں تحفظ حاصل ہے اور آرٹیکل 16 کہتا ہے کہ:

> ''بالغ مردوں اور خواتین کو کسی نسل، قومیت یا مذہب کے فرق کے بغیر
> شادی کرنے اور اپنا خاندان تشکیل دینے کا حق ہے، انہیں شادی کرنے،
> شادی کے دوران یا شادی کے خاتمے کے یکساں حقوق حاصل ہیں۔''

اس طرح آرٹیکل 18 میں تحریر ہے کہ ''ہر فرد کو سوچ، فکر اور مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہے، اس حق میں مذہب یا عقیدے کی تبدیلی کا حق شامل ہے، اس کے علاوہ عوامی یا نجی سطح پر تنہا یا کمیونٹی کے ساتھ اپنے مذہب یا عقیدے کی تبلیغ، پریکٹس، عبادت اور عمل کا حق حاصل ہے۔

شریعہ قانون ان تمام دفعات کے ساتھ متصادم ہے، مثال کے طور پر جب

شریعت کے حامی کہتے ہیں کہ شریعت خواتین کے حقوق کا احترام کرتی ہے تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ شریعت عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیتی ہے، شریعت ان لوگوں کے لئے سخت سزائیں تجویز کرتی ہے جو ''سچے عقیدے'' سے روگردانی کرتے ہیں، اس طرح شریعت اقوام متحدہ کے اعلامیے کے آرٹیکل 16,7,2,1 اور 18 کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ یہ بات حیران کن نہیں کہ انسانی حقوق کے کتنے ہی علمبردار شریعت کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ بالخصوص خواتین کی تنظیمیں عالمی قانونی نظام سے شریعت کے اخراج کی تحریک میں آگے آتے ہیں۔

شریعت کی مطلق العنان اور استبدادی نوعیت قرآن کی خلاف ورزی کرتی ہے جو واضح طور پر فرماتا ہے کہ انبیاء کرامؑ کا کام حکمرانی کرنا نہیں بلکہ خدا کا پیغام بنی نوع انسان تک پہنچانا ہے۔ قرآن میں خدا نے حضرت محمدؐ اور مسلمانوں کو کئی مقامات پر یاد دلایا گیا کہ:
''ہم نے آپؐ کو ان (لوگوں) کا نگران بنا کر نہیں بھیجا۔'' پس کہہ دو کہ میں تم پر نگران نہیں مقرر کیا گیا،'' ''ہم نے آپ کو ان پر نگران مقرر نہیں کیا اور آپ کے ان معاملات کے انچارج نہیں،'' ''میں تمہارا انچارج نہیں''، ''ہم نے آپ کو (اے محمدؐ) ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا۔'' ''جو کوئی غلطی کرتا ہے وہ اس کی اپنی بھول ہوتی ہے اور آپ ان کے نگران نہیں''۔

''آپ کا فرض صرف پیغام پہنچانا ہے''، ''آپ کو یاد دلا دیں کیونکہ آپ صرف یاد دلانے والے ہیں، آپؐ ان پر نگران نہیں۔'' (مختلف آیات)

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان، توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج تمام غیر سیاسی ہیں، اگر اسلامی ریاست میں عوام پر شریعت کی بنیادوں پر استوار قوانین کے ذریعے حکمرانی اتنی ہی ضروری ہوتی تو حضرت محمدؐ کم از کم زندگی میں ایک مرتبہ تو اس کا ذکر کرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ 40 ہزار احادیث میں کسی جگہ پر حضرت محمدؐ نے کسی اسلامی ریاست کے ڈھانچے یا جانشینی اور حکمرانی کے قاعدے کی تفصیل بیان نہیں کی۔ حتیٰ کہ آپؐ نے اپنے آخری خطبے میں بھی حکمرانی یا شریعت کی بابت کوئی ہدایات جاری نہیں کیں۔

ان شواہد کے باوجود کہ شریعت قرآن سے متصادم ہے، اسے بھی کئی لوگ ''اللہ کا قانون'' سمجھتے ہیں، اس بات میں کم ہی شک ہوگا کہ 1400 سال پہلے اسلام نے حقوق

MashalBooks.org

نسواں کے لئے بعض انقلابی اقدامات کئے، سوال یہ ہے کہ قرآن نے آخر مکمل انسانی حقوق کے قیام کے عمل کو حتمی شکل کیوں نہیں دی؟ اس نے غلامی کو یکسر ممنوع کیوں نہیں قرار دیا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ خدا کے نزدیک انسانوں کے غیر انسانی رویے کی اصلاح کا یہ موزوں وقت نہیں تھا؟ شاید اللہ اپنی حکمت سے اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ معاشرے میں سماجی و ثقافتی عمل انقلاب کے بجائے ارتقا سے زیادہ بہتر طور پر مکمل کیا جا سکتا ہے۔ اگر معاشرہ ذہنی طور پر تیار نہ ہو تو کوئی بھی نظام چاہے یہ اچھا کیوں نہ ہو بزور مسلط نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سے لوگ ابہام ابتری اور پھر تباہی کا شکار ہو جائیں گے۔ یقیناً ہمیں ماضی بعید کے صحرائی معاشرے کا نفسیاتی رجحان ذہن نشین رکھنا ہوگا۔

اسلام اور مسلمانوں کے مفصل مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں کئی تنازعات کے باوجود پیغمبر اسلامؐ نے اپنے پیروکاروں کو آہستہ آہستہ اور بتدریج مساوات اور عدل کے لئے تیار رکھا۔ بسا اوقات انہوں نے بہت چھوٹے لیکن اہم قدم اٹھائے، آپؐ کے انتقال کے بعد بجائے یہ کہ یہ سفر آگے بڑھایا جاتا اور نسل اور صنف کے حوالے سے مکمل برابری کی منزل پا لی جاتی مسلمان اپنے مشرک آباؤ اجداد کے نقش قدم کی طرف لوٹ گئے۔ آج احادیث کو استعمال کر کے اسلام پسند اس سفر کے آغاز کو فطری انجام کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ یہ کہاوت کہ طاقت بدعنوان بناتی ہے اور مطلق طاقت مطلقاً بدعنوانی کی طرف مائل کرتی ہے، مسلمانوں پر صادق آتی ہے جب ایک بار کوئی نظام اقتدار کی سیاست میں پھنس جاتا ہے تو پھر اخلاقیات برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے، سیاسی بادشاہوں نے اسلام اور اسلامی قانون کے نام پر 1300 سال تک مسلمانوں پر حکومت کی، یہ طویل عرصہ کسی بھی ایسی چیز کو مسلمانوں کے ذہن پر نقش کرنے کے لئے کافی تھا جو وہ اسلام کے طور پر چاہتے تھے۔

چونکہ لفظ ''شریعہ'' پہلی بار قرآن میں سامنے آیا لہٰذا پہلے اس کتاب جس نے انسانی تاریخ کا دھارا تبدیل کر دیا کی تاریخ سمجھنا ضروری ہے۔ حضورؐ پر 23 برسوں کے دوران 6326 قرآنی آیات نازل فرمائی گئیں اور ان آیات کو آپؐ کی زندگی میں کبھی مرتب نہیں کیا جا سکا۔ سب سے بہتر تو یہ تھا کہ ان آیات کی تدوین نزولی ترتیب کے لحاظ سے کی جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا، پہلی مرتبہ حضرت عثمانؓ کے دور میں قرآن کو کتابی شکل میں جمع کیا گیا۔ انہوں نے ترتیب نزولی کا خیال رکھے بغیر قرآن کی تدوین سورتوں کے حجم کے لحاظ

MashalBooks.org

سے کی۔ تاہم اس کتاب کی کم از کم ایک اور مدون شکل کا ریکارڈ بھی تاریخی حوالوں میں ملتا ہے، شیعہ مسلمانوں کے احادیث کے بڑے مجموعے ''احادیث الکافی'' میں رقم ہے کہ:

''شیعہ اور سنی علماء میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ امیر المومنین (علیؑ ابن طالب) کے پاس قرآن کا ایک خصوصی نسخہ موجود تھا جو انہوں نے خود جمع کیا تھا، اس نسخے میں درج ذیل خصوصیات اور خصوصی نکات تھے، اس کی تدوین ترتیب نزولی کے لحاظ سے کی گئی، ان میں سے بعض حصے اگرچہ آپؐ پر نازل کئے گئے تھے تاہم یہ قرآن کا حصہ نہیں تھے۔ اس نسخے میں ان افراد اور مقامات وغیرہ کا بھی ذکر تھا جن کے بارے میں آیات نازل ہوئیں۔ امیر المومنینؑ (علی ابن طالب) نے یہ نسخہ مدون کر کے حکمرانوں ☆ کے حوالے کر دیا جو پیغمبر اکرمؐ کے پیروکار تھے لیکن انہوں نے بھی اسے خفیہ رکھا اور یہ اب تک ائمہ کرام کے پاس مخفی ہے۔''

شیعہ فقہا کے اس دعوے سے قطع نظر کہ حضرت علیؑ کے پاس قرآن کا مختلف نسخہ موجود تھا دونوں میں فرق صرف ترتیب یا پھر تفسیر کا تھا تاہم یہ حقیقت ہے کہ کئی شریعہ قوانین قرآن سے مختلف ہیں، حسن محمود کی کتاب ''اسلام اور شریعہ'' میں ایسے شرعی قوانین کی تفصیلی فہرست موجود ہے جو قرآنی آیات سے متصادم ہیں، اس کے علاوہ ان خلاف ورزیوں کے میکانزم کا بھی ذکر ہے، ذیل میں ان شرعی قوانین کی مختصر تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔

☆ شرعی قانون میں زنا کے مرتکب افراد کو سنگسار کرنا قرآن کی سورۃ 24، آیات 2 اور 3 سورہ 4 آیات 16,15 اور 25 کی خلاف ورزی ہے، قرآن نے زانیوں کے لئے موت کی سزا مقرر نہیں کی بلکہ قرآن ایسے جرم کی معافی قبول کرتا ہے۔

☆ شرعی قانون کے تحت زیادتی کا نشانہ بننے والی خاتون کو الزام ثابت کرنے کے لئے چار مسلمان مردوں کی گواہی پیش کرنے کی شرط ہے یہ اس قرآنی حکم کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے جو زنا کے ثبوت کے لئے ریاست کو گواہ پیش کرنے کا حکم دیتا ہے جو تقریباً ناممکن ہے۔ کسی زیادتی کے واقعے کی شاذ و نادر ہی چار گواہیاں ہوتی ہیں اس طرح شریعت کے تحت زیادتی کی سزا تقریباً ناممکن ہے۔

☆ حدود یا فوجداری مقدمات میں شرعی قانون کے تحت خواتین کی شہادت مسترد کرنا قرآن کی سورۃ 24 اور 11 تا 20 کی خلاف ورزی ہے۔ ان آیات میں (شریعت

MashalBooks.org

کے برعکس) ملزم نہیں بلکہ مدعی کے لئے رویے کے اصول کی پابندی ہے۔

☆ شریعت کے تحت مرتد کا قتل سورہ 4 کی آیت 94، سورۃ 2 کی آیت 256، سورۃ 3 کی آیت 88، 89، سورۃ 16 کی آیت 106 کی خلاف ورزی ہے۔ حضورؐ کی زندگی میں 3 ایسے افراد کی مثال ملتی ہے جنہوں نے دائرہ اسلام سے خروج کیا، لیکن ان میں سے کسی کو موت کی سزا نہیں ملی۔

☆ شریعت کی طرف سے مسلمان شوہر کو اپنی بیوی کو ''فوراً'' طلاق دینے کی اجازت ہے یہ روایت قرآنی سورہ 2، آیات 228 اور 29، سورہ 65 کی آیات ایک اور 2 کے منافی ہے۔

☆ اگر ایک مطلقہ خاتون دوبارہ پہلے شوہر سے شادی کرنا چاہے تو شریعت اس خاتون پر شرط لگاتی ہے کہ پہلے وہ کسی اجنبی سے شادی کر کے اس کے ساتھ ہمبستری کرے اور اگر وہ خود اس خاتون کو رضا کارانہ طور پر چھوڑ دے تو یہ پہلے شوہر سے رجوع کر سکتی ہے۔

شرعی بینکاری:

کینیڈا میں صرف عائلی قوانین میں شریعت نافذ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ اسلام پسندوں نے شرعی قوانین متعارف کرانے کی کوششوں میں کینڈا میں کافی ہزیمت اٹھائی ہے لیکن انہوں نے اپنی شکست تسلیم نہیں کی۔ اصل میں ان کا منصوبہ یہ ہے کہ کسی بھی شکل میں ''شریعۃ'' کو جہاں اسے مغربی لغت میں قبولیت مل سکے متعارف کرایا جائے۔ حال ہی میں صوبہ انٹاریو میں حکومتی اجازت اور مالی معاونت سے نجی مدارس کھولنے کی کوشش پر زبردست عوامی ردعمل سامنے آیا۔ شرعی بنیادوں پر موسیقی، شریعت کی منظور کردہ فٹ بال، شریعت کی بنیاد پر ڈاکٹروں کی پریکٹس (جس میں صنف مخالف کا علاج ممنوع ہو) آپ اسے کوئی بھی نام دیں اور اسلام پسند کسی پہلو سے شریعت کو ہماری زندگیوں میں متعارف کرانا چاہتے ہیں، البتہ شرعی بینکاری کا شعبہ ایسا ہے جہاں انہیں ٹھوس بنیادیں اور انتہائی طاقتور اتحادی دستیاب ہیں۔

ایک طرف اسلام پسند لندن کے مئیر کین لیونگسٹین اور رکن پارلیمنٹ جارج

MashalBooks.org

گیلووے جیسے بائیں بازو کے عناصر کے ساتھ مل کر سرمایہ دارانہ نظام کو تمام بیماریوں کی جڑ قرار دیتے ہوئے اس کی خدمت کر رہے ہیں، تاہم باریکی سے جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ اسلام پسند سرمایہ دارانہ نظام کی عالمگیر علاقوں سٹی بنک، نارتھ امریکہ، ایچ ایس بی سی ہولڈنگز اور بارکلے کے ساتھ بھی صف بندی کر رہے ہیں اور ان تمام عالمگیر بنکوں نے شریعت کی توثیق کرتے ہوئے زخم خوردہ مسلمانوں کو اسلامی مالیاتی مصنوعات کی پیشکش کرنا شروع کر دی ہے۔

جہاں ایک طرف شریعہ سٹائل کے عائلی قوانین کی تشہیر ائمہ اور مسجد اسٹیبلشمنٹ نے کی وہاں شرعی بنیادوں پر بینکاری کا فروغ ممتاز مسلمان بینکر اور سرمایہ کاری کے وکلاء جنہیں پیغمبرؐ کی تعلیمات نہیں منافع خوری سے دلچسپی ہے کر رہے ہیں۔

مئی 2007ء میں اخبار ''گلوب اینڈ میل'' نے رپورٹ شائع کی کہ:

''کینیڈا کے کئی مالیاتی ادارے ملک کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مسلمان آبادی کی خدمت کے لئے شرعی بنیادوں پر گروی کے کاروبار، انشورنس، ٹیکسی لائسنسنگ اور انویسٹمنٹ فنڈ کا آغاز کر رہے ہیں۔'' ولید سلیمان جو معروف مسلمان کارپوریٹ وکیل ہیں اور ان کے کینیڈا کی کنزرویٹو پارٹی کے ساتھ قریبی رابطے بھی ہیں اس کے فروغ میں لگے ہوئے ہیں۔ معروف فرم اوگلوی رینالٹ (ایل ای پی) سے وابستہ سلیمان نے ''گلوب'' کو بتایا کہ ''مجھے امید ہے کہ شرعی بینکاری آنے والے برسوں میں کینیڈا میں تیزی سے مقبول ہو گی۔'' انہوں نے اعتراف کیا کہ شرعی بینکاری کا فروغ ان کی لا فرم کی پریکٹس کا ترجیحی شعبہ بن گیا ہے۔

بینکنگ سے وابستہ مسلمان افسروں کی اس تحریک کو کسی حد تک کامیابی ملی ہے، کینیڈا کے بڑے ادارے نہایت محتاط طریقے سے چل رہے ہیں اور ایک لخت اس دوڑ میں کود نہیں پڑے۔ ''گلوب'' نے لکھا ہے کہ جہاں رائل بنک آف کینیڈا نے شرعی مالیاتی مصنوعات کا تجربہ کر کے چند برس قبل اندازہ لگایا تھا کہ مارکیٹ میں اسے زیادہ پذیرائی نہیں مل رہی وہاں دیگر کینیڈین بنک اسے آسان معاملہ سمجھ کر اسلامی بینکاری کے لئے پر تول رہے ہیں۔ اسکوشیا بنک اور ٹورانٹو ڈومینین بنک خاموشی سے غور کر رہے ہیں کہ تارکین وطن آبادی کے بڑے حصے تک رسائی کے لئے شرعی بنیادوں پر بینکاری شروع کی جائے۔ مجھے

MashalBooks.org

شبہہ ہے کہ ہندو، سکھ اور چینی تارکین وطن کینیڈین حلال بنکوں کے فروغ پر زیادہ خوش ہوں گے۔

شرعی بینکاری کی تشہیر کرنے والے اسلام پسند ہیں اور ان کا ہدف مسلم آبادی پر کنٹرول حاصل کر کے انہیں باقی دنیا سے الگ تھلگ کرنا ہے، اس کے تحت گروی کے معاہدے پر دستخط کرنے والے ہر خاندان کو شریعت اپنا کر دیگر معاشرے کے گناہگار ساہو کاروں سے لاتعلقی کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔

جس وقت اسکوشیا بنک اور ٹورانٹو ڈومینین کے عہدیدار ٹورانٹو اسلامک فنانس ورلڈ کانفرنس کے 200 شرکا کے ساتھ 2007ء کے موسم گرما میں معاملات طے کر رہے تھے، کینیڈا کا آفس آف دی سپرنٹنڈنٹ آف فنانشل انسٹی ٹیوشنز (او ایس ایف آئی) جو مالیاتی اداروں کی نگرانی کرتا ہے نے کہا کہ اس کے سٹاف پر زور دیا جا رہا ہے کہ کینیڈا کی اسلامی مالیاتی خدمات میں توسیع کے لئے شرعی قانون کے بہتر نکات پر غور کیا جائے۔ او ایس ایف آئی کے مینجنگ ڈائریکٹر (Approvals and Precedents Division) نے گلوب کو بتایا کہ ان کے سٹاف کے کئی افراد اسلامی فنانس سے متعلقہ منصوبوں، قانونی ڈھانچوں، اکاؤنٹنگ کے طریقوں اور دیگر امور پر کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ کام ہمارے لئے بالکل نیا ہے، ہمیں اس قسم کے کام کو سمجھنا اور ان کی نگرانی کرنے کا تجربہ نہیں ہے۔ ان سب میں اتنی گرہیں ہیں کہ ہم نے اس سے پہلے کبھی ایسی چیز نہیں دیکھی۔

ذرا اندازہ لگائیں کہ کینیڈا کے اس نگران ادارے میں اعلیٰ عہدوں پر خالی اسامیوں اور متعلقہ علم کے خلا کو کون پر کرے گا؟

جہاں ایک طرف کینیڈا کے بنک اس فرضی لامحدود مارکیٹ کے لئے رال ٹپکا رہے ہیں وہاں ایک مسلمان کی ملکیت ادارہ جس کے کینیڈا میں اسلام پسندوں کی سرگرمیوں سے گہرے سماجی اور مارکیٹنگ مراسم ہیں بھی اس دھندے میں ملوث ہے۔ یو ایم فنانشل کے چیف ایگزیکٹو آفیسر عمر کلیر نے بتایا کہ ان کے گروپ کی شرعی پرڈاکٹس کی مانگ اتنی زیادہ ہے کہ یو ایم نے تمام مارکیٹنگ روک دی ہے اور اس وقت پانچ ہزار کلائنٹ اپنی مارگیج کو شرعی قانون سے ہم آہنگ کرنے کے لئے قطار میں کھڑے ہیں تاہم انہوں نے تسلیم کیا کہ کینیڈا کے 2 لاکھ مسلم گھرانوں میں سے ابھی تک صرف ڈھائی فیصد کا ہدف پورا ہو سکا

ہے اور یہ بھی پانچ بڑے بنکوں کے اشتراک سے۔

اسلامی بینکاری کی ابتداء

اسلامی بینکاری کی جڑیں 1928ء کی دہائی میں ملتی ہیں لیکن اس کا باقاعدہ آغاز 1970ء کے عشرے تک نہیں ہو سکا تھا، اس کی بنیاد کا تعلق 2 اسلام پسندوں کے نظریے سے ہے: ایک جماعت اسلامی پاکستان کے ابو الاعلیٰ مودودی اور دوسرے مصر کی اخوان المسلمون کے بانی حسن البنا۔ جہاں پان اسلام پسند تحریک کے ان دونوں ستونوں نے مغرب کے خلاف جہاد اور جنگ کا پراپیگنڈہ کیا وہاں انہوں نے اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لئے بین الاقوامی مالیاتی اداروں کا کردار بھی تسلیم کیا۔ 1928ء میں اپنے قیام کے بعد سے اخوان المسلمون نے نام نہاد اسلامی معاشی نظام کی تخلیق پر زور دینا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ حسن البنا اور ان کے جانشین سید قطب نے اسلامی فنانس کے رہنما اصول بھی مرتب کئے۔ ملرڈ بر Millard Burr اور رابرٹ کولنز نے اپنی کتاب ''Alms for Jihad'' میں دعویٰ کیا ہے کہ اخوان المسلمون نے اپنی اسلامی آئیڈیالوجی کے عالمگیر پھیلاؤ کے لئے ضروری مالیاتی معاونت کے لئے اس معاملے کا جائزہ لیا اور پھر انتظار کرتے ہوئے اس کی مینجمنٹ سیکھی۔ تاہم اس نظریے کو عملی شکل اس وقت ہی مل سکی جب امریکہ کی حمایت یافتہ فوجی آمر جنرل ضیاء الحق نے زیڈ اے بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ کر پاکستان میں شرعی قانون نافذ کر دیا اور سرکاری اور نجی بنکوں کو اسلامی اصولوں کی بنیاد پر بلاسود کردار ادا کرنے پر مجبور کیا۔

شرعی بینکاری کے محرکین اپنے موقف کی بنیاد قرآنی آیات کو بناتے ہیں، جن میں ان لوگوں کی تشریح کے مطابق سود پر مبنی کسی بھی کاروبار اور ذاتی مالیاتی لین دین کی ممانعت کی گئی ہے۔ بینکاری کے موجودہ نظام سے مستفید ہونے والے مسلمانوں میں اس نظام کو مسترد کرنے اور سود سے پاک فرضی ماحول پر اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ اکثر مسلمان فریب کے اس دھندلکے کے پار دیکھ سکتے ہیں، اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب ہے تاہم اگر چھوٹی سی اقلیت بھی اسلام پسندوں کے پراپیگنڈے کے جال میں پھنس جاتی ہے تو بڑا پیسہ بنایا جا سکتا ہے۔

قرضوں سے متعلق قرآنی آیات میں ذکر ہے کہ:

MashalBooks.org

☆ البقرہ (2:275) قرآن نے تجارت کی اجازت اور سود خوری کی ممانعت کی ہے، وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی رہنمائی ملنے کے بعد کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں ان کی ماضی کی کوتاہیاں بھی معاف کر دی جائیں گی، ان کا فیصلہ خدا خود کرے گا لیکن جو لوگ اس جرم کا بار بار ارتکاب کرتے ہیں وہ جہنمی ہیں اور وہ ہاں (ہمیشہ) رہیں گے۔

☆ البقرہ (2:276): اللہ ربا کو پسند نہیں فرماتا اور وہ اعداد باہمی کے عمل کا فروغ پسند کرتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گناہگار سے محبت نہیں کرتا۔

☆ البقرہ (2:278) اے ایمان والو! اللہ کے فرائض کی ادائیگی میں محتاط رہو اور اگر تم ایمان والے ہو تو سود پر مبنی لین دین سے دور رہو۔

☆ البقرہ (2:280) اگر مقروض مشکل میں ہے تو اسے قرض کی بآسانی واپسی کے لئے مزید وقت دو، لیکن اگر تم اس کا قرضہ معاف کر دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا، اگر تم جانتے ہو۔

☆ النساء (4:161) اور یہ لوگ منع کرنے کے باوجود سود کھا رہے ہیں اور لوگوں کی جائیداد غلط طریقے سے ہڑپ کر رہے ہیں اور ہم نے ان میں سے منکروں کے لئے تکلیف دہ عذاب تیار کر رکھا ہے۔

☆ الروم (30-39): اور جو کچھ تم ربا کے طور پر وصول کرتے ہو تاکہ اس سے تمہاری جائیداد میں اضافہ ہو تو اس کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں، اور جو کچھ تم صدقہ خیرات دیتے ہو، اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو صلہ پائیں گے۔

ان قرآنی آیات سے قطعی طور پر واضح ہوتا ہے کہ قرآن امیر قرض خواہ افراد سے مخاطب ہو کر انہیں مقروض لوگوں سے رقم کی واپسی میں نرم رویہ اختیار کرنے کے لئے زور دے رہا ہے، دراصل قرآن قرض خواہوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ اگر وہ مقروض افراد کا قرضہ معاف کر دیں تو یہ زیادہ بہتر ہوگا۔ یہ کہنا کہ شریعت کی پابندی کمزور قرض دار کی ہی ذمہ داری ہے۔ دراصل اسلام میں برابری کے اصول کی خلاف ورزی ہے۔

میں یہ اس لئے کہتا ہوں کیونکہ ائمہ اور شرعی بینکاری کے اپنی طرز کے سکالر امیر افراد کو کوئی کام کئے بغیر پاکباز بنانے کی تجویز دے رہے ہیں جبکہ ایسے غریب افراد جنہیں قرضے کی ضرورت ہے کو بنکوں سے دور رہنے کو کہا جا رہا ہے۔

MashalBooks.org

ایک بار پھر ہم نے دیکھا کہ اسلام غریبوں سے انصاف کی بات کر رہا ہے جبکہ اسلام پسند غریبوں کی فنڈز تک رسائی کو مشکل بنا رہے ہیں۔ آج اسلامی بنکوں کے مالکان ارب پتی جبکہ شرعی بنکاری کی وکالت کرنے والے قانونی ماہرین دنیا کے امیر ترین☆ افراد میں شامل ہیں دوسری طرف مسلمانوں کی ایک بڑی اکثریت یومیہ ایک ڈالر سے بھی کم پر گزر اوقات کرنے پر مجبور ہے۔ شرعی بینکاری صرف ائمہ مساجد، بنک مالکان اور ہر چیز کو اسلامائز کرنے والے وکیلوں کو فربہ بنا رہی ہے جو بھاری فیسیں وصول کرنے میں لگے ہیں۔

قرآن کے ہر انگریزی ترجمے میں عربی لفظ ''ربا'' کا ترجمہ Interest نہیں Usuary کیا گیا ہے اس کے باوجود اسلام پسند جان بوجھ کے بنکوں کے انٹرسٹ (قرضے کے پیسے کی کاسٹ) کو Usury بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اسلام پسندوں کے نزدیک کوئی گاڑی یا ڈی وی ڈی کرائے پر لینے کی کوئی قیمت ہونی چاہئے لیکن کسی مخصوص وقت کے لئے پیسہ لینے کی کوئی Cost نہیں ہونی چاہئے۔ اس کی بجائے اسلام پسندوں نے ایسی اجنبی پراڈکٹس جن کے نام بھی مسلمانوں کے لئے ہیں ایجاد کی ہیں، اس انٹرسٹ کو مضاربہ، مشارقہ، مرابحہ اور اجارہ کے ناموں میں چھپایا گیا ہے۔

جہاں انٹرسٹ رقم بطور قرض لینے کا معاوضہ ہے اور اسے خاص انداز میں سالانہ فیصد شرح کے طور پر پیش کیا ہے وہاں Usury سود پر ادھار دینے اور لینے والے کے انٹرسٹ کا معاوضہ ہے، بالخصوص غیر قانونی طور پر انتہائی زیادہ شرح پر۔

سینئر مسلمان بینکار مصنفین نے شرعی بینکاری پر شدید تنقید کی ہے۔ محمد سلیم نے اس روش کو فریب کے سوا کچھ نہیں قرار دیا ہے جبکہ تیمور خان نے کہا ہے کہ یہ تمام روایت وسیع تر اسلامی مقاصد کے حصول کا بہانہ ہے تاکہ مذہبی عہدیداروں کی جیبیں بھری جاسکیں۔ اس تناظر میں ایک عام کینیڈین شہری کو یہ سوال کرنا چاہئے کہ آخر کینیڈا کے بنکوں کو اس ریاکاری میں حصہ کیوں ڈالنا چاہئے؟

محمد سلیم نیویارک کے پارک ایونیو بنک کے سابق صدر اور سی ای او ہیں، اس سے پہلے وہ بنکر ٹرسٹ کے اعلیٰ عہدیدار اور بحرین میں قائم ایک معروف اسلامی بنک کے مشیر کے طور پر بھی کام کر چکے ہیں۔ اپنی کتاب (اسلامی بینکاری300 ارب ڈالر کا دھوکہ) Islamic Banking: A$300 Billion Deception میں انہوں نے نہ صرف اسلامی

اور شرعی بینکاری کے قیام کو مسترد کیا ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ: ''اسلامی بنک عملاً وہ کچھ نہیں کرتے جس کی تبلیغ کرتے ہیں: یہ سب انٹرسٹ وصول کرتے ہیں لیکن اسے اسلام کا لبادہ پہناتے ہیں، اس طرح یہ پرفریب اور بددیانتی پر مبنی بینکاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: اسلامی بینکاری کے داعی کہتے ہیں کہ اسلام انٹرسٹ کی ممانعت کرتا ہے لیکن قبل از اسلام اور اسلامی تاریخ کا جائزہ ذہن میں رکھتے ہوئے غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن نے ربا Usury کی ممانعت کی ہے انٹرسٹ کی نہیں۔ Usury کی تعریف یہ ہے کہ یہ قانونی یا سماجی طور پر قابل قبول شرح سے زیادہ انٹرسٹ ہے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ربا ایک exploitative اور انتہائی زیادہ شرح سود ہے۔

محمد سلیم نے جہاں شرعی بنیادوں پر استوار بینکاری کی مارکیٹنگ میں دانشورانہ بددیانتی کا تفصیل سے بھانڈا پھوڑا ہے وہاں پروفیسر تیمور جو یونیورسٹی آف سدرن کیلی فورنیا میں اسلامی فکر کے استاد ہیں نے اس تصور کا تمسخر اڑایا ہے ان کی شاندار کتاب Islamic and Mammon:The Economic Predicament of Islamism میں لکھا ہے کہ: جہاز سازی، کسی خطے کے تحفظ، بیماری کے علاج یا موسم کی پیشگوئی کا کوئی اسلامی طریقہ کار موجود نہیں، وہ لکھتے ہیں کہ شرعی بینکاری متعارف کرانے کی کوششوں نے پوری اسلامی دنیا میں جدت پسندی کے خلاف سوچ کی لہروں کو جنم دیا ہے، اس نے اسلامی عسکریت پسندی کے لئے دوستانہ ماحول بھی مزید سازگار بنانے میں مدد دی ہے۔

مساوات اور سماجی انصاف کے حصول کی جدوجہد اسلام کی روح ہے، محمد سلیم کا کہنا ہے کہ ''اسلامی'' ہونے کے دعویدار اور بینکاری یا اقتصادی نظام............بشمول اسلامی بنکوں کی موجودہ فصل کے...........کو ان دو سوالوں کا جواب دینا چاہئے۔ اول: فرضی طور پر انٹرسٹ اور کلائینٹ کے ساتھ نقصان کے اشتراک سے دور رہ کر کیا یہ لوگ اس نظام کو زیادہ شفاف، ایماندارانہ، منصفانہ اور یکساں بنا سکتے ہیں۔ دوم: کیا یہ بنک اسلامی دنیا میں اقتصادی ترقی کو فروغ دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ پروفیسر سلیم کے الفاظ میں: افسوس، ان سوالوں کا جواب نہیں میں ملتا ہے، اس بات کے کوئی شواہد موجود نہیں کہ اسلامی بنکوں نے ان دونوں معاملات میں کوئی حصہ ڈالا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ چین اور بھارت دو ایسے ملک ہیں جنہوں نے غربت کے

MashalBooks.org

خاتمے اور ترقی کے لئے اقدامات میں کچھ کامیابی حاصل کی ہے اور تمام مسلمان ملکوں کو ان کے بیش بہا وسائل اور بہترین جغرافیائی حیثیت کے باوجود پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ شرعی بینکاری سے نہ غربت کا خاتمہ ہوسکتا ہے نہ ترقی کی رفتار بڑھ سکتی ہے ہاں البتہ ملاؤں، حریص اسلامی بنکروں اور انویسٹمنٹ کے شعبے کے وکیلوں کا بھلا ضرور ہوا ہے جو وسیع تر مسلم آبادی کی قیمت پر اپنے مفادات حاصل کر رہے ہیں۔

سلیم جنہوں نے اسلامی بینکاری کا اندر سے جائزہ لیا ہے لکھتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کے قیام کے فروغ کے ذریعے شرعی سکالروں نے قابل اعتراض کردار ادا کیا ہے، بینکنگ اور معاشیات کے علم کی کمی کے باوجود ''ربا'' کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے انٹرسٹ اور Usury کو گڈ مڈ کر کے ابہام پیدا کر دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسلامی بنکوں کے مشیروں کے طور پر انہوں نے کئی قسم کے لین دین Transactions کو اسلامی............مراد سود سے پاک......قرار دے دیا ہے، حالانکہ اس لین دین میں واضح طور پر انٹرسٹ لیا جا رہا ہے لیکن ادائیگیوں پر پردے ڈالے گئے ہیں۔

اس وقت کئی اسلامی سکالر اور ائمہ بنکنگ انڈسٹری کے شرعی شعبوں میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اگر کینیڈا کا ٹی ڈی بنک، بی ایم او اور آر بی سی بھی اس گروپ میں شامل ہو گئے تو یہ جاننا نہایت دلچسپی کا حامل ہوگا کہ اسلام پسندوں کے انتہائی بائیں بازو کے ٹراٹسکائی اتحادیوں کے ان لوگوں کو ٹورانٹو کے ٹی ڈی ٹاور پر بنکروں کی قیادت میں بیٹھے دیکھ کر کیا تاثرات ہوں گے۔

اس کے علاوہ اسلامی بنکنگ کی کانفرنسوں اور فورموں کی ایک نئی صنعت بھی ابھری ہے، جس سے سینکڑوں شرعی سکالروں کو دنیا بھر سے آنے والے بینکروں اور ماہرین اقتصادیات سے ملنے جلنے کا موقع ملتا ہے۔ محمد سلیم جنہوں نے ایسی کئی تقریبات میں شرکت کی کے الفاظ میں اکثر ان ملاقاتوں کا مقصد ایک دوسرے کی بات سننا اور اپنے ایجاد کردہ اقدامات پر تعریف کرنا ہوتا ہے۔ ٹورانٹو میں شرعی بینکاری کے فروغ کے لئے ہونے والی حالیہ کانفرنس اس عالمگیر منصوبے کا حصہ ہے جس کا مقصد شرعی سکالروں کو نوازنا ہے۔ گزشتہ 25 سال سے ایسی سالانہ 5 بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد ہو رہی ہیں، سلیم کا اندازہ ہے کہ ہر کانفرنس کے اخراجات 20 لاکھ ڈالر سے زیادہ ہوتے ہیں گویا شرعی بنیادوں پر بینکاری کے

سرکٹ کو زندہ رکھنے کے لئے اب تک 200 ملین ڈالر خرچ کئے جا چکے ہیں۔

انہوں نے ایک مثال بھی بیان کی ہے کہ کس طرح شرعی سکالروں کو بنکوں سے ملنے والی رقم (یعنی معاوضہ) سے دلچسپی ہے اور وہ انٹرسٹ کو نقاب پہنانے کی ہر ڈیل پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ محمد سلیم نے ایک ایسے ہی واقعے کو ''مزاحیہ واقعے'' کے طور پر بیان کیا ہے۔

''میں نے ایسے کئی مزاحیہ واقعات کو قریب سے دیکھا ہے کہ کسی اسلامی بنک کا شرعی سکالر صرف عربی بول سکتا ہے جبکہ قرضہ جاری کرنے والا بنک افسر صرف انگلش اردو بولتا ہے۔ ایک مخصوص مالیاتی اصطلاح مثلاً X% اور لبر (Libor) (لندن انٹر بنک کا آفرڈ ریٹ) کے لئے ہم نے ایک ترجمان رکھا تھا جو انگریزی سے عربی میں ترجمہ کرتا اور پھر اس پیچیدہ ٹرانزیکشن کو شرعی مشیر کے لئے اس کی وضاحت کرتا۔ یہ عمل بعض اوقات تکلیف دہ اور بعض دفعہ مزاحیہ لگتا کہ تجویز کو کسی مذہبی سکالر کی منظوری کے لئے پیش کیا جائے تا کہ وہ اسے شریعت کے اصولوں سے ہم آہنگ قرار دے سکے۔ اس ''شرعی سکالر'' جو ضعیف العمر ہوتا ہے اور اونچا سنتا ہے کو جدید بنکنگ اور مالیاتی امور کا بہت کم تجربہ ہوتا ہے۔ تاہم وہ عالم چونکہ بنک سے انتہائی فیاضانہ مشاہرہ وصول کرتا ہے لہٰذا وہ اس ڈیل کی منظوری دے دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بنک یہ ڈیل کرنا چاہتا ہے، اگر آپ اس کے چہرے کی طرف دیکھیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ شخص ایک تجارتی سودے اور کسی کمپنی کے حصص کے لین دین میں فرق نہیں کر سکتا۔

اسلام کے نام پر جو کچھ دھوکہ دہی اور بددیانتی پر مبنی ہے اسے تو اپنایا گیا ہے جبکہ عام مسلمان کو یہ احساس دلایا جا رہا ہے کہ ان کے بنکوں کے ساتھ معاملات غیر اسلامی اور گناہ ہیں۔ جیسا کہ اس مسلمان بینکار (محمد سلیم) نے پوچھا ہے کہ: کئی قسم کے طریقوں...... اکثر بناوٹی...... کے ذریعے (اسلامی) بنک آخر میں کوئی خطرہ مول نہیں لیتے، اگر اسلامی بنک اپنے ہیمبرگر کو مکہ برگر کا نام دیدیں حالانکہ اس میں وہ تمام اجزاء موجود ہیں جو میکڈونلڈ برگر میں ہوتے ہیں تو کیا اس چیز کی اصلیت بدل جائے گی؟

محمد سلیم نے یہ رونا رویا ہے کہ محض چند لوگ اسلام کے نام پر یہ پرفریب مشق جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''ہمیں اسلامی بینکاری کی ناکامیوں اور خامیوں کی

MashalBooks.org

نشاندہی کرتے ہوئے اقتصادیات کو غیر اسلامی قرار دینے کا سلسلہ ترک کرنا چاہیے۔'' شاید اسکوشیا بنک، آر بی سی، بی ایم او اور آفس دی سپرنٹنڈنٹ آف فنانشل انسٹی ٹیوشن کو اس سابق بینکر کی تنبیہہ پر کان دھرنے چاہئیں۔

شرعی بینکاری کی یہ کوشش مسلمان برادری پر ایک الزام ہے اور اس کا تعلق تو سنہری دور سے بھی نہیں بلکہ یہ بیسویں صدی کی تخلیق ہے جو عقلیت، منطق اور اسلام کی روح سے متصادم ہے اس کے باوجود اسے ہم پر مسلط کیا جا رہا ہے حالانکہ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔

ایسے وقت میں جب مسلمان اپنے عقیدے کے 1500 ویں سال میں پہنچ گئے ہیں تو ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا ہو گا کہ ہم ماضی کے اس سامان جس کا اسلام کے پانچ بنیادی ارکان سے کوئی علاقہ نہیں کے ساتھ آگے کی سمت میں کیسے بڑھ سکتے ہیں۔ قرون اولیٰ کے کچھ جاگیردارانہ اور قبائلی قوانین اسلام سے طفیلیوں کی طرح چمٹے ہوئے ہیں اور ہماری وہ روح اور آزادی ملاؤں کے ہاتھوں یرغمال بنی ہوئی ہے جو حضرت محمدؐ کے طفیل ہمیں نصیب ہوئی، مرد اور خواتین کی برابری کے ہم سب مستحق ہیں۔ انسان کے بنائے ہوئے یہ قوانین جنونیوں کی دھمکیوں کے باوجود اٹھا کر باہر پھینک دینے چاہئیں۔ جب خدا نے اپنی آخری وحی میں فرما دیا کہ ''آج ہم نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا۔'' تو ہمیں اس پر سچ ہونے کا یقین کرنا چاہیے۔ روشن خیال اور لبرل مسلمانوں کو یہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے اٹھ کھڑا ہونا ہو گا اور ان انسانی حقوق اور جمہوریت کی کامیابیوں کا دفاع کرنا ہو گا جو امریکی اور فرانسیسی انقلابات کی وجہ سے تمام انسانوں کو ملی، ایسے افراد تمام قوانین جو جمہوری طور پر منتخب پارلیمنٹوں کے باہر سے آتے ہیں کو قوانین نہیں کہا جا سکتا۔

مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے پاس شاید نفاذ شریعت سے لڑنے کی جرأت یا صلاحیت نہ ہو لیکن ہم میں سے وہ لوگ جو شمالی امریکہ اور یورپ میں رہتے ہیں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان ٹھگوں کے سامنے کھڑے ہو جائیں جو مطلق العنانیت کے مزے اٹھا رہے ہیں۔ ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مغرب میں غیر مسلم کمیونٹی، بالخصوص احساس گناہ کا شکار لیفٹ جو شریعہ کی حمایت پر اتر آیا ہے وہ نسل پرستی کو ہوا دے رہا ہے اور یہ لوگ اجتماعیت کے پردے تلے مسلمانوں کو مرکزی دھارے سے الگ تھلگ ہونے کی شہ دے رہے ہیں۔

MashalBooks.org

اپنے مسلمان بہن بھائیوں کو انسان کے بنائے ہوئے شرعی قوانین سے دور ہونے کی التجا کرتے ہوئے میں عظیم ایرانی فلسفی اور انقلابی جنہوں نے بیک وقت مارکسسٹ لیفٹ اور آیت اللہ حضرات دونوں کی خفگی مول لی کا حوالہ دوں گا وہ ہیں علی شریعتی (77-1933)۔ انہوں نے کہا تھا کہ پوری اسلامی تاریخ کے دوران دوقسم کے اسلام رہے ہیں جو ایک دوسرے سے متصادم رہے۔ ایک طرف اپاہج اور نشہ آور مذہب اور دوسری جانب ترقی پسند اور جگانے والا مذہب ڈاکٹر علی شریعتی نے ان تمام اپاہج عوامل کی تباہی کی حمایت کی جنہوں نے اسلام کے نام پر معاشرے کی سوچ اور قسمت کے آگے رکاوٹیں کھڑی کر رکھی ہیں، انہوں نے نقالی اور فرمانبرداری کے خاتمے کا مطالبہ کیا جو ایک مقبول مذہب کا خاصہ بن چکا ہے اور اس کی جگہ پر انقلابی، جارحانہ روح اور آزادانہ عقلیت پسندی (اجتہاد) کو اپنانے پر زور دیا ہے۔

امریکی مصنف اور ماہر نفسیات لیلیٰ بختیار نے اپنی کتاب ’’Shariati on Shariat‘‘ میں ایرانی فلسفی کے یہ الفاظ بیان کئے ہیں۔

’’کل کا اسلام خود ساختہ مذہبی سکالروں کا اسلام نہیں ہوگا۔ قم اور مشہد کا اسلام ضرور تبدیل ہوگا، نوجوان مذہبی طلباء نے بتا دیا ہے کہ وہ زیادہ دیر تک ان چیزوں کو قبول نہیں کریں گے جو ان سے پوچھے بغیر ان پر مسلط کی جاتی ہیں..........کل کا اسلام صرف دعاؤں کی کتاب کا اسلام نہیں ہوگا بلکہ یہ قرآن کا اسلام ہوگا......کل کا اسلام اب زیادہ دیر تک جہالت، مطلق العنانی، زیادتی اور قدیم توہمات، عادات، بار بار اعادے، آنسوؤں، کمزوری اور ذلت کا اسلام نہیں ہوگا۔‘‘

کیا ہم مسلمان جو جمہوری معاشروں میں رہ رہے ہیں، ڈاکٹر شریعتی کی آواز پر کان دھریں گے؟

☆ حکمران سے مراد خلیفہ عثمانؓ ابن عفان ہیں۔

☆ دبئی میں قائم میگزین فاربس عریبیہ کی رپورٹ میں دنیا کے 15 امیر ترین حکمرانوں کی فہرست شائع ہوئی ان میں سے 7 مسلمان تھے۔

MashalBooks.org

بارھواں باب

جہاد............مستقل جنگ یا جہد مسلسل؟

ٹامس جیفرسن اور جان ایڈمز لندن میں تریپولی (اب لیبیا) کے عثمانی پاشا کے نمائندے عبدالرحمان الآجر کے چیمبر میں بیٹھے تھے۔ امریکہ کے ان دونوں بانی رہنماؤں اور 1785ء میں تریپولی کی اس ممتاز شخصیات کے درمیان جو کچھ زیر بحث آیا وہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا اکثر مسلم رہنماؤں کے احساس حق کے حوالے سے پہلا تعارف تھا اور اب بھی ہے۔ یہ خلفا اور سلطان اپنے اقتدار کو خدا کی امانت سمجھتے تھے اور ان کی اولین ذمہ داری دعوۃ ☆ اور پھر جہاد تھی۔

انیسویں صدی کے آخر تک امریکہ کے پاس کوئی بحریہ نہیں تھی جبکہ شمالی افریقہ کے مسلم ممالک مراکش، الجزائر اور ٹریپولی کا عثمانی بیڑا متحدہ طور پر ہمسایہ یورپی ممالک کا حریف تھا اور یورپ کی غلاموں کی تجارت کو سہولتیں فراہم کرتا تھا۔ سفید فام افراد کو افریقہ میں کام کرنے کے لئے غلام بنایا جاتا تھا۔

1780ء کے عشرے میں بحیرہ روم میں جہاز رانی کرنے والے امریکی تاجروں کو برطانوی بحریہ نے تحفظ فراہم کرنے سے انکار کر دیا جس پر بحری قزاقوں اور مراکش، تریپولی، تیونس اور الجزائر کے غلاموں کے تاجروں نے ان پر حملے شروع کر دیئے۔ جیفرسن اور ایڈمز نے امریکی بحری طاقت کی عدم موجودگی کا احساس کرتے ہوئے عثمانی نمائندے عبدالرحمان الآجر سے ملاقات کی اور اسے بحفاظت راہداری کے لئے 25 ہزار ڈالر خراج دینے کی پیشکش کی، فرانسیسی پہلے ہی خراج ادا کر رہے تھے۔ جیفرسن نے الآجر سے کہا کہ امریکہ ''خون خرابے کو ٹالنا چاہتا ہے'' لہٰذا ''تریپولی سے دیرپا دوستی'' قائم کرنے کا خواہاں

MashalBooks.org

ہے لیکن درحقیقت وہ ریشہ دوانی کر رہا تھا اور جاننا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کا یہ نمائندہ کسی اخلاقی جواز کے تحت رشوت طلب کر رہا ہے۔

جو جواب جیفرسن کو ملا وہ دراصل مسلمان حکمرانوں کے اس حفاظتی گٹھ جوڑ (مافیا کہہ لیں) کا انکشاف تھا۔ جو اسلام کے نام پر چلایا جا رہا تھا۔ مسلمان سفارتکار نے دونوں امریکی رہنماؤں کو دعوۃ اور جہاد کا کریش کورس کرایا۔ اس کی نظر میں جو قرون وسطیٰ کے مسلمان فقہا کے نزدیک قانون تھا خراج کو رشوت نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ یہ کسی غیر مسلمان کے اسلام قبول کرنے یا اس پر بزور طاقت فتح پانے تک عبوری بندوبست تھا۔ الآجر نے دونوں امریکیوں کو بتایا کہ: ''یہ قرآن میں لکھا ہے کہ ایسی تمام اقوام جو مسلمانوں کی اتھارٹی قبول نہیں کرتیں، گناہگار ہیں اور یہ مسلمانوں کا حق بلکہ فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کے خلاف جنگ لڑیں اور جہاں ملیں انہیں غلام بنا لیں یا اسیر بنا لیں اور ہر مسلمان جو جنگ میں مارا جاتا ہے یقینی طور پر جنت میں جائے گا۔''

یہ سن کر جیفرسن اور ایڈمز ششدر رہ گئے۔ انہیں مسلمانوں کے اس ذہنی رویے کی جھلکی دکھائی دی جو قرون اولیٰ کے جہاد کے نظریے سے متاثر تھی۔ ابتدائی دور کے خلفاء سے اٹھارہویں صدی کے عثمانیوں تک مسلمان حکمران خود کو بنی نوع انسانی کا نجات دہندہ قرار دیتے رہے۔ ظل الٰہی اور حکمرانی کے حقدار عثمانی حاکم کے نقطۂ نظر سے امریکہ غیر مسلمان عیسائی قوم تھی۔ لہٰذا یہ بات بالکل جائز تھی کہ وہ انہیں خراج کی ادائیگی کے لئے کہے کیونکہ امریکہ نے ایک مسلمان خلافت کی طرف سے دعوت اسلام قبول نہیں کی تھی۔ امریکیوں نے اس بات کی تردید کی کہ وہ ایک ''عیسائی'' ملک ہے۔ اس طرح میثاق تریپولی امریکہ کی ابتدائی دستاویزات میں سے ایک ثابت ہوئی جس میں چرچ اور ریاست کو الگ کر دیا گیا ہے۔

یورپ میں دیگر ممالک کا کمزور قوموں سے خراج ہتھیانے کا اپنا الگ نظام تھا لہٰذا یہ روش صرف مسلمان حکمرانوں تک محدود نہیں تھی۔ تاہم مسلمان، صلیبی جنگوں کے دوران پوپ کی طرح، سمندری ٹول ٹیکس کے لئے مذہب کا استعمال کر رہے تھے۔

''کفار کو دعوت اسلام'' کے نظریے کے اسلام سے تعلق اور ان کی طرف سے دعوت مسترد کرنے پر جزیے کے مطالبے کو نویں اور دسویں صدی کے بیشتر مسلمان سکالروں

نے جائز قرار دیا۔ امام مسلم (متوفی 875) احادیث کے اپنے مجموعے ''صحیح مسلم'' میں عندیہ دیتے ہیں کہ غیر مسلم دشمنوں پر جنگ مسلط کرنے سے پہلے تین ضروری شرائط میں سے ایک دعوت اسلام ہے۔ 1368 میں احمد بن نقیب المصری نے اپنی شاہکار تصنیف ''عمدہ السالک'' میں کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر دعوۃ اور جہاد کے درمیان تعلق پر لکھا کہ:

''خلیفہ یہودیوں، عیسائیوں اور زرتشیوں کے خلاف جنگ کا اعلان کرتا ہے (پہلے انہیں قبول اسلام کی دعوت دی جاتی ہے، انکار پر جزیہ دے کر اسلام کے معاشرتی نظام میں داخل ہونے کو کہا جاتا ہے...... یہ ادائیگی اہم ہے اور صرف رقم سے متعلق نہیں...... اور وہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہتا ہے) اس کے بعد جنگ اس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک دشمن اسلام قبول نہ کرے یا پھر اللہ تعالیٰ کے الفاظ کے مطابق جزیہ ادا نہیں کرتا۔''

امریکیوں کو جلد اندازہ ہو گیا کہ جن مسلمانوں سے شمالی افریقہ میں ان کا واسطہ پڑا ہے ان کی دنیا میں انہیں نمایاں حیثیت کا یقین ہے...... بالاتر اور خود فریبی کے احساس سے مزین حیثیت۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی پہلی جنگ شمالی افریقہ کی اسلامی ریاستوں سے ہوئی اور اس کی وجہ ''جزیہ'' تھی لیکن وہ حالات قطعی مختلف تھے۔ بہت عرصہ پہلے جیفرسن اور ایڈمز کی 1780ء کے عشرے میں عثمان پاشا سے مڈبھیڑ ہوئی، مغربی افریقہ سے ہزاروں سیاہ فام مسلمانوں کو اغواء کر کے برطانیہ کی امریکی کالونیوں میں غلام بنا کر فروخت کر دیا گیا۔ جہاں انہیں زبردستی اپنا مذہب تبدیل کر کے اپنے نئے آقاؤں کا مذہب...... عیسائیت......قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

اگرچہ اسلام کے بعض غیر مسلمان ناقدین نے لفظ ''جہاد'' کو برقی راڈ سے تشبیہ دی ہے جس سے مسلمانوں کے عقیدے کی مذمت کرنا مقصود ہے لیکن اسلام پسندوں کا ردعمل نفرت کے ان پرچارکوں کو تقویت دینے کا موجب بنتا ہے۔ انٹرنیٹ ایسی کئی ویب سائٹوں سے بھرا پڑا ہے جن میں جہاد پر تنقید کی گئی ہے اور مسلمانوں کو پرتشدد قوم کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ امید تو یہ تھی کہ اسلام پسند یہ حقیقت تسلیم کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہاں جہاد کا نظریہ جنگ و جدل کی اجازت دیتا ہے اور ہاں مسلمانوں نے جنگیں لڑنے کے لئے مذہب کا سہارا لیا لیکن غلامی کی روایت جس سے مسلمان کنارہ کشی کر چکے ہیں کی طرح جنگ اور تشدد بھی قابل عمل نہیں لیکن لگتا ہے کہ ان سے ایسا پوچھنا مشکل ہے۔

اس کے برعکس مسلمان لیڈر بالخصوص امریکہ اور کینیڈا کے سکالر یہ رٹی رٹائی بات کرتے ہیں کہ:

جہاد کا مطلب مقدس جنگ نہیں، یہ عربی لفظ ہے جس کا مفہوم جدوجہد یا کوشش کرنا ہے۔'' یقیناً یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں، لفظ جہاد کا ان معنوں میں مفہوم جدوجہد کرنا ہی ہے لیکن حقیقت میں اس لفظ کا استعمال اتنا معصومانہ نہیں۔ ہم کس کو بے وقوف بنا رہے ہیں؟ یہ نہ صرف معاملات کو گھما پھرا کر پیش کرنے کی کوشش ہے بلکہ ایسی دانشورانہ بددیانتی ہے جس کی تھوڑی سی بھی جانچ پڑتال نہیں کی گئی۔

سعودی عرب نے کئی برس تک شمالی امریکہ کی مسلم تنظیموں کو فنڈز مہیا کئے اور اپنی کتابوں کے ساتھ ساتھ صحیح بخاری کے نسخے بھی بھجوائے۔ ان کتابوں میں ایسے تبصرے موجود ہیں جن میں جہاد کو بطور جنگ پروموٹ کیا گیا ہے۔ سعودی عرب میں شائع ہونے والی ''مختصر صحیح بخاری'' میں قرآنی آیت کو جس انداز میں پیش کیا گیا ہے، ذرا اس کو ملاحظہ فرمائیں:

> ''جہاد (مقدس اسلامی جنگ) کو تم (مسلمانوں پر) فرض کر دیا گیا ہے، اگرچہ تم اسے پسند نہیں کرتے۔ ممکن ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور جس چیز کو پسند کرتے ہو وہ تمہارے لئے نقصان دہ ہو۔''

سعودی بار بار کہتے ہیں کہ لفظ ''جہاد'' کا مطلب مقدس جنگ نہیں لیکن اس کے باوجود وہ شمالی امریکہ میں اپنے ہدف یعنی مسلم سامعین کو جہاد کا اصل مفہوم یہ بتاتے ہیں کہ یہ ایک ''اسلامی مقدس لڑائی'' ہے۔ یہ ایسے الفاظ ہیں جنہیں سیاق وسباق سے الگ ترجمے کے پردے میں لپیٹ کر پیش کیا جاتا ہے۔

یہ لوگ ہر موقع پر علماء کو تحریک دیتے ہیں کہ وہ منبر پر چڑھ کر اچھے تاثرات اور شستہ زبان سے یہ تبلیغ کریں کہ جہاد دراصل اپنے نفس کے ساتھ روحانی جنگ کی پرامن سرگرمی ہے۔ جس کا مقصد اپنی انا کے خلاف جہاد، برے خیالات کا مقابلہ اور روح کی ایک گونہ صفائی ہے۔ یہ سب بالکل سچ ہے کیونکہ پیغمبر اسلامؐ نے جنگ سے واپسی پر اپنے صحابہ سے فرمایا تھا کہ:

MashalBooks.org

''تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہو اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ اس کا مطلب کیا ہے تو فرمایا کہ جہاد اکبر تمہارے سرکش نفس کے خلاف ہے۔''

لیکن کوئی غلطی نہ کیجیے: وہ جہاد جو اسامہ بن لادن نے ہم سب کے خلاف شروع کر رکھا ہے، بدقسمتی سے جہاد اصغر ہے۔ اگر بن لادن نے ''جہاد اکبر'' کا راستہ اپنایا ہوتا تو دنیا آج بارود کے ڈھیر پر نہ بیٹھی ہوتی (اگرچہ امریکی صدر بش کے پاس عراق پر حملے کے لئے بعض دیگر جواز بھی موجود تھے) اسامہ بن لادن اور وہ مسلمان جو اس کی مغرب کے خلاف جنگ کے حامی ہیں ''جہاد'' کے مطلب اور جواز کے بارے میں کوئی غلطی نہیں کرتے۔ وہ مغرب اور مسلمانوں میں سے اپنے مخالفین کے خلاف جہاد کو منصفانہ قرار دینے کے لئے شریعت قرون وسطیٰ کی قانونی کتب، قرآن، احادیث اور احادیث کی تشریح کا سہارا لیتے ہیں۔ اسامہ بن لادن اپنے موقف کی حمایت کے لئے نہ صرف قدیم دور کی تحریروں کا سہارا لیتے ہیں بلکہ 20 ویں صدی کے حسن البناء، ابو الاعلیٰ مودودی اور سید قطب جیسے سکالروں کی تحریروں پر بھی انحصار کرتے ہیں۔ یہی وہ تین شخصیات ہیں جو مغرب کی تمام اسلام پسند تنظیموں کے نظریاتی گروہ ہیں، اس کے باوجود جب یہ رہنما ٹی وی کیمروں یا سیاستدانوں، چاہے بش اور ٹونی بلیئر جیسے قابل نفرت ہی کیوں نہ ہوں کے سامنے آتے ہیں تو اسلامی دہشتگردی کی مذمت کا راگ الاپتے ہیں اور نظریہ جہاد کے بطور فوجی کارروائی سے لاتعلق کا اظہار کرتے ہیں۔ حیرت اس بات پر ہے کہ کسی نے بھی ان سے ایسا کرنے کو کبھی نہیں کہا۔

قرآن کی وہ آیت جس سے جہادی لوگ اپنی دہشتگردی کو جائز قرار دینے کے لئے استعمال کرتے ہیں کہتی ہے کہ:

''جب ممنوعہ مہینے (جن میں جنگ و جدل حرام ہوتا ہے) گزر جائیں تو لڑو اور مشرکین جہاں کہیں بھی پاؤ انہیں قتل کر دو، انہیں گرفتار کر لو، مطیع بنا لو اور ان سے لڑائی کے لئے ہر لحظہ تیار رہو لیکن اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کر لیں، باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کریں تو پھر ان کے لئے راستے کھول دو کیونکہ خدا غفور الرحیم ہے۔''

جہادی اس آیت کو اپنے اقدامات کے جواز کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ غور

MashalBooks.org

نہیں کرتے کہ یہ آیت مشرکین عرب سے چپقلش کے مخصوص وقت میں محدود اطلاق کے لئے نازل فرمائی گئی تھی۔ ابتدائی دور کے مبصرین نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ یہ آیت مستقبل کے لئے سمت کا تعین نہیں کرتی، افسوس یہ ہے کہ بنیاد پرستی سے منسلک دیگر فقہاے نے اس آیت کو کافروں کے خلاف جہاد کے واضح اعلان پر محمول کیا ہے۔ یہ بہیمانہ امر ہے۔ ونسٹن چرچل کی دوران جنگ کی جانے والی تقاریر کو آج جرمنی کے خلاف استعمال کرنے کا ذرا تصور کیجئے۔

قرآن سے زیادہ یہ احادیث پر مبنی مواد ہے جو بنیاد پرستوں کو اللہ کی راہ میں لڑنے کو اعلیٰ ترین عبادت سمجھنے کی شہہ دیتا ہے۔ آٹھویں صدی میں جہاد پر پہلی کتاب وسط ایشیا کے مسلمان عبداللہ بن المبارک (وفات 797) نے تحریر کی۔ اپنی تصنیف ''کتاب الجہاد'' میں انہوں نے جہاد کی کئی اقسام پر طویل بحث کی ہے، اس کے ساتھ شہادت کی منازل اور آج کے جانے پہچانے نظریے پر کہ جو کوئی جہاد کرتے ہوئے مر جاتا ہے اللہ اس کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے تفصیلی گفتگو کی ہے۔

اس کے بعد نویں صدی میں بخاری کی احادیث کا مجموعہ شائع ہوا۔ وہ قرآنی آیت 9:11 کا حوالہ دیتے ہوئے جہاد کی وضاحت کرتے ہیں جس کا اطلاق ان کے نزدیک تمام مسلمانوں پر ہوتا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے سونپا گیا فرض ہے۔ یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس میں مسلمانوں کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ اس کے بدلے تمام گناہ معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے: بخاری لکھتے ہیں کہ: خدا نے مسلمانوں کے جسموں اور سامان کو خرید لیا ہے اور اس کے بدلے انہیں جنت کے باغات ملیں گے، کیونکہ وہ اللہ کے لئے لڑتے ہیں اور قتل کرتے ہیں یا قتل ہو جاتے ہیں۔ اس طرح قانون کے ذریعے اللہ یہ وعدہ پورا کرنے کا پابند ہے۔ بائبل اور قرآن، اور اس کے میثاق سے زیادہ کون مومن ہو سکتا ہے، یہ لوگ اس معاہدے پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور یہ اعلیٰ ترین کامیابی ہے۔''

بعض دیگر یوم حشر کو تصوراتی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے اور مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے پابند بنایا گیا ہے کہ وہ اس کا پیغام دنیا کے کونے کونے میں پہنچائیں۔ دراصل ابو داؤد احادیث کے اپنے مجموعے سنن ابی داؤد میں کہتے ہیں کہ جہاد جاری ہے اور یوم حشر تک جاری رہے گا۔ انہوں نے یہ بھی پیشنگوئی کی کہ مسلمانوں کا

MashalBooks.org

ایک مخصوص گروہ دنیا کے خاتمہ اور امام مہدی کے ظہور تک فتح یاب ہوتا رہے گا لیکن ذرا اس پر غور کیجئے اگر نام نہاد جہاد اصغر صرف دفاعی جنگ ہے تو مسلمان ابتدائی خلفاء کے مصر اور ایران پر حملوں کی بابت کیا کہیں گے؟ مصر اور ایران دونوں کی طرف سے کی شیر خوار مسلم کمیونٹی کو کسی عسکری خطرے کا سامنا نہیں تھا۔حقیقت یہ تھی کہ ایران اور بازنطائن آپس کے نہ ختم ہونے والے تصادم سے اتنا تھک چکے تھے کہ بازنطائن اور ایران دونوں میں سے کسی کے ذہن میں صحرائے عرب میں پھرنے کا منصوبہ نہیں تھا۔ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ ابتدائی دور کی یہ کارروائیاں مسلمانوں کی طرف سے دعوت حق کی تبلیغ کے جذبے کا اظہار تھیں تا کہ اللہ اور اس کے رسول حضرت محمدؐ کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچایا جا سکے اور کافروں کو سچے مذہب کی طرف آنے کی دعوت دی جائے۔ اس وقت یوم حشر کا ماحول تھا اور یہ خطرات پائے جاتے تھے کہ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے اللہ کا پیغام پھیلا دیا جائے۔ان کے ارادے فتح کرنے کے نہیں بلکہ دعوۃ دینے کے تھے۔

البتہ اسلام کی دعوت دینے کا عمل انتہائی پرخطر تھا اور اس وقت تک ناممکن تھا جب تک کہ دعوت دینے والوں کی پشت پر فوج کا تحفظ موجود نہ ہو۔جس جذبے کے تحت شروع دور کے صحرائی عربوں نے اسلام کا پیغام شام، مصر، ایران اور ہندوستان کی زرخیز سرزمینوں تک پہنچایا وہ ان ترقی یافتہ معاشروں کے بدوؤں پر اثرات کے مماثل تھا۔جلد ہی اسلام کے فروغ کا جذبہ ان عربوں کے آرام دہ نئے معاشروں میں قیام کی خواہش سے پیچیدہ ہو گیا کیونکہ یہ لوگ صحراؤں کی واپسی نہیں چاہتے تھے۔ یہ محض حسن اتفاق نہیں تھا کہ حضرت محمدؐ کے انتقال کے فوراً بعد مکہ اور مدینہ خالی ہو گئے اور اسلام کے مراکز دمشق، بغداد، قاہرہ، قرطبہ اور دہلی کو منتقل ہو گئے۔کوئی بھی حکمران خاندان پھر کبھی مدینے واپس نہیں گیا۔ ان نئی سرزمینوں میں جہاں مسلمان ننھی سی اقلیت میں تھے (مسلمان مصر کی فتح کے 300 سال بعد تک وہاں اکثریت نہیں بن سکتے تھے) انکی بقا طاقتور فوج کی موجودگی کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ لہٰذا جو کچھ غیر مسلموں کو ''دعوت'' دینے کے نام پر شروع ہوا وہ جلد ''دفاعی جنگ'' میں تبدیل ہو گیا۔ یہی وہ حالات تھے جن کے تحت فوجی کارروائیوں کو ''جہاد'' کا لیبل لگا کر مذہبی تقدس سے مزین کر دیا گیا۔

اس سے یہ سوال اٹھتا ہے: اگر جہاد اصغر یعنی عسکری جہاد کا مقصد محض دعوت حق

دینے والوں کو تحفظ فراہم کرنا تھا تو کیا یہ نام نہاد جہاد اپنے مقصد سے ہٹ کر نہیں کیا گیا تھا؟ بہرحال آج کے انٹرنیٹ اور ماس میڈیا کے دور میں دعوت کا عمل گھر سے نکلے بغیر بھی مکمل ہوسکتا ہے تو پھر آج کے اسلام پسند دوٹوک انداز میں یہ بات کہنے میں کیوں ہچکچاہٹ کا شکار ہیں کہ اکیسویں صدی میں جہاد کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ''دعوۃ'' کا کام جنگ مسلط کئے بغیر بھی کیا جا سکتا ہے۔ کوئی اگر مگر نہیں ہونا چاہئے۔ افسوس کہ دانائی اور دانشورانہ وقار خالق کے دو تحفے ہیں جن کی اسلام پسندوں میں کافی کمی دکھائی دیتی ہے۔

میرا یقین ہے کہ اسلام پسندوں کا ایجنڈا زمین پر امن اور انصاف کا پیغام پھیلانا یا لوگوں کے خالق کے سامنے سربسجود ہونا نہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک جو اسلام کو مذہب نہیں ایک برانڈ نام سمجھتے ہیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ انکا مقصد ایک قسم کا انتقام لینا ہے یا پھر یہ عالمگیریت والی دنیا میں ان کا مقابلہ نہ کر سکنے پر غصے کا اظہار ہے۔ لگتا ہے ان کے نزدیک رچرڈ شیرول کی شکست کافی نہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کو مشترکہ طور پر اپنے نفرت اور بالادستی کے فاشسٹ نظریے کے سامنے سرنگوں دیکھنا چاہتے ہیں جہاں زندگی کے بجائے موت پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔

غیر مسلم ''دشمن'' کے خلاف مسلح جہاد کے نظریے کو بیسویں صدی کے اوائل میں تین اسلام پسند سکالروں کی مثلث کی تشریحوں سے تقویت ملی، جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے یہ مثلث حسن البنا، ابو الاعلیٰ مودودی اور سید قطب پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں نے یورپ کی زیر زمین کمیونسٹ پارٹیوں اور اس وقت انیسویں صدی کے انارکسٹوں کی طرز پر جہاد کی نئی قسم کی بنیاد رکھی۔ آج یہ موت کا ایک فرقہ بن چکا ہے جہاں اسلامی عبادت کی افضل ترین قسم مرنا اور دنیا کو اس کی ''شیطانی وجود'' میں چھوڑ دینا ہے۔ موت کے فرقے اور جہاد کے اس گٹھ جوڑ نے شہادت کا اپنا ہی ترجمہ کیا ہے جس کی خواہش برین واشنگ شدہ کئی نوجوان مسلمان مردوں اور عورتوں نے کی۔

جہاں مغرب میں مقیم اسلام پسند میڈیا کے سامنے گفتگو کرنے میں محتاط ہوتے ہیں وہاں اسلامی دنیا سے تعلق رکھنے والے اسلام پسند زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ جسٹس محمد تقی عثمانی پاکستان کی سپریم کورٹ میں شریعت بنچ کے رکن اور دیو بند مکتبہ سے تعلق رکھنے والے اسلامی دنیا کے انتہائی محترم سکالر ہیں۔ اس فرقے کی طالبان میں غالب اکثریت ہے جبکہ

MashalBooks.org

برطانیہ اور کینیڈا کی اکثر ہند۔ پاکستانی مساجد میں بھی اس کی موجودگی ہے۔ اگرچہ ان کا سعودی عرب کے وہابی طرز کے اسلام سے براہ راست تعلق نہیں تاہم دیو بندی مکتبہ فکر کے سعودیوں سے تاریخی روابط ضرور ہیں، اس عالم جج کے جنہوں نے کئی ملٹی نیشنل کمپنیوں کو حلال سرمایہ کاری پر مشاورت دی تھی جہاد کے بارے میں بعض خیالات نہایت چشم کشا ہیں۔ جسٹس عثمانی باقاعدگی سے برطانیہ کا دورہ کرتے رہتے ہیں جہاں 2007ء میں آپ نے ''لندن ٹائمز'' سے انٹرویو میں اعلان فرمایا کہ مسلمانوں کو دنیا بھر میں ''اسلام کی بالادستی قائم کرنے کیلئے'' فوجی جہاد کرنا چاہیے۔

انہوں نے اخبار کو بتایا کہ مسلمانوں کو برطانیہ جیسے ملکوں جہاں انہیں اسلام پر عمل کرنے کی آزادی ہے میں اس وقت تک پرامن طریقے سے رہنا چاہیئے جب تک کہ انہیں جنگ لڑنے کے لئے کافی طاقت نہیں مل جاتی۔ انہوں نے مؤقر اخبار ٹائمز کو بتایا کہ: ''سوال یہ ہے کہ جارحانہ جنگ بذات خود قابل تعریف ہے یا نہیں؟ اگر یہ ہے تو مسلمانوں کو محض اس لئے کیوں روکا جانا چاہیئے کہ عصر حاضر میں علاقائی توسیع کو برا سمجھا جاتا ہے؟ اور اگر یہ قابل تعریف نہیں بلکہ قابل مذمت ہے تو اسلام نے ماضی میں اسے کیوں نہیں روکا؟

اس کے بعد وہ اپنے سوال کا خود ہی جواب دیتے ہیں: ''حتیٰ کہ ان دنوں میں بھی............ جارحانہ جہاد کیا گیا............ کیونکہ اللہ کے مذہب کی عظمت کے قیام کے لئے یہ صحیح معنوں میں قابل تعریف تھا۔

امریکہ نے برین واشنگ والے جہادیوں کے اس ذخیرے کو جمع کرنے میں جھجک کا مظاہرہ نہیں کیا، درحقیقت امریکہ نے جہادیوں کو مالی معاونت فراہم کی اور ان پر کمیونزم کے خلاف عالمگیر جنگ لڑنے کے لئے زور دیا۔ کئی عشروں تک جہادی گروپوں کو کمیونزم کے حامیوں کو دبانے میں مدد دی اور اسلامی دنیا کے اندر قوم پرست مسلمانوں کو مضبوط کیا۔ 1970ء کے عشرے کے آخر تک یہ ملفوف روش مزید واضح ہوگئی اور امریکہ بین الاقوامی جہاد کا مخفی حامی بن گیا۔

شاید امریکہ کی طرف سے جہاد کی توثیق کی واضح ترین مثال جنوری 1980ء کی ایک تصویر سے ملتی ہے جس میں صدر کارٹر کے قومی سلامتی کے مشیر زبیگنیو برزنسکی

MashalBooks.org

(Zbignieus Brzezinski) پاک افغان سرحد پر تاریخی درہ خیبر پر کھڑے تھے۔ کابل کی سمت میں رائفل تان کر برزنسکی نے اعلان کیا: ''ہم ان (افغانوں) کے خدا پر گہرے ایمان کے بارے میں جانتے ہیں اور ہمیں اعتماد ہے کہ تمہاری جنگ غالب آئے گی کیونکہ تمہارا نصب العین سچا ہے اور خدا تمہاری طرف ہے۔''

برزنسکی کے ساتھ پاکستانی فوج کے حکام، سی آئی اے کے اہلکار اور اس دور کے عزیز ترین مجاہدین بھی کھڑے تھے۔ برزنسکی نے جنگجوؤں پر زور دیا کہ آگے بڑھو اور جہاد کرو۔ جس وقت پگڑیوں والے افراد جو بعد ازاں عصر حاضر کے قابل نفرت طالبان ٹھہرے خوشی کا اظہار کر رہے تھے برزنسکی روایتی افغان اونی پگڑی پہنے دمکتے چہرے کے ساتھ ان کی بلائیں لے رہے تھے۔ آخر کار امریکیوں کو وہ سادہ لوح لوگ مل ہی گئے جو امریکہ کے استعماری مفادات کے تحفظ کے لئے مرنے کو تیار تھے۔

یوں سوویت یونین کے خلاف سی آئی اے کے تعاون سے وہ دس سالہ جہاد شروع ہوگیا۔ جس کے بارے میں ایک سی آئی اے افسر نے کہا تھا کہ یہ ''جنگ ہمارے سونے Gold اور ان کے خون سے لڑی گئی۔'' یہ مکمل طور پر امریکی جہاد تھا حتیٰ کہ جہادی مدارس کے لئے درسی کتب تک امریکہ سے بھیجی گئیں۔ ان کتابوں میں حروف تہجی میں ''ج'' جہاد ''ک'' کلاشنکوف اور ''ت'' توپ کے طور پر لکھے تھے۔ جہادی نظریے کی یہی سپانسر شپ بالآخر امریکہ کو لے بیٹھی۔ اخوان المسلمون کے اسی نظریہ جہاد سے سرد جنگ کے دوران طالبان اور القاعدہ امریکہ کے اتحادی بنے اور اب یہ ایسا جن بن چکا ہے جسے بوتل میں واپس بند نہیں کیا جا سکتا۔

بہت کم غیر مسلم ایسے شخص کی نفسیات سمجھ سکتے ہیں جو زندگی سے زیادہ موت کی تمنا کرتا ہے۔ اپنے مقصد کے لئے مرنے والے جہادی پہلے لوگ نہیں لیکن موت کے لئے ان کی بے تابی جاپانی پائلٹوں Kamikaze یا تامل ٹائیگروں کے خودکش بمباروں سے زیادہ ہے۔

موت کے اس فرقے (Death Cult) کی ایک مثال 2007ء کے موسم گرما میں اسلام آباد کی لال مسجد کے خلاف فوجی ایکشن اور محاصرے کے بارے میں اخبار ''سنڈے ٹائمز'' کی ایک رپورٹ میں ملتی ہے۔ 15 جولائی کو جب تصادم کا سلسلہ بند ہو چکا

تھا برطانوی اخبار نے واقعے کی عینی شاہد پندرہ سالہ لڑکی کا انٹرویو کیا۔ اسما حیات نے کہا کہ وہ آنسو گیس سے متاثر ہونے والوں کو مین گیٹ کے پاس پانی پلا رہی تھی کہ جب اس کی سہیلی سترہ سالہ نشمین کو اس کے قریب ہی گولی لگ گئی۔ وہ اس کی مدد کو پہنچی تو نشیمین نے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا کہ: ''مجھے سکون مل رہا ہے، یہ شہادت ہے۔''

یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ آخر سترہ سالہ لڑکی کو جو لڑائی میں زخمی ہوگئی کس نے یہ کہنے پر مائل کیا کہ ''مجھے سکون مل رہا ہے۔ شہادت مل رہی ہے۔'' اس عجیب رویے کی قرآن اور حضورؐ کی تعلیمات میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ دراصل اسی بے سہارہ ''فرقہ موت'' کا اثر ہے جو پوری اسلامی دنیا میں نوجوان مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کو اسلامی مدرسوں میں تعلیم دے رہا ہے۔ وہ تعلیمات جو حسن البنا کے الفاظ میں یہ ہیں کہ ''جہاد ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' اور یہ کہ اللہ کی راہ میں شہادت زمین کی زندگی سے افضل ہے۔

اسلام پسندوں کی سرگرمیاں اب صرف مساجد اور اسلامی سنٹروں تک محدود نہیں رہیں۔ اکتوبر 2007ء میں انہوں نے ٹورانٹو کے کتاب میلے ''ورڈ آن دی سٹریٹ'' میں اپنا سٹینڈ بھی لگایا۔ کتابوں کی یہ نمائش اونٹاریو کی قانون ساز اسمبلی کی عمارت کے قریب کوئنز پارک کے سرسبز دالان میں لگائی گئی تھی۔ اس موقع پر امریکہ کی اسلام پسند تنظیم اسلامی سرکل آف نارتھ امریکہ نے ''اسلام کو سمجھنے کی کوشش'' کے عنوان سے ایک کتابچہ مفت تقسیم کیا۔ یہ کتابچہ جماعت اسلامی کے بانی اور دنیا بھر میں اسلام پسندوں اور جہادیوں کے سرخیل ابو الاعلیٰ مودودی نے تحریر کیا تھا۔

کتابچے میں مودودی صاحب نے عام مسلمانوں کو غیر مسلموں کے خلاف مسلح جدوجہد کی شکل میں جہاد کی ترغیب دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''جہاد اسلام کا مجموعی لحاظ سے دفاع ہے۔'' اگر قاری کو لفظ ''جہاد'' کا مفہوم سمجھنے میں کچھ شک و شبہ رہ جائے تو مولانا مودودی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''الوہی قانون کی زبان میں یہ لفظ (جہاد) ایسی جنگ کے لئے مخصوص ہے جو اسلام کے دشمنوں کے خلاف اللہ کی راہ میں لڑی جائے، یہ مقدم ترین قربانی تمام مسلمانوں کا فرض ہے۔''

مودودی مسلح جہاد کے اعلان سے انکار کرنے والے مسلمانوں کو مرتد قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''جہاد بھی اتنا اہم ہے جتنا نماز پڑھنا اور روزے رکھنا ہے۔ جو کوئی اس

MashalBooks.org

سے گریز کرتا ہے گناہگار ہے اور اس کا مسلمان ہونے کا ہر دعویٰ مشکوک ہے وہ شخص ایسا منافق ہے جو خلوص کے امتحان میں ناکام ہے اور اسکی تمام عبادات شرمناک، بے معنی اور خود فریبی کا کھوکھلا اظہار ہے۔‘‘

یہ پیرا پڑھ کر دو خیالات نے مجھے پریشان کیا، اول یہ کہ کینیڈا کی ایک مسلمان تنظیم کینیڈا کے خلاف یہ اعلان ایک بک فیسٹیول میں کیوں تقسیم کر رہی ہے؟ دوم یہ کہ مجھے حیرت ہوئی کہ اگر ٹورانٹو کے بارونق علاقے میں ایسا لٹریچر سر عام تقسیم کیا گیا ہے تو بند پردوں کے پیچھے اور مغرب کے تمام بڑے شہروں میں قائم چھوٹی مساجد میں ہونے والے اجتماعات میں کیا کچھ ہوتا ہوگا؟ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام پسند اپنے فاشسٹ نظریے کے پھیلاؤ کے لئے کینیڈا کی لبرل جمہوریت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جبکہ شفاف طرز عمل اور مساوات کے لبرل لیفٹ نگہبان انکی صفائی پیش کر رہے ہیں۔ پرامن مسلمانوں کو کینیڈا کے خلاف جہاد کرنے کی شہ دینے کا عمل قابل گرفت ہونا چاہئے لیکن کچھ لوگ ہی اس بارے میں بولنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔

یہ مسئلہ اس وقت مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے جب کئی مغربی مصنفین اور اساتذہ اسلامی سیاست پر عبور رکھنے کے باوجود مسلمانوں کو سید قطب اور مودودی کے نوجوان پیروکاروں کے درمیان نظریہ جہاد کے پھیلاؤ کے خطرات سے آگاہ کرنے کی بجائے اس موضوع کو نرمی سے لیتے ہیں۔ جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں مذہب اور عالمی امور کے پروفیسر جان الیسپوسیٹو کی مثال لے لیجئے۔ جہاد پر بحث کرتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ وہ اسلام پسندوں پر تنقید سے گریز کر رہے ہیں اور اگر ان خطرات پر ان کا رویہ معذرت خواہانہ نہیں تو بھی نرم ضرور ہے۔ 2007ء کے وسط میں انہوں نے واشنگٹن پوسٹ میں ’’آپ اسلام کو سمجھنا چاہتے ہیں؟ یہاں سے شروع کریں گے‘‘ کے عنوان سے ایک مضمون لکھا وہ کہتے ہیں:

> ’’مسلمان اس کو بعض حوالوں سے اسلام کا چھٹا رکن بھی کہتے ہیں، یعنی جہاد، اسلام کی مقدس کتاب قرآن میں جہاد کا مطلب جدوجہد یا سعی کرنا ہے، خدا کی مرضی کا ادراک کرنا، فتح مند زندگی کی جانب پیش قدمی، منصفانہ معاشرے کا قیام اور اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرنا ہے لیکن

تاریخی طور پر مذہبی سکالروں کی پشت پناہی سے مسلمان حکمرانوں نے اس اصطلاح کو اپنی سلطنت میں توسیع کے لئے لڑی جانے والی جنگوں کو جائز قرار دینے کے طور پر استعمال کیا۔ معاصر انتہا پسند —— سب سے نمایاں اسامہ بن لادن بھی مسلمانوں کے اپنے حملوں کی حمایت کی اپیل کرتے ہیں۔ میری کتاب Unholy War:Terror in the Name of Islam اسی موضوع کا احاطہ کرتی ہے۔''

جان ایسپو سٹیو اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسئلہ صرف اسامہ بن لادن نہیں بلکہ مودودی اور حسن البنا جیسے بیسویں صدی کے سکالروں کا نظریہ جہاد ہے۔ جن کے امریکی مسلم تنظیموں میں بڑی تعداد میں حامی موجود ہیں۔ جان ایسپوسٹو مسلمانوں کو اسلامی انتہا پسندی کے ان دونوں ترجمانوں سے دور رہنے کا بھی مشورہ دے سکتے تھے لیکن اس کی بجائے انہوں نے موضوع پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور یہ بتانے سے گریز کیا کہ اس نظریے سے حقیقی خطرہ سیکولر مہذب معاشرے کو ہے۔ اپنی کتاب کی تشہیر کی بجائے وہ ان سطور کو جہاد کے بطور سیاسی ہتھیار استعمال کرنے کی مذمت کر سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

مرحوم حسن البنا نہ صرف جہاد کو تمام مسلمانوں پر فرض سمجھتے تھے بلکہ ان کا واضح موقف تھا کہ جہاد کا مطلب مسلم تصادم ہی ہے، انہوں نے جہاد اکبر اور جہاد اصغر کے تصور کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ یہ نظریہ ''مسلمانوں کو غافل بنانے کی سازش ہے۔'' اسلام پسند تحریک اخوان المسلمون کے ایک اور مصری رہنما اپنی مشہور کتاب Milestones میں لکھتے ہیں کہ:

''کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر ابوبکر، عمر اور عثمان اس بات پر مطمئن ہوتے کہ رومن یا ایرانی طاقتیں جزیرہ نما عرب پر حملہ نہیں کریں گی تب بھی وہ اسلام کا پیغام پوری دنیا میں پھیلانے کی کوشش نہ کرتے؟ یہ سوچنا حماقت ہو گا کہ کرہ ارض پر تمام انسانیت کو آزاد کرانے کا حکم جاری ہو چکا ہو مگر وہ تبلیغ اور نمائش تک محدود ہو۔''

سید قطب مغرب میں رہنے والے مسلمانوں سے توقعات رکھنے کے حوالے سے قطعی واضح ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

MashalBooks.org

''مسلمانوں کا کوئی ملک نہیں ماسوائے زمین پر وہ خطہ جہاں خدا کی شریعت نافذ ہو اور انسانی تعلقات کی بنیاد خدا سے تعلقات کے قیام پر استوار ہو۔ مسلمان کی اس کے عقیدے کے سوا کوئی قومیت نہیں، یہ امر اسے دار الاسلام میں مسلمان برادری کا رکن بتاتا ہے، ایک مسلمان کے کوئی رشتہ دار نہیں ہوتے ماسوائے ان لوگوں کے جو خدا پر یقین کے عقیدے میں اس کے ساتھی ہیں............ ایک مسلمان کا اپنی ماں، باپ، بھائی، بیوی اور دیگر اہل خانہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ماسوائے ان کے اپنے خالق سے رشتے کے توسط سے اس کے بعد ان کے خونی رشتے کی باری آتی ہے۔''

وہ غیر مسلم ممالک میں قیام پذیر مسلمانوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ اپنے مذہب کے غلبہ کے لئے متحد ہو کر کام کریں۔ ان کے بقول ''ایسی سرزمین جہاں اسلام غالب نہیں وہاں کوئی اسلام نہیں۔''

بھارت سے انڈونیشیا اور مراکش سے ملائشیا تک اخوان المسلمون کے نظریہ جہاد و اسلامی بالادستی کو ان کے ساتھی مسلمانوں کی طرف سے چیلنج کیا جا رہا ہے تاہم ایسا لگتا ہے کہ کینیڈا، امریکہ اور مغرب میں اخوان المسلمون اور اس کی پاکستانی شاخ یعنی ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامی کو مسلمانوں میں پذیرائی ملی ہے وہ چند لوگ جنہوں نے کینیڈا اور امریکہ میں جہادی نظریے کی کھلے عام نمائش کے خلاف آواز اٹھائی انہیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مثال کے طور پر ''مسلمان ماہرین جن کی خدمات امریکی ٹی وی نیٹ ورک پی بی ایس نے اسلام پر ایک سیریز کے لئے حاصل کیں نے اس بات کو یقینی بنایا کہ اس میں سے کینیڈا کے فلمساز مارٹن برک کی دستاویزی فلم ''اسلام بمقابلہ اسلام پسند'' نکال دی جائے۔ اس بات کا بعد میں واضح انکشاف ہوا کہ یہ دونوں ماہرین ان اسلام پسند گروپوں کو جانتے تھے جو ڈاکومنٹری کا موضوع تھے۔ پروڈیوسر اور امریکی کانگریس کے بعض ارکان کو پی بی ایس پر اس حوالے سے غیر اعلانیہ پابندی اٹھانے کے لئے قائل کرنے میں کئی ماہ لگے۔

ہمیں یہ پڑھنے کی ضرورت ہے کہ دنیا بھر میں اسلام پسند کیا تقسیم کر رہے ہیں

MashalBooks.org

تا کہ ان کے پراپیگنڈے کے مضمرات کا اندازہ لگ سکے۔ جماعت اسلامی کے بانی کا تحریر کردہ کتابچہ ''اعلان جہاد'' شمالی امریکہ کے اکثر اسلامی بک سٹورز پر فروخت ہو رہا ہے علاوہ ازیں مسلم یوتھ تنظیمیں اسے یونیورسٹی کیمپسوں میں بھی تقسیم کر رہی ہیں۔ مودودی نوجوان مسلمانوں پر زور دیتے ہیں کہ وہ کسی بھی اسلامی ملک پر حملے کو خود پر حملہ تصور کریں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''اسلامی شریعت کا یہ واضح حکم ہے کہ جب کبھی دشمن دار الاسلام کے کسی حصے پر حملہ کرے تو اس کا دفاع ہر مسلمان کا فرض بن جاتا ہے۔'' اس بات پر کم ہی حیرت ہوتی ہے کہ نوجوان مسلمانوں نے اپنے آبائی ملکوں جہاں ان کا مجمع ہو، ان کی پرورش ہوئی، انہوں نے تعلیم حاصل کی اور ان کا بچپن گزرا کو چھوڑ کر کسی اسلام پسند کاز کے لئے سمندر پار سکونت اختیار کر لی۔

مودودی ایک اور اہم وضاحت کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> اگر چہ جہاد اور قتال میں فرق ہے لیکن یہ ایک دوسرے کا نکتہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قتل ختم ہو سکتا ہے لیکن جہاد جاری رہتا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ ''اسلامی شریعت کی رو سے جہاد اور قتال دو مختلف چیزیں ہیں، قتال دراصل جنگ و جدل اور دشمن فوجوں کے خلاف مسلح کارروائی کا نام ہے جبکہ دوسری طرف جہاد کا مطلب ہے مجموعی جدوجہد۔ ایک جامع جنگ جو کوئی قوم مل کر اس مقصد کے حصول کے لئے شروع کرتی ہے جس کے لئے جنگ لڑی گئی۔ جہاد کے رستے میں قتال بسا اوقات عارضی طور پر روک دیا جاتا ہے لیکن جہاد کسی مقصد کے حصول تک جاری رہے گا۔''

مغرب میں مقیم نوجوان مسلمانوں کو جہاد نہ کرنے کی صورت میں احساس ندامت میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ ہتھیار اٹھا کر جہاد میں شریک نہیں ہوتے وہ گناہگار ہیں۔ اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ کیا ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جن میں کینیڈا کے نوجوان مسلمانوں کو اپنی مٹی، ہمسایوں، کمیونٹی اور اپنے ملک سے مخلص ہونے کو کہا گیا ہے۔ کیا کوئی ان سے یہ بھی کہہ رہا ہے کہ وہ کینیڈا کی خدمت کر کے اسلام کے سفیر بنیں نہ کہ ان اقدار کو نقصان پہنچائیں جن کی بنا پر کینیڈا کرہ ارض پر سب سے بہتر رہنے کی جگہ ہے؟

MashalBooks.org

سید قطب کی کتاب ''سنگِ میل'' کا دوبارہ حوالہ: وہ لکھتے ہیں کہ ایسی کوئی بھی جگہ جہاں اسلامی شریعت نافذ نہیں اور جہاں اسلام غالب نہیں دارالحرب بن جاتی ہے............مسلمان اس کے خلاف لڑنے کے لئے تیار رہے گا۔ چاہے یہ اسکا آبائی وطن ہو یا وہاں اس کے رشتہ دار رہتے ہوں یا پھر وہاں اس کی جائیداد یا دیگر مالی مفادات ہوں۔

سید قطب نے جہاد کو اس انداز میں پیش کیا ہے: چونکہ اسلام کا پیغام دراصل انسان کی آزادی کا فیصلہ کن اعلامیہ ہے، یہ محض فلسفیانہ منصوبہ نہیں بلکہ زندگی گزارنے کے حقیقی حالات ہیں لہٰذا ان پر جہاد کا اطلاق ضرور ہونا چاہیئے۔

کیا کینیڈا میں مودودی اور قطب کی کتابیں بانٹنے والے نوجوان مسلمانوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ اس ملک کو دارالحرب سمجھیں؟ اس کتاب میں سید قطب نے لکھا ہے کہ ''دنیا میں اللہ کی صرف ایک جماعت ہے اور باقی تمام جماعتیں شیطان اور باغیوں کی ہیں۔'' سید قطب تمام پارلیمانوں کے بنائے قوانین کو مسترد کرتے ہوئے اسلام کے پیغام کو محدود کرتے ہیں۔

''اس پیغام (اسلام) کی بنیاد یہ ہے کہ شریعت کو بلاچوں و چرا تسلیم کر لیا جائے اور کسی بھی شکل میں دیگر قوانین کو مسترد کر دیا جائے، یہی اسلام ہے۔''

دہشتگردوں کے ہر اقدام کے بعد نتائج کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جہاد کی حمایت کرنے والے لوگوں کی طرف سے عوامی سطح پر مذمت کی جا رہی ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟ جولائی 2007ء کو گلاسکو ایئرپورٹ پر حملے کے حوالے سے واقعے پر نظر دوڑائیں۔ ابھی ٹی وی پر ایئرپورٹ کے داخلی راستے پر SUV کی آتشزدگی کا منظر چلا ہی ہوگا کہ دنیا بھر میں عام مسلمان دعائیں کرنے لگا کہ یااللہ کہیں یہ لوگ مسلمان نہ ہوں، لیکن بدترین خدشات درست ثابت ہو کر رہے۔ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسی بزدلانہ کارروائیوں میں ہمارے ساتھ ہم مذہبوں کا نشانہ امتیاز بن چکا ہے۔ اس کے باوجود ہم آنکھیں موند کر معجزے کے منتظر ہیں۔

برطانیہ کے سیاسی منظر نامے پر پھیلے اسلام پسند گروپوں کے سینکڑوں دفاتر دہشتگردی کے حملوں کی چھوٹی موٹی خدمت کرتے ہی۔ حسب معمول یہ اسلامی گروپ مضحکہ خیز لاحاصل انداز میں دہشتگردی کو برا بھلا کہتے ہیں لیکن اس نظریہ جہاد پر تنقید نہیں کرتے

MashalBooks.org

جو اسلامی انتہا پسندی کو زرخیز زمین مہیا کرتی ہے۔ ان مذمتوں سے جہادیوں اور ان کے درمیان کچھ فاصلہ آ جاتا ہے اور یہ کسی ذمہ داری سے بری ہو جاتے ہیں: ایک دفعہ میں نے اوٹاوہ سٹیزن میں لکھا کہ:

> ''برطانیہ کی موجودہ صورتحال میں صرف اسلام پسندوں نہیں بلکہ معذرت خواہی کرنے والوں Apologist کا بھی قصور ہے۔ یہ ٹونی بلیئر جیسے سیاستدانوں کا بھی قصور ہے جنہوں نے حماقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے برطانوی معاشرے میں ہر سطح پر اسلام پسندوں کا دفاع کیا............حکومت کے فنڈ سے اسلامی مدارس قائم کئے اور ایک ایسے معروف اسلام پسند کو سر (نائٹ ہڈ) کا خطاب دیا جس نے سلمان رشدی کی موت کے فتوے کی حمایت کی تھی۔ مسٹر بلیئر نے ایک اور اسلام پسند اور آیت اللہ خمینی کے مداح کو دارالامرا کا رکن بنوایا۔ معاملات کو مزید بدتر بناتے ہوئے مسٹر بلیئر نے برطانوی مسلم علما کے لئے نام نہاد '' Redical Middle Way'' کی توثیق کی اور اسے فنڈز مہیا کئے۔ یہی ''درمیانی راستہ''☆☆ ان تمام لوگوں کے لئے محاذ بن گیا ہے جو تعلیمی تجزیوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور اسلامی دہشتگردی کی بنیادی وجوہات کی وضاحت کرتے ہیں اور برطانیہ کے ٹیکس دہندگان سے جھوٹا وعدہ کرتے ہیں کہ وہ سیکولر معاشروں کے خلاف نفرت کی سوچ کا مقابلہ کریں گے لیکن یہی وہ میڈیا آشنا سکالر ہیں جو اسلام کے تنگ نظر تصور کو فروغ دیتے ہیں اور نہایت محتاط طریقے سے نظریہ جہاد کو مسترد کرنے سے گریز کرتے ہیں بلکہ اس کی بجائے یہ کہتے ہیں کہ برطانیہ کی خارجہ پالیسی دہشتگردی کی بنیادی وجوہات میں شامل ہے۔''

اس تحریر کا فوری ردعمل سامنے آیا۔ لندن کے قابل احترام مسلمان صحافی اور ''ریڈیکل مڈل وے'' کے ڈائریکٹر فوزی نے مجھے ایک مفصل ای میل بھیجی جس میں میرے موقف کو انتہائی متعصب اور دل شکن قرار دیا گیا۔ اس تحریک سے دیگر تعلق رکھنے والے کچھ زیادہ مہربان نکلے، عبدالرحمان ملک جو کینیڈا کے ابھرتے ہوئے مسلمان نوجوان ہیں اور ان

MashalBooks.org

دنوں انہوں نے لندن میں اقامت رکھی ہوئی ہے اور بلیئر پراجیکٹ میں شامل ہیں۔ انہوں نے احتجاج کیا کہ میں نے ان کے گروپ کو دیگر اسلام پسند گروپوں سے نتھی کیا ہے، انہوں نے میرے موقف کو چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ ''ریڈیکل مڈل وے'' نظریہ جہاد سے لاتعلقی کا اظہار کرتی ہے۔ انہوں نے لکھا کہ:

''طارق! میں نظریہ جہاد کی تشریح کروں؟ جہاد ایک اصطلاح ہے۔ ایک نقطہ جو مختلف معانی، تشریحات، اطلاق اور پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے۔ اصطلاحات کی اس قسم کی اجماعیت نے آپ کو اسی دانشورانہ چوکھٹ میں شامل کیا ہے جس طرح جہادی اجماعیت کو شامل کیا جاتا ہے، جہاد کا ایشو حل کیا جا چکا ہے، کیا گیا تھا اور مسلسل کیا جا رہا ہے۔ جہاد، اس کا تصور جہد مسلسل مزید تشریحات اور اطلاق کے لئے کھلا ہے۔ ہمارے سکالر اس حوالے سے بالکل واضح ہیں، خودکش بم دھماکے جہاد نہیں، معصوم لوگوں کو مارنا جہاد نہیں۔ آپ ہمیں ان اسلام پسندوں کے ساتھ نتھی کر کے کنفیوژ نہ کریں جن کی اسرائیلی شہریوں کے لئے مختلف اخلاقی اقدار ہیں۔ یہ پیغام قطعی طور پر اور مسلمانوں کے بعض طبقات میں غیر مقبول ہے۔''

عبدالرحمان ملک نے ٹھیک کہا لیکن میرے سوال کا جواب گول کر گئے۔ نظریہ جہاد جسے دراصل مسترد کرنا چاہئے کو اسلام پسند تقویت پہنچاتے ہیں۔ میں یہ امید کرتا ہوں کہ نوجوان مسلمان مل کر یہ کہنے کی جرأت کریں گے کہ ''شمالی امریکہ اور برطانیہ میں جس طرح حسن البنا، ابو الاعلیٰ مودودی اور سید قطب نے جس جہاد کو فروغ دیا ہو گا کا بیسویں صدی سے کوئی تال میل نہیں، غلامی کی طرح جہاد کا وقت بھی گزر چکا ہے۔'' اگرچہ جہادی ان تینوں اسلام پسند دانشوروں کی مثلث......اسلامی انتہا پسندوں کے مارکس، اینگلز اور لینن سے اب بھی متاثر ہو رہے ہیں لیکن بنیاد پرست اور کلاسیکل اسلام میں ان کے مخالفین ان کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لیکن اس جہاد اصغر سے لاتعلقی کے لئے ضروری اضافی قدم اٹھانے کو تیار نہیں جس نے پوری دنیا کو یرغمال بنا رکھا ہے۔

اس سوچ میں تبدیلی کا وقت آ گیا ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا کے عام لوگ اپنے شہریوں سے کہیں کہ اگر ان میں اسلام پسندوں کے سامنے کھڑا ہونے کی ہمت نہیں تو یہ کام ہم خود کر لیں گے۔ ہمیں اسلام پسندوں کے سامنے معذرت

MashalBooks.org

خواہانہ رویہ اختیار کرنے والوں سے کہنا ہو گا ''بس بہت ہو گیا'' اور جہادیوں اور ان کے پشتی بانوں کے سامنے کھڑا ہونا ہو گا، ہمیں سیکولر جمہوری معاشروں کے اصولوں سے انحراف کرنے والوں کو یہ کہنے میں جھجک محسوس نہیں کرنی چاہئے کہ ''باز آ جاؤ یا دفع ہو جاؤ''۔

میرا پاسپورٹ کرائے پر اٹھانے کے لئے نہیں۔ میرا ملک (کینیڈا) کوئی پارکنگ لاٹ ہے نہ تبلیغ کرنے کا اڈہ ہے۔ یہ میرا اختیار کردہ گھر ہے اور میں اسے طفیلیوں کے ہاتھوں نقصان پہنچنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔

نوجوان مسلمانوں کو زبردستی ذہنی طور پر ہدف بنایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ شہادت اور نظریہ جہاد کی کھچڑی برطانیہ، براعظم یورپ، پاکستان، انڈونیشیا، مراکش اور بنگلہ دیش میں اسلامی دہشتگردی کی جڑ ہے۔ جب جدید دور کے مسلمان لندن کے علاقے ویسٹ اینڈ اور گلاسکو ایئرپورٹ تین اطراف سے حملوں میں ملوث ہوتے ہیں تو ایسے گروپ جو اس جرم پر خاموشی اختیار کرتے ہیں اگر پورے مجرم نہیں تو کم از کم شریک جرم ضرور ہیں۔ وہ لوگ جو برطانیہ اور کینیڈا کے نوجوان مسلمانوں کو شہ دیتے ہیں کہ مغربی معاشرہ شیطانی ہے اور یہ کہ مغرب اسلام پر جنگ مسلط کر رہا ہے کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ ان نوجوانوں کے خودکش بمبار اور دہشتگرد بننے کی بھی ذمہ داری قبول کریں۔ یورپ اور شمالی امریکہ کی اسلامی تنظیموں کو حب الوطنی کے حوالے سے زبانی جمع خرچ کرنے اور اس عظیم ملک کی اقدار اور بنیادوں کے خلاف تبلیغ کرنے سے بڑھ کر کچھ اور قدم اٹھانا ہوں گے۔ انہیں واضح طور پر کہنا ہو گا کہ وہی قوانین جو کینیڈا میں اہمیت رکھتے ہیں، ہی اس ملک کے قوانین ہیں اور نویں صدی کے ابتدائی دور کے شرعی قوانین نہیں۔ اگر یہ نظریہ جہاد کو مسلمانوں کے آپشن کے طور پر مسترد نہیں کرتے تو انہیں بھی مسئلے کا حل نہیں بلکہ حصہ سمجھا جانا چاہئے۔ ان تنظیموں کے پاس اپنی کمیونٹی یا انسانیت کے نئے مستقبل کا کوئی ویژن نہیں۔ ان کا مقصد جنت کی خواہش ہے لیکن زندگی میں نہیں مردہ حالت میں۔ طارق علی، بائیں بازو کے ان چند کارکنوں میں سے ایک ہیں جو کھلے عام اسلاموانارکسٹوں پر تنقید کرتے ہیں نے کئی مرتبہ ان لوگوں کے جہادی ایجنڈے کے دیوالیہ پن کو بے نقاب کیا ہے۔ کراچی میں ایک کانفرنس سے خطاب میں ستمبر 2007ء میں طارق علی نے کہا کہ

''جہادیوں کا کوئی معاشرتی ویژن نہیں، وہ امریکہ کو نکال باہر کرنے کی بات

کرتے ہیں'' میں نے ان سے پوچھا، اچھا ٹھیک ہے، آپ درست کہتے ہیں، لیکن آگے کیا کریں گے؟ اور انہوں نے کہا ''اللہ سب کا بھلا کرے گا۔''

اس رجحان کے ختم ہونے تک اسلام پسندوں کے جہادی نظریے کو کامیابی ملتی رہے گی۔ یہ نوجوان مسلم پروفیشنلز کے ذہنوں کو احساس جرم میں مبتلا کرتا رہے گا اور مغربی اقدار اور اداروں کو بھی متاثر کرتا رہے گا۔ جب ہم اس بات پر حیران ہونا شروع کریں گے کہ اگر ایک نیورولوجسٹ ☆☆☆☆ کی برین واشنگ کر دی گئی تو اگلا شکار کون ہو گا............ ایک نیوکلیئر فزسسٹ؟

☆ دعوۃ کے لغوی معنی دعوت دینا ہے، اسلام میں مسلمانوں کی یہ ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ وہ دیگر افراد کو اسلام کی طرف دعوت دے لیکن اسلامی حکمرانوں نے دعوۃ کے ادارے کو غیر مسلمانوں کو قبول اسلام یا پھر جزیہ دینے کے لئے استعمال کیا، اگر دونوں پیشکشیں مسترد کر دی جائیں تو فقہا نے فتویٰ دیا کہ مسلمان ایسے افراد کے خلاف جنگ لڑ سکتا ہے جہاد کے لغوی معنی جدوجہد کرنا ہیں۔ مسلم سکالر جہاد اکبر اور جہاد اصغر کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ جہاد اکبر کو اپنے نفس کے خلاف جہاد کو کہتے ہیں۔

☆☆ دی ریڈیکل مڈل وے برطانوی حکومت کی سرپرستی میں قائم کی گئی تنظیم ہے جو مسلمانوں کی قومی دھارے میں شمولیت کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔

☆☆☆ جون 29 اور 30 2007 کو لندن میں 2 کار بم دھماکوں کی کوشش ناکام بنا دی گئی اور واقع کو فوراً مسلمانوں سے منسوب کر دیا گیا۔

☆☆☆☆ گلاسکو ایئرپورٹ پر کار بم دھماکے کی ناکام کوشش کا ایک ملزم نیورولوجسٹ (ماہر علم اعصاب) بھی تھا۔

MashalBooks.org

تیرہواں باب

حجاب اسلامی فریضہ یا سیاسی اسلام؟

خالد حسینی کے روح میں چھید کرنے والے ناول A Thousand Splended Suns کی کردار نینا، ایک غریب ماں اپنی پانچ سالہ بیٹی مریم سے کہتی ہے: ''میری یہ بات اچھی طرح سمجھ لو اور پلے باندھ لو، بیٹی، جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ شمال کی سمت میں کھڑی رہتی ہے اسی طرح مرد کی الزام تراش انگلی ہمیشہ عورت کو ڈھونڈ لیتی ہے، سمجھ گئیں، مریم۔''

اگرچہ حسینی کا ناول افغانستان کے طرز زندگی کے بارے میں ہے لیکن اوپر لکھے گئے چند الفاظ میں پوری مسلم دنیا میں خواتین کی زندگیوں پر مردوں کی بالادستی کا احاطہ ہوتا ہے، مریم کی طرح لاکھوں مسلمان لڑکیوں کو ان کی اوائل عمری میں ہی انکی ماؤں کی جانب سے بتا دیا جاتا ہے کہ تمہاری معاشرے میں جگہ صرف فرمانبرداری سے عبارت ہے۔ یہ فرمانبرداری خدا نہیں بلکہ مرد کی ہے۔ اطاعت گزاری اور محکومیت پر حجاب 2 میٹر لمبا، کپڑا جو آج اسلام کی عالمگیر پہچان ہے۔ سے زیادہ اور کوئی ادارہ مجبور نہیں کرتا۔ حجاب پہن کر فرمانبرداری کا اظہار نہ کرنے والی مسلمان عورتوں کو سنگین نتائج کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، بالخصوص اگر وہ ایک اسلامی ریاست میں قانونی تقاضے کے تحت رہ رہی ہوں۔ ایک مثال فلسطین کے اسلام پسند گروپ Swords of Islamic Rightous sness کی طرف سے مشرق وسطٰی کی ایک ٹی وی نیوز کاسٹر کو لکھا گیا خط ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ ''تم انتہائی بے حیا اور اخلاق باختہ ہو۔'' یہ جہادی اپنی ان ''بہنوں'' سے مخاطب تھے جو فلسطینی ٹی وی کے لئے کام کر رہی ہیں۔ انہوں نے خواتین سے مطالبہ کیا کہ وہ حجاب پہننا شروع کریں،

MashalBooks.org

اس گروپ نے دھمکی دی کہ اگر وہ ننگے سر نظر آئیں تو ایک ایک کر کے ان کے گلے کاٹ دیئے جائیں گے، اگر ضرورت پڑی تو قوم کی اخلاقیات اور روح کا تحفظ کیا جائے گا۔

ٹی وی کے معروف میزبان رعنا شاہین کو یہ دھمکی موبائل ایس ایم ایس کے ذریعے بھیجی گئی۔ اگرچہ رعنا شاہین تھوڑی خوفزدہ ہوگئی تاہم وہ بدستور آمادہ بہ بغاوت رہی، انہوں نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ ''میں ان دھمکیوں کو انتہائی سنجیدگی سے لے رہی ہوں لیکن میں حجاب پہننا شروع نہیں کروں گی۔'' البتہ یہ جون 2007ء تھا، ایک ماہ کے اندر غزہ پر بنیاد پرست تحریک حماس کے مسلح افراد کا قبضہ ہو گیا اور پھر Swords of Islamic Righteousness کی دھمکی سامنے آ گئی۔ جس وقت یہ کتاب اشاعت کے لئے پریس میں جا رہی تھی۔ غزہ میں محض چند ہی خواتین کھلے عام نقاب کے بغیر پھر رہی تھیں۔

کپڑے کے اس ٹکڑے کے بارے میں کیا خیال ہے جو اسلام پسندوں میں خود ساختہ نیکو کاری کا اظہار ہے؟ خواتین کے بالوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو ان کے جسم کا سب سے زیادہ بے جان حصہ ہے اور جو چند مسلمان مردوں کے اندر جذباتی تحریک پیدا کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ آخر کئی خواتین جن میں تعلیم یافتہ اور روشن خیال بھی شامل ہیں، کیوں اپنی زندگی پر مردوں کے اختیار کے سامنے سر تسلیم ختم کرتی ہیں؟ یہ مردان کے شوہر، بھائی، بیٹے اور یقیناً علما اور مرد سکالر ہیں جنہوں نے صدیوں قبل خواتین کے لئے یہ قانون متعارف کرایا۔ خواتین کا سر ڈھانپنا کس طرح ایک تقاضا ٹھہر سکتا جبکہ یہ قرآن کے اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اسے اسلام پسندوں کے اس جبر کے پیچھے کون سی منطق کار فرما ہے؟ اور کیا خدا واقعی کسی عورت کا ننگا سر دیکھ کر ناراض ہوتا ہے؟

مسلم اکثریت کے کئی ممالک جہاں اسلام پسندوں کو اگر سیاسی میدان میں نہیں تو کم از کم مذہبی میدان میں کھلی چھوٹ حاصل ہے، وہاں جہادی عناصر اپنے الفاظ اور عمل کو ڈھکا چھپا نہیں رکھتے۔ تاہم مغرب میں اسلام پسندوں کے ہتھکنڈوں کو فریب کے پردوں میں چھپایا جاتا ہے تاکہ لبرل لیفٹ حلقوں کی حمایت حاصل کی جا سکے۔ حتیٰ کہ حقوق نسواں کے علمبرداروں کو بھی قائل کر لیا جاتا ہے۔ شمالی امریکہ اور یورپ میں اس منتر کو ''چوائس'' جیسے نقطہ سے پارلیمانی مارکیٹ میں پیش کیا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ کسی کی اپنی مرضی (چوائس) ہے، ایک خاتون خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ وہ حجاب اوڑھے یا نہ اوڑھے۔ کسی خاتون

MashalBooks.org

کے حق ارادی سے اختلاف کون کر سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جو حقوق نسواں کے ابتدائی ایام کی جدوجہد سے منسلک آزادی کے سلسلے سے وابستہ ہے۔

اگر چہ اس ایجنڈے کو محتاط طریقے سے مخفی رکھا گیا ہے لیکن اس کا اصل مقصد نوجوان مسلمان لڑکیوں میں نقاب نہ اوڑھنے پر خوف و ہراس پھیلانا ہے۔ اس بات کا ثبوت کیوبک میں 2007ء میں تائیکونڈو کے مقابلے کے دوران سامنے آنے والا بدنام تنازعہ ہے۔ ٹورنامنٹ کے آغاز پر مانٹریال مسجد کے مسلم کمیونٹی سنٹر کی حمایت یافتہ نوجوان مسلمان لڑکیوں کی ٹیم نے ہیلمٹ کے نیچے حجاب پہننے کی اجازت ملنے تک کھیلنے سے انکار کر دیا۔ منتظمین کا موقف تھا کہ کھیل کے قواعد وضوابط مروجہ ہیلمٹ کے سوا کچھ اور پہننے کی اجازت نہیں دیتے، چونکہ ہیلمٹ حجاب سے زیادہ بالوں کو ڈھانپتا ہے چنانچہ حجاب کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے علاوہ یہ فیصلہ سکیورٹی کے نقطہ نظر سے بھی کیا گیا ہے۔ انہوں نے نشاندہی کی کہ تائیکوانڈو ایک مارشل آرٹ ہے جس میں کک مارنا اور اٹھا کر پھینکنا شامل ہے، خدشہ ہے کہ اس عمل کے دوران حجاب اتر سکتا ہے۔

ان نوجوان لڑکیوں کے والدین کوچ اور مسجد انتظامیہ نے بچیوں کی ٹورنامنٹ میں شرکت سے انکار کر دیا۔ 8 سے 12 سال کی بچیوں پر مشتمل یہ ٹیم اس فیصلے کے بعد گھروں کو واپس چلی گئی۔ ٹیم کی ایک رکن بسان منظور نے رپورٹروں کو بتایا کہ ''مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ ہم نے بہت محنت کی تھی، ہمیں بے کار وجوہات کی بنا پر دستبردار کرایا گیا۔''

اگلے روز یہ خبر کینیڈا کے تمام اخبارات کے صفحہ اول کی زینت بنی، اسلام پسندوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، اس واقعے سے انہیں ایک اور موقع مل گیا کہ وہ عدم تحفظ کا شکار مسلمان نوجوان نسل میں یہ پراپیگنڈہ کر سکیں کہ کینیڈا بہرصورت ایک مسلمان دشمن ملک ہے اور یہ کہ مسلمان نوجوان کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

جو بات تمام اخبارات میں شائع نہیں ہوئی وہ یہ حقیقت ہے کہ شریعہ کی سخت ترین تشریح میں بھی نابالغ مسلمان لڑکیوں پر سر ڈھانپنے کی پابندی نہیں ہے جبکہ یہاں 8 سالہ بچی کو زبردستی حجاب اوڑھنے پر مجبور کیا جا رہا تھا لیکن کسی ایک رپورٹر یا کالم نگار نے والدین اور مسجد کو چیلنج کرنے کی جرأت نہیں کی۔ مسلم کینیڈین کانگریس اس مسئلے پر آگے بڑھی اور ایک بیان جاری کیا جس میں اس بات پر تشویش اور مایوسی کا اظہار کیا گیا کہ اسلام پسند

حجاب کو ایک بار پھر کینیڈا میں اپنا ایجنڈا آگے بڑھانے کے لئے بطور سیاسی ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ بیان میں کہا گیا:

''ہیلمٹ حجاب کے متبادل کے طور پر کافی تھے حالانکہ قرآنی احکامات کی سخت ترین تشریح میں بھی کمسن بچیوں کے حجاب کی پابندی نہیں اس کے باوجود والدین نے اس معاملے کو مسلمانوں کی شناخت کا سیاسی رنگ دے دیا۔

اس سٹوری میں حقائق مسخ کرنے کا ایک اور پہلو تھا، اسے بھی اخبارات نے رپورٹ نہیں کیا، جس مسجد کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ مانٹریال میں حزب اللہ نواز سرگرمیوں کا گڑھ ہے تاہم یہ پہلو اس سٹوری سے متعلق نہیں، جو بات سرے سے گول کی گئی وہ اس مسجد (کی انتظامیہ) کی طرف سے نوجوان لڑکیوں کو دی گئی تنبیہہ تھی کہ اگر انہوں نے نقاب نہ پہنے تو انہیں جنسی زیادتی کا نشانہ بننا پڑ سکتا ہے۔ ویب سائٹ پر دیئے گئے پیغام میں مسجد نے خبردار کیا کہ اگر نوجوان لڑکیوں نے حجاب اتارے تو اسکا نتیجہ ''حرام کے بچوں'' کی پیدائش کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ کوئی بھی شخص ایک 10 سالہ بچی کو ممکنہ ریپ کی وارننگ سے پیدا ہونے والے صدمے کا صرف تصور ہی کر سکتا ہے کیا یہی وہ چوائس ہے جس کا اسلام پسند ڈھنڈورا پیٹتے ہیں؟

مانٹریال مسجد کی ویب سائٹ پر ''حجاب پہننے کے فوائد'' کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں یہ بھی شامل ہے کہ ''مردوں کی پرہوس نظروں سے خود کو بچانا''۔ مسجد نے ''حجاب نہ پہننے کے مضمرات'' کی بھی فہرست دی ہے جس میں لکھا ہے کہ:

''طلاق، زنا، زیادتی، حرامی بچوں کی پیدائش، ذہنی تناؤ، عدم تحفظ اور شوہروں کے ذہن میں شکوک وشبہات اور نتیجتاً خانگی بدمزگی۔

نوجوان افراد کو ہوس اور غیر اخلاقی راستے کی طرف مائل کرنے کی شہ دینا۔''

گویا کہ ریپ اور حرامی بچوں کے پیدائش کے خوف کے خطرات کا اظہار کافی نہیں تھا کہ ان 10 سال یا اس سے کم عمر کی بچیوں کو بتایا گیا کہ تم نے اگر پردہ نہ کیا تو دائرہ اسلام سے خارج ہو جاؤ گی۔ ویب سائٹ کہتی ہے کہ:

''حجاب ہٹا کر آپ اپنے عقیدے کو تباہ کرتی ہیں، اسلام کا مطلب ہے تمام افعال میں اللہ کی فرمانبرداری، جو لوگ فرمانبرداری سے روگردانی کرتے ہیں، مسلمان

قرار نہیں دیئے جاسکتے۔'' لہٰذا حجاب ہٹانے کی بجائے تائیکوانڈو ٹورنامنٹ سے باہر ہونے کے لڑکیوں کے فیصلے پر کم ہی حیرت ہونی چاہئے اور گویا آخرت کے عذاب کی دھمکیاں کافی نہیں تھیں کہ مسجد نے کہا کہ لڑکیوں کو حجاب اتارنے کے نتائج معاشرے کو بھی بھگتنا پڑیں گے۔ یہ کہا گیا ہے کہ نوجوان مرد مجرمانہ سرگرمیوں کی طرف راغب ہو سکتے ہیں۔قتل اور ڈکیتی تک کے مرتکب ہو سکتے ہیں اور یہ کہ یوم حشر کو ایسے مردوں کے جرائم کی ذمہ داری بھی بے پردہ عورتوں پر ہوگی۔ میں یہاں مسجد کی انٹرنیٹ ویب سائٹ پر دیئے گئے پیغام کا ایک حصہ پیش کر رہا ہوں۔'' اللہ نے ہماری بہنوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ کرنے کے عالمگیر مضمرات ہو سکتے ہیں۔

یہ انفرادی معاملہ نہیں جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، جو عورت سرعام بے پردہ نکلتی ہے وہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہے،اس کا نتیجہ غیر متوقع واقعات کی صورت میں نکلتا ہے جس سے کئی افراد کو نقصان پہنچتا ہے۔حجاب پہننے سے روگردانی سے صرف متعلقہ فرد کو نہیں بلکہ لاکھوں دیگر افراد کو نقصان پہنچتا ہے۔ ہماری خواتین کی جسمانی نمائش کئی گھروں کو تباہ کرسکتی ہے۔ زیادتی اور قتل کے لاتعداد واقعات ہو سکتے ہیں جس کے ہم سب ذمہ دار ہوں گے۔ یہاں لاتعداد دل فگارر واقعات میں سے ایک کا ذکر کرنا مناسب ہوگا، ایک معصوم نوجوان جس نے ایک پرکشش عورت کی تصویر دیکھی فوری طور پر اس کی جسمانی کشش سے متاثر ہو گیا، اس کے پاس عورت کو پانے کے لئے دولت تھی نہ کوئی منصب۔ اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے اس نے کسی بھی طریقے سے جلد از جلد دولت حاصل کرنے کا سوچا اور چوری کا تہیہ کر لیا۔آخر کار وہ کئی لوگوں کو لوٹنے اور ایک کو قتل کرنے کے جرم میں جیل جا پہنچا۔ اس شخص کو اس حال میں پہنچانے والی عورت کے علاوہ کس کو مورد الزام ٹھہرایا جائے؟ اگر اس خاتون نے حجاب پہنا ہوتا اور اپنی جسمانی کشش کی نمائش نہ کی ہوتی تو ان جرائم کا ارتکاب نہ ہوتا۔''

بدقسمتی سے اس تصور کہ خواتین جنسی زیادتی کی خود ذمہ دار ہوتی ہیں کو نہ صرف اسلام پسندوں بلکہ بنیاد پرست خواتین تنظیموں میں بھی وسیع پذیرائی ملی ہے۔ یہ سادہ لوح خواتین یہ مانتی ہیں کہ مردوں کی طرف سے کوئی بھی جنسی زیادتی ان کی اپنی ہی غلطی ہوتی ہے نہ کہ یہ زیادتی کرنے والے کی جارحیت ہوتی ہے۔افسوس یہ ہے کہ کینیڈا، امریکہ اور

MashalBooks.org

یورپ میں حقوق نسواں کے لئے کام آنے والے گروپ اسلام پسندوں کے اس گمراہ کن تاثر کو قبول کر کے اپنے فرائض سے غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ جب تک امریکی فوج عراق پر قابض ہے اور جب تک صدر جارج بش وائٹ ہاؤس پر قابض ہیں حقوق نسواں کے گروپ مانٹریال کی مسجد اسٹیبلشمنٹ جیسے لیڈروں کو غیر مزاحیہ طور پر کثیر الثقافتی کے نام پر کھلی چھوٹ دیں گے اور کثیر الثقافت Multiculturalism کا یہ فلسفہ جو بہت بعد میں آیا کو جذبہ مطلق کے ساتھ اپنا لیا گیا۔

مسلمان خواتین مسلم غیرت کی محافظ کے طور پر:

یہ ہفتہ یکم ستمبر 2007ء کی نصف شب کے بعد کی بات ہے، 24 سالہ مسلمان خاتون کارلٹن یونیورسٹی اوٹاوہ کی کیمسٹری کی لیبارٹری میں تنہا کام کر رہی تھی، وہ کچھ گھنٹوں سے اکیلی تھی کہ اچانک اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی، جیسے ہی اس نے مڑ کر دیکھا، اس نے ایک گنجا اور چوڑے شانوں والا سفید فام شخص دیکھا، اس کا قد تقریباً 5 فٹ 8 انچ تھا اور اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا ایک بیگ تھا، دونوں نے آپس میں چند جملوں کا تبادلہ کیا تو خاتون نے محسوس کیا کہ اس شخص نے شراب پی ہوئی ہے۔ 20 کے پیٹے میں کلین شیو شخص روانی سے انگریزی بول رہا تھا اور لیبر ڈے ویک اینڈ پر اس کے ذہن میں معلوم نہیں کیا تھا، اس سے پہلے کے خاتون کو خطرے کا احساس ہوتا نیلی شرٹ پہنے شخص نے اسے دبوچ لیا۔

خاتون نے مزاحمت کی لیکن وہ اس خون آشام درندے کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس شخص نے خاتون کا جبڑا توڑ ڈالا اور کندھا اکھاڑ دیا۔ حملہ آور نے خاتون پر جنسی حملہ کرنے اور اس کے کپڑے اتارنے سے پہلے اسے بے ہوش کر دیا۔ اخباروں نے لکھا کہ جب اس طالبہ کو ہسپتال لایا گیا تو وہ صدمے کی حالت میں تھی اور اس کے حواس مختل تھے۔

وہ نوجوان مسلم خاتون جسمانی زخموں کے ساتھ دہشت ناک صدمے کی حالت میں تھی اور جو زخم اس کی روح پر لگے وہ شاید پھر کبھی مندمل نہ ہو سکیں لیکن اس واقعے کے بعد جو کچھ رونما ہوا وہ اس حقیقی بوجھ کی نشاندہی کرتا ہے جو مسلمان مردوں اور اسلامی معاشرے نے مسلمان خواتین کی پشت پر لاد رکھا ہے۔

جنسی حملے کے 4 روز بعد طلبہ نے اوٹاوہ ہسپتال میں نگہداشت پر مامور نرس

MashalBooks.org

کرسٹائن پیکر کو بتایا کہ اس پر اگرچہ جنسی حملہ کیا گیا تاہم زیادتی Rape نہیں کی گئی۔ ذرائع کے مطابق اس لڑکی نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ اگر جنسی زیادتی کی بات کی تردید نہ کی گئی تو غلط خبروں سے اس کا مستقبل تباہ ہوسکتا ہے۔ یہ نوجوان خاتون جو اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کا کہنا تھا کہ وہ اس الزام کی وضاحت اس لئے کرنا چاہتی ہے تاکہ غیر شادی شدہ مسلمان خاتون ہونے کے ناتے درپیش مسائل سے بچ سکے، اس نے کہا کہ اسلامی ممالک میں جنسی زیادتی کا نشانہ بننے والی خواتین کو مستقبل کے شوہروں کی جانب سے ناپاک سمجھا جاتا ہے، بعدازاں اس متاثرہ طالبہ نے میڈیا کو بتایا کہ: ''اس کے (آبائی) کلچر میں لڑکی کا کنوارہ ہونا ازحد ضروری ہے اور اگر اچانک سب لوگ اس کی طرف گھور کر کہیں کہ تم کنواری نہیں تو وہ بحیثیت بیوی احترام کھو دے گی۔'' نرس کرسٹائن بیکر نے غیر معمولی انداز میں ایک بیان میں کہا کہ: ''اس لڑکی کے جسم میں دخول کے کوئی نشانات نہیں اور اس لڑکی کے نزدیک یہ امتیازی علامات ظاہر کرنا ضروری ہے۔''

یہ واقعہ تمام تر معیارات کے حوالے سے اشتعال انگیز تھا۔ جنسی حملے کا نشانہ بننے والی لڑکی ایسے وضاحتیں کر رہی تھی جیسے مجرم حملہ آور نہیں بلکہ وہ خود تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف ''اسلامی ممالک'' میں زیادتی کا شکار ہونے والی خواتین کو مجرم نہیں سمجھا جاتا، اس قسم کی سوچ کینیڈا کی کمیونٹی کے اندر بھی پائی جاتی ہے، آخر خواتین کو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے نام پر لگا دھبہ صاف کریں؟ اوٹاوہ کے مسلمانوں کے ردعمل سے آشکار ہوا کہ یہ قدامت پسند اور بنیاد پرست حلقوں کا بھی نظریہ ہے۔ اوٹاوہ مسلم ایسوسی ایشن کے صدر کے کلمات ملاحظہ فرمائیں۔ انہوں نے کہا کہ میں خاتون کی طرف سے اپنی صفائی پیش کرنے کے فیصلے کا حامی ہوں۔ ''خاتون کی صفائی''؟ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا، اسے صفائی دینے کی ضرورت نہیں، ایسوسی ایشن کے صدر ممتاز اختر کا ایک اور فقرہ بھی قابل غور ہے جو کمیونٹی کے ذہنی رجحان کی عکاسی کرتا ہے، انہوں نے کہا کہ: ''ہم کسی کے بارے میں فیصلہ صادر کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ بالخصوص جبکہ ایک شخص بے گناہ ہو؟''۔ اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس لڑکی کے ساتھ جنسی زیادتی ہوئی تو کیا وہ معصوم نہیں ہوتی؟

جہاں مغربی معاشرے کو منفی مساوات کو صحیح معنوں میں رائج کرنے کے دعوے سے پہلے طویل عرصہ لگا وہاں کوئی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ گزشتہ ایک صدی میں ہم

MashalBooks.org

نے زبردست پیش رفت کی ہے اور خواتین کو اب مردوں کا اثاثہ یا ذریعہ گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ بدقسمتی سے اس مذہب کے ماننے والے جس نے خواتین کو جائیداد اور طلاق کا حق دیا۔ ایسا کرنے میں ناکام رہے۔ صرف چند بہادر افراد نے حرم اور کثرت ازواج کے اداروں پر تنقید کی یہ دونوں شعبے منفی برابری اور اس کے مقاصد سے متصادم ہیں۔ اس کے ساتھ برقعہ، حجاب اور مسجد میں نماز کی صفوں میں خواتین کو ساتھ نہ کھڑا کرنے سے انکار بھی اسی نوعیت کی چیزیں ہیں۔

جب ایک نوجوان کینیڈین خاتون پر جنسی حملہ کیا گیا تو وہ دو قسم کے حملوں کا نشانہ بنی۔ ایک تو جنسی حملہ۔ ملزم پکڑا جائے گا اور کٹہرے میں کھڑا کیا جائے گا۔ تاہم دوسرا جرم جس کے تحت اس خاتون کو ناکردہ گناہ کے احساس جرم میں مبتلا کیا گیا کی کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ ایسا ماحول جہاں زیادتی کا نشانہ بننے والی خواتین پولیس رپورٹنگ میں خوف محسوس کریں بنانے کے ذمہ دار عناصر نے ایسے بیمار نوجوانوں سے زیادہ مسلمان برادری کو نقصان پہنچایا جو لاچار خواتین سے زیادتی کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ دراصل وہ امام اور شیخ حضرات ہیں جنہوں نے یہ گمراہ کن کہانیاں گھڑی ہیں کہ تمام گناہوں کی ذمہ دار عورت ہوتی ہے۔

اکتوبر 2006ء میں لبنانی نژاد آسٹریلوی امام اور ملک کے ممتاز عالم نے اس وقت یہ کہہ کر اشتعال پھیلا دیا کہ ایسی خواتین جو (اس کے خیال میں) مناسب لباس نہیں پہنتیں وہ اپنے ''ننگے گوشت'' سے خود ہی حملوں کی دعوت دیتی ہیں۔ آسٹریلیا کے نام نہاد مفتی اعظم شیخ تاج الدین الہلالی نے ایسی خواتین کی مذمت کی جو ''جان بوجھ کر مٹک مٹک کر چلتی ہیں، میک اپ کرتی ہیں اور نقاب نہیں پہنتیں۔'' یہ تصور کہ ریپ کی ذمہ دار خواتین ہیں انتہائی لغو ہے، لیکن شیخ ہلالی نے یہ بات رمضان کے دوران ایک خطبہ دیتے ہوئے کہی، لیکن اس وعظ میں موجود ایک بھی سامع نے امام سے احتجاج کیا نہ اس کے موقف کو چیلنج کرنے کی زحمت کی۔ بعدازاں اگرچہ امام نے اپنے ریمارکس پر معذرت کر لی لیکن اس کی معذرت سے مسلم علما کے خواتین سے متعلق منفی رویے کی عکاسی ہوتی ہے۔ امام نے رپورٹروں سے کہا کہ ''میرا مقصد صرف خواتین کے احترام کا تحفظ کرنا تھا۔'' وعظ کے دوران الہلال نے کہا تھا:''

MashalBooks.org

''اگر تم گلیوں، باغات، پارک یا گھر کے پچھواڑے اپنا ننگا گوشت لے کر جاؤ گی اور بلیاں اسے کھانے کو آ جائیں تو............قصور کس کا ہو گا............ بلیوں کا یا ننگے گوشت کا؟ مسئلہ ننگا گوشت ہے، اگر خاتون اپنے کمرے یا گھر میں یا پھر نقاب میں رہے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہو گا''۔

الہلالی نے یہ بھی کہا خواتین ایسا ''ہتھیار'' ہیں جنہیں ''شیطان'' مردوں کو قابو کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اگر آسٹریلیا کے شیخ الہلالی کی خواتین کو مردوں کے خلاف شیطانی ہتھیار قرار دیتے ہیں تو وہ دراصل قرآن کی مخصوص گمراہ کن انداز میں تشریح کی طویل تاریخ پر انحصار کر رہے ہوتے ہیں۔ خواتین کو محض جنسی چیز سمجھنے کی تشریحات صرف قرون اولیٰ کے سکالروں کا کام نہیں بلکہ بیسویں صدی کے اسلام پسند تحریک کے معاصر علما بھی اس میں شریک ہیں۔ ان علماء میں ابو الاعلیٰ مودودی شامل ہیں جنہوں نے مصری تنظیم اخوان المسلمین کے ساتھ قریبی اشتراک کیا۔ مودودی کی تحریروں کو شمالی امریکہ اور یورپ کے اسلامی مراکز اور مساجد میں بڑے پیمانے پر پڑھا اور سچ سمجھا جاتا ہے۔ مودودی نے میدان جنگ میں پکڑے جانے والی غیر مسلم خواتین سے زیادتی کو جائز قرار دینے کا عندیہ دیا لیکن ابھی تک محض خواتین نے کھڑے ہو کر اس نظریے کی مذمت کی ہے جو خواتین سے جبری زنا کی مذہبی منظوری فراہم کرتا ہے تو پھر بنگلہ دیش میں جنگ کے دوران پاکستانی فوجیوں کی بنگالی خواتین سے زیادتی پر کم ہی حیرت بھی ہوتی کیونکہ علما نے ان مسلمان عورتوں کے غیر مسلم دشمن ہونے کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ اس نظریے سے سوڈان کی جنجوی ملیشیا کو مخالف دارفوری خواتین سے زیادتی کا مذہبی لائسنس ملتا ہے۔ حالانکہ یہ ان کی اپنی ہم مذہب بہنیں ہیں۔

قرآن کی ایک آیت پر مودودی کی تفسیر اسلام پسندوں کی ان آزادیوں کی مظہر ہے جو وہ مسلمان فوجیوں کو جنسی غلام اور جنسی استحصال بنانے کے جو طرز کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ مودودی نے اپنی تفسیر میں غیر ملکی قیدی خواتین سے زیادتی کی اجازت ڈھکے چھپے الفاظ میں دی ہے، قرآن کی چوتھی سورۃ کی آیت 24 یہ کہتی ہے کہ:

''اور شوہر والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں مگر وہ جو اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر تمہارے قبضے میں آ جائیں۔ یہ حکم خدا نے تم کو لکھ دیا ہے اور ان محرکات کے سوا اور عورتیں

MashalBooks.org

تم کو حلال ہیں۔ اس طرح مال خرچ کر کے ان سے نکاح کرو بشرطیکہ نکاح سے مقصود و عفت قائم رکھنا ہو نہ شہوت رانی تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو ان کا مہر جو مقرر کیا ہوا ادا کرو اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضا مندی سے مہر میں کمی بیشی کر لو تو تم پر گناہ نہیں۔ بیشک خدا سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔''

اب دیکھیں مودودی صاحب اس آیت کو کس طرح لیتے ہیں، اس آیت کی بنا پر وہ جنسی غلامی اور خواتین کو ایک قابل فرد جنت جنس (Commodity) کی طرح کا سلوک کرنے کی آزادی کو ادارہ جاتی شکل دیتے ہیں۔ درج ذیل تفسیر مولانا مودودی کی 6 جلدوں پر مشتمل تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں سے اس آیت کے بارے میں لی گئی ہے۔

''ایسی خواتین جنہیں دوران جنگ قیدی بنایا گا ہو، جبکہ ان کے کافر شوہر دارالحرب میں پیچھے رہ گئے ہوں، آپ پر (جنسی فعل کے لئے) حلال ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے ہی ایسی عورتیں دارالحرب سے دارالاسلام میں داخل ہو جاتی ہیں تو ان کا سابق شوہروں سے نکاح منسوخ ہو جاتا ہے۔ آپ ایسی عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں اور اگر آپ کا ان پر اختیار ہے تو آپ ان کے ساتھ جنسی تعلقات بھی قائم کر سکتے ہیں۔ تاہم اگر میاں بیوی دونوں جنگی قیدی بن جائیں تو اس صورت میں علماء کی رائے متضاد ہے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ ایسے غیر مسلم مرد اور عورت کا نکاح برقرار رہتا ہے جبکہ امام مالک اور امام شافعی کہتے ہیں کہ سابق نکاح برقرار نہیں رہتا۔ اگرچہ جنگی قیدی بنائی گئی کنیزوں کے ساتھ جنسی تعلق استوار کرنے کے موقع سے فائدہ اٹھانے کے بارے میں لوگوں کے اذہان میں کئی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا درج ذیل اصولوں کو نہایت احتیاط سے ذہن نشین کرنا چاہئے۔

1: کسی سپاہی کے لئے یہ بات جائز نہیں کہ وہ ایک قیدی عورت سے پکڑے جانے کے فوراً بعد جنسی تعلق قائم کرے، اسلامی قانون کے تحت ایسی عورت کو پہلے حکومت کے حوالے کیا جائے، جو پہلے انہیں آزاد کرنے، اس کے بدلے تاوان مانگنے یا پھر مسلمان قیدیوں کے بدلے میں اسے واپس کرے گا حق دے اور اگر حکومت مناسب سمجھے تو غیر مسلمان عورتوں کو مسلمان سپاہیوں میں کنیزوں کے طور پر تقسیم کر سکتی ہے۔ بہرحال ایک سپاہی اس عورت سے صرف اسی صورت میں تعلق رکھ سکتا

ہے جب حکومت باضابطہ طور پر اس کے حوالے کرے۔

2: عورت کو اپنے قبضے میں لینے کے بعد اس سے حیض کے دوران یا حمل کے خاتمے تک جنسی تعلق قائم نہیں کرنا چاہئے۔ حیض کی موجودگی میں ایسی عورت سے کوئی تعلق حرام ہے۔

3: اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خواتین جنگی قیدی اہل کتاب ہیں یا نہیں، اس کا مذہب چاہے کچھ بھی ہو سپاہی اپنے قبضے میں آنے کے بعد ایسی خاتون سے جنسی تعلق قائم کرنے کا پورا حق رکھتا ہے۔

اسی تفسیر میں کسی جگہ پر مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ: ''حکومت کی طرف سے جو مرد یا عورت غلام عطا کئے جاتے ہیں ان کے حقوق کسی بھی دیگر جائیداد کی طرح قابل استعمال ہیں۔'' بدقسمتی سے 2007 (اس کتاب کی تحریر کے وقت) تک قرآنی تفسیر صرف مردوں نے کی ہے، کسی خاتون کی طرف سے ترجمے اور تفسیر لکھنے کے خیال کی اسلام پسندوں نے ہمیشہ مزاحمت کی ہے، مثال کے طور پر لیلیٰ بختیار کے ترجمے پر جو کسی خاتون کا پہلا ترجمہ تھا ردعمل سامنے رکھیں۔

اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (آئی ایس این اے) انڈیانا پولیس کی کینیڈا میں شاخ کے جنرل سیکرٹری محمد اشرف نے اخبار ''ٹورانٹو سٹار'' کو بتایا کہ وہ سبلائم آف قرآن (قرآن کی فضیلت) کے نسخے آئی ایس این اے کے بک سٹوروں پر فروخت کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ''ہمارے بک سٹور اس قسم کے ترجمے کی اجازت نہیں دیں گے بلکہ میں تو اس پر پابندی لگانے کا سوچ رہا ہوں۔'' انہوں نے کہا کہ انہیں اعتراض اس بات پر نہیں کہ لیلیٰ بختیار ایک عورت ہیں بلکہ ''انہوں نے کسی ایسے ادارے میں تربیت حاصل نہیں کی جو اسلامی دنیا میں تسلیم شدہ ہو۔'' اس کے لیے انہوں نے سعودی عرب کی مدینہ یونیورسٹی کا حوالہ دیا، لیکن یہ حضرات اخبار کو بادی النظر میں یہ بتانے سے قاصر رہے کہ اس یونیورسٹی کا جو وہابی نظریے کا عالمی مرکز ہے میں خواتین کو تسلیم کرنا تو دور کی بات ہے انہیں وہاں داخلے تک کی اجازت نہیں ہے۔ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ ''یہ عورت دوست ترجمہ زیادہ دیر نہیں چلے گا اور جلد قطار سے باہر ہو جائے گا۔''

لیلیٰ بختیار نے قرآن کے ترجمے میں ایسی کون سی بات کی ہے کہ اسے آئی ایس

MashalBooks.org

این اے کے بک سٹوروں پر مستوجب سزا ٹھہرایا گیا؟ ان کا اسلام پسندوں کی نظر میں قصور اتنا ہے کہ وہ جیسا کہ اسلام پسند سمجھتے ہیں یہ تسلیم نہیں کرتیں کہ قرآن بیوی کو سزا دینے کی اجازت دیتا ہے۔ لیلیٰ کو قرآن کے انگریزی ترجمے میں سات سال لگے اور وہ اسے ایک عورت کے نقطہ نظر سے کیا گیا ترجمہ قرار دیتی ہیں۔ انہوں نے 90 ہزار الفاظ کا ترجمہ کیا لیکن اس میں سے اعتراض صرف ایک آیت...... سورۃ 4، آیت 34، پر ہے جس کو متنازعہ قرار دے کر سخت تنقید کا ہدف بنایا گیا۔ یہ خواتین کے موضوع پر ہے جس میں نافرمان بیوی سے سلوک کی بات کی گئی ہے۔ مردوں کے کئے گئے تمام ترجموں میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ مرد ایسی عورت کو پیٹنے کا حق رکھتا ہے تاہم لیلیٰ بختیار نے انکشاف کیا کہ آیت کا جو حقیقی مفہوم ہے وہ مسلمان سکالر مسلمانوں کو بتانا نہیں چاہتے کہ یہ وہ بات نہیں جو دراصل قرآن فرماتا ہے۔ لیلیٰ بختیار نے ٹورانٹو سٹار کو بتایا کہ ''ترجمہ کرتے ہوئے جب میں اس سورۃ تک پہنچی تو مجھے نہایت محتاط طریقے سے اسے دیکھنا پڑا، عربی میں جو لفظ ''اضرب'' ہے اور جس کا ماہرین ادب اور اسلام پسند ترجمہ ''مارنا'' کرتے ہیں اس کے دراصل 26 معنی ہو سکتے ہیں۔ وہ میں سمجھتی ہوں کہ قرآن ایسے حالات میں مرد کو ''دور جانے'' یا ''چھوڑنے'' کا حکم دیتا ہے، ''مارنے کا نہیں۔'' ایسا لگتا ہے کہ لیلیٰ بختیار کو بیوی کو مارنے کی صدیوں سے رائج مذہبی اجازت اور عورتوں سے حقارت آمیز سلوک کے خلاف کھڑے ہونے کی قیمت ادا کرنا پڑی۔ آئی ایس این اے جو کینیڈا میں شرعی قانون کے نفاذ کی علمبردار ہے کے زیر اہتمام کئی مدارس چل رہے ہیں اور اسے سعودی عرب سے فنڈز ملتے ہیں۔ اس تنظیم نے اپنے بک سٹوروں پر اس قرآنی نسخے کی فروخت پر پابندی لگا دی۔

حجاب کیا ہے؟

یہ صرف غیر مسلمان نہیں جو پوچھتے ہیں کہ حجاب ہے کیا؟ اکثر غیر مسلم عرب شمالی امریکہ یا یورپ آنے یا پھر مشرق وسطیٰ میں بسلسلہ روزگار منتقل ہونے تک اس لفظ یا اس کے اطلاق سے آشنا نہیں ہوئے۔ یہاں تک کہ بھارت، پاکستان اور بنگلہ دیش کے انتہائی قدامت پسند علاقوں میں بھی 1970ء کے عشرے کے تیل کے عروج کے زمانے سے پہلے خواتین کے سر پر، ہر بال کو لپیٹنے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ دوپٹہ اور ساڑھی پلو کو نماز کے وقت یا

MashalBooks.org

بڑوں کے سامنے سر پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں لیا جاتا ہے۔ صومالیہ اور سب صحارا کے افریقی مسلمان ملکوں میں تو سرے سے ''حجاب'' کی اصطلاح موجود ہی نہیں تھی بلکہ سر کو خوبصورت انداز میں سجایا جاتا تھا اور یہ امر مذہبی فریضے کی بجائے فیشن کے طور پر کیا جاتا تھا۔ آج حجاب کا احیا دراصل اسلامی بنیاد پرستی اور مسلم خواتین کی مغرب کی شناخت سے ہٹ کر منفرد نظر آنے کی خواہش دونوں کا شاخسانہ معلوم ہوتا ہے۔ جنوبی ایشیا کے دوپٹے کی جگہ پر مشرق وسطیٰ کے حجاب کی روایت کی نقل کرتے ہوئے خواتین یہ اشارہ کرتی ہیں کہ مسئلہ دراصل بال چھپانے کا نہیں بلکہ ''راسخ العقیدہ'' مسلمان کے طور پر اپنی شناخت کرانے کا ہے۔ (جیسا کہ کبھی ہندوستانی شناخت کی ممانعت کی جاتی تھی۔)

تو پھر حقیقتاً حجاب کیا ہے؟ اس بات سے انکار نہیں کہ سر ڈھانپنا اسلامی سماجی روایت اور خواتین کے ورثے کا اہم حصہ ہے۔ ایک مسلمان عورت کو حجاب اوڑھنے کا حق ملنا چاہئے، لیکن اسلام پسند اسے ایک قدم آگے لے گئے ہیں، ایک بہت بڑے قدم کے طور پر اور کہتے ہیں کہ حجاب لازمی روایت ہے اور یہ کہ حجاب نہ پہننے والی خواتین سرے سے مسلمان ہی نہیں۔ حجاب دراصل مذہبی فریضے سے زیادہ سیاسی معاملہ بن چکا ہے۔

جو بات اسلام پسند ماننے کو تیار نہیں وہ یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں خواتین کا پردہ کرنا ساتویں صدی میں ایران اور بازنطائن کی فتح تک مسلمانوں کے لباس کا حصہ نہیں تھا۔ تاہم مفتوحہ تہذیبوں کے ساتھ ادغام کے بعد سر ڈھانپنے اور پردے کو اسلامی روایت کا مناسب اظہار سمجھا جانے لگا چونکہ کسی ملازمت پیشہ خاتون کے لئے برقعہ اوڑھنا ناقابل عمل تھا جبکہ کسی برقعہ پوش کو اونچی کلاس کا فرد سمجھا جاتا تھا کہ اس کا شوہر اتنا امیر ہے کہ یہ عورت فارغ البال رہتی ہے۔

امریکی ریاست کینٹکی کی یونیورسٹی آف لوز ویلی کے پروفیسر اور اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن کے صدر ابراہیم بی سید لکھتے ہیں کہ حجاب کے لغوی معانی ہیں ''پردہ'' پارٹیشن اور علیحدگی Seperation۔ ابراہیم سید کے مطابق جب قبل از اسلام عرب جنگ پر جاتے تھے تو خواتین جنگجو مردوں کو رخصت کرتے ہوئے اپنی چھاتیاں ننگی کر لیتی تھیں تاکہ ان کی حوصلہ افزائی ہو سکے یا وہ جنگ میں جوانمردی دکھائیں۔ یہ رسم اسلام کے ظہور کے بعد اس وقت تبدیلی ہوئی جب حضرت محمدؐ پر ایک قرآنی وحی نازل ہوئی کہ خواتین اپنی چھاتیاں ''خمر'' سے

ڈھانپ کر رکھیں۔ یہ کپڑا عرب عورتیں سر ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتی تھیں۔

پولینڈ کے محترم اسلامی سکالر محمد اسد اسی قرآنی آیات (24:31) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اسم خمر Khimar (جنکے جمع خمور ہے) وہ کپڑا تھا جسے قبل از اسلام اور اسلام کے ظہور کے بعد عرب عورتیں روایتی طور پر سر ڈھانپنے کے لئے استعمال کرتی تھیں، اکثر قدیم مبصرین کے مطابق یہ کپڑا قبل از اسلام زمانوں میں کم و بیش ایک زیور کے طور پر پہنا جاتا تھا اور خاتون کی پشت پر ڈھیلی ڈھالے انداز میں پڑا رہتا تھا۔ اس وقت کے مروجہ فیشن کے تحت خواتین کی قمیض کا بالائی حصہ کافی کھلا ہوتا تھا اور چھاتیاں ننگی چھوڑ دی جاتی تھیں، لہٰذا چھاتیوں کو خمر سے ڈھانپنے کا مطلب ضروری نہیں کہ دوسرے معنوں (یعنی سر ڈھانپنے) میں لیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ واضح کرنا تھا کہ ایک خاتون کی چھاتیاں اس کے جسم کے ان حصوں میں شامل نہیں جنہیں ''عیاں کرنا شائستگی ہے'' لہٰذا اسے ظاہر نہیں کیا جانا چاہئے۔''

قرآن واضح طور پر یہ نہیں فرماتا کہ خواتین کو نقاب اوڑھنا چاہئے یا انہیں مردوں کی دنیا سے الگ تھلگ رکھا جائے بلکہ اس کے برعکس قرآن خواتین کے معاشرے میں بھرپور کردار پر زور دیتا ہے۔ لبنانی سکالر ناظرہ زین الدین کہتی ہیں کہ خواتین کا خود پر قابو پانا سر سے پاؤں تک مفید ہونے سے بہتر اخلاقی معیار ہے۔

اپنی کتاب ''الصفور والحجاب'' میں وہ ثابت کرتی ہیں کہ حجاب پہننا مسلم خواتین کا اسلامی فریضہ نہیں۔ وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ حجاب کو زبردستی مسلط کر کے معاشرہ اپنی ہی روایات اور رسوم کا قیدی بن جاتی ہے۔ خواتین کو نقاب پر مجبور کر کے مرد اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ انہیں اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں پر شک ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ مرد ''اپنی قریب ترین اور عزیز ترین'' عورتوں پر شک کریں۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ سر ڈھانپنا اور برقعہ پہننا کب اسلامی قانون کا حصہ بنا، جو بات ہمیں معلوم ہے وہ یہ ہے کہ وہ قوانین جو شریعت کے طور پر ابھرے آٹھویں اور نویں صدی کے دوران تیار ہوئے جب بغداد کے عباسی خلفا اسلامی سلطنت پر حکمرانی کر رہے تھے، پروفیسر ابراہیم سید کے بقول ''اسلام کے وکیل فقہا'' نے ایک مذہبی ماحول میں اسلامی

MashalBooks.org

قوانین اور اخلاقیات کے قواعد کی تشکیل کا از خود فریضہ سنبھال لیا۔ یہی وہ فقہا تھے جنہوں نے خواتین کے لباس سے متعلق قرآنی قوانین کی بتدریج مطلقاً اور دوٹوک انداز میں تشریح کر ڈالی۔ جس میں انہوں نے اپنے انداز سے اس دور اور علاقے کی رسوم اور ثقافت کی عکاسی کی۔

مراکش کی ماہر سماجیات اور حقوق نسواں کی علمبردار فاطمہ مرنیسی اپنی کتاب ''پردہ اور مرد اشرافیہ: اسلام میں حقوق نسواں کی ایک نسوانی تشریح'' میں لکھتی ہیں کہ حضورؐ کی احادیث اور قرآنی تعلیمات کی مردوں کی اسی اشرافیہ نے اپنی مرضی کی تشریح کی جن کا اقتدار صرف مذہب کے ذریعے جائز قرار دیا جا سکتا تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ مردوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے احادیث گھڑی گئیں اور خواتین کے اسلامی معاشرے میں بھرپور کردار سے انکار کیا گیا۔ فاطمہ مرنیسی نے خواتین کو الگ تھلگ کرنے کے قدیم نظریے کو ہدف تنقید بنایا ہے، وہ کہتی ہیں کہ یہ مقصد مقدس کتابوں کی مرضی سے توڑ مروڑ کر حاصل کیا گیا ''مسلم معاشروں میں اقتدار کی روایت کی ساختیاتی خصوصیات۔''

کینیڈا میں حقوق نسواں کی رہنما فرزانہ حسن، ''اسلام، خواتین اور آج کے چیلنج'' کی مصنفہ، ایسے اسلام پسندوں کی بھرپور ناقد رہی ہیں جو حجاب کو مسلمان خواتین کے لباس کا لازمی حصہ قرار دیتے ہیں۔ اپنی رائے کا اظہار کرنے پر انہیں قتل کی دھمکیاں دی گئیں اور اسلام کا دشمن، مرتد اور موت کا حقدار قرار دیا گیا۔ ''حجاب'' کے معنی پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں کہ: ''جب حجاب کا ذکر ہوتا ہے تو اس سے زیادہ تر قرآن کی مراد انکساری ہوتی ہے، اس کے علاوہ حجاب ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے، قرآن نے جس انکساری کی ہدایت کی ہے اس کا افعال یا وضع قطع کی انکساری سے کم ہی تعلق ہے۔''

ایک جگہ پر وہ لکھتی ہیں کہ ''قرآن خواتین کے مخصوص لباس کے حوالے سے خاموش ہے.......... ماسوائے اس موقع پر جہاں اس نے خواتین کو اپنا سینہ ''خمر'' سے ڈھانپنے کا مشورہ دیا ہے.......... یہ کپڑا قدیم دور کی روایت کی حوصلہ شکنی کے لئے تھا جب خواتین چھاتیوں کی نمائش کرنے والے کپڑے کبھی کبھی پہنتی تھیں۔''

اگر خدا یہ چاہتا کہ خواتین اپنے سروں اور بالوں کو ڈھانپ کر رکھیں تو اس نے قرآن میں دوٹوک انداز میں اس کا حکم کیوں نہیں دیا؟ کیونکہ کون اسے یہ قرآنی وحی نازل

MashalBooks.org

فرمانے سے روک سکتا تھا کہ مسلمان خواتین اپنے سر ڈھانپ کر رکھیں، لیکن خدا نے ایسا نہیں کیا چھاتی کے لئے عربی میں لفظ جیب ہے، جس کا ذکر آیت 24:31 میں ملتا ہے لیکن سر کے لئے عربی لفظ (راس) یا بال (شعر) اس آیت کا حصہ نہیں، اس آیت کا حکم بالکل واضح ہے کہ اپنا سینہ یا چھاتی ڈھانپ کر رکھو، لیکن قدیم دور کے علما کی چال اور معاصر مبصرین جو ان سکالروں سے اختلاف نہیں کرنا چاہتے کی بزدلی کے باعث مسلمانوں کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ قرآن نے سر اور بال ڈھانپنے کا درس دیا ہے۔

ایتھا کا کالج (Ithaca College) میں سیاسیات کی پروفیسر اسما برلاس کا بھی یہ نقطہ نظر ہے کہ حجاب مسلم خواتین کے ڈریس کوڈ کا لازمی حصہ نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ قدامت پسند لوگ اس قرآنی آیت کو اس معنی میں پڑھتے ہیں تا کہ مسلمان مردوں کو خواتین کے حجاب سے برقعہ پہننے تک ہر کام پر مجبور کرنے کا حق مل سکے۔ وہ اس قسم کے پردے کو ان بنیادوں پر جائز قرار دیتے ہیں کہ عورتوں کے جسم شرمگاہیں ہیں، جنہیں دیکھنے والا جنسی اشتعال میں آ سکتا ہے، لہٰذا مسلمان مردوں کی نظروں سے بچانے کے لئے خواتین کا جسم ڈھانپنا ضروری ہے۔ اسما برلاس کہتی ہیں کہ خواتین سے متعلق ان تمام تصورات کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں لیکن اس کے باوجود قدامت پسند مسلمان بدستور ان سے چمٹے ہوئے ہیں۔

فاطمہ مرنیسی قرآن میں لفظ حجاب کے ایک اور معنی کی بھی نشاندہی کرتی ہیں، اس سے مراد وہ پردہ ہے جو ''خدا کو مردوں سے چھپا دیتا ہے۔'' یعنی ایسے افراد خدا کو پہچاننے کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں۔ قرآن کے ایک اور حوالے کے طور پر فاطمہ کہتی ہیں کہ حجاب دراصل ایسی چیز ہے ''جو انسانی عقل و شعور کمزور کر دیتا ہے''۔ ان کا خیال ہے کہ بعض اوقات لفظ حجاب کے معنی ''نہایت منفی اہمیت'' کے بھی نکلتے ہیں۔

ٹورانٹو کے ایک بک سٹور پر نمایاں جگہ آویزاں پیپر بیک پہ چیختی چنگھاڑتی جلی سرخی لکھی تھی: جہنم میں جانے کی مستحق عورتیں' یہ کتاب جو برطانوی لائبریریوں اور مساجد میں بھی عام دستیاب ہے میں ایسی خواتین کی فہرست ہے جو ہمیشہ جہنم میں رہیں گی، ان میں

☆ ایسی عورت جو ہر کسی سے اپنے شوہر کی برائیاں کرتی ہے۔

☆ ایسی عورت جو بناؤ سنگھار کرتی ہے۔

MashalBooks.org

☆ ایسی عورت جو مردوں کی نقل کرتی ہو، جسم پر نشانات Tatoos کندہ کرواتی ہو، بال کٹواتی ہو اور وضع قطع تبدیل کرتی ہو۔

متعصب عناصر کی طرف سے یہ کتاب کوئی الگ تھلگ کوشش نہیں بلکہ بڑھتے ہوئے رجحان کا حصہ ہے۔ فاطمہ مرنیسی لکھتی ہیں کہ خواتین اسلام اور پردے کے موضوع پر قدیم دور میں لکھی گئی کتابوں کے نئے ایڈیشن ایسے مذہبی عناصر بڑے پیمانے پر شائع کر رہے ہیں جو ان کے بقول ''اسلام کے مستقبل سے پریشان ہیں'' ایسی کتابوں کے پیش لفظ میں لکھا ہوتا ہے کہ ان کی اشاعت کا مقصد ''مسلمان معاشرے کو تبدیلی کے عمل سے لاحق خطرے سے بچانا ہے۔'' وہ لکھتی ہیں کہ ایسے وقت میں جب عام عرب اشاعتی صنعت سکتے کی حالت میں ہے یہ بات جان کر حیرت ہوتی ہے کہ پرانی کتابوں کے انتہائی پرکشش اور قیمتی نئے ایڈیشن نہایت کم قیمت پر دستیاب ہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں بالخصوص قرون اولیٰ کی تصنیف کی ''کتاب احکام النسا'' کا ذکر کیا ہے جس کے مصنف تیرہویں صدی کے سکالر ابن الجوزی ہیں اور یہ ایڈیشن مصر میں شائع کیا گیا ہے۔

پروفیسر اسما برلاس، آمنہ فردود، سوشیالوجسٹ فاطمہ مرنیسی، سماجی کارکن فرزانہ حسن اور راحیلہ رضا (جنہوں نے کینیڈا میں پہلی بار مسلمان خواتین کی نماز کی امامت کی) جیسی خواتین اگرچہ بہادر ہیں لیکن ان کے مقابلے میں طاقتور اسلام پسند اشرافیہ صف آراء ہے۔ ان کے علاوہ 2 دیگر خواتین جن میں ''دی ٹربل ود اسلام ٹوڈے'' کی مصنفہ ارشاد مانجی اور ''سٹنڈنگ ان مکہ'' کی مصنفہ عصرہ نعمانی شامل ہیں نے بھی اسلام پسند اسٹیبلشمنٹ کو زبردست انداز میں للکارا ہے لیکن ان کے مقدمے کے میرٹ پر مباحثہ کرنے کی بجائے دونوں کو توجہ کی بھوکی اور مغرب کے سامنے معذرت خواہی کرنے والی خواتین کہہ کر مسترد کر دیا گیا ہے۔ دیگر مسلمان مصنفین اس موضوع پر اتنی محتاط انداز میں لکھتے ہیں تاکہ انہیں حجاب پہننے والی خواتین کے خلاف جارحیت نہ سمجھا جائے۔ اگرچہ انہوں نے بعض چبھتے ہوئے سوال اٹھائے ہیں جو خود شناسی میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں تاہم انہوں نے ان سوالات کا جواب دینے سے گریز کیا ہے۔ اس کی ایک مثال سید عثمان شیر کی کتاب ''Religion God and Islam'' ہے۔ پاکستان کے ریٹائرڈ سول سرونٹ جو اب کینیڈا میں مقیم ہیں لکھتے ہیں کہ:

''کیا اب خواتین کو کپڑے کے ٹکڑے یا مسلمان ہونے کی شناخت کی وجہ سے زیادتی سے بچایا جا سکتا ہے؟ کیا مسلمان پرانے وقتوں کے مکہ اور مدینہ کی تاریک گلیوں میں رہ رہے ہیں کہ انہیں اپنے تحفظ کے لئے ایسی تدابیر کی ضرورت ہے؟ کیا باہر گھومنے کے لئے تجویز کیا جانے والا برقعہ اس وقت بھی ضروری ہے جب خواتین کسی عمارت کے اندر اپنے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کے پاس ہوتی ہیں؟ کیا کسی خاتون کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ محض آنکھیں چھوڑ کر سر سے پاؤں تک خود کو ڈھانپ کر رکھے''۔

حجاب کے تنازعے کا تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ یہ صرف مرد نہیں بلکہ انتہائی قدامت پسند خواتین بھی ہیں جو سر ڈھانپنے یا پردہ کرنے کو فریضے کے طور پر فروغ دینے میں پیش پیش ہیں۔ حجاب کا دفاع کرنا اسلام کا دفاع کرنے کے مترادف سمجھا جا رہا ہے گویا دونوں ایک ہی چیز کے دو نام ہوں لیکن دفاع کرنے والے یہ وضاحت نہیں کر سکتے کہ سر ڈھانپنے کے جس عمل کو وہ جائز قرار دیتے ہیں اس کی جڑیں مصر کی اخوان المسلمین کے پیروکاروں اور فلسطین میں کیوں ہیں اور بنگلہ دیش اور صومالیہ میں سر کو کیوں نہیں ڈھانپا جاتا۔ شاید ایسی نوجوان خواتین جانتی ہیں کہ جس چیز سے وہ سر ڈھانپتی ہیں وہ مذہبی نہیں سیاسی علامت ہے۔ انہیں کہنا چاہئے کہ ''میں مغربی روایات کو مسترد کرتی ہوں اور ایسا کرتے ہوئے میں اپنے ورثے، والدہ اور دادی اور اخوان المسلمین کے لئے کام کرنے والوں کی نقالی کو بھی مسترد کرتی ہوں۔''

خواتین حجاب کیوں پہن رہی ہیں؟

اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ تاریخی اور مذہبی دونوں حوالوں سے کافی شواہد موجود ہیں کہ سر ڈھانپنا مسلمان خواتین پر واجب نہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ حجاب پہننے کے خبط کا زیادہ ابال مڈل کلاس کی عورتوں میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر مسلمان خواتین اس مشغلے کو کیوں اختیار کر رہی ہیں جبکہ قرآن ان کو ایسا کوئی حکم نہیں دیتا؟

2003 میں کینیڈین کونسل آف مسلم ویمن نے کینیڈا میں حجاب کے بڑھتے رجحان سے متعلق ایشوز کے منظم جائزے کے لئے علم انسان (Anthropology) مطالعہ اسلام اور سوشیالوجی کے شعبوں سے وابستہ ماہرین کو مدعو کیا۔

ریم مشال جو اس وقت ٹورانٹو یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی طالبہ تھیں ان سکالروں میں شامل تھیں جنھوں نے ان وجوہات کا احاطہ کیا کہ خواتین حجاب کو قبول یا مسترد کیوں کرتی ہیں۔ اس کے نتائج سے شاید یہ پتہ چل سکے کہ آخر کئی خواتین حجاب پہننے پر کیوں مصر ہیں حالانکہ ایسا کرنا لازم نہیں۔ ریم مشال لکھتی ہیں کہ جب خواتین سے یہ پوچھا گیا کہ آپ حجاب کے لئے کن عوامل Sources سے متاثر ہوئیں' تو خواتین کی ایک بڑی تعداد نے کہا کہ ''قرآن اور احادیث سے' تاہم جب یہ پوچھا گیا کہ آپ وہ ٹیکسٹ (آیت یا حدیث) بتائیں جس میں حجاب پہننے کو لازم قرار دیا گیا ہے تو وہ جواب دینے سے زیادہ معذور نظر آئیں، اپنے مشاہدات پر تبصرہ کرتے ہوئے مشال لکھتی ہیں کہ:

''احتجاج سے قطع نظر ہمارے سروے کے دوران خواتین ان قرآنی آیات کے گول مول ترجمے کا حوالہ دیتی ہیں جن میں حجاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں میں ایسی (حجابی) خواتین کے اسلامی قرآنی حوالوں سے متعلق ریمارکس بیان کر رہی ہوں:

مجھے معلوم ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر ہے لیکن پتہ نہیں وہ آیات کون سی ہیں جن کی ہر کوئی بات کر رہا ہے آپ کسی عالم سے پوچھ لیں۔''

مشال نے اخذ کیا ہے کہ جن خواتین سے رابطہ کیا گیا تھا انہیں اسلامی ٹیکسٹ کا بہت کم علم تھا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان خواتین کو مذہبی علم بنیادی طور پر زبانی ذرائع یا خاندانی اور مسجد کے (فلٹر شدہ مذہبی عقیدہ کے) توسط سے ملا۔

ریم مشال کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ کینیڈا کی مساجد مسلمان خواتین کے لئے حجاب کو آئیڈیل قرار دینے کی ترویج کر رہی ہیں، مساجد کی طرف سے یہ پیغام ہے کہ ایسی مسلم خواتین جو حجاب نہیں پہنتیں، بے شرم ہیں یا ان کا ایمان کمزور ہے۔ بدقسمتی سے خواتین نے اس عقیدے کو داخلی حیثیت دے کر اسے تعلیمی اداروں اور قومی اسلامی تنظیموں تک پہنچا دیا ہے، اس حوالے سے مشال نے لکھا ہے کہ:

''جو پیغام ہمارے سروے میں شامل خواتین نے دیا ہے جس کی مساجد کی طرف سے تشہیر کی جا رہی ہے اور قومی اور کیمپس کی تنظیموں میں بھی اس کی علامات ملتی ہیں، اور ان تنظیموں کی اکثریت پہلے ہی حجاب کی حامی ہے............ ایڈمونٹن کی ایک عورت نے ''ہفتہ آگاہی اسلام'' کے دوران اپنے کیمپس میں یہ بتایا کہ ''ہمارے مسلم کیمپس کی ایسوسی ایشن

Mashalbooks.org

کی خواتین کو مرد طلبا نے خبردار کیا کہ جو عورت حجاب نہیں اوڑھے گی اسے (معلوماتی) ڈیسک پر خوش آمدید نہیں کہا جائے گا۔''

ایک اور خاتون نے حجاب سے متعلق اپنی فیملی کے دباؤ کا ذکر کرتے ہوئے مشال کو بتایا کہ ''میرے والد نے کہا کہ تم اگر حجاب نہیں کرو گی تو میں گریجوایشن کی تقریب میں شرکت کے لئے نہیں آؤں گا۔''

اس موقع پر انسان سر کھجاتے ہوئے حیران ہوتا ہے کہ کس طرح کئی مسلمان حجاب کو اسلام کا بنیادی ستون سمجھتے ہیں۔ ایک باپ کو کس نے رضا مند کیا کہ وہ اپنی بیٹی کی گرایجویشن کی تقریب میں محض اس لئے شرکت نہیں کرے گا کیونکہ اس کا سر ڈھکا ہوا نہیں؟ اور ایسی خاتون کے بارے میں کیا کہے گا جو ویلفیئر فراڈ کی مجرم قرار دی گئی تھی اور اس نے پولیس کے خلاف اس الزام کے تحت دیوانی دعویٰ کر دیا کہ اس حراست کے دوران حجاب اتارنے کو کہا گیا؟

کیلی فورنیا کے علاقے سانتا آنا کی سوہیر حاطب سے ملیے، حاطب اور اس کے شوہر کو 2006ء میں ویلفیئر فراڈ کے الزام میں 3 سال قید کی سزا، پروبیشن اور 30 ایام کی کمیونٹی سروس کی سزا سنائی گئی۔ اپنے فراڈ پر شرمسار ہونے کی بجائے سوہیر حاطب نے اخبار لاس اینجلس ٹائمز کو بتایا کہ جب جیل حکام نے مسلسل 8 گھنٹے تک مجھے سکارف اتارنے کو کہا تو اس سے ''مجھے انتہائی ذہنی اور جذباتی اذیت پہنچی۔'' اس نے اخبار کو بتایا کہ ''حجاب فرض ہے'' اور اس کے بغیر یہ امر خفت کا باعث ہے کہ ایک عورت ننگے سر اور ننگی گردن کے ساتھ عدالت اور جیل میں نامحرم مردوں کے سامنے کھڑی ہو۔ بظاہر اس خاتون کو اس وقت اسلامی تعلیمات کا ذرا خیال نہ آیا جب وہ ویلفیئر فراڈ کی مرتکب ہو رہی تھی۔ اس نے یہ بھی انکشاف کیا کہ لبنان میں رہتے ہوئے اس نے اپنا سر کبھی نہیں ڈھانپا تھا لیکن امریکہ آمد کے بعد اس نے یہ ''گناہ'' ترک کر دیا۔

اوپر بیان کیا گیا واقعہ اسلام پسندوں کی کم، کم سامنے آنے والی اصلیت بیان کرتا ہے۔ ایک بات جو اس پوری کہانی میں نہیں بتائی گئی کہ فانی عناصر............ کانگریس اور پارلیمنٹ............ کے تیار کردہ قوانین کو اکثر اسلام پسند مسلمانوں پر نافذ العمل نہیں سمجھتے۔ چنانچہ فراڈ کرتے ہوئے کیلی فورنیا کے قوانین کی خلاف ورزی کوئی بڑا واقعہ نہیں سمجھا گیا

MashalBooks.org

لیکن جب معاملہ حجاب کا آتا ہے تو یہ ایک اور ہی کہانی ہے چونکہ کئی خواتین غلطی سے یہ سمجھتی ہیں اور مردوں کی طرف سے انہیں یہی بتایا جاتا ہے کہ خدا ہی نے سر ڈھانپنے کا قانون تحریر فرمایا۔

حجاب بطور چوائس!

پھر ایک اور دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حجاب اپنی مرضی (چوائس) کا معاملہ ہے۔ یقیناً کوئی بھی کسی عورت کے حجاب اوڑھنے کے حق سے انکار نہیں کر سکتا لیکن حجاب کے حقوق نسواں کے غیر مسلم حامی جو دلائل دیتے ہیں وہ بے جان ہیں۔ وہی مسلمان عورتیں جو حجاب پہننے کی چوائس کا حق مانگتی ہیں۔ اس حق کے تحت اپنی ان بہنوں کی حوائس سے انکار کرتی ہیں جو حجاب نہیں اوڑھنا چاہتیں۔

مجھے اس دوہرے معیار کا مشاہدہ 1999ء میں اس وقت ہوا جب میں نے ''مسلم کرانیکل'' ٹی وی شو کے لئے مروکواکجی Merve Kavakci کا انٹرویو کیا۔ وہ ترک نژاد امریکی اسلام پسند ہیں جو ترکی کی پارلیمنٹ کی رکن منتخب ہوئیں لیکن ان کے بقول انہیں حلف اٹھانے سے اس لئے روک دیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے حجاب اتارنے سے انکار کر دیا تھا۔ دوسری طرف ترکی کی حکومت کا موقف ہے کہ کواکجی کو اس لئے روکا گیا کیونکہ وہ امریکی شہری ہیں۔ انٹرویو کے دوران میں نے ان سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے پوچھا کہ: اگر آپ ترک پارلیمنٹ سے حجاب پہننے والی رکن خواتین پر پابندی ختم کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں تو کیا آپ یہ مطالبہ بھی کریں گی کہ ایرانی پارلیمنٹ ایسی خواتین پر رکنیت کی پابندی نہ لگائے جو حجاب پہننے سے انکار کرتی ہیں؟

ان کے جواب سے میں ششدر رہ گیا۔ انہوں نے ایرانی پارلیمنٹ کی طرف سے حجاب لازمی قرار دینے کے فیصلے کا دفاع کیا اور کہا کہ ایسی ایرانی خواتین جو حجاب نہیں اوڑھتیں کو ایرانی قانون کا احترام کرنا چاہئے۔ ان کا موقف انتہائی مضحکہ خیز تھا اور ایک لمحے کے لئے میں بات کرنا بھول گیا۔ جب میں ان کے دوہرے معیار کی نشاندہی کی تو انہوں نے تھوڑی سی خفت ظاہر کی لیکن اپنے اس موقف پر سختی سے قائم رہیں کہ ایران میں حجاب پہننے کے قانون پر عمل ہونا چاہئے۔

MashalBooks.org

اس معاملے میں مرو کو اکیلی تنہا نہیں، دوہرے معیار کا اسلام پسند خواتین میں بڑے پیمانے پر مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ کینیڈا کی ایک سرد صبح—— میں نے ہفتہ 17 جنوری 2004ء کو نے تقریباً ایک سو خواتین کے مظاہرے میں شرکت کی جو فرانس میں حجاب پر پابندی کے خلاف احتجاج کر رہی تھیں۔ اگرچہ میں سر ڈھانپنے کو لازمی اسلامی لباس قرار دینے کا مخالف ہوں لیکن میں خواتین کے حجاب پہننے کا حق کا مکمل حامی ہوں۔ کچھ لوگ اسے تضاد سمجھتے ہیں لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا۔ مذہبی دیو مالاؤں کو بے نقاب یا اس کی مخالفت کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ میں حجاب پر قانوناً پابندی سے اتفاق کروں۔ دیو مالاؤں کو کیونکر غیر قانونی قرار دیا جا سکتا ہے۔

نعرے لگاتی نوجوان حجابی خواتین اور ان کے ''برادر'' فرانسیسی قونصل خانے کے باہر پلے کارڈ اٹھائے سردی سے کپکپا رہے تھے۔ تاہم اپنے ساتھی مسلمانوں سے اظہار یکجہتی کے لئے مارچ کرتے ہوئے میں یہ سوچ رہا تھا کہ فرانسیسی اقدام کے خلاف ہمارا ردعمل عالمگیر اصولوں کی بنیاد نہیں۔ ممکن ہے کہ فرانسیسی قانون اگر نسل پرستی پر مبنی نہیں تو احمقانہ ہو لیکن ہمارا غصہ غیر مسلموں کے لئے دروازہ کھول دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں پر دوہرے معیار کا الزام لگائیں۔

اگر کینیڈا کے مسلمان یہ محسوس کرتے ہیں کہ حکومتوں کو اس بات میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے کہ شہریوں کو کیا پہننا چاہئے اور کیا نہیں تو ہمیں اس اصول کو صرف فرانس نہیں تمام حکومتوں پر لاگو کرنا چاہئے اگر مسلمان حجاب کے خلاف فرانسیسی قانون کو جارحانہ تصور کرتے ہیں تو پھر سعودی اور ایرانی قانون کی بھی مذمت کرنی چاہئے کیونکہ ان کا قانون بھی خواتین کو چوائس کے حق سے محروم کرتا ہے اگر فرانسیسی قانون سکولوں میں حجاب پہننے کی ممانعت کرتا ہے تو سعودی اور ایرانی قوانین خواتین کو حجاب کے بغیر باہر پھرنے سے روکتے ہیں۔

سعودی قانون کے اطلاق کی انتہائی گھناؤنی مثال یہ ہے کہ 2002ء میں سکول کی 15 بچیاں محض اس وجہ سے زندہ جل گئیں کہ انہیں مارچ 2002ء میں مکہ میں اپنے جلتے ہوئے سکول سے نام نہاد مناسب اسلامی لباس نہ پہننے پر بھاگنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اس وقت فرانسیسی قونصل خانے کے باہر احتجاج کرنے والی حجابی مسلمان عورتیں کہاں تھیں

MashalBooks.org

اور انہوں نے سعودی عرب اور ایران کے حجابی قوانین کو کیوں نہ للکارا؟ انہوں نے سعودی عرب اور ایرانی قونصل خانوں کے باہر احتجاج کی زحمت کیوں نہ کی؟ مسلمانوں کا یہ قہر صرف فرانس پر کیوں ٹوٹ رہا ہے؟ محض اس لئے کہ سعودی عرب اور ایران مسلمان ملک ہیں جو فرضی اسلامی ریاست کی عملی تفسیر ہونے کے دعویدار ہیں؟

اس سرد صبح کو فرانسیسی قونصلیٹ کے باہر میں نے کئی افراد سے پوچھا تھا کہ کیا آپ اسی نوعیت کا احتجاج سعودی عرب اور ایران کے خلاف بھی کریں گے۔ اگرچہ بعض شرکاء نے میری ذہنی منطق سے اتفاق کیا لیکن کئی دیگر نے میری سوالات کا خالی نظروں سے جواب دیا یا پھر سرے سے اس موضوع پر گفتگو سے انکار کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ سعودی عرب اور ایران میں مسلمان خواتین کی حالت زار ان مسائل سے کہیں زیادہ بدتر ہے جو ان کی بہنوں کو فرانس میں درپیش ہیں۔ اس کے باوجود نوجوان خواتین مسلمان مظاہرین مسلمان ملکوں میں ہونے والے جبر کی طرف آنکھیں بند کر کے اطمینان محسوس کر رہی ہیں۔ ان کی طرف سے ایسے دوہرے معیار کا اظہار انتہائی مایوس کن ہے۔

ٹورانٹو کی ایک حجابی طالبہ سے گفتگو کے دوران میں نے اسے فرانسیسی مصنفہ مونا نائم کا کچھ عرصہ قبل اخبار ''لے مونڈ'' میں لکھا گیا آرٹیکل دکھایا۔ یہ مضمون ایک 13 سالہ سعودی لڑکی سے متعلق تھا جس نے سوال کیا تھا کہ ''میں لڑکی کیوں پیدا ہوئی؟ یہ ملک مردوں کا ہے، اور کاش میں بھی مرد ہوتی۔'' ''لے مونڈ'' کی نامہ نگار نے لکھا کہ جہاں کئی سعودی عورتیں رضا کارانہ طور پر حجاب اوڑھتی ہیں وہاں کئی دیگر اسے ناقابل برداشت سمجھتی ہیں کیونکہ یہ ناپسندیدہ پابندی انہیں طوعاً کرہاً ماننا پڑتی ہے۔ جس کے تحت جسم کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی ننگا نہیں رکھا جا سکتا، اس طرح خواتین بدوضع سایہ بن کر رہ جاتی ہیں۔

میں نے ٹورانٹو کی اس حجابی طالبہ سے پوچھا کہ وہ اپنی سعودی بہن کے بارے میں کیا کہے گی، اس کا جواب وہی تجاہل عارفانہ تھا جس کا کئی اسلام پسند مجھ سے پہلے ہی اظہار کر چکے ہیں۔ ''یہ محض فرانس کا پراپیگنڈہ ہے، میں سمجھتی ہوں کہ ''لے مونڈ'' ایک صیہونی اخبار ہے'' اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا اور نعرے لگانے کے لئے جمع لوگوں کی طرف چلی گئی۔

فرانسیسی قونصلیٹ کے باہر مظاہروں کے ایام میں انٹرنیٹ پر نمایاں بحث چھڑ گئی

کہ کیا سعودی اور فرانسیسی قوانین دونوں ان دلائل میں شامل ہیں۔ یعنی شہریوں کے لباس میں حکومتی مداخلت کا معاملہ۔ کینیڈا کی نیشنل ایکشن کمیٹی برائے خواتین کی سابق سربراہ جوڈی ریبک جوان دنوں البرسن یونیورسٹی ٹورانٹو میں پروفیسر ہیں نے مظاہروں کی حمایت کی لیکن ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ سعودی عرب پر تنقید کئے بغیر صرف فرانس کے خلاف مظاہروں سے غلط پیغام ملے گا، انہوں نے لکھا کہ ''اسی طرح کی تشویش کا اظہار مجھ سے مشرق وسطیٰ نے بھی کیا ہے۔ اگر ہم فرانس میں رہ رہے ہوتے تو یہ الگ بات تھی لیکن چونکہ ہم ایک بیرونی حکومت کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں اس لئے میرے خیال میں ہمیں دونوں طرف کے مسئلے کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے۔ میرے خیال میں ہم اگر ایسی غیر ملکی حکومت کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں جو خواتین کو حجاب نہ پہننے پر مجبور کرتی ہے تو ہمیں زبردستی حجاب اوڑھنے کے خلاف بھی احتجاج کرنا چاہئے۔''

جوڈی ریبک مزید کہتی ہیں کہ ''فرانس میں نسل پرستی اور اسلامی فوبیا ہے جبکہ سعودی عرب میں بنیاد پرستی اور صنف پرستی Sexism ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک اچھا وقت ہے کہ ہم ثابت کریں کہ ہم دنیا میں کسی بھی جگہ پر جبر سے نجات کے حامی ہیں۔''

مسلم خواتین جو حجاب کی وکالت کرتی ہیں کو دل سے جوڈی ایبک کی بات پر کان دھرنے چاہئیں۔ عالمگیریت کے اصول کے اطلاق میں ناکامی نے مسلمانوں کی ساکھ کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔

جب ہم مسلمان یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ ہمارے حقوق کا احترام کریں تو ہم میں یہ حوصلہ اور دیانتداری بھی ہونی چاہئے کہ اپنی کمیونٹی کے اندر جبر کا اعتراف کریں اور اس کے خلاف آواز اٹھائیں۔ تاہم اسلام پسندوں کے نزدیک انسانی حقوق کی بنیاد منطق، عقلی دلائل اور تمام انسانوں کی برابری پر استوار نہیں۔ جب وہ انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد قدیم دور کی حقارت ہوتی ہے جسے گمراہ کن طور پر الوہی وحی سے جوڑا گیا ہے۔ کوئی بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ یہ رویے اس ریاست میں کیسے ہوں گے جو اسلام پسندوں کی نگرانی میں چل رہی ہو گی۔ ہمیں صرف ایران اور سعودی عرب میں خواتین کی حالت زار دیکھنی چاہئے، یہ دونوں اسلامی ریاست کا متبادل نمونہ ہیں، ایک شیعہ اور دوسری سنی جو آپس میں دست و گریبان ہیں لیکن اس بات پر متحد ہیں کہ خواتین کو

MashalBooks.org

مذہبی طور پر مردوں کا فرمانبردار بنایا گیا ہے۔

موسیقی پر پابندی:

اسلام پسندوں کی سر ڈھانپنے سے متعلق جارحیت کے مماثل صرف ان کی طرف سے موسیقی کی مذمت ہے۔ اس کا ثبوت 2004ء کے موسم گرما کے واقعے سے ملتا ہے جب شکاگو میں قائم اسلام پسند بک سٹور ''ساؤنڈ ویژن'' جو مودودی کی کتب فروخت کرتا ہے اور اس کے سعودی عرب سے قریبی روابط ہیں نے اعلان کیا کہ وہ ٹورانٹو میں ایک ''مسلم میلہ'' منعقد کرے گا۔

یہ ظاہری طور پر آرٹ اور کلچر کا فیسٹیول تھا جہاں مسلمان نوجوان اپنے فن کا مظاہرہ کریں گے، تاہم ابھی ''کال فار ٹیلنٹ'' کا نوٹس دیا ہی گیا ہوگا کہ یہ واضح ہو گیا کہ یہ اسلام پسندوں کی کلچر کی آڑ میں اپنا پیغام پھیلانے کی ایک اور کوشش ہو گی۔ بجائے اس کے کہ وہ کھل کر یہ کہتے کہ ''کسی خاتون گلوکارہ کو شرکت کی اجازت نہیں''، منتظمین نے ڈھکے چھپے الفاظ میں گائیڈ لائن جاری کی کہ ''مرد آواز میں ہی پرفارمنس دی جا سکتی ہے۔'' جس سے لوگوں نے حیرت زدہ انداز میں سوچا کہ کیا کہ مردانہ آواز اٹھانے والے ہیجڑوں کی بھی شرکت کی اجازت ہوگی۔

اور گویا کہ اسلام پسند فطرت کے حوالے سے پیغام واضح نہیں ہوسکا تھا کہ اس گائیڈ لائن میں بالکل واضح تنبیہ کی گئی کہ ''تمام آرٹ ورک شریعت کی طے کردہ حدود کے اندر رہ کر جمع کرایا جائے گا۔'' منتظمین نے یہ بھی واضح کیا کہ فیسٹیول میں موسیقی کے کسی آلے کی اجازت نہیں اور صرف اونٹ کے چمڑے سے بنا ''دف'' وہ بھی اگر ضروری ہوا تو بجانے کی اجازت ہو گی۔ یہ وضاحت کرنے کے لئے شریعت سے عبارت آرٹ سے کیا مراد ہے، منتظمین نے ایک فٹ نوٹ میں کہا کہ: ''ہاتھ سے تیار کی گئی کوئی تصویر نہیں شامل ہو گی البتہ خاکہ بعض صورتوں میں قابل قبول ہو گا۔ فوٹو گراف کی اجازت اسی صورت میں ہو گی اگر اس کے اجزاء شریعت سے ہم آہنگ ہوں گے۔''

چند لوگوں نے ہی اس نفیس پرنٹ میں دفن خواتین کی شرکت کی ممانعت کی شرط پر غور کیا ہو گا، بعد ازاں کئی مسلم آرٹسٹوں کو پتہ چلا کہ کئی انٹریاں کوئی وجہ بتائے بغیر مسترد کر

MashalBooks.org

دی گئی ہیں۔ٹورانٹو کی ایک آرٹسٹ عاصمہ ارشد جس کی ملٹیمیڈیا اشیاء رائل اونٹاریو میوزیم میں نمائش کے لئے لگی تھیں بھی اس فیسٹیول میں اپنا کام دکھانا چاہتی تھی لیکن اس نے اخبار ''گلوب اینڈ میل'' کو بتایا کہ وہ ایسا اس لئے نہ کر سکی کیونکہ ''وہ اسلامی کلچر کی تنگ نظر تعریف اور اشکال والے آرٹ ورک، ستار، گٹار میوزک حتیٰ کہ تال تک بجانے کی ممانعت کے باعث الجھن محسوس کر رہی تھیں۔'' پابندیوں پر غصے کا اظہار کرتے ہوئے 2 بچوں کی ماں عاصمہ نے کہا کہ ''غیر اسلامی مواد درحقیقت کون سا ہے............ یہ لوگ اسے مسلم فیسٹ کیوں قرار دیتے ہیں جبکہ ان کی اسلام کی تشریح انتہائی تنگ نظر ہے؟''

جو بات بالخصوص تکلیف دہ تھی وہ یہ تھی کہ ''مسلم فیسٹ'' سے میوزک اور خواتین کو باہر رکھنے کی ذمہ داری نوجوان خواتین کو سونپی گئی تھی اور منتظمین یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ وہ اپنے سیکنڈ کلاس کی حیثیت کا نفاذ کر کے خود کو طاقتور کرنا چاہتے تھے۔

ٹورانٹو کے اسلام پسندوں کے کیلنڈر میں اب ''مسلم فیسٹ'' اب باقاعدگی سے منایا جاتا ہے لیکن خواتین کی عدم شرکت کی شرط کا خواتین کے ذریعے نفاذ کسی نے چیلنج نہیں کیا۔ 2005ء کے مسلم فیسٹ میں گریمی ایوارڈ یافتہ لاس اینجلس کی مسلمان سنگر ذریانی (اینی) ذونی ولڈ نے بھی فیسٹیول کی طرف سے صاف جواب موصول ہوا، اس گلوکارہ نے ''گلوب اینڈ میل'' کو بتایا کہ ''مجھے محسوس ہوا ہے کہ میرے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا۔'' اینی نے مسلم فیسٹ کے منتظمین پر ''اسلام کی غلط تشریح'' کا الزام لگایا، خواتین کو پرفارمنس سے روکنے کے حوالے سے اس گلوکارہ نے استفسار کیا کہ ''ایسا قرآن میں کہاں لکھا ہے؟''

ذریانی ذونی ولڈ نے گلوب کے رپورٹر کے سامنے انکشاف کیا کہ فیسٹیول کے آرگنائزرز ساؤنڈ ویژن (شکاگو) نے اپنی ویب سائٹ پر میری سی ڈی کی فروخت سے انکار کر دیا ہے، جس پر میں نے انہیں خط لکھ کر شکایت کی آپ مردوں کی بالادستی کی قسم والے اسلام کو فروغ دے رہے ہیں۔

مسرت اور شادمانی کے ہر، ہر پہلو پر اسلام پسندوں کی طرف سے مسلسل اور انتھک حملے جاری ہیں۔ چاہے یہ اسلام آباد میں کرائے پر ویڈیو دینے والے سٹوروں کو آگے لگانے کے واقعات ہوں یا ٹورانٹو مسلم فیسٹ میں ستار اور گیٹار بجانے پر پابندی ہو Puritanism کی یہ قوتیں خوشی کے اظہار کو شیطانی فعل سمجھتی ہیں۔ آج مسلمانوں کے

MashalBooks.org

خصوصی اجتماعات میں تالیاں نہ بجانا عام ہو چکا ہے۔ بسا اوقات کوئی نوجوان محفل میں کھڑے ہو کر خوشی کے اظہار کے لئے نعرے لگانا شروع کر دیتا ہے۔''تکبیر............تکبیر'' تا کہ تالیاں بجانے کی حوصلہ شکنی کی جا سکے۔ جس کے بعد نئے اسلامی ثقافتی انقلاب کے ریڈ گارڈ فوراً آپ سے کہیں گے ''برادر، تالیاں بجانا حرام ہے۔ اللہ تالی کی آواز سے خوش نہیں ہوتا''۔

اسلام پسندوں کی طرف سے گانے اور آلات موسیقی کی مذمت نا قابل فہم ہے، حالانکہ اس بارے میں قرآن میں ایک بھی لفظ موجود نہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ موسیقی پہلے بھی اور اب بھی عرب معاشرے کا لازمی جزو ہے۔

اسلام پسند جو موسیقی اور گانے کو برا سمجھتے ہیں کو چودھویں صدی کے عظیم مسلمان فلاسفر اور ماہر سماجیات ابن خلدون کی بات پر کان دھرنے چاہئیں۔ وہ مختلف پیشوں کی درجہ بندی کرتے ہوئے موسیقی اور تصنیف کو معاشرے کا سب سے اعلیٰ شہر قرار دیتا ہے۔ 1377ء میں لکھی گئی اپنی شاہکار کتاب ''المقدمہ'' میں انہوں نے لکھا کہ کسی معاشرے میں موسیقی کی عدم موجودگی اس کے زوال کی علامت ہے۔ انہوں نے لکھا کہ'' گانے کا ہنر کسی تہذیب کی آخری کامیابی ہوتی ہے............ اور جب کسی تہذیب کو شکست و ریخت سے دو چار ہونا ہو تو یہ پہلی چیز ہوتی ہے جو اس معاشرے میں ناپید ہو جاتی ہے۔''

اپنی بہنوں سے التجا

بنیادی طور پر امارت کی عکاسی کرنے والا حجاب اب سیاسی آلہ بن گیا ہے۔ تمام خواتین، زندگی کے کسی حصے میں چاہے سخت برفباری ہو یا بارش، اپنا سر ڈھانپتی ہیں۔ ان حالات میں مذہبی رسوم سے قطع نظر ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے، عرب کے صحراؤں میں مشرک اور مسلمان دونوں کا سر اور چہرہ ڈھانپنا انتہائی ضروری ہوتا ہے کیونکہ انہیں ریت کی آندھی اور گھر سے باہر دھوپ سے بچنا ہوتا ہے۔ لیکن جو چیز ایک مخصوص موسمی حالات میں ضروری ہے، مزاحمت کی جدید شکل میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اسلام پسندوں اور بنیاد پرستوں کی طرف سے حجاب کو جھوٹی پرہیزگاری کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔

جیسا کہ اس باب میں بحث کی گئی ہے کہ اس حوالے سے قرآن میں ایک بھی ایسا

حوالہ نہیں جس میں مسلم خواتین کو اپنے بال اور چہرہ چھپانے کا حکم دیا گیا ہو۔ صرف ایک آیت (سورۃ 24، النور۔ آیت 31) البتہ موجود ہے جو مسلمانوں کے ڈریس کوڈ کی وضاحت کے قریب قریب ہے اور اس میں خواتین کو اپنا سینہ چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود حالیہ چند عشروں میں اسلام پسندوں اور آرتھوڈاکس مسلمانوں نے خواتین کے سر ڈھانپنے کو مسلمانوں کی شناخت کا لازمی جزو بنا کر پیش کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اسلامی تاریخ میں بعض خواتین نے اپنی امارت کے اظہار کے لئے حجاب پہننے کا انتخاب کیا لیکن آج خواتین اسے بالکل الٹ وجہ سے پہنتی ہیں۔ 75 سالہ مصر کی ممتاز خواتین کے حقوق کی علمبردار نواں السعد اروی نے حال ہی میں کہا کہ: ''نوجوان عورتیں حجاب پہن کر رقص کرتی ہیں، اونچی ایڑھی والی جوتی پہنتی ہیں اور لپ سٹک لگاتی ہیں، یہ چست جینز پہنتی ہیں جن سے ان کے پیٹ ننگے نظر آتے ہیں حجاب کا اخلاقی اقدار سے کوئی واسطہ نہیں۔''

فیشن سے ہٹ کر بظاہر جدت کی اس علامت کو سیاسی اور مذہبی رنگ دیا جا رہا ہے جس کے باعث یہ مغرب میں شہری اور مذہبی آزادیوں کی بحث کا غالب حصہ بن چکا ہے۔ حجاب کی کسی بھی صورت میں مخالفت کو اسلاموفوبیا کا شاخسانہ قرار دیا جاتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ حجاب سے پہلے سر پر پہننے والا سکارف ''خمر'' عرب خواتین قرآن کے لباس اور ستر پوشی سے متعلق ہدایت سے قبل پہنتی تھیں۔ آیت 24:31 نے اس لباس کو متعارف نہیں کرایا بلکہ اس کا استعمال بہتر بنایا ہے اور مسلمان خواتین سے کہا کہ ''اپنی چھاتیوں کو خمر سے ڈھانپ کر رکھو۔'' اس حکم سے پہلے پستان جو اگرچہ زیورات سے چھپے ہوتے تھے کو ننگا رکھا جاتا تھا۔

لہٰذا حجاب یا خمر (Khimar) کو مذہبی یا سیاسی ایشو میں اس کے پس منظر میں تبدیل کرنا چاہئے۔ ایسی عورتیں جو اس کے استعمال کا غصے میں دفاع کرتی ہیں کو اسے ناگزیر قرار دینے سے پہلے تاریخ پر غور کرنا چاہئے۔ اسلام پسندوں نے حجاب کو اسلام کا مرکزی ستون (رکن) بنا کر رکھ دیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے جو اگر کوئی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے لیکن ایسا تقریباً ناممکن ہے کہ حجاب پہننے والی ایک بھی مسلمان عورت نے خمر بھی اوڑھ رکھا ہو۔ اگر یہ خواتین سر ڈھانپنے کے لئے قرآن کی آڑ لیتی ہیں تو پھر خمر کیوں نہیں پہنتیں

MashalBooks.org

جس کا حکم قرآن میں ہے؟

اسلام پسند حجاب نہ پہننے والی خواتین—— جو اکثریت میں ہیں—— کو گناہگار یا کم درجہ کا مسلمان سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ایسی خواتین کی اپنی بک سٹالوں پر کتابوں کی فروخت پر پابندی لگا دی ہے جو ان کے سامنے کھڑی ہوتی ہیں اور حقوق نسواں کی علمبردار مسلم خواتین کو مشکوک کردار کی عورتیں قرار دیا جاتا ہے اور اس بلیک میلنگ سے مشابہہ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ یہ مرد نوجوان مسلمان لڑکیوں کو اپنے سیاسی ایجنڈے کی تکمیل کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ کیا (خدانخواستہ) خدا کو گمراہ کیا جا سکتا ہے؟

MashalBooks.org

چودھواں باب

مغرب میں اسلام پسندوں کا ایجنڈا

یہ جنوری 2003ء کی ایک سرد صبح تھی، میں ٹخنے تک گہری برف میں سے گزرتا ہوا ٹورانٹو کنونشن سنٹر میں داخل ہوا، میں سعودی عرب میں قائم ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ کے اتحادی مسلمان گروپوں کے زیر اہتمام ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے آیا تھا۔ کویتی سیاستدان اپنی تقریر میں کہہ رہا تھا کہ: ''مغربی تہذیب اندر سے گل سڑ چکی ہے اور تباہ ہونے کے قریب ہے...... یہ (مغرب) اس وقت تک ترقی کرتا رہے گا جب آخر کار ایک بیرونی طاقت اس سے ٹکرائے گی اور آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ یہ کتنی تیزی سے منہ کے بل گرے گا۔''

شرکاء نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ ابھی 16 ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک ''بیرونی طاقت'' نے نائن الیون کو نیویارک ٹاورز پر حملہ کیا تھا اور یہاں کویت میں اخوان المسلمین کا ممبر طارق السویدن مغرب کے زخموں پر نمک چھڑک رہا تھا۔ شرکاء تقریباً 2 ہزار نوجوان مسلمانوں پر مشتمل تھے۔ مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (ایم ایس اے) سے تعلق رکھنے والے یہ نوجوان نہایت احتیاط سے مردوں اور عورتوں کے الگ الگ نشستوں پر بیٹھے حیرت سے سن رہے تھے۔

طارق سویدن مغرب کی تباہی کی تفصیل چارٹ کی مدد سے سمجھا رہا تھا۔ اس کے الفاظ پریشان کن تھے ہی لیکن نوجوان کینیڈین شرکاء کا ردعمل اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ وہ نہایت اشتیاق سے اس کویتی اسلام پسند کو سن رہے تھے جو اس تہذیب کی تباہی کی پیشنگوئی کر رہا تھا جس میں یہ لوگ رہ رہے تھے۔

کینیڈا میں پیدا ہونے اور تعلیم حاصل کرنے والے یہ مسلمان نوجوان آخر

MashalBooks.org

مغرب کے زوال پر کیوں خوش تھے؟ کیا وہ خود کو مغرب کا حصہ نہیں سمجھتے؟

اگر وہ سمجھتے ہیں تو پھر اس کی متوقع تباہی پر خوش کیوں تھے اور یہ کون لوگ تھے جو ''بیرونی طاقت'' کے حملے کی امید کر رہے تھے؟ یہ (کینیڈین نوجوان) ایک جمہوری مغربی ملک کے شہری ہونے کے ناتے ایک کویتی سیاستدان کو مغرب کی آخری رسومات کی بات کرنے کی اجازت کیوں دے رہے تھے بلکہ اس کی بات سن کر مسرت کا اظہار کر رہے تھے؟

9/11 کے فوراً بعد اخباری رپورٹیں، ایک ٹورانٹو سٹار اور دوسری گلوب اینڈ میل میں شائع ہوئی، ہمیں کینیڈا اور امریکہ کی یونیورسٹیوں اور سکولوں میں سرگرم اسلام پسند یوتھ تنظیموں میں پائی جانے والی اندرونی سوچ سے آگاہ کرتی ہیں۔

ٹورانٹو سٹار کے رچرڈ گوئن نے 21 اکتوبر 2001ء کو اپنے مستقل کالم میں پارک یونیورسٹی کے اندر خطبہ جمعہ کے بارے میں لکھا۔ امامت کے فرائض انجام دینے والے طالبعلم نے اپنے خطبے میں یہودیوں اور عیسائیوں کو نشانہ بنایا اور اجتماع میں شریک افراد کو مشورہ دیا کہ غیر مسلم کینیڈین افراد سے خود کو الگ کر لیں۔ مبینہ طور پر اس سٹوڈنٹ امام نے کہا کہ: ''ہم مسلمانوں کو یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہیں بنانا چاہئے یہ لوگ ہمیں کبھی قبول نہیں کریں گے۔ جنت میں صرف مسلمان جائیں گے جبکہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔''

پارک یونیورسٹی کا یہ مسلم سٹوڈنٹ لیڈر مصری تنظیم اخوان المسلمون کے نظریے کی تبلیغ کر رہا تھا، جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اس نظریے کو پنپنے کے لئے کینیڈا کے بنیاد پرست اسلام پسندوں کے کیمپوں میں زرخیز مٹی مل گئی ہے۔ ان سچے مومنین نے محروم اور مجبور اقلیت سے نسبت رکھنے والی احترام کی چادر اوڑھنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ محرومی کی اس تصویر کو کینیڈا کے تعلیمی اداروں کی انچارج احساس جرم کی شکار لبرل لیفٹ قیادت کی سند توثیق بھی مل گئی ہے۔ رچرڈ گوئن نے ٹھیک طور پر اس طالبعلم رہنما کے طنزیہ وعظ میں چھپی اسلام پسند آئیڈیالوجی کو پہچانا ہے، انہوں نے لکھا کہ:

''یہ اسلام میں موروثی یکا و تنہا آواز ہے، جو پوری دنیا کو دارالاسلام اور دارالحرب میں تقسیم کرتی ہے، خود اسامہ بن لادن نے اس تصور کا اس وقت اعادہ کیا ہے جب اس نے اپنی انتہائی موثر ویڈیو ٹیپ میں کہا تھا کہ یہ ایمان والوں اور کافروں کے درمیان جنگ

MashalBooks.org

ہے۔''

ابھی اس اخباری کالم کی سیاہی خشک نہیں ہوئی ہو گی کہ ''گلوب اینڈ میل'' کے جان وونگ نے 29 اکتوبر 2001ء میں مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (ایم ایس اے) کے ایک رہنما کی طرف سے عسکریت پسند تحریک طالبان کی حمایت پر روشنی ڈالی۔ ٹورانٹو یونیورسٹی میں تاریخ اسلام کی کلاس کے بعد چار مسلمان طلبا سے کھانے کی میز پر گفتگو میں وونگ نے 22 سالہ طالب علم محمد باصل احمد سے پوچھا کہ آپ خواتین سے طالبان کی بدسلوکی کے بارے میں کیا کہیں گے؟ تو ایم ایس اے کے نائب صدر محمد باصل اور ایک خاتون طلبہ نورا ہندی نے کہا کہ انہیں اندازہ ہے کہ طالبان تعلیم یافتہ خواتین کے مخالف کیوں ہیں۔ خواتین کی تعلیم پر طالبان کی پابندی کا جواز پیش کرتے ہوئے ایم ایس اے کے لیڈر نے کہا کہ: ''کیا آپ نے وہاں کا تعلیمی ڈھانچہ دیکھا ہے؟ ان کے پاس کس قسم کے سکول ہیں؟ اس موقع پر باصل کی بیوی جو یارک یونیورسٹی میں بیالوجی کی طالبہ تھی خاموش بیٹھی رہی۔

البتہ طالبان کا دفاع کرنے اور افغان معاشرے سے ایک لحاظ سے عورتوں کی جلا وطنی کی معاشی اور لاجسٹک وجوہات کا جواز پیش کرنے کے بعد ایم ایس اے کے لیڈر نے ایک کمزور لمحے میں اپنے حقیقی محسوسات کا انکشاف کر ڈالا۔ انہوں نے اپنی ساتھی طالبات سے جو چند سوالات کئے ان سے یقیناً جان وونگ ششدر رہ گئے ہوں گے: کیا آپ اتفاق کرتے ہیں کہ عورتیں مردوں سے زیادہ جذباتی ہوتی ہیں؟ کیا کسی عدالت میں آپ پر جذبات غالب آ سکتے ہیں؟ بجائے اس کے ان اشتعال انگیز مفروضوں پر حجاب پہنے ہوئے اس کی بیوی ہندی احتجاج کرتی اس نے شوہر کی جانب دیکھ کر اتفاق میں سر ہلا دیا، گویا اپنے نقطہ نظر میں کوئی سقم نہ رہنے دینے کے لئے احمد نے مزید کہا کہ ''طالبان نے افغانستان میں امن و امان قائم کیا۔''

آخر یہ کون لوگ ہیں جو ایک لبرل ڈیموکریٹک معاشرے کی بنیادی اقدار کو مسترد کرتے ہیں؟ ایک ممتاز کینیڈین یونیورسٹی میں طالبعلمی کا دور گزارتے ہوئے کوئی کس طرح طالبان کی بربریت کو ''امن و امان'' کے طور پر پیش کر سکتا ہے؟

MashalBooks.org

نائن الیون کے دہشتگرد حملوں کے بعد مغرب میں رہنے والے ہم تمام مسلمان اور غیر مسلم اس موقع کو ان بنیاد پرست مسلم تنظیموں کے رویے پر غور کرنے کے لئے استعمال کر سکتے تھے جو مغربی دنیا میں سرگرم اور پنپ رہی ہیں۔ ہم اس لمحے کو اس رجحان کی درستگی کے لئے بھی استعمال کر سکتے تھے جو مغرب میں مسلمانوں کی عسکریت پسند شناخت کو پروان چڑھا رہا تھا اور چڑھا رہا ہے۔ بدقسمتی سے ایک نااہل (امریکی) صدر جارج ڈبلیو بش نے خود اس مسئلے کو مذہبی نقطہ نظر سے دیکھا، جس سے ان لوگوں کو اطمینان ملا جو مسلمانوں کی شناخت غیر فعال بنانے میں حصہ دار ہیں۔ اس وقت اس بات پر کسی نے غور نہ کیا لیکن جب بش نے مسلمان کمیونٹی کے مرکزی دھارے کی بجائے خود کو قدامت پرست امریکی اسلام پسندوں سے جوڑا تو انہوں نے قدامت پسند گروپوں کو اسلام کی ڈی فیکٹو آواز کے طور پر جائز قرار دے دیا۔ حملوں کے چند روز کے اندر بش نے واشنگٹن نیشنل کیتھڈرل میں ایک بیان دیا جس میں دہشتگردی کی مذمت کی گئی لیکن اس وقت ان کے ساتھ امریکہ میں سعودی نواز اسلام پسند بھی کھڑے تھے۔

ان افراد میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (آئی ایس این اے) کے مزمل صدیقی اور کونسل آف امریکن اسلامک ریلیشنز (سی اے آئی آر) کے نہاد نمائندے شامل تھے۔ سنٹر فار اسلامک پلورازم کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر سلیمان سٹیفن شارز کے مطابق ''دونوں تنظیموں نے دہشت سے پہلوتہی کرنے والوں سے مالی معاونت حاصل کی۔ آئی ایس این اے کو سعودی عرب کے انتہائی بنیاد پرست اور سرکاری فرقے وہابیوں اور کیئر کو حماس سے معاونت ملتی ہے۔''

جون 2007ء کو امریکہ کے فیڈرل پراسیکیوٹرز نے سی اے آئی آر، آئی ایس این اے اور نارتھ امریکن اسلامک ٹرسٹ کو ایک دہشتگرد گروپ کی مدد کرنے کی مجرمانہ سازش میں ملوث ہونے کا مرتکب قرار دیا۔ ان تینوں گروپوں کو ''فرد جرم عائد کئے بغیر سازش کا شریک'' قرار دیا اور ٹیکساس کالعدم خیراتی ادارے دی ہولی لینڈ فاؤنڈیشن فار ریلیف کے پانچ اہلکاروں پر کیس کی سماعت کے دوران اس تنظیم سے تعلق کا شبہہ ظاہر کیا گیا۔ تاہم اکتوبر 2007ء میں جیوری کے عدم اتفاق پر جج نے نامکمل شواہد کی بنا پر کیس خارج کر دیا۔

حکومت کی طرف سے 3 اسلامی گروپوں کے خلاف شریک سازش کے الزامات پر دائر کیے گئے کیس میں ناکافی تفصیلات فراہم کی گئیں لیکن پراسیکیوٹروں نے سی اے آئی آر CAIR کو اخوان المسلمون امریکہ کی فلسطین کمیٹی سے منسلک تنظیموں کا حال یا ماضی میں رکن قرار دیا۔ حکومت نے آئی ایس این اے اور این اے آئی ٹی کو امریکی اخوان المسلمون کے حال یا ماضی میں رکن کی فہرست میں شامل کیا۔

پھر بش اور ان کے مشیروں نے ایسی سنگین غلطی کا ارتکاب کیونکر کیا؟ وہ یہ اندازہ کرنے میں ناکام ہو گئے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر ایسے افراد اور تنظیموں کو ساتھ کھڑا کر کے انہوں نے ان عناصر کو کتنی اتھارٹی اور اثر ورسوخ سے نوازا اور اس سے مرکزی دھارے کے مسلمانوں کو یہ پیغام بھیجا گیا کہ جہاں تک وائٹ ہاؤس کا تعلق ہے تو ایک امریکی مسلمان کو صرف اس وقت مسلمان سمجھا جائے گا جب وہ گھسے پٹے اسلام پسندوں سے مطابقت رکھے گا۔

دانت نکوستے بش اور ان کے متلون مزاج بے بہرہ اسلام پسند مہمانوں کی فوٹو شائع ہونے کے چند ہفتے بعد امریکی اخبار ''نیویارک ٹائمز'' نے ایک سٹوری شائع کی جس کی سرخی تھی ''امریکی مسلمانوں کی خاموش سیکولر اکثریت کی خاموشی کا مذاق''۔ رپورٹ میں امریکی مسلمانوں کی خاموش اکثریت کے بارے میں لکھا تھا جن کو ان خود ساختہ اسلام پسند رہنماؤں سے کوئی غرض نہیں ہے جو کمیونٹی کے نمائندہ ہونے کے دعویدار ہیں اور ہر مسئلے پر تساہل کے ساتھ دونوں طرف سے کھیلتے ہیں۔

لیکن عام مسلمانوں میں 9 میں سے 5 افراد کینیڈا اور امریکہ میں اسلام پسندوں کے بڑے نیٹ ورک کا شاید ہی مقابلہ کر سکتے ہوں۔ اس نیٹ ورک کو سعودی عرب اور دیگر اسلامی ممالک، ان کے اداروں کی طرف سے نظریاتی اور مالی معاونت مل رہی ہے۔ اگرچہ سعودی پیسے نے دنیا بھر میں مسلمانوں کے کاز کی مالی طور پر مدد کی ہے لیکن کیئر اور آئی ایس این اے جیسی شمالی امریکہ کی اسلامی تنظیموں کی حمایت نے اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ اسلامی انداز کئی لحاظ سے وہابی ازم کے رنگ میں رنگا ہے۔

کیئر کے سعودی عرب سے تعلقات کا شاذ و نادر ہی مغربی میڈیا میں ذکر ہوتا ہے لیکن گاہے بگاہے کسی نہ کسی جگہ پر یہ سامنے آ ہی جاتا ہے، 12 جولائی 2002ء کو سعودی

MashalBooks.org

اخبار ''عین الیقین'' میں یہ سٹوری شائع ہوئی:

''مسلم ورلڈ لیگ کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر عبدالمحسن الترکی نے امریکہ میں اسلامی تنظیموں کے ساتھ موثر رابطوں کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ کونسل آف امریکن اسلامی ریلیشنز (کیئر) کے صدر دفتر کے دورے میں ڈاکٹر الترکی نے کہا کہ ان رابطوں سے امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے مستقبل کے لئے بہترین نتائج برآمد ہوں گے اور اسلام کے جامع اصولوں کو نمایاں کرنے میں مدد ملے گی۔ ڈاکٹر الترکی نے مسلم ورلڈ لیگ کی طرف سے اسلامی سرگرمیوں سے متعلق اشتراک کے فروغ میں معاونت پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے اس مقصد کے لئے کمیشن قائم کرنے کا اعلان کیا۔''

ہوسکتا ہے کہ سعودی عرب میں قائم مسلم ورلڈ لیگ کی کیئر کو معاونت فراہم کرنے کا مطلب مالی تعاون نہ ہو لیکن ایک اور سعودی شہزادہ الولید بن طلال 9/11 کے فوراً بعد امریکی معاشرے میں اسلام کے دفاع کے لئے 5 لاکھ ڈالر کے عطیات لے کر پہنچ گئے۔ یہ خبر اگر عرب نیوز ڈاٹ کام میں شائع نہ ہوتی تو ممکن ہے کہ اس کا سرے سے کسی اور جگہ ذکر نہ ہوتا، عرب نیوز نے 19 نومبر 2001ء میں لکھا کہ:

''سعودی شہزادہ الولید بن طلال کے آفس نے ایک بیان میں اعلان کیا ہے کہ اس نے امریکی معاشرے میں اسلام کے دفاع کی مہم چلانے کے لئے کیئر کو 5 لاکھ ڈالر کا عطیہ دینے کی پیشکش کی ہے۔''

خود کیئر نے اس چندے کا اس وقت تک انکشاف نہیں کیا جب تک لاس اینجلس ٹائمنز میں ایک رپورٹ شائع نہیں ہوگئی، جس نے لکھا کہ کیئر کے لئے سعودی چندے سے امریکی مسلمانوں میں تند و تیز بحث چھڑ گئی ہے، ان میں سے کئی افراد کا خیال ہے کہ سعودی عرب اسلامی تنظیموں کو ساتھ چلانے کی کوشش کر رہی ہے۔

کیئر نے ساتھی مسلمانوں کے خدشات کو مسترد کر دیا جنھوں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ امریکہ میں بہت زیادہ مساجد اور تنظیمیں سعودی پیسے پر انحصار کرنے لگی ہیں۔ اس طرح سعودی عرب میں اسلام کی آڑ میں نسل پرست اور قدیم رسومات پر تنقید کی راہ بند ہو رہی ہے۔ اس تنقید کا جواب دیتے ہوئے کیئر نے لاس اینجلس ٹائمنز کو بتایا کہ سعودی

فنڈنگ پر تنقید کرنے والے دراصل بنیاد پرست عیسائیوں اور قدامت پسندوں یہودی گروپوں کی طرف سے سعودی عرب کو مطعون کرنے کی مہم کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔

اگر کیئر CAIR جس کی کینیڈا اور امریکہ کے متعدد شہروں میں شاخیں ہیں کے لئے سعودی عطیہ باعث تشویش معاملہ ہے تو یہ اس تبدیلی کی بہ نسبت چھوٹی تبدیلی تھی جو ابھی آنے والی تھی۔ 21 مئی 2006ء کو متحدہ عرب امارات کی حکومت کی سرکاری ویب سائٹ نے امارات کے وزیر خزانہ کی طرف سے کیئر کے لئے بھاری سرمایہ کاری کا انکشاف کیا۔ یہ وزیر خزانہ دبئی کے نائب حکمران بھی ہیں۔

اعلان میں انکشاف کیا گیا کہ ''دبئی کے نائب حکمران اور امارات کے وزیر خزانہ نے امریکہ میں املاک بنانے کی تجویز کی منظوری دے دی ہے تاکہ اس سے کونسل آف امریکن اسلامک ریلیشنز (CAIR) کو معاونت فراہم کی جا سکے۔'' بیان میں مزید کہا گیا ہے کہ:

> ''یہ جائیداد نہ صرف آمدن کا ذریعہ بنے گی بلکہ اس سے ہماری اسلام کے رواداری کے اصولوں کی میڈیا مہم کو مہمیز لگانے میں بھی مدد ملے گی۔ یہ اسلامی اصول امن، بقائے باہمی اور مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان مکالمے سے عبارت ہیں۔ ان خیالات کا اظہار کیئر کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر نہاد عوض نے شیخ حمدان اور شمالی امریکہ کی تنظیموں کے نمائندوں سے ملاقات کے بعد کیا۔''

ان املاک سے کیئر کو ملنے والی آمدن کا یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن یہ کہنا کافی ہو گا کہ اس اسلام پسند تنظیم کو مستقبل قریب میں مالی حوالے سے فکر مند ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ دبئی کی المکتوم فاؤنڈیشن نے اس پراپرٹی کے لئے 9 لاکھ 78 ہزار ڈالر کی سرمایہ کاری کی اور واشنگٹن کے علاقے 453 نیو جرسی ایونیو ایس ای میں کیئر کا ہیڈ آفس ہے۔ اگرچہ اس کے حقوق المکتوم فاؤنڈیشن کے پاس محفوظ ہیں تاہم کیئر سرخ اینٹوں سے بنی اس عمارت میں رہنے والوں سے کرائے کی رقم وصول کرتی ہے۔

جس وقت کیئر اور دبئی کے نائب حکمران کیئر کی شمالی امریکہ میں سرگرمیوں کے لئے فنڈنگ کے لئے مذاکرات میں مصروف تھے تقریباً اسی وقت کیئر کینیڈا کی سابق صدر

MashalBooks.org

اخبار گلوب اینڈ میل میں اپنے کالم میں دبئی کی مدح سرائی کر رہی تھیں۔ شیما خان نے ''دبئی سے خوفزدہ نہ ہوں'' کے عنوان سے اس خلیجی بادشاہت کی شاعرانہ منظرکشی کرتے ہوئے اسے دنیا کے لئے ماڈل کے طور پر پیش کیا، انہوں نے لکھا کہ:

> ''دبئی قدیم اور جدید کا امتزاج ہے، یہاں ہانگ کانگ کے معاملہ فہم بزنس مین، سنگاپور کے کاروباری ادارے اور بہترین عرب مہمانداری بیک وقت دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ سٹی سٹیٹ پوری دنیا کے لئے کھلی ہے اور دنیا بھی جوق در جوق یہاں اُمڈ رہی ہے۔''

دبئی مہمان نوازی کی علامت ہے؟ فلسطین کے علاقے جنین اور قاہرہ کے علاقے الفرج کو تو مہمان نواز کہا جا سکتا ہے لیکن دبئی کو عرب مہمان نوازی کی علامت قرار دینا عربوں کی توہین ہے۔ دبئی وہ شہر ہے جسے پاکستان اور بھارت کے رہنے والے محنت کشوں نے تعمیر کیا لیکن وہ وہاں غلاموں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں اور یہ وسط ایشیا سے لائی گئی طوائفوں اور قحبہ خانے چلانے والے روسی مافیا سے بھرا پڑا ہے لیکن یہ سب کچھ آسمانوں کو چھوتی عمارتوں (سکائی سکریپرز) کے سائے میں بہہ گیا۔ یہ شہری ریاست شیما خان جیسے مغرب سے آنے والے وزیٹرز کے لئے ممکن ہے پرکشش ہو لیکن مسلمان غلام مزدور ان کے خیالات سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ دبئی وہ جگہ ہے جہاں بنگلہ دیش اور پاکستان سے لائے گئے مسلمان بچوں کو ''کیمل جوکی'' کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ معصوم اس کھیل میں موت اور زخمی ہونے کا خطرہ مول لیتے ہیں جبکہ دوسری طرف عرب شیوخ کھلے لباس میں اپنے مغربی مہمانوں کو نام نہاد عرب مہمان نوازی سے مسحور کرتے ہیں۔ دبئی کی تارکین وطن کے لئے پالیسیوں کی تعریف کرتے ہوئے کیئر کی سابق صدر نے کینیڈا کا مذاق اڑانے کی جسارت کرتے ہوئے دبئی کو اس کا متبادل قرار دیا، آپ لکھتی ہیں کہ تارکین وطن کے اجنبی لباس اور اقدار سے خوفزدہ ہونے والے کینیڈین باشندوں کو دبئی کی طرف دیکھنا چاہئے۔ جہاں کی 85 فیصد آبادی غیر ملکیوں پر مشتمل ہے، نئے آنے والوں کو یہاں مقامی لباس (عبایا چادر) پہننے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ ہی ان کی اقدار کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔ جو بات شیما خان دبئی اپنے سفرنامے میں ظاہر کرنے میں ناکام ہوگئیں وہ یہ ہے کہ اس ''85 فیصد غیر ملکی آبادی'' اور نئے آنے والوں کو یہاں تیسرے درجے کے شہریوں جیسے

MashalBooks.org

سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں شہریت کے قطعاً حقوق حاصل نہیں۔

''گلوب اینڈ میل'' میں شائع ہونے والے آرٹیکل کی بہ نسبت ہانگ کانگ کے ''ایشیا ٹائمز'' نے دبئی پر زیادہ حقیقت پسندانہ اور دیانتدارانہ آرٹیکل شائع کیا۔ اس مضمون کے مصنف پیپ ایسکو بر نے دبئی کی اس معیشت کا کچا چٹھا کھول کر رکھ دیا جیسے کارپوریٹ امریکہ تمام عرب ملکوں کے لئے ماڈل قرار دیتا ہے لیکن ایسکو بر اس ماڈل کو ''سیاسی سرگرمیوں کے فقدان کا حامل، خبط صارفین (Consumer Mad) اور شہریت دینے سے عاری کہتے ہیں جس کی بنیاد ''مابعد جدید غلامی'' پر استوار ہے۔ انہوں نے لکھا کہ دبئی کی سماجی اہرام ''ناقابل معافی'' ہے اور یہ کہ:

''تعمیراتی شعبے کا ورکر جو یقیناً جنوبی ایشیا کا ہوتا ہے، چاہے اس کا تعلق بھارت سے ہو یا پاکستان سے اس اہرام Phyramid کی بنیاد میں نظر نہیں آتا لیکن حیرت انگیز طور پر یہ کارکن بنیاد یو اے ای کی آبادی کا 80 فیصد حصہ ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے بارہا شکایت کی کہ ان کارکنوں کے ساتھ کبھی انسانوں جیسا سلوک نہیں کیا گیا لیکن عرب امارات کے اقتدار کے ڈھانچے کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ کارکن یومیہ کم از کم 12 گھنٹے تقریباً 50 ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت میں کام کرتا ہے، ہفتے کے 6 ایام میں کام کے دوران اسے ہر روز صرف گھنٹے کے وقفے کی اجازت ملتی ہے۔ اس کے باوجود اسے ماہانہ 150 ڈالر سے زائد معاوضہ نہیں ملتا، وہ یا تو خیمے میں رہتا ہے یا القوز میں 12 سے 15 مربع کلو میٹر کے چھوٹے سے کمرے میں اس کا قیام ہوتا ہے۔ اس کو کسی قسم کے حقوق حاصل نہیں۔ ٹریڈ یونین پر پابندی ہے، اگر کوئی بولنے کی جرأت کرے تو اسے فوراً ڈی پورٹ کر دیا جاتا ہے۔''

پیپ ایسکو بر نے مزید لکھا کہ: ''جنوبی امریکہ (US) کی طرح دبئی میں بھی نسل پرستی کا عنصر غالب ہے تاہم اس پر بحث کی اجازت نہیں۔'' انہوں نے اس ملک کو جدید قرون وسطیٰ کا ملک قرار دیا ہے جہاں ایک حکمران خاندان کے غیر منتخب مرد کسی اپوزیشن کے بغیر حکومت کر رہے ہیں لیکن امارات کی قدیم نوعیت کی جاگیرداری نے بعض انداز میں عالمی رائے کو متاثر کیا ہے اور اسے مشرق وسطیٰ کا سب سے ترقی پسند ملک سمجھا جاتا ہے۔

MashalBooks.org

کیئر واحد تنظیم نہیں جسے سعودی وسائل سے رقوم موصول ہو رہی ہیں۔ اس مال غنیمت سے فائدہ اٹھانے والی ایک اور تنظیم آئی ایس این اے ہے۔ انڈیانا پولیس میں قائم اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ جس کی کینیڈا میں کافی جڑیں ہیں۔ کینیڈا کی اسلامی تنظیموں کے لئے سعودی اقدام کی فراہمی کی خبر پہلی بار جولائی 2004ء میں رابرٹ فائف نے ''اوٹاوہ سٹیزن'' میں بریک کی۔ ''سعودی فنڈ کینیڈا میں بنیاد پرستی قائم کر رہا ہے'' کے عنوان سے اخباری رپورٹ میں فائف نے لکھا کہ: ''کونسل آف فار ریلیشنز کی طرف سے دہشتگردی کی مالی معاونت کے حوالے سے ٹاسک فورس جس میں وائٹ ہاؤس کے شعبہ انسداد دہشتگردی کے سابق سربراہ رچرڈ کلارک اور سی آئی اے کے سابق ڈائریکٹر آپریشنز ڈیوڈ کوہن شامل تھے نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ سعودی عرب کی طرف سے اس کے مخصوص اسلامی انتہا پسندی کا دائرہ شمالی امریکہ اور دیگر ملکوں تک وسیع کرنے کی کوششوں سے امریکہ کے سٹریٹجک مفادات کے خطرے میں پڑ گئے ہیں.......... یہ ٹاسک فورس کہتی ہے کہ سعودی عرب نے کینیڈا سمیت دنیا بھر کے 210 اسلامی سینٹروں اور 1359 مساجد کو کروڑوں ڈالر کے فنڈز مہیا کئے۔ اس میں 2002ء کی ایک سعودی رپورٹ کا بھی حوالہ دیا گیا ہے جس میں انکشاف کیا گیا ہے کہ شاہ فہد نے ٹورانٹو (کینیڈا) کے اسلامی سنٹر کے لئے 50 لاکھ ڈالر اور اس کے سالانہ اخراجات کے لئے اضافی 15 لاکھ ڈالر فراہم کئے۔

سعودی حکومت کی سرکاری ویب سائٹ بھی یہ بتاتی ہے کہ شاہ فہد نے اوٹاوہ مسجد (ملاؤں کی مسجد) اور کیوبک اسلامی سنٹر کو فنڈز مہیا کئے۔ ٹورانٹو میں کئی اسلامی سنٹر اور سعودی سفارتخانے نے بتانے سے انکار کیا ہے کہ کس سنٹر کو شاہ فہد نے رقم فراہم کی۔''

اخبار ''اوٹاوہ سٹیزن'' نے کہا کہ اس نے ٹورانٹو میں اسلامی تنظیموں کو متعدد بار فون کیا لیکن ابھی تک یہ پتہ نہیں لگ سکا کہ کون سے اسلامی سنٹر سعودی رقم سے مستفید ہوئے۔ اس کے علاوہ اوٹاوہ مسجد کے امام جمال سلیمان بھی یہ نہیں بتا سکے کہ سعودی عرب نے اس مسجد کو کتنی رقم فراہم کی۔ حسین پیان جس کے امام شاہ سعود یونیورسٹی سعودی عرب کے پروفیسر رہ چکے ہیں نے اخبار سٹیزن کو بتایا کہ وہ نہیں جانتے کہ کتنا سعودی پیسہ آ رہا ہے۔

MashalBooks.org

شیخ سید بخاری بھی، جو کیوبک میں اسلامی سنٹر چلاتے ہیں اور مدینہ یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے ہیں، سعودی فنڈنگ کے بارے میں بات کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

ٹورانٹو ایریا مسجد کی فنڈنگ کا راز بھی ابھی تک افشا نہیں ہوا ہے۔ اس مسجد کو سعودی عرب میں پچاس لاکھ ڈالر ملے تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اگر I SNA کو سعودی امداد ملی تھی تو اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ اسے ظاہر کرتے، لیکن اس کا انکشاف اس وقت تک نہیں ہوا جب تک اخبار گلوب اینڈ میل کے دو رپورٹروں نے اپنی تحقیقی خبر شائع نہ کر دی۔

نومبر 2005ء میں اخبار گلوب اینڈ میل کے رپورٹر عمر العقاذ اور مرینا جیمز نے بالآخر طویل تحقیق کے بعد پتہ چلایا کہ یہ مسجد آئی ایس این اے کی تھی جسے سعودی فنڈ موصول ہوئے۔ انہوں نے رپورٹ میں لکھا کہ:

''آئی ایس این اے ISNA بھی کینیڈا کے ان چند اداروں میں شامل ہے جسے سعودی عرب میں قائم اسلامک ڈویلپمنٹ بنک فنڈ فراہم کر رہا ہے۔

2002ء میں سعودی وزارت ثقافت و اطلاعات نے اعلان کیا کہ شاہد فہد نے ٹورانٹو کے اسلامی سنٹر کو 50 لاکھ ڈالر یک مشت اور سالانہ 15 لاکھ ڈالر کی گرانٹ دی ہے۔ (اسلامک سنٹر کینیڈا آئی ایس این اے میں قائم ہے۔) امسال جو اسلامک بنک نے آئی ایس این اے کے ہائی سکول کے لئے پونے 3 لاکھ ڈالر گرانٹ کا اعلان کیا ہے اس میں سکالرشپ پروگرام بھی شامل ہے۔

اسلامی ترقیاتی بنک (آئی ڈی بی) کی طرف سے فنڈنگ آئی ایس این کی ویب سائٹ پر موجود ہے اگرچہ اس ادارے کا ترجمان باضابطہ طور پر اس کی تردید کرتا ہے۔ یہ امر ان کینیڈین مسلمانوں کے لئے باعث تشویش ہے جو سیکولر حکومت کی وکالت کرتے ہیں۔ وہ اس تنظیم اور اس کے مالی طور پر سرپرست کے درمیان مضبوط نظریاتی گٹھ جوڑ پر فکر مند ہیں۔'' آئی ایس این اے کینیڈا کی ترجمان کیتھی بولاک نے اعتراف کیا کہ ISNA کو سعودی عرب میں قائم آئی ڈی بی سے پیسہ ملا ہے لیکن اس کے بدلے وہابیت قبول کرنے کے لئے کوئی دباؤ نہیں بلکہ یہ رقم گرانٹ کی طرح ہے، آئی ایس این اے نے بعد ازاں دعویٰ کیا کہ چونکہ یہ رقم آئی ڈی بی کی طرف سے دی گئی لہٰذا اسے سعودی فنڈنگ قرار نہیں دیا جا سکتا، یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ آئی ڈی بی جس کا صدر دفتر جدہ میں ہے یہ

MashalBooks.org

کہتا ہے کہ اس بنک کا مینڈیٹ رکن ممالک اور غیر اسلامی ممالک میں مسلمان کمیونٹی کی اقتصادی ترقی اور سماجی بہبود کا عمل شریعت کے اصولوں کے مطابق تیز تر کرنا ہے۔

سعودی فنڈنگ پر نقاب چڑھانے میں ISNA تنہا ادارہ نہیں۔ ٹورانٹو سٹار کی رپورٹر حبہ علی نے ایک اور ایسی مسجد کا انکشاف کیا جو پہلے تو سعودی پیسہ لینے کی تردید کرتی رہی لیکن شواہد پیش کرنے پر اس نے اعتراف کرلیا۔

جب ''سٹار'' نے سکار بورو Scarborough مسلم ایسوسی ایشن میں غیر ملکی فنڈنگ کے حوالے سے رابطہ کیا تو انتظامی کمیٹی کی رکن صالح حفیظی نے پہلے یہ کہا کہ تنظیم کو 1998ء کے بعد سے کچھ نہیں ملا، اس وقت ایس ایم اے نے سعودی عرب کے ایک دولتمند شخص سے ایک لاکھ ڈالر وصول کئے تھے تاہم ایسوسی ایشن کے صدر یعقوب حاتیا نے بعد ازاں آئی ڈی بی کی ویب سائٹ پر درج تفصیل کی تصدیق کی کہ مسجد نے 2006ء میں مدرسہ تعمیر کرنے کے لئے 2 لاکھ 70 ہزار ڈالر کی گرانٹ وصول کی تھی۔

مغرب بھر میں کئی مسلمان اس بات پر خفا ہیں کہ ان کی مساجد غیر ملکی فنڈنگ چھپانے کے لئے اس طرح دھوکے دیتی ہیں۔ شفافیت کی کمی اسلام پسند کلچر کا ہمیشہ سے خاصہ رہا ہے۔ آمرانہ خصلت اسلام پسند کلچر کی نمایاں خوبی ہے ہی لیکن جو طریقہ وہ اپنے ناقدین کو فریب دینے اور حکومتوں کو کنفیوژ کرنے کے لئے اپناتا ہے وہ ان کی کامیابیوں میں سے منفرد ہے۔ مغرب میں کئی حکومتوں کی طرف سے تنوع Diversty کے لئے کی گئی مخلصانہ کوششوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام پسندوں نے خود کو مرکزی دھارے میں لانے کے ایجنڈے کے تحت کثیر الثقافت اور تنوع کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ جو چیز یہ لوگ تنوع کے طور پر پیش کر رہے ہیں وہ منافقت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ان شواہد کے باوجود کہ سعودی عرب یورپ اور شمالی امریکہ میں اسلام پسندوں کو پیسہ فراہم کر رہا ہے۔ مغرب نے اسلام پسندوں سے میل جول کی کوششیں ترک نہیں کیں۔ امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ میں بار بار سیاسی لیڈروں نے مسلمانوں میں سے انتہائی بنیاد پرست طبقے سے خود کو نتھی کیا، مغرب میں واضح اکثریت کے حامل مسلمانوں جن کا طرز زندگی بالعموم اہل مغرب سے مطابقت رکھتا ہے سے اشتراک کار کی بجائے بش، ٹونی بلیئر

اور پال مارٹن نے ملاؤں اور عسکریت پسندوں سے قربت اختیار کی اور انہیں فائدے پہنچائے، لندن میں 2005ء کے 7/7 (7 جولائی) کے حملوں کے فوراً بعد کینیڈا کے وزیراعظم پال مارٹن نے کینیڈا میں مسلمانوں سے رابطوں کا فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں عجلت میں ملاقات کا بندوبست کیا گیا۔ ذرا اندازہ کیجئے ڈنر میں کون کون آیا؟ 19 افراد مساجد کے ائمہ یا سربراہ اکثر لوگ مسجد کے پرشکوہ لباس میں تھے اور ایک بھی خاتون ان میں شامل نہیں تھی۔ کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ وزیراعظم خواتین کو مسلمان نہیں سمجھتے؟ یا پھر انہیں یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ صرف باریش مسلمان ہی نیک مسلمان ہوتے ہیں؟ جب اخباری رپورٹر نے ان سے خواتین اور شرکاء میں لبرل مسلمانوں کی عدم موجودگی کا سوال کیا تو وزیراعظم مارٹن کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا لیکن ان میں یہ اعتراف کرنے کی ہمت نہیں تھی کہ ان کے ذہن میں لفظ ''مسلمان'' کا تصور داڑھی اور پگڑی والے فرد کا تھا چنانچہ انہوں نے صرف ایسے افراد کو ہی مدعو کیا۔ نو آبادیاتی دور میں اسلامی دنیا میں تاریخی مظالم کی سیاسی اصلاح اور لبرل ندامت مغربی قیادت کو بنیاد پرست اسلام کے سماج دشمن ایجنڈے کے حوالے سے باآسانی اندھا کر دیتی ہے۔ خاموش پالیسی یہ ہے کہ اندھوں کو اپنے ساتھ رکھتے ہوئے ثقافتی رابطوں کے نام پر منہ بند رکھا جائے۔ یہ ایک غلطی ہے—— نو آبادیاتی اور استعماری دور کی غلطیوں کے ازالے کے لئے مغرب ان گنت تعمیری اقدامات کر سکتا ہے جن میں اپنے پیدا کردہ اور بادشاہوں کی حمایت سے دستبرداری ترقی پذیر ممالک کے سامان اور خدمات کے لئے اپنی منڈیوں کو کھولنا شامل ہیں لیکن اعتدال پسندی کا بھیس اوڑھے اسلام پسندوں کے سامنے سرنڈر ہونے اور انہیں اسلامی دنیا کا حقیقی نمائندہ قرار دینے سے اس غلطی کا اعادہ ہو گا جس کے تحت سعودی عرب کو تمام دنیا کے مسلمانوں کا جائز ترجمان سمجھا جاتا ہے۔

نائن الیون کے بعد سے مغرب کی کثیر الثقافتی ہیئت میں تبدیلی کے خواہاں اسلام پسند افراد اور تنظیموں نے طریقہ واردات تبدیل کرتے ہوئے اعتدال پسندی کا روپ دھار لیا ہے۔ یہ لوگ بائیں بازو کے کارکنوں کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ بائیں بازو کو ساتھ ملانے کے لئے ان کی گفتگو میں ورلڈ بنک، معاشرتی انصاف قرضوں سے نجات، غربت اور

MashalBooks.org

سب سے بڑھ کر ''مساوات'' کے حوالے دیئے جاتے ہیں اور یہ حکمت عملی موثر رہی۔ اب آپ قدامت پسند مسلم تنظیموں اور ترقی پسند لبرل تحریک کے درمیان ناپاک گٹھ جوڑ دیکھ سکتے ہیں۔ حالانکہ نظریاتی طور پر یہ ہر ایشو پر ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن 9/11 کے بعد سے یہ لیڈ فیلو بن چکے ہیں۔

مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (MSA) جیسی تنظیمیں کھیتی کا کام کرتے ہوئے اور ISNA کے لئے مستقبل کے ممبر پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ اتنے شائستہ بنتے ہیں کہ معصوم اہل مغرب انہیں فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہ محض عام طلبا تنظیمیں یا کمیونٹی گروپ نہیں جو کھانے پکانے کے شو اور ثقافتی فیسٹیول منعقد کرتے ہیں بلکہ غیر ملکی معاونت سے انتہائی منظّم اور سیاسی طور پر چلائے جانے والی مشینیں ہیں جن کی اثر پذیری مغربی معاشرے کے ہر شعبے میں ہے۔ یہ صرف اتفاق نہیں کہ کافی زیادہ مسلمان جو امریکی ہائی سکولوں کے اوسط کمسن طلبا تھے کو بنیاد پرستوں نے بھرتی کر لیا اور پھر یہ لوگ اسی سرزمین کے لئے نفرت کا جذبہ لئے یونیورسٹیوں تک پہنچے جس میں انہوں نے اپنی تمام زندگی بسر کی۔''

کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایم ایس اے کی 200 سے زائد شاخیں ہیں۔ عوامی سطح پر ان کا تاثر یہ ہے کہ یہ غیر سیاسی تنظیم ہے اور صرف شمالی امریکہ کے طلبا میں اسلام کا فروغ چاہتی ہے۔ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے کسی بیرونی حکومت سے رابطے نہیں لیکن ایم ایس اے اور آئی ایس این اے کے 1960ء کی دہائی سے سعودی عرب سے روابط ہیں۔ انہی دنوں میں ان دونوں گروپوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا برکلے کے حامد الگر نے وہابیت پر ایک مضمون میں لکھا کہ:

''کچھ مسلم طلبا تنظیمیں بیرون ملک بالخصوص امریکہ میں وہابیت کی ترویج کے لئے سعودی ذرائع کے تعاون سے سرگرم ہیں۔ بالخصوص 1960ء اور 1970ء کے عشرے میں، ایم ایس اے کے سالانہ کانوکیشن میں سعودی عرب پر کسی قسم کی تنقید کی اجازت نہیں۔ یہ تنظیم درحقیقت اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی جیسی بنیاد پرست اسلامی تنظیموں کی سیاسی اور مذہبی فکر کی کھلی حمایت کرتی رہی ہے۔''

حامد الگر نے مزید لکھا کہ ایم ایس اے نے وہابی ازم پھیلانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ نماز جمعہ کے ہر اجتماع میں ایم ایس اے کے مقامی کارکن مکہ میں قائم ورلڈ مسلم لیگ

کا شائع کردہ مواد انگریزی اور عربی دونوں میں ہاتھ میں پکڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایم ایس اے اپنے تعلقات کو تمام عرب ریاستوں تک ترقی پسند انداز میں جوڑنے کی دعویدار ہے تاہم اس کے اندر وہابیت کا عنصر آفیشل طور پر غالب ہے۔

امریکہ میں ایم ایس اے کا 3 خیراتی اداروں ہولی لینڈ فاؤنڈیشن، گلوبل ریلیف اور بینویلنس فاؤنڈیشن سے تعلق رہ چکا ہے۔ ان تینوں کے دہشتگردوں سے تعلق کی ایف بی آئی تحقیقات کر چکی ہے اور یہ تینوں ادارے اب بند کئے جا چکے ہیں۔ ایم ایس اے کے بین الاقوامی سطح پر اسلام پسند شخصیات اور اخوان المسلمون سے رابطوں کی بھی کئی اطلاعات ہیں۔ 1995ء میں یوسف قرازوی جن کا تعلق قطر سے ہے اور جنہیں اخوان المسلمون کا ترجمان سمجھا جاتا ہے نے امریکی ریاست اوہائیو کی ایک اسلامی کانفرنس میں شرکت کی۔ اپنی اس تقریر جس میں انہوں نے کہا تھا کہ ''ہم یورپ فتح کریں گے، ہم امریکہ فتح کریں گے لیکن تلوار کے ذریعے نہیں بلکہ دعوۃ سے'' قطری امام نے ایم ایس اے کو ایسا گروپ قرار دیا جسے مصر کے اخوان المسلمون کے جلا وطن رہنماؤں نے جو امریکہ میں سیکولر اور مغرب زدہ کا مقابلہ کرنے آئے تھے قائم کیا تھا۔

سنٹر فار اسلامک پلورازم کے سٹیفن شوارٹز نے جون 2003ء میں امریکی سینیٹ کی سب کمیٹی برائے انسداد دہشتگردی و داخلی سلامتی کے روبرو بیان حلفی دیتے ہوئے بتایا کہ:

''شیعہ اور غیر وہابی مسلمان لیڈروں کا تخمینہ ہے کہ 80 فیصد امریکی مساجد جن کی سرکاری طور پر تعداد 1200 اور غیر سرکاری طور پر 4 ہزار سے 6 ہزار بنتی ہے وہابیوں کے کنٹرول میں ہیں.......... مساجد پر کنٹرول کا مطلب ہے پراپرٹی، عمارتیں، ائمہ کی بھرتی اور تربیت، تبلیغی مواد جس میں ریاض (سعودی عرب) سے فیکس ہونے والے خطبے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ مساجد اور ان کے بک سٹورز پر تقسیم کیا جانے والا لٹریچر، بلیٹن بورڈ پر آویزاں ہونے والے نوٹس، تنظیمی اور خیراتی بہبود.......... یہ مہم چلانے والی بڑی تنظیمیں آئی ایس این اے، ایم ایس اے اور کیئر ہیں۔''

کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں کیئر خود کو شہری حقوق کی تنظیم کے طور پر پیش کرتی ہے اور اس حیثیت کو ثابت کرنے کے لئے اس نے ایمنسٹی انٹرنیشنل، امریکن سول

MashalBooks.org

لبرٹیز یونین اور دیگر گروپوں سے تعلقات قائم کرنے میں بھی کسی حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے لیکن کیئر (CAIR) کا تصور انسانی حقوق عالمگیر انسانی حقوق کی بنیاد پر استوار نہیں بلکہ اسلام پسندوں کے اپنے انسانی حقوق یا وہ جنہیں کیئر ''حقیقی'' سمجھتی ہے تک محدود ہے۔ یوں جہاں شام کے شہری ماہر آرر Maher Arar کو غلط طور پر شام ڈی پورٹ کرنے اور وہاں اسے تشدد کا نشانہ بنانے پر کیئر انصاف کے حصول کے لئے آگے آگے تھی وہاں اس نے ایک اور کینیڈین مسلمان محد اعصام غنیم العطار پر مصر میں تشدد اور اس کی رہائی پر آواز اٹھانے سے انکار کر دیا۔

العطار بھی ماہر آرر جیسا تھا۔ آرر عرب تھا اور العطار بھی۔ آرر مسلمان تھا تو العطار بھی مسلمان تھا، آرر کو ایک آمر عرب حکومت نے گرفتار کیا تو العطار سے بھی ایسا سلوک ہوا۔ آرر نے کہا کہ اس کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا تو العطار نے بھی ایسا کہا تو پھر آخر فرق کیا تھا؟ آرر ہم جنس پرست نہیں تھا جبکہ العطار Gay تھا، صرف اس وجہ سے مسلم کینیڈین کانگریس کو چھوڑ کر ایک بھی اسلامی تنظیم نے ایک ''گے'' کی وکالت کرنے سے انکار کر دیا۔ میرے لئے مسلم تنظیموں کی خاموشی تعجب انگیز نہیں تھی لیکن بائیں بازو اور انسانی حقوق کے گروپوں کی چپ پر بہرحال مجھے افسوس ہوا۔

14 فروری 2007 کو اوٹاوہ میں ماہر آرر اور اس کی اہلیہ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ اوٹاوہ میں محض چند ہی تقریبوں نے اتنی بڑی تعداد میں مختلف انسانی حقوق گروپوں کو اتنا مائل کیا ہو گا اور یہ لوگ مسلم نمائندوں کے کندھے سے کندھا ملائے تقریب میں شریک تھے۔ امام علی ہندی نے لبرل پارٹی کے رہنما سٹیفن ڈائن سے بات چیت کی۔ این ڈی پی کے رہنما جیک لٹن مسجد اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ چہک رہے تھے۔ ایک کے بعد دوسرے مقرر نے مازغ کی بہادری کی تعریف کی اور آرر کے ساتھ بے انصافی کا ذکر کیا۔ انہوں نے مصری باشندے محمود جبا اور احسن مراعی کی حراست کی بھی مذمت کی جنہیں کینڈین حکام نے گرفتار کر رکھا تھا لیکن جہاں یہ سیاستدان ایک عرب کینیڈین پر تشدد پر معذرت خواہ تھے وہاں انہوں نے اس بات کا ذکر نہ کرنے میں احتیاط برتی کہ ایک اور کینیڈین عرب اسی قسم کے سلوک کا مصر میں نشانہ بن رہا تھا۔ ایک طرف یہ لوگ آرر سے دوران حراست اعتراف کرانے کی مذمت کر رہے تھے تو دوسرے عرب کے

MashalBooks.org

ساتھ ایسا ہی برتاؤ نہ کیا گیا۔ اس رات ایک بھی مقرر نے مصری جیل میں جبر سہنے والے کینیڈین کے لئے آواز نہ اٹھائی۔ ایسا نہیں تھا کہ انہیں العطار کے بارے میں علم نہیں تھا بلکہ اخبارات نے صفحہ اول پر اس کی خبریں شائع کی تھیں۔

31 سالہ محمد اعصام غنیم العطار کو یکم جنوری 2007ء کو کینیڈا سے قاہرہ پہنچنے پر گرفتار کر لیا گیا۔ مصری حکام نے دعویٰ کیا کہ العطار نے اعتراف کر لیا ہے کہ وہ اسرائیلی جاسوس ہے اور ٹورانٹو میں موساد کے لئے کام کر رہا تھا۔ العطار اسرائیلی جاسوس ہوسکتا ہے اور نہیں بھی، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ وہ عرب کینیڈین ہے، بالکل ماہر آرر کی طرح جس نے ماہر آرر کی طرح تشدد کے بعد اپنے جرم ''اعتراف'' کر لیا تھا۔

میں نے کیئر کو خط لکھا اور پوچھا کہ آپ نے محمد العطار کا کیس کیوں نہیں اٹھایا، ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، ایسا لگتا ہے کہ کیئر کے لئے صرف اسلام پسندوں کے انسانی حقوق اہمیت رکھتے ہیں۔ اگر کوئی ہم جنس پرست جیل جائے تو میرا اندازہ ہے کہ یہ کہا گیا ہوگا کہ یہ خدا کی طرف سے ایک ''گے'' کو سزاء ہے۔ اور آخر اسلام پسند ایک گناہگار شخص کے معاملے میں مداخلت کیوں کریں؟ وہ چاہتے ہیں کہ یہ شخص جیل میں گل سڑ جائے۔

ہمیں ہر اس شخص کو مسلمان سمجھنا چاہئے جو خود کو مسلمان سمجھتا/ سمجھتی ہے۔ اب خدا کے نام پر کسی کو مرنا نہیں چاہئے۔ مسلمان کی حیثیت سے ہمیں ترقی پسند، لبرل، کثیر الثقافت، جمہوری اور سیکولر معاشرے پر یقین رکھنا ہوگا جہاں ہر شخص کو مذہب کی آزادی اور مذہب سے آزادی حاصل ہو۔ ہماری تمام کمیونیٹیز کو زمین پر انصاف، جمہوریت اور مساوات کے اصولوں پر مبنی معاشرے کے فروغ کے لئے برابر اور متحرک کردار ادا کرنا ہوگا، ہمیں نہ صرف اپنے خلاف بلکہ ہمارے نام پر دیگر مسلمانوں کے جبر سے بھی لڑنا ہوگا۔

جب تک ہم تمام عوامی معاملات میں مذہب اور ریاست کو الگ سمجھنا شروع نہیں کریں گے ہم اسلام اور اپنی آنے والی نسلوں کو بے انتہا نقصان پہنچاتے رہیں گے۔ ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل جس میں مذہبی، نسلی اور لسانی اقلیتوں کو بھی معاشرے کا اقوام متحدہ کے 1948ء کے انسانی حقوق کے چارٹر کے مطابق حقوق میسر ہوں کے لئے مذہب اور ریاست کو الگ کرنا اولین شرط ہے۔

MashalBooks.org

نہ صرف اپنے بلکہ اپنے دشمنوں کے لئے بھی ایک جیسے انسانی حقوق کے حصول کی جدوجہد سے ہی ہم بہترین لوگوں جیسا احترام حاصل کر سکیں گے۔

مذہب، بشمول اسلام، نیکی کے کام کرنے کے لئے ہمارا اخلاقی رہنما ہوسکتا ہے اور ہمیں خود ساختہ نیکوکاری اور سرکشی سے روک سکتا ہے، اسلام کے ذریعے ہمیں غصے پر قابو پانا چاہئے اور مزید مشتعل نہیں ہونا چاہئے۔ مسلم کمیونٹی کو درپیش بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کے چیلنجوں سے مسلمانوں کو خود نمٹنا ہے اور اس مسئلے کو باقی ماندہ دنیا پر نہیں چھوڑنا چاہئے جو ہمیں شک کی نظر سے دیکھ رہی ہے۔ ہم مسلمانوں کو انتہا پسندوں کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی کمیونٹی کا زیادہ انسان دوست اور بردبار چہرہ پیش کرنا چاہئے۔

اور جب تک منفی ناانصافی جو ہماری کمیونٹی کے ایک بڑے حصے میں نظر آتی ہے مکمل طور پر ختم نہیں کی جاتی تو ہم ترقی نہ کر سکتے چاہے ایک سوسعودی عرب جیسے ملکوں کی دولت ہمارے قدموں میں رکھ دی جائے۔ ایسی کمیونٹی جو اپنی ماؤں کو دوسرے درجے کا شہری سمجھے یہ توقع نہیں کر سکتی اور نہ یہ توقع کرے کہ اس کی بیٹیوں کے ساتھ دیگر لوگ احترام اور وقار کا سلوک کریں۔ خواتین کو مردوں کے پیچھے چلانا اور پیچھے نماز نہ پڑھانا اسلام میں مردوں اور خواتین کے برابر ہونے کے اصول سے متصادم فعل ہے، مسلمان مردوں اور خواتین کو مل کر شانہ بشانہ کام کرنا چاہئے تاکہ ہماری کمیونٹی ایک بار پھر جوان ہو جائے اور قرون وسطیٰ کے عذاب کا بوجھ جھٹک سکے۔

یہ کتاب لکھتے ہوئے میں نے کئی مسلمانوں سے گفتگو کی اور پوچھا کہ مسلمانوں کو اس خطرناک صورت حال سے نکالنے کا کون سا راستہ ہے، میں نے مردوں، عورتوں، ہم جنس پرستوں، Straight، عربوں، ایرانیوں، ترکوں، کردوں، کالے سفید، اہل ایمان اور بے مذہب ہر قسم کے لوگوں سے رابطہ کیا، ان میں سے چند افراد کے خیالات یہاں حاضر ہیں۔

روشن جمال

جنوبی افریقہ سے تعلق رکھنے والی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ وہ پہلی خاتون تھیں جو شمالی امریکہ کے ایک اسلامی سنٹر کی سربراہ تھیں اور مسجد کو ٹورانٹو کی مسلمان کمیونٹی کی ثقافتی

سرگرمیوں کا مرکز بنا دیا۔

وہ کہتی ہیں کہ:

''مسلمانوں کے مسائل بڑھنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہر مسلمان عقیدے کی تشریح اور اس کا اطلاق نہیں کرتا کیونکہ ہمارے مذہب میں انسان اور خدا کا زیادہ قریبی تعلق نہیں (مثال کے طور پر عیسائیت میں پادری کا کردار)۔ دوسرا یہ کہ خطرناک صورتحال اس لئے مزید گمبھیر ہوئی کیونکہ ہماری کمیونٹیز (Communities) احساس محرومی کا شکار ہیں............ اس صورتحال کا حل یہ ہے کہ ہر مسلمان کو ایک منصفانہ زندگی گزارنے کے چیلنج سے عہدہ برا ہونا چاہئے اور دنیا کو دیکھنے کا انداز خوف سے حیرت کی طرف منتقل کرنا چاہئے۔''

محفوظ کنور

سوشیالوجی کی پاکستانی نژاد کینیڈین پروفیسر ہیں اور ماؤنٹ رائل کالج کیلگری میں پڑھاتے ہیں۔

''ایک ترقی پسند مسلمان کے طور پر میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلمانوں کا مسئلہ تخلیق اور اصلاحات کی تحریک کی ترقی، سیکولر اقدار کے فروغ، انسان کے بنائے ہوئے قوانین کو بالاتر تسلیم کرنے، قانون کے تحت ہر شہری سے برابری کے سلوک، دنیا سے از سر نو رابطے، آرائش، ٹیکنالوجی، ڈیزائن اور سائنس سے وابستگی سے حل ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ تخیلاتی نظریات انسانی ارادے، جرأت اور اندرونی قوت میں مہمیز کا باعث بنتے ہیں۔''

الیسل اوزکان

ترک کینیڈین ہیں اور جائیداد کی خرید و فروخت کے کاروبار سے وابستہ ہیں وہ مسلم کینیڈین کانگریس کے رکن بھی ہیں۔

''اسلام اور مسلمانوں کی موجودہ صورتحال سے متعلق بہت زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں، اس کی ضمنی وجہ ہماری اپنی غلطی ہے، کیونکہ ہم عیسائیوں اور دیگر مذہب کے لوگوں کو اپنا نقطہ نظر سمجھانے سے قاصر ہیں، ہمیں صرف دوسروں پر تنقید نہیں کرنی چاہئے بلکہ اپنی

ذات پر تنقید سے بھی سبق سیکھنا چاہئے۔ تاہم اس مقصد کے لئے اعلیٰ سطح کی بالغ نظری درکار ہوگی۔ بدقسمتی سے اسلام اپنی پوری تاریخ کے دوران غلط ہاتھوں میں رہا ہے اسلام کی تشریح ان پڑھ افراد کی اور جن کے اپنے عزائم تھے وہ ٹھیک طرح سے نہیں کی گئی۔ بدقسمتی سے یہ مسئلہ ہنوز موجود ہے، ایسے تعلیم یافتہ ملا اور علما کی ضرورت ہے جو طاقت کے بھوکے نہیں ہوں نہ کرپٹ ہوں۔ حکومتی امور اور مذہب کی علیحدگی انتہائی ضروری ہے۔''

فرزانہ حسن

ٹورانٹو کے رہنے والی ہیں اور کتاب ''اسلام، خواتین اور آج کے چیلنج'' کی مصنفہ ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ:

''مسلمان اکثر اپنی عظمت رفتہ کا وارفتگی سے ذکر کرتے ہیں لیکن یہ سمجھنے میں ناکام ہیں کہ اسلامی تہذیب کو اسی وقت عروج ملا جب مسلمانوں نے برداشت، انسانیت، ایمانداری اور کھلی ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔ وہ آج کی طرح صرف عقیدے سے مغلوب نہیں رہے۔ عقیدے کی انتہا پسند پیروی معاشرے میں تقسیم اور تصادم کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتی اور مجموعی تہذیبی ارتقا کی راہ میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی اجتماعی نفسیات میں سوچ کی تبدیلی ضروری ہے تاکہ وہ ایسے سیاسی، سماجی اور تعلیمی اداروں کے فروغ کے قابل ہوں سکیں جو عالمگیر حقوق انسانی سے ہم آہنگ ہوں۔ یہ ناگزیر ضرورت نسل، صنف اور طبقے سے قطع نظر جمہوری اصولوں اور سماجی مساوات پر مبنی ہونے چاہئیں۔''

جین خان

یوکرائنی کینڈین نومسلم نے کہا کہ:

''میں 1968ء تک کیتھولک عیسائی تھی پھر میری ملاقات پاکستانی شوہر سے ہوئی (خدا ان کی مغفرت کرے)۔ اس وقت تک میں نے مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ پڑھا یا سنا وہ خوفناک اور منفی تھا۔ اس دوران میری چند غیر معمولی اور محبت کرنے والے قابل مسلمانوں سے ملاقات ہوئی جبکہ کچھ منفی، تنگ نظر، قانونی، مغرور اور جاہل مسلمان بھی ملے............ ہمیں ملاؤں کا مقابلہ کرنا چاہئے اور اپنے ساتھ ملنے والوں کو نرمی، شائستگی، ہمسایوں جیسے سلوک اور اچھا شہری ہونے کی خوبیوں سے متاثر کرنا چاہئے۔ شاید اس کا حل

MashalBooks.org

اجارہ داری سے پاک ایک مکتبہ فکر کے نظام میں مضمر ہے۔ اب یہ تمام اعتدال پسند، تعلیم یافتہ اور ترقی پسند مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ جہالت اور تعصب کے اندھیروں کو روشنی میں بدلنے کی کوشش کرتے رہیں۔''

محمد علی بخاری

ٹورانٹو میں مقیم بنگلہ دیشی کینیڈین صحافی:

''مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ جمہوریت کی عدم موجودگی اور اس کے نتیجے میں معاشی ترقی کے شعبے میں پائی جانے والی پسماندگی ہے۔ موجودہ دنیا میں جیو پالیٹکس اور باہم انحصاری Interdependence ہی ہر چیز پر کنٹرول کرتے ہیں اور اس عمل میں سب سے طاقتور قوت امریکہ اپنے نیو ورلڈ آرڈر کے ذریعے پوری دنیا میں غیر جمہوری سٹیٹس کا ہمیشہ سے حمایتی رہا ہے۔ عراق اور افغانستان کی طرف دیکھیں یہ دونوں جمہوریت کے نفاذ میں ناکامی کی یاد دہانی کراتے ہیں جبکہ ایران، پاکستان اور سوڈان کی اسلامی جمہوریہ دنیا میں کسی بھی جگہ پر اسلامی حکومت کے قیام کی مخالفت میں دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔''

سمیعہ احمد

مرخم، اونتاریو میں سکول ٹیچر ہیں۔

''میں حال ہی میں مسلم اکثریتی ملک پاکستان کے اپنے پہلے دورے سے واپس کینیڈا آئی ہوں، مجھے وہاں جو چیز نظر آئی وہ جدت اور روایت کا حسین امتزاج ہے اور یہ اس چیز سے مختلف ہے جو اسلام پسند ہمیں مغرب میں بتاتے ہیں۔ گزشتہ چند برسوں سے کینیڈا کے مسلمان انتہائی سخت گیر اور آمرانہ قسم کے وہابی اسلام سے آشنا رہے ہیں جبکہ پاکستان میں جا کر میں نے دیکھا کہ لوگ وہاں زیادہ لبرل اسلام سے متعارف ہو رہے ہیں اور اپنی چوائس کی آزادی کا استعمال کررہے ہیں۔ جہاں باقی ساری دنیا کے مسلمان تیز رفتاری سے معاصر انداز میں ترقی کر رہے ہیں وہاں ہم مغرب میں رہنے والے مسلمان عجیب وجوہات کی بنا پر انتہائی قدامت پسند بن گئے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی اسلام صرف ساتویں صدی کا اسلام ہے۔ مسلمانوں کو زندگی سے اللہ کے تمغے کے طور پر لطف اندوز ہونا

MashalBooks.org

چاہئے اور اسے سزا نہیں سمجھنا چاہئے۔"

ایڈورڈ ہورن

میکسیکو میں مقیم نومسلم ہیں۔

"پہلی دفعہ میں نے 10 ستمبر 2001ء کو مسجد میں نماز مغرب ادا کی، اگلے روز ہی مسلمان دہشتگردوں نے نیویارک شہر پر حملہ کر دیا، مجھ پر یہ خوف طاری تھا کہ اس سانحے کا ذمہ دار میں ہوں چنانچہ میں اس وقت تک مساجد سے دور رہا جب تک میں نے یہ محسوس نہ کر لیا کہ اس بدی کی مخالفت کا بہترین طریقہ اسلام کے اندر ہے، باہر نہیں۔ ہمارے اسلام پسند دشمنوں کی خون بہانے کی قدیم ہوس جدید زندگی، انٹرنیٹ، مواقع، خوشحالی اور تعلیم کے حملوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکتی۔ آج ہمیں مذہبی جنونیوں پر نظر رکھنے کو کہا جا رہا ہے تا کہ وہ کوئی ایٹمی جرثومی ہتھیار حاصل کر کے دنیا کو تباہ نہ کر سکیں۔

علی عباس عنایت اللہ

کراچی کے ایک بزنس مین ہیں۔

"ہم مسلمانوں کو ایسے بحران کا سامنا ہے جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ ہم مختلف اور متصادم سیاسی اور سماجی۔ اقتصادی تصورات کے درمیان پھنسے ہیں۔ مسلمانوں اور سیکولر ازم کے درمیان جھوٹی مخالفت تخلیق کی گئی ہے مسلمان کے طور پر میری اپنی شناخت امام علیؑ ابن ابو طالب سے انسپائر ہے۔ آپؑ خدا پرستی، انصاف، رحمدلی، علم، بہادری، صبر اور عاجزی کی ایسی خوبیوں کے حامل تھے جو آپؑ سے پہلے کسی اور کسی اور کو نہیں۔ ان کی شخصیت تمام انسانیت کو متاثر کر رہی ہے لیکن اسلامی دنیا اس سے دور ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سیکولر ممالک ہیں جو اپنے شہریوں کا خیال رکھتے ہیں اور جہاں ان خصوصیات پر عمل کیا جا رہا ہے۔ ایسے معاشروں میں ہی انسانوں کو پہلی بار برابری کی سطح اور ستاروں تک رسائی نصیب ہوئی اور ان لوگوں کی مدد کی جا رہی ہے جو پیچھے رہ گئے ہیں۔ سائنس، آرٹس اور ثقافت کے شعبے میں ہم کہیں نظر نہیں آتے جبکہ جیسے جیسے ہم سیاسی اسلام کے جبڑے میں پھنس رہے ہیں ناکام اور پسے ہوئے لوگوں کے طبقے میں ہماری تعداد مزید بڑھ رہی ہے۔ جب تک ہم اپنے ضمیر کو بیدار نہیں کرتے اور اپنے اعمال کی ذمہ دار قبول نہیں کرتے اور دنیا سے رابطہ

MashalBooks.org

نہیں کرتے ہم بھٹکے رہیں گے۔

کتاب کے اختتام پر اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے نیک خواہشات کے اظہار کی فہرست کے ساتھ میری یہ گزارشات ہیں کہ: اگر ہم اپنی بہتری کے لئے ایک کام کر سکتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ ہم محرومی کے اس نشے سے باہر آ جائیں جس نے ہمارے حواس کو اندھا کر رکھا ہے اور ہمیں آگے بڑھنے سے روک رہا ہے۔ مسلمان دنیا میں جو کوئی غلط کام ہوتا ہے، تو ہمیں بتایا جاتا ہے کہ یہ امریکہ یا یہودیوں کی کارستانی ہے۔

حالانکہ اس وقت کوئی اسرائیل موجود ہی نہیں تھا جب ابن سعود اور اس کے وہابی جنگجوؤں نے اوائل انیسویں صدی میں عراق پر حملہ کیا، کربلا کا شہر تباہ کر دیا اور ساتھی مسلمانوں کا قتل عام کیا، اس وقت کوئی امریکہ (یو ایس) موجود نہیں تھا جب آٹھویں صدی میں عباسیوں نے دمشق کو تاخت و تاراج کر دیا اور خون کی ندیاں بہائیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ امریکہ اور اسرائیلی فرشتے ہیں یا غلطیوں سے پاک ہیں لیکن براہ کرم تھوڑی سی دیانتداری کا مظاہرہ ضرور کرنا ہوگا۔ مسلمانوں کے اضطراب کی وجہ صیہونی امریکہ کی سازش نہیں، یہ مسلم قیادت کی نااہلی ہے کہ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام ہے کہ امیروں اور خلفاء کا دور اب ماضی بن چکا ہے۔ یہ ہمارے سکالروں اور علما کی ناکامی ہے کہ وہ اسلام کو جدیدیت، شخصی آزادی اور لبرٹی سے ہم آہنگ نہیں کر سکے۔ جب تک ہم اپنی محرومیوں کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتے رہیں گے ہم جامد ہی رہیں گے۔ کسی کنویں سے امام مہدی کے ظہور کا انتظار یا اس قسم کی اسلامی ریاست کا خواب دیکھنا جو ہمیں 1400 سو سال سے نہیں ملی کا خواب دیکھنا ہماری الجھن کا جواب نہیں۔

میرے مسلمان بھائیو! ہمیں ترقی کرنا ہے۔ آیئے کسی سیراب کی جستجو ترک کر دیں۔

MashalBooks.org

MashalBooks.org

پس لفظ: حسین حقانی

اسلام چودہ سو سال سے کروڑوں مسلمانوں کا مذہب ہے۔ اس کے پیروکاروں میں شہنشاہ،صوفی، تاجر، کسان، سپاہی اور فلسفی شامل ہیں۔ دیگر تمام مذاہب کی طرح اسلام بھی اپنے پیروکاروں کو اخلاقی اور روحانی رہنمائی فراہم کرنا چاہتا ہے۔ اس رہنمائی کا زندگی کے تمام شعبوں پر اطلاق ہوتا ہے لیکن عصری معنوں میں اسے سیاسی یا معاشی نظریہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پوری تاریخ میں مسلمانوں کے اندر ایک کمیونٹی ہونے کا احساس موجود رہا لیکن یہ ایک ریاست کی صورت میں بمشکل منظّم ہو سکے۔

تاہم بیسویں صدی کا آغاز کرتے ہوئے اسلام کے احیا کی طلب گار کئی باہم منسلک تحریکوں نے دعویٰ کیا کہ اسلام ایک مخصوص سیاسی نظام کی بنیادیں فراہم کرتا ہے اور یہ کہ اسلام کا بڑا مقصد ایک اسلامی ریاست کا قیام ہے۔ ایسی چیزیں جس کا تاریخی طور پر وجود ہی نہیں کے احیا کی خواہش اسلام کے اخلاقی اور روحانی ورثے کی حتمی طور پر شکست ریخت اور اس کی جگہ آمرانہ اور نیم آمرانہ قسم کے سیاسی نظریے جو اسلام کے نام پر جواز چاہتی ہے کی آمد کا باعث بن گئی۔

اسلامی نظریہ سیاست جسے آج سیاسی اسلام کے طور پر جانا جاتا ہے دراصل جدت کے دباؤ کے تحت روایتی اصول کے خاتمے کے نتیجے میں سامنے آیا۔ ابتدائی جدید اسلامی دنیا میں کئی سیاسی ماڈل حاوی رہے۔ حضرت محمدؐ کے اولین جانشین (پہلے خلیفہ راشد) کو مسجد کے اندر عمائدین کے اجلاس میں منتخب کیا گیا۔ پہلے خلیفہ نے اپنا جانشین خود نامزد کیا جبکہ تیسرے خلیفہ کو ایک کمیٹی نے چنا اور پھر کمیونٹی نے اس انتخاب کی توثیق کی، خلیفہ کے تصور پر شیعہ اکثریتی سنی طبقے سے الگ ہو گئے اور دعویٰ کیا کہ مذہبی اتھارٹی صرف حضرت علیؓ اور حضور اکرمؐ کی صاحبزادی کی اولاد میں اماموں کے پاس ہے۔

MashalBooks.org

شیعہ اکثریت والے ملک ایران میں دنیاوی اختیارات بادشاہوں نے استعمال کئے جبکہ فاطمی شیعوں نے سنی امویوں اورعباسیوں کی طرح خود کو خلیفہ کہلوانے کو ترجیح دی۔

بڑی مسلمان ریاستوں پر سلطانوں نے حکمرانی کی جو موروثی اعتبار سے خودمختار تھے اور انہوں نے شرعی قوانین کے نفاذ کے ذریعے اپنی قانونی حیثیت کا جواز حاصل کیا۔ ابتدائی دور کے مسلمانوں نے بادشاہوں کے خدائی حق کو تسلیم نہیں کیا اور شریعہ کو ان کے حکمرانوں کے اختیارات میں مداخلت کا ذریعہ سمجھا۔ یورپ اور مشرق وسطیٰ میں عثمانی سلطنت اور ہندوستان میں مغلوں نے بڑی تعداد میں غیر مسلموں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ موجودہ دور کے ملائشیا اور انڈونیشیا میں سلاطین کو علما کی معاونت بھی حاصل رہی۔ یمن اور موجودہ خلیجی ریاستوں جیسی چھوٹی ریاستوں کے حکومتی امور اماموں، امیروں یا شیوخ نے چلائے اور یہ سب خطے کے بڑے سلطان بالخصوص پندرہویں صدی کے بعد قسطنطنیہ کے خلیفہ کے فرمانبردار رہے۔

اپنی شرائط اور چند حادثات (1258ء میں بغداد پر منگولوں کا حملہ) کے ساتھ مسلم دنیا کا عروج بتدریج زوال میں بدل گیا اور اسی دور میں یورپ کا عروج شروع ہوا۔ مسلم دنیا نے جدید تبدیلی کا سامنا تھوڑے وقت میں اور زیادہ تر یورپی دباؤ کے تحت کیا۔ یورپ اور شمالی امریکہ کے برعکس مسلمان ریاستوں نے وقت کے ساتھ جدید ریاستوں میں تبدیل ہونے کے مواقع سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ برطانیہ اور فرانس نے عربی بولنے والے علاقوں میں، روسیوں نے وسطی ایشیا میں، ولندیزیوں نے انڈونیشیا اور برطانیہ نے ہندوستان اور جزائر ملائشیا میں مداخلت کرتے ہوئے مسلمان علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ جب ان کے پاؤں اچھی طرح جم گئے تو یورپی اقوام نے نوآبادیاتی آقاؤں کی تربیت یافتہ اشرافیہ کی مدد سے آہنی مکے کے ساتھ حکومت کی۔

مسلمان جدت پسندوں (Modernizers) نے بالخصوص انیسویں صدی میں جو ابتدائی مغربی تصور اختیار کیا وہ مطلق العنانی سے عبارت تھا۔ مثال کے طور پر زوال پذیر، عثمانی سلطنت کے اندر عسکری اور انتظامی اصلاحات کا بیشتر انحصار تبدیل شدہ مطلق العنانی پر رہا۔ کئی ''دفاعی جدت پسند'' اسلامی دنیا کے کئی حصوں میں ابھرے: ابتدائی حکمران اپنی سیاسی طاقت میں تبدیلی کئے بغیر منتخب مغربی سماجی اور معاشی نظریات اور ٹیکنالوجی متعارف کرانا

MashalBooks.org

چاہتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض سلاطین نے اعلیٰ طبقے پر مشتمل اسمبلیاں اور آئین متعارف کرا کے یورپ کی جدید قسم کی مطلق العنانی کی لیکن یہ کوششیں کچھ حلقوں کے نزدیک کافی نہیں تھیں جبکہ دیگر طاقتور اشرافیہ کے گروپوں میں اسے بہت پذیرائی ملی۔

مسلمانوں نے ٹیکنالوجی اور عسکری لحاظ سے برتر یورپ کے چیلنج کا جواب ایک یا دو طرح سے دیا۔ لوگوں کے ایک طبقے نے مغربی تعلیم قبول کرتے ہوئے مغربی طرز زندگی اختیار کر لیا اور مذہب کو تقریباً اپنی زندگی سے خارج کر ڈالا۔ جبکہ دیگر نے سیاست کی مذہبی انداز میں تشریح کرنا شروع کی اور اصرار کیا کہ اسلام میں مکمل ضابطہ حیات موجود ہے اور یہ سامراجی طاقتوں اور ان کے جدید تصورات سے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

یوں جدید دور کے آغاز پر ہی مسلم دنیا کے اندر سیاست اور حکومت سے متعلق نظریاتی تنازعات شروع ہو گئے۔ اس وقت تک روایتی اسلامی سکالرشپ کی توجہ قرآن کے تنقیدی جائزے اور احادیث کی جانچ پڑتال کے ذریعے خدا کے پیغام پر مرکوز تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ فلسفے، منطق اور کچھ حد تک فقہ کو بھی ملحوظ رکھا گیا۔ نمایاں استثنیٰ کے ساتھ مسلمانوں نے سیاسی اور معاشی تھیوری پر کم ہی توجہ دی۔ یکساں اسلامی سیاسی تھیوری کی اسی عدم موجودگی کے باعث برنارڈ لیوس جیسے سکالروں کو یہ کہنا پڑا کہ: ''اصولی طور پر کم از کم اسلام میں کوئی ریاست نہیں صرف حکمران تھا، کوئی عدالت نہیں محض ماضی تھا'' اس کے متبادل وضاحت یہ ہے کہ مسلمان سیاست تغیر پذیر اور کثیر الجہت ہے۔ جو چودہ سو سال کی تاریخ میں مورخین یا مذہبی کارپردازوں کی غیر ضروری اور فالتو تشریح کی حامل ہے۔

تاریخ اور تمدن کے عروج و زوال کے حوالے سے تاریخ کے بارے میں مسلمانوں میں زبردست سوجھ بوجھ موجود ہے۔ سولہویں صدی کے آغاز پر دنیا کے رہنما کا رتبہ ہاتھ سے نکل کر مغرب کو منتقل ہونے سے مسلمانوں میں کمزوری اور بے بسی کے اجتماعی احساسات نے جنم لیا۔ انیسویں صدی کے آغاز پر مسلمان سکالروں نے مسلمانوں کے زوال کی وجوہات کے تعین اور اس کا حل تجویز کرنے پر کافی وقت صرف کیا۔ جو حل تجویز کئے گئے ان میں سے ایک مگر انتہائی خطرناک نتائج کا حامل حل اسلام کو سیاسی نظریے کے طور پر پیش کرنا تھا۔ اس کا نتیجہ بقول طارق فتح ''اسلامی ریاست کے فریب'' کی صورت میں نکلا۔ اسلامی ریاست کی وکالت کرنے والے اپنے نظریے کی حمایت میں اسلام کو لاحق

MashalBooks.org

خطرات کی سازشی نظریات کا حوالہ دیتے ہیں جو عثمانی سلطنت کے غروب کے اختتامی برسوں میں کافی مقبول ہوئے۔ غیر مسلم سازشوں کو اس کمیونٹی کی بے اختیاری کی وضاحت کے لئے استعمال کیا گیا جو ایک وقت میں دنیا کی معاشی، سائنسی، سیاسی اور عسکری قائد تھی۔ اسلامی ریاست جو تمام مسلمانوں کو متحد کر کے بالاتر قوتوں کو ان کے عزائم میں ناکام بنائے گی کو مسلمانوں کی موجودہ کمزور حالت کا علاج بتایا گیا۔ فری میسن اور صیہونیوں کے خوف سے متعلق منصوبوں کو شواہد کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جس کے بارے میں اٹھارہویں صدی سے آوازیں اٹھ رہی ہیں۔ انیسویں صدی اور ابتدائی بیسویں صدی میں بڑے پیمانے پر بحث کی گئی کہ مسلمانوں اور اسلام کو جوابی طور پر کیا تدبیر کرنی چاہیے۔

مسلمانوں کی قائدانہ حیثیت سے محرومی مغرب کی بتدریج ٹیکنالوجی کے میدان میں فوقیت کا باعث بنی۔ عثمانیوں کی طرف سے قسطنطنیہ پر قبضے کے فوراً بعد جوہانز گوئنبرگ نے دھاتی پلیٹیں استعمال کر کے پہلی بار بائبل شائع کی۔ عثمانی سلطنت میں سلطان بایزید دوم (1481-1512) کے دور میں پہلی بار پرنٹنگ کا آغاز ہوا اور عملاً پرنٹنگ 1485ء تک مسلمانوں کے لئے ممنوع رہی۔ یورپ میں بھرپور طریقے سے بک انڈسٹری نے قدم جما لئے جس سے علم اور نظریات کی بڑے پیمانے پر ترویج میں سہولت مل گئی۔ 1501ء تک ایک ہزار سے زائد پرنٹنگ پریسوں سے تقریباً 35 ہزار کتابوں کی ایک کروڑ کاپیاں شائع کی جا چکی تھیں لیکن عثمانی سلطنت میں صرف عیسائیوں اور یہودیوں نے پرنٹنگ ٹیکنالوجی کا استعمال کیا۔

مسلمانوں نے 1727ء تک پرنٹنگ پریس کا آغاز ہی نہیں کیا تھا جس کا نتیجہ دنیا میں علم کے عظیم ترین دھماکے سے مسلمانوں کی 270 سالہ دوری کی صورت میں نکلا۔ ایرانی، مغل اور عثمانی سلطنتیں بہت بڑے علاقوں اور وسائل پر قابض تھیں لیکن پندرہویں صدی میں جو اہم ایجادات ہوئیں وہ مسلمان ملکوں میں نہیں بلکہ یورپ میں ہوئیں۔

جہالت ایک رویے کا نام ہے اور مسلمانوں کو اس سے نمٹنے سے پہلے اس کا تجزیہ اور اس پر بحث کرنا ہوگی۔ افواہوں اور سازشی تھیوریوں پر یقین اور یہ منطق کہ امہ کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اسلامی ریاست ازبس ضروری ہے نے بے لاگ بحث کا راستہ روک رکھا ہے۔ اسلامی کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کے 57 رکن ممالک دنیا کی آبادی کا 1/5 حصہ

MashalBooks.org

ہیں لیکن ان کی مجموعی جی ڈی پی صرف سپین سے بھی کم ہے تقریباً دنیا کی نصف آبادی ناخواندہ ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ہونے والی ایجادات اور موجدوں کی فہرست سے مسلمان نمایاں حد تک غائب ہیں۔

او آئی سی کے ممالک میں تقریباً 500 یونیورسٹیاں ہیں جبکہ صرف امریکہ میں 5 ہزار اور بھارت میں 8 ہزار سے زائد یونیورسٹیاں ہیں، 2004ء میں شنگھائی، جیاؤ ٹونگ یونیورسٹی نے دنیا کی یونیورسٹیوں کی رینکنگ کی فہرست مرتب کی اور ابتدائی 500 یونیورسٹیوں میں سے ایک بھی مسلم اکثریتی ملک کی نہیں تھی۔ ہر 30 لاکھ مسلمانوں کے لئے ایک یونیورسٹی ہے اور مسلمان ملکوں میں ہر 10 لاکھ افراد میں سے 230 سائنسدان ہیں جبکہ امریکہ میں 4 ہزار سائنسدان فی ملین افراد اور جاپان میں 5 ہزار سائنسدان فی ملین افراد ہیں۔ مسلم دنیا اپنی جی ڈی پی کا 0.2 فیصد ریسرچ اور ڈویلپمنٹ پر صرف کرتی ہے جبکہ مغربی ممالک تعلیم کے فروغ پر تقریباً 5 فیصد خرچ کرتے ہیں۔

طارق فتح نے بجا طور پر وضاحت کی ہے کہ مسلمانوں کے زوال کی وجہ خالصتاً مذہبی اسلامی ریاست کی عدم موجودگی نہیں، اس کی وجہ وہ حالت ہے جس میں مسلمان فی الوقت خود کو پاتے ہیں۔ انہوں نے دیندار مسلمانوں اور اسلام کے نام پر طاقت کے حصول میں مصروف افراد میں فرق کرنے کا بھی مطالبہ کیا ہے۔ ان کے کچھ خیالات بالخصوص امریکی پالیسیوں اور دہشتگردی کے خلاف جنگ سے متعلق، تنازعہ پیدا کریں گے، اگرچہ ہر کوئی ان کی تشخیص سے متفق نہیں ہو گا لیکن ان کے نسخہ سے ضرور اتفاق کرے گا۔ بہرحال طارق فتح ان مسلمان مصنفین کی پھیلتی ہوئی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں جو اسلام ازم کو چیلنج کر کے مسلمانوں سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ اسلام کو سیاسی نظریے کے طور پر پیش کرنے کے لئے تاریخ کو موجودہ اسلام میں گھسیٹنے کی بجائے اسلام کو ناگزیر روحانی اور اخلاقی نظام عقیدہ سمجھیں۔

معاصر مسلمانوں کو اپنے مادی زوال کی مادی وجوہات سمجھنی چاہئیں، اسلام کے مقدس فرائض کی پہچان کرنی چاہئے اور اسلام کے تاریخی تنوع اور کثیر الجہتی کا اعتراف کرنا چاہئے وہ اسلام پسند جو ہتھیار اور دہشت کے ساتھ اسلامی ریاست کا مطالبہ کرتے ہیں محض مسلمانوں کو کمزوری اور ذلت کے راستے پر مزید آگے دھکیلیں گے۔

MashalBooks.org

حسین حقانی امریکہ میں پاکستان کے سفیر ہیں، وہ بوسٹن یونیورسٹی کے سنٹر آف انٹرنیشنل ریلیشنز کے ڈائریکٹر اور ہڈسن انسٹی ٹیوٹ واشنگٹن ڈی سی میں اسلام اور ڈیموکریسی پراجیکٹ کے شریک چیئرمین بھی ہیں۔

MashalBooks.org

اظہار تشکر

نرگس ٹپال سے میری پہلی ملاقات 1970ء میں کراچی یونیورسٹی کے کیمپس میں ہنگامہ خیز الیکشن ریلی میں ہوئی۔ وہ بیٹلز (Beatels) کی مداح تھی اور بڑے بڑے بالوں والے رنگوسٹار کی حامی تھی جبکہ میں بائیں بازو کے طلبا کا ابھرتا ہوا لیڈر تھا۔ جس روز سے ہم ملے ہمارے راستے ایک ہو گئے، یہ راستے 3 ملکوں اور 3 عشروں سے ہوتے ہوئے اس کتاب میں انتہا کو پہنچ گئے۔ گزشتہ ایک سال سے نرگس نے اس کتاب کی تکمیل میں صبح 5 بجے سے رات گئے تک ایک چٹان کی طرح میری رہنمائی برقرار رکھنے میں معاونت کی۔ انکے تعاون کے بغیر اور میری بار بار مسودہ دیکھنے کی درخواست پر وہ کہتیں ''یہ بالکل ٹھیک ہے'' یا ''حقائق کو درست کرو'' اور اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو میری یہ کتاب ''سراب کے تعاقب'' بھی ایک اور تعاقب ہی ثابت ہوتی۔ شکریہ نرگس، مدد کرنے کا۔ اور خواتین نے بھی اس پراجیکٹ میں میری مدد کی، وہ میری بیٹیاں نتاشا اور نازیہ ہیں۔ میں نے ان کا بہت سا وقت لیا لیکن انہوں نے کوئی شکوہ نہ کیا، شکریہ بچو، یہ کتاب اپنے وجود کے لئے دو کیتھولک اداروں کی مرہون منت ہے، ایک پاکستان کا ہے جبکہ دوسرا کینیڈا میں واقع ہے، پہلے ہسٹری اور اسلام کو سمجھنے کی میری جستجو میرے مادر علمی سینٹ لارنس بوائز سکول کراچی کی مرہون منت ہے۔ فادر جوشوا، فادر ٹرینڈاڈ اور فادر مسکرینس Mascarenhas آپ کا بہت بہت شکریہ، آپ نے ہمیں تعلیم دی اور مسلمان طلبا کو ایک کیتھولک سکول میں اسلام کے مطالعے کی اجازت دی۔ دوسرا میرا وجود—— آسینٹ مائیکل ہسپتال—— جو سینٹ جوزف کے بہنوں نے تعمیر کیا ہے—— جس نے مجھے یہ کتاب لکھنے کے لئے وقت کی سہولت فراہم کی۔ اگرچہ وہ میری ''غیر نصابی سرگرمیوں'' کے ذمہ دار نہیں تھے لیکن انہوں نے پھر بھی مہربانی کی۔

MashalBooks.org

شکریہ سینٹ مائیکل—— مجھے اپنی ساتھی کارکنوں تاشا مائیکل اور کیتھراین کیمرون کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جنھوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ میں اپنے طے شدہ شیڈول میں لیٹ نہ ہو سکوں اور جب میں مایوس ہوتا تو وہ اپنی باتوں سے میری دلجوئی کرتیں۔

اس طرح میرے دوست انتظار زیدی اور سلیم احمد میری لئے جہازی لنگر ثابت ہوئے۔ رئیل اسٹیٹ کا کامیاب ایجنٹ ہونے کے ساتھ سلیم احمد ایک دانشور بھی ہیں اور علم و دانائی کی دولت سے بھی مالا مال ہیں۔ اس کتاب کی تحریر کے دوران ان کے تعاون سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ جب میں لکھتے لکھتے گھبرا جاتا تو ان کی شخصیت میرے لئے جائے پناہ ثابت ہوئی۔ میرا اور انتظار زیدی کا ساتھ 1960ء کے عشرے تک محیط ہے جب ہم سیاسی قیدی کے طور پر پاکستان میں جیل کی ایک ہی کوٹھڑی میں بند رہے۔ کینیڈا بالخصوص کیوبک میں اسلام پسندوں کی سرگرمیوں پر ان کی گہری نظر ہے۔

یہ کتاب لکھنے کی تجویز میرے دو ساتھی مسلمانوں نے دی: متنازعہ کینیڈین مصنفہ ارشاد مانجی (جن کے ساتھ عوامی سطح پر میری کئی بار بحث وتکرار ہوئی، وہ تیز حس مزاح والی جرائتمند خاتون ہیں اور ہم اب بھی کئی معاملات پر عالمانہ انداز میں متفق ہیں) اور حسین حقانی جو بوسٹن یونیورسٹی میں پروفیسر اور سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو کے معتمد تھے (میں پہلے کبھی ان سے ملا نہیں تھا تاہم ایک روز انہوں نے مجھے فون کیا اور گفتگو کی دعوت دی) اس کتاب کے بیج بونے پر میں دونوں کا شکر گزار ہوں۔

اینٹر ڈون لونے میری زندگی میں اس وقت آئے جب میں نے جولائی 2006ء میں مسلم کینیڈین کانگریس کے ڈائریکٹر کمیونیکیشن کے عہدے سے استعفیٰ دیا۔ استعفے کے بعد مجھے قتل کی دھمکی دی گئی جس نے میرے خاندان کو ہلا کر رکھ دیا۔ ڈون لو نے ''گلوب اینڈ میل،'' میں میری مشکل کے بارے میں پڑھا اور یہ بھی کہ میں مسلم کمیونٹی کو درپیش چیلنجوں کے حوالے سے کوئی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اگلے روز انہوں نے مجھے فون کیا اور کہا کہ پبلشر Wiley میری کتاب شائع کرنے پر گفتگو کرنے میں دلچسپی رکھتا ہے اور یہ امکان بالآخر حقیقت بن کر ابھرا۔

مجھے وائیلے میں کام کرنے والے پامیلا ووکے، لزک کیورڈی، ایرن کیلی اور رابن دت رائے کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ میں کاپی ایڈیٹنگ کی مہارت پر شیرل

کو ہمن اور کتاب میں جامع انڈکس ترتیب دینے پر کرسٹیل ڈ ڈجین کا شکر گزار ہوں۔

میرے کئی دوستوں نے مسودے کا مطالعہ کیا اور مجھے اپنی سوچوں پر مرکوز ہونے میں میری مدد کی۔ سابق سکول ٹیچر اور نومسلم ایڈورڈ ہورن، فرزانہ حسن جو خود اپنی کتاب کی تحریر کے وسط میں تھیں۔ ٹیری واکر نے سوچیں مجتمع کرنے میں تعاون کیا۔ ہرمیندر ڈھلوں نے سکھ تاریخ سے متعلق بیش قیمت معلومات فراہم کیں۔ اس کے علاوہ جہاد الاویوی نے زبردست تعاون کیا۔ کیوان سلطانی، علی عباس راحیل، سہیل ضیاء، کرنل احمد جنہوں نے اپنی لائبریری کے دروازے میرے لئے کھول دیئے کا بھی شکریہ۔ یارک یونیورسٹی کے طالبعلم تموج ہبگشناس نے بیلوگرافی ترتیب دینے میں تعاون کرتے ہوئے اپنے متبادل کے میچ چھوڑ دیئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے میرے ساتھ مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا کے موضوع پر شاندار بحث بھی کی۔ سلمٰی صدیقی نے اوٹاوہ اور طاہر اسلم گورا نے ہرنگٹن سے مجھے لمبی لمبی فون کال کی اور میں نے اپنے خیالات پر انکی رائے لی۔

میں حسن محمود کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جن کی بنگالی میں کتاب ''اسلام اور شریعہ'' سے بھونچال آ گیا اور شریعت پر ان کے عبور کے سامنے کینیڈا میں کئی ائمہ کی علمیت ماند پڑ گئی۔

کاش میرے والدین یہ کتاب پڑھنے کے لئے زندہ ہوتے، تاریخ کا مضمون میرے والد کا شوق تھا۔ اشوک سے نپولین، اعلان بالفور سے ٹرسٹ کے معاہدے تک میں نے دس برس کی عمر میں ان سے سب کچھ سنا۔ میری ماں جنہوں نے میری تعلیم کے لئے بہت قربانیاں دیں وہ میز پر کھانا لگاتیں اور بستے میں کتابیں رکھتیں اور اس بات کو یقینی بناتیں کہ کامیابی کی راہ میں کوئی مشکل نہ آئے۔ دونوں کا شکریہ۔

اسلام پسندوں کا ایجنڈا موثر اس بنا پر ہے کیونکہ کئی شائستہ، با مقصد، سوجھ بوجھ والے اور صحیح معنوں میں قابل ستائش سیاستدان جنہوں نے لبرل یا لیفٹ کا لبادہ اوڑھ رکھا ہوتا ہے اسلام پسندوں کے جارحانہ ہتھکنڈوں کے موضوع پر گفتگو میں انجان اور معصوم بن جاتے ہیں۔ اسلام پسندوں کے اسی جارحانہ ایجنڈے اور مرکزی دھارے کی اس پر خاموشی کے خوف نے ایران، عراق، فلسطین، پاکستان اور بنگلہ دیش کے پس منظر کے حامل گیارہ کینیڈین اساتذہ اور کارکنوں کو ٹورانٹو سٹار یں میں ایک مشترکہ مضمون لکھنے کی تحریک دی:

MashalBooks.org

’’مغرب بشمول کینیڈا کے اہل دانش کے آگے خوف کا ایک پردہ ہے۔ اسلاموفوبیا کا الزام لگنے کے خوف سے انہوں نے اپنے ہونٹ سی رکھے ہیں، اپنے قلم خشک کر رکھے ہیں اور اپنے کی بورڈز کو لاک کر رکھا ہے............ کینیڈا کے مصنفین، سیاستدانوں اور میڈیا نے خود پر خوف کی سنسر شپ عائد کر رکھی ہے اور اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے انکاری ہیں، یوں انہوں نے اس بات کو یقینی بنا دیا ہے کہ صرف مسلمان انتہا پسندی اور دائیں بازو کے نسل پرستوں کی آوازیں ہی سنی جائیں۔‘‘

یہ اظہار رائے کرنے والوں میں کینیڈین عرب فیڈریشن کے سابق ایگزیکٹو ڈائریکٹر جہاد الاویوی (Jehad Alliweiwi) اس وقت کے مسلم کینیڈین کانگریس کے جنرل سیکرٹری الفاروق خاکی، PEN کینیڈا کے ڈائریکٹر منیر پرویز، پروفیسر عامر حسن پور اور شہزاد موجب (ٹورانٹو یونیورسٹی)، طارق اسماعیل (کیلگری یونیورسٹی)، عائدہ مغیثی اور سعید رہنما (یارک یونیورسٹی) اور میں خود شامل تھا، ہم ڈنمارک میں شائع ہونے والے کارٹون☆ کے بعد پیش آنے والے واقعات پر ردعمل ظاہر کر رہے تھے۔ اس موقع کو پوری دنیا کے اسلام پسندوں نے تعصب کو غیر معمولی سطح پر پہنچانے کے لئے استعمال کیا جس کے نتیجے میں کئی ہلاکتیں ہوئیں اور موت کی ان گنت دھمکیاں دی گئیں۔

آرٹیکل میں ہم نے بتایا کہ کس طرح ’’کھلی چھوٹ سے بے باک ہوکر‘‘ مسلمان انتہا پسندوں اور ان کے حامیوں نے ٹورانٹو کوئنز پارک میں جلسوں کے دوران شرکاء کے سامنے یہ تشدد آمیز عہد کیا کہ وہ ڈنمارک والوں کو ان کے خون میں نہلا دیں گے۔ جبکہ پاکستان میں مسلمان خواتین نے ’’اللہ ہٹلر کا بھلا کرے‘‘ کے نعرے والے بینر اٹھا کر احتجاج کیا۔ ایک مسلمان عالم نے کارٹونسٹ کے قتل کے لئے 10 لاکھ ڈالر انعام مقرر کر دیا، ہم نے بتایا کہ کس طرح سفارتخانے نذر آتش کئے گئے اور چرچ ویران ہو گئے اور اس تنازعے کے شروع ہونے کے بعد مسلمان ملکوں میں سینکڑوں افراد مارے گئے۔

مضمون کے مصنفین نے نشاندہی کی کہ:

’’طویل عرصے سے مسلم دنیا سے تعلق رکھنے والی کمیونٹی کی تصویر ایک بھاری پتھر کے طور پر پیش کی جا رہی ہے جس کی بہترین نمائندگی انتہا پسند کرتے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اہل کینیڈا اٹھ کھڑے ہوں اور مشکل سے

حاصل کی گئی جمہوری اقدار جن کی انتہا پسند مخالفت کرتے ہیں کی حفاظت کریں۔ انتہا پسندوں کا ایجنڈا مسترد کر کے کینیڈا کے دانشوران مسلمانوں اور سیکولر افراد کے کندھے سے کندھا ملائیں گے جو اسلاموفوبیا اور اسلام ازم دونوں کے مخالف ہیں، اسلام ازم جبر کی عالمگیر قوتوں کے خلاف نئی انقلابی تحریک نہیں جیسا کہ اس ملک کے بائیں بازو کا ایک طبقہ غلط طور پر اخذ کرتا ہے۔''

مضمون کے لکھاریوں نے دائیں بازو کے مذہبی عناصر اور نام نہاد اسلامی دنیا کی اشرافیہ کے ایجنڈے کی طرف توجہ مبذول کرائی جو ایسی قانون سازی کرنے کے معاملے میں متحد ہیں جس کے تحت مذہب پر بحث کو مجرمانہ حملہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس وقت اردن، ایران، یمن، پاکستان اور افغانستان میں کئی ایسے مصنفین ہیں جو جیلوں میں گل سڑ رہے ہیں اور ان پر ارتداد اور توہین رسالت کے مقدمے ہیں۔

ہم نے کینیڈا کے سیاستدانوں اور دانشوروں پر زور دیا کہ وہ ''آزادی اظہار کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔'' آزادی اظہار سمیت ہماری جمہوری اقدار پر نفرت سے لڑائی کی آڑ میں سمجھوتہ نہیں ہونا چاہئے۔ اسلاموفوبیا اور نسل پرستی سے لڑتے ہوئے ہمیں بولنے اور مباحثے کی آزادی کی قربانی نہیں دینی چاہئے۔

اس آواز پر چاہے ابھی تک سیاستدانوں کے ردعمل کا انتظار ہے لیکن اسلام پسندوں نے جارحانہ انداز میں مسلمانوں کی تقریر گاہ پر قبضے کی کوششیں ترک نہیں کی اور یہ لوگ ان سیاستدانوں کو دھوکہ دینے میں مصروف ہیں۔

برطانیہ اور کینیڈا، امریکہ میں نسبتاً اس کی شدت کم ہے۔ اسلام پسندوں کا ایک ایجنڈا مرکزی دھارے کی کمیونٹی سے بے جا مطالبات کرنا ہے، انہیں امید ہے کہ اس سے نسل پرست طبقے میں اشتعال پیدا ہوگا، اس کوشش میں انہیں کامیابی ملی ہے۔ اوٹاوہ میں اسلام پسند گروپ انتھک کوششیں کر رہے ہیں اور سیاستدان اس خوف سے دفاعی انداز اختیار کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ اگر انہوں نے اسلام پسندوں پر تنقید کی تو انہیں نسل پرست قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیوبک میں 2007ء کا موسم گرما اس لحاظ سے طویل عرصے تک یاد رکھا جائے گا کہ اس میں مذہبی اقلیتوں اور تارکین وطن کے مسائل پر بحث کے لئے

MashalBooks.org

معقول جواز فراہم کیا گیا۔ جس وقت اہل کیوبک تارکین وطن سے یہ کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے نئے وطن کو اپنا لیں اور اس سے جڑ جائیں اور مذہب کے ریاست سے الگ ہونے کے اصول کا احترام کریں تو اس وقت نسل پرست جنگل میں سے نمودار ہوئے اور نسل پرستی اور نفرت کا فضول انداز میں اظہار شروع کر دیا۔ یوں اسلام پسندوں کے تفریق اور شریعت کے ایجنڈے پر توجہ مرکوز ہونے کی بجائے بحث کا رخ نسل پرستوں کے تعصب کی طرف مڑ گیا۔

اسلام پسندوں نے بائیں بازو کے ایک طبقے میں بھی متاثر کن اتحادی بنا لئے ہیں۔ دونوں کی اس نئی نویلی محبت کے بارے میں مشرق وسطیٰ کے امور پر جید سکالر اور لندن سکول آف اکنامکس میں انٹرنیشنل ریلیشنز کے پروفیسر فریڈ ہالیڈے تفصیل سے رقمطراز ہیں، ''اوپن ڈیموکریسی'' کے لئے ''جہاد اور دایاں بازو'' کے عنوان سے ایک آرٹیکل میں وہ پوچھتے ہیں کہ: لیفٹ کبھی بنیاد پرست اسلام ازم کا بڑا دشمن ہوتا تھا، یہ دیرینہ دشمن کیونکر نئے دوست بن گئے؟''

ہالیڈے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ افغانستان میں امریکہ کی مداخلت اور عراق پر حملے نے اسلامی دنیا سے دور ہٹ کر اسلام پسند گروپوں میں ہمدردی کے جذبات پیدا کئے ہیں۔ تاہم دنیا کے کئی حصوں میں اسلام ازم کے بطور طاقت اور لیفٹ کے کئی گروپوں کے درمیان سیاسی طور پر نمایاں اشتراک کار کے آثار موجود ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''القاعدہ یا اخوان المسلمین، حزب اللہ، حماس اور (کسی حد تک) ایرانی صدر محمود احمدی نژاد کا مجموعہ خود کو بظاہر بین الاقوامی سامراجیت کا نیا مخالف ظاہر کر رہا ہے اور یہ امر خود ان کے تاریخی پراجیکٹ کی تکمیل کا موجب ہے۔ یہ فرضی مشترکہ تحریک ایسے لیفٹسٹ گروپوں اور دانشور طبقے کی نظر میں جھوٹا ضمیر ہی ہے لیکن اس سے ان کی طرف سے اسلام پسندوں کی مقصداً حمایت یا کم از کم انہیں چھوٹ دینے پر سمجھوتہ نہیں ہوتا۔''

ہالیڈے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام پسند بذات خود ایک منقسم سیاسی تحریک ہیں اور یہ کہ تحریک موجودہ شکل میں یقیناً امریکہ مخالف ہے لیکن اس نکتے پر ایک اور حقیقت کو نظر انداز کرنا بڑی غلطی ہو گی کیونکہ ''طویل عرصہ قبل اخوان المسلمین، جہادی اور دیگر اسلامی عسکریت پسند گروپ ''سامراجیت'' پر ''حملے'' کرتے ہوئے بائیں بازو کے ارکان کو

MashalBooks.org

ہلاک کر رہے تھے، ایشیا اور افریقہ بھر میں یہ لوگ مغرب کے شریک جرم کا کردار ادا کر رہے تھے۔

لاس اینجلس کی یونیورسٹی آف کیلی فورنیا کے پروفیسر خالد ابوالفضل نے جولائی 2002ء میں نیویارک ٹائمز میں لکھا کہ:

''اعتدال پسند مسلمان دانشور سعودی عرب کی طرف سے اس کی اپنی طرز کے اسلام یعنی وہابیت کے فروغ کی بذریعہ رقوم فراہمی سے کوششوں کے خلاف مسلسل لڑ رہے ہیں۔'' یہ بیان آج شمالی امریکہ اور یورپ کی صورتحال کی بالکل ٹھیک عکاسی کرتا ہے۔

امریکی ہتھوڑے اور اسلام پسند ''اہرن'' کے بیچ اب جنوری کی اس سرد صبح میں ٹورانٹو کنونشن سنٹر کی طرف واپس آتے ہیں۔ میں مغرب کے لئے جارحیت اور نوجوان شرکاء کی طرف سے بھرپور داد دینے پر ملول تھا، مجھے حیرت تھی کہ ایسے دوستوں کی موجودگی میں کیا مسلمانوں کو کسی دشمن کی ضرورت ہے۔ میرے بس میں یہی تھا کہ میں اپنی جرأت مجتمع کروں اور شستہ انداز میں محفل سے واک آؤٹ کر جاؤں۔

کنونشن ہال سے تنہا باہر آتے ہوئے میں مغربی تہذیب اور اس کے نوجوان مسلمان شہریوں کے درمیان بڑھتی ہوئی چپقلش کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے دو خطرناک اثرات ہیں۔ یہ کہ اس سے مغرب کی طرف سے مسلمان نوجوان کو محفوظ جگہ فراہم کرنے میں ناکامی آشکار ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے اسلام پسند مسلمانوں کی طرف سے مغرب کو بہرصورت ایک بدی کے طور پر پیش کرنے اور مساجد اور فرضی کانفرنسوں میں مستقل اشتعال انگیزی پھیلانے میں کامیابی کا انکشاف ہوا۔

پاکستانی برطانوی مصنف طارق علی کے الفاظ میں ''آج کے مسلمان امریکی عسکری مہم جوئی کے ہتھوڑے اور اسلام پسند انتہا پسندی کی ''اہرن'' کے درمیان پھنسے ہوئے ہیں۔ کئی مسلمان خود کو ایسی اسلام پسند قیادت کا یرغمال سمجھتے ہیں جو انکی مشکلات میں اضافہ تو کرتی ہے لیکن آخرت کے سوا فرار کے کسی بھی موقع کے بارے میں کم ہی امید دلاتی ہے۔''

امریکہ۔ اسلام پسند گٹھ جوڑ کے بارے میں بہترین تفصیل رابرٹ ڈریفس نے اپنی کتاب Devil's Game: How the United States Helped Unleash

MashalBooks.org

Fundamentalist Islam میں فراہم کی ہے۔ ڈریفس جو تحقیقاتی رپورٹنگ کرتے ہیں اور ان کی رپورٹیں ''دی نیشن'' اور ''رولنگ سٹون'' میں شائع ہوتی رہی ہیں نے امریکی حکومت میں شامل دائیں بازو اور سخت گیر عناصر کے مشرق وسطیٰ میں بنیاد پرست گروپوں سے رابطوں کو بے نقاب کیا ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ کس طرح سٹی بنک نے اسلامی بنکاری نظام تخلیق کرنے میں معاونت کی جو مغرب دشمن پر تشدد اسلام ازم کی مالیاتی بنیاد بن گیا ہے۔ مصنف نے امریکی فوج اور انٹیلی جنس حکام کے حوالے سے امریکی خارجہ پالیسی کا مبہم اندرونی تشویشناک پہلو واضح کیا ہے جس کے تحت کمیونزم سے نمٹنے کے لئے اسلام پسندوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے۔

صدر جمی کارٹر کے مشیر قومی سلامتی زبگنیو برزنسکی سے جب 1996ء میں یہ پوچھا گیا کہ کیا آپ کو اسلامی بنیاد پرستوں کی حمایت کرنے پر ملال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ''دنیا کی تاریخ کے لئے سب سے اہم کیا ہے؟ وسطی یورپ کی آزادی اور سرد جنگ کا خاتمہ؟'' یہ وہی برزنسکی ہیں جنہوں نے 1980ء میں پاک افغان سرحد پر درہ خیبر پر کھڑے ہو کر اسلام پسندوں کی پیٹھ تھپتھپائی تھی کہ جاؤ اور (روس کے خلاف) جہاد کرو۔

افغانستان میں جنگ پر ایک باب میں ڈریفس نے بیان کیا ہے کہ کس طرح امریکہ نے ارادتاً مجاہدین کی متعصب اور شر پسند اقسام کو پیسہ فراہم کیا تا کہ سوویت فوجیوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچ سکے۔ ان میں گلبدین حکمت یار شامل ہیں، پاکستان اور سی آئی اے کا پسندیدہ مجاہد جو اپنے قیدیوں کی زندہ حالت میں کھال کھینچنے اور برقعہ نہ پہننے والی خواتین پر تیزاب پھینکنے میں مشہور ہے۔ آج حکمت یار اور اس کے سپاہی پاکستان میں طالبان کے شانہ بشانہ افغانستان میں ایساف کے تحت خدمات سرانجام دینے والے کینیڈین اور برطانوی فوجیوں سے لڑ رہے ہیں۔

سامراج دشمنی کا نقاب

جب 1990ء کے عشرے میں امریکی جنگی طیارے یوگوسلاویہ پر بمباری کر رہے تھے تو یہی اسلام پسند جو امریکہ کی مذمت کرتے ہیں اس وقت امریکہ اور یورپ کی سڑکوں پر بغلیں بجا رہے تھے۔ اسلام پسندوں کے نزدیک امریکہ کی غیر ممالک میں فوجی

MashalBooks.org

مداخلت کوئی مسئلہ نہیں۔ امریکی سامراجی عزائم پر ان کے اعتراضات اس وقت سامنے آتے ہیں جب ان سے اسلامی دنیا متاثر ہوتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ویتنام جنگ کے دوران امریکی شہروں میں پھیلی مسلمان تنظیمیں جنگ مخالف مظاہروں سے غائب نظر آتی ہیں۔ عام امریکیوں اور یورپی مسلمانوں نے ویتنام جنگ کے خلاف تحریک میں صدق دل سے حصہ لیا لیکن 1960ء کی دہائی میں کوئی ایک امام یا شیخ اس تحریک میں دکھائی نہ دیا۔ سامراج دشمنی کا آج راگ الاپنے والی اسلام پسند قیادت سے اگر پوچھا جائے کہ جناب ویتنام جنگ کے دوران آپ کہاں تھے؟ شہری حقوق کی عالمگیر تحریک میں بھی آپ نظر نہیں آئے؟ آپ اس وقت بھی غائب تھے جب صدر ریگن نے غرناطہ پر حملہ کیا؟ تو اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ 1985ء میں جب سوڈانی حکومت نے معروف اسلامی سکالر محمد محمود طہٰ کو پھانسی دی۔ اخوان المسلمین کے شرکا نے نعرہ مسرت بلند کیا تو ٹورانٹو کے کسی اخبار میں کسی اسلام پسند رہنما کی طرف سے ایڈیٹر کے نام ایک بھی احتجاجی مراسلہ نہیں بھیجا گیا۔ میرا خیال ہے کہ شاید ہی کسی اور مغربی اخبار میں بھی مسلمانوں کے احتجاج سے متعلق کوئی مواد شائع ہوا ہو۔

آج شمالی امریکہ اور یورپ میں اسلام پسند کئی قسم کا کردار ادا کر رہے ہیں، کچھ نے جھوٹ موٹ کا ''اعتدال پسندی کا لیبل اختیار کر رکھا ہے جبکہ دیگر اسلام پسند جدید سیکولر جمہوری ادارے سے مماثلت رکھنے والی کسی بھی چیز کو مطعون کرنے کا رجحان پھیلا رہے ہیں۔ ان دونوں اقسام کا پہلا نشانہ عام مسلمان ہے جو نہ صرف مسجد اسٹیبلشمنٹ کا پابند ہونے سے انکاری ہے بلکہ ملاؤں اور ائمہ کی روزمرہ کی زندگی میں قرون وسطیٰ کی حقارت اور فرقہ واریت کو بھی قبول نہیں کرتا۔ کوئی بھی معاشرہ تمام شہریوں کو بلاامتیاز برابر سمجھے اور انہیں انصاف فراہم کرے اور جس کی بنیاد ایسے قوانین پر موجود فانی لوگوں نے بنائے ہوں وہ اسلام پسندوں کے مذہبی نظریات کا مخالف ہے۔ ان کے نزدیک پارلیمنٹیریز کے قوانین اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک ان کی جانچ خود ساختہ باریش اسلامی سکالر کر کے منظوری نہ دیں۔ دراصل اس ضمن میں اسلام پسند ایران کے آیت اللہ حضرات کا ماڈل سامنے رکھتے ہیں جہاں پارلیمانی قوانین یہاں تک کہ انتخابی امیدواروں تک کو ولایت فقیہہ منتخب کر سکتا ہے اور یہ ولایت فقیہہ (سپریم لیڈر) صرف خدا کو جوابدہ ہے۔''

اسلام پسند اور ملاؤں کی اسٹیبلشمنٹ جس کی یہ نمائندگی کرتے ہیں ایسے سیکولر ڈیمو

MashalBooks.org

کریٹک معاشروں سے بری طرح خوفزدہ ہیں جہاں انفرادی مسلمانوں اور مسجد کے اجتماعات پر ان کی گرفت ختم ہوسکتی ہے۔ ایران اور سعودی عرب جیسے معاشروں میں معاشرتی، ثقافتی اور جاگیرداری دباؤ انتہائی سیکولر مسلمان کو بھی کسی امام، شیخ یا آیت اللہ کی اگر اطاعت نہیں تو کم از کم تعظیم پر مجبور کر دیتا ہے۔

بھارت، جنوبی افریقہ، کربیئن، شمالی امریکہ اور یورپ جیسے خطوں میں مسلمان قرون وسطیٰ کے ملاؤں کی وضع کردہ پارٹی لائن کو کم ہی چھیڑتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کینیڈا میں شرعی قانون متعارف کرانے کی کوشش کی گئی لیکن اس میں ناکامی نے اسلام پسندوں کی اسٹیبلشمنٹ کو ان چھوٹی مسلمان اقلیتوں سے ناراض کر دیا ہے جنہوں نے فیملی لاء کے حوالے والے فریب کو بے نقاب کر دیا تھا۔

ٹورانٹو کے دہشتگردی کے ملزم:

ممکن ہے کہ جون 2006ء میں کینیڈا میں دہشتگردی کے سیل میں نوجوان مسلمانوں کے مبینہ کردار پر ان کی گرفتاریاں کینیڈا کے دورے پر آئے کویتی سکالر کے اشتعال انگیز خطاب کا نتیجہ نہ ہو لیکن اگر کینیڈا کے ادارے RCMP کے الزامات درست ہیں تو پھر دہشتگردی کے اس گروپ کی جڑیں نفرت اور موت کے اس فرقے میں ضرور ہیں جسے مسلم علما کا ننھا سا دھڑا چلا رہا ہے۔ جہاں کینیڈا کے مسلمانوں کی جامع اکثریت اپنے پچھواڑے میں ہی مبینہ دہشتگردوں کی دریافت پر ششدر رہ گئی وہاں محض چند نے ہی دیانتداری سے انکار کیا کہ انہیں ایسا ہونے کی کوئی امید نہیں تھی۔ چند لوگ اب بھی اس سرطان کو بے نقاب کر کے اس سے نمٹنے کے لئے آمادہ تھے جو ایک مغربی ملک میں ہمارے بطور مسلمان شہری کے مستقبل کو تباہ کر دیا ہے۔

کمیونٹی کے اندر دہشتگردی کے مبینہ سیل پر چھاپے کی گردش کرتی افواہوں سے پریشان ہو کر میں نے ''ٹورانٹو سٹار'' میں لکھا کہ یہ اسلام کے خلاف سازش ہے:

''بہت ہو گیا، مسلمان مزید یہ تاثر نہیں دے سکتے کہ سب اچھا ہے۔ ہم ایسے میں چپ نہیں سادھ سکتے جبکہ اسلامی برتری کا حامل فاشسٹ فرقہ ہماری مساجد پر قابض ہے۔ ہم مزید اس کے متحمل نہیں ہو سکتے کیونکہ ہمیں زندگی کے چیلنجوں کے سادہ سے جواب

کے اشتعال سے ایک نسل کو کھونے کا خطرہ لاحق ہے۔ وہ حل جو کہتا ہے کہ زمین پر زندگی بے معنی ہے چونکہ یہ عارضی ہے اس لئے اس کا وجود اہم نہیں۔ نہ ہی اس سے لطف اٹھانے کی کوئی وقعت ہے۔ مسلمانوں کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ مساجد سیاست کرنے کی جگہ نہیں۔ عبادتگاہ ہے.......... آیئے ہم اپنے ائمہ (پیش امام) سے کہہ دیں کہ وہ اپنی سیاست اپنے تک محدود رکھیں۔ دہشتگردی کے فروغ اور سیاسی پوائنٹ سکور کرنے کے لئے الہامی کتب کا حوالہ دے کر ہمارے مذہب پر داغ نہ لگائیں۔''

لیکن دیگر کینیڈین مسلمانوں نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ کینیڈا کے ٹی وی سٹیشن پر براہ راست (Live) مباحثہ کے دوران ٹورانٹو کے امام علی ہندی نے واضح طور پر اشتعال دلایا کہ RCMP نے 2006ء میں گرفتاریوں کے لئے جو آپریشن کیا وہ عراق اور افغانستان کی جنگ کو جواز فراہم کرنے کے لئے تھا۔ انہوں نے گرفتاریوں کو ''شو بزنس'' قرار دیتے ہوئے خوفزدہ انداز میں کہا کہ شو جاری رہنا چاہئے۔'' مباحثے کے دوران امام ہندی نے دعویٰ کیا کہ وہ 8 ملزموں کو جانتے تھے۔ ان کے تجزیے کے مطابق مشتبہ افراد سمندر پار جہاد کے لئے عسکری تربیت لینے میں ملوث ہو سکتے ہیں، انہوں نے مزید کہا کہ جب نوجوان مسلمان میرے پاس آ کر سمندر پار جہاد کے لئے پوچھنے آتے ہیں تو میں انکی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ لڑنا ہے تو ''یہاں'' لڑو۔

ان باتوں سے حیرت زدہ ٹی وی شو کی میزبان پاولاٹوڈ نے ان سے پوچھا، کیوں، اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ دفاعی پوزیشن میں آتے ہوئے۔ جیسا کہ کئی مسلم علما جب پھنس جاتے ہیں تو یہی کہتے ہیں۔ امام ہندی نے کہا کہ ''جہاد سے میری مراد، جہاد بالنفس ہے۔''

ٹی وی اور یورپ، شمالی امریکہ کے دیگر ٹی وی نیٹ ورکس پر ہونے والا یہ مناظرہ اس حوالے سے اہمیت کا حامل تھا کہ مسلمان صرف غیر مسلم اداروں میں ہی مخالفانہ انداز میں بحث کر سکتے ہیں۔ کینیڈا، برطانیہ یا امریکہ میں بمشکل ہی کوئی مسجد ہو گی جہاں مسلمان سیاسی سماجی یا مذہبی موضوعات پر مخالفانہ نظر سے بحث کر سکتے ہوں۔ بحث کے دروازے قدامت پسندی کے سیمنٹ سے بند کر دیئے گئے ہیں۔ صرف منافقت اور دوہرے معیار کو پنپنے کی اجازت ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جب تک مسلمان اپنی خرابیوں کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتے

MashalBooks.org

رہیں گے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

جہاں باقی ماندہ تمام دنیا مستقبل کی طرف سرپٹ دوڑ رہی ہے، نئی نئی ٹیکنالوجی سامنے آرہی ہے، گلوبلائزیشن پر بحث ہو رہی ہے، غربت سے لڑائی ہو رہی ہے، خواتین کی آزادی کے لئے کام ہو رہا ہے، بیماریوں سے نبرد آزما ہونے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور علم کے حصول کے نئے تصورات کو فروغ دیا جا رہا ہے وہاں ایک ارب مسلمان ان تمام شعبوں میں پیچھے ہیں۔ سماجی اقتصادی، سیاسی، ثقافتی، سائنسی اور تاریخ کی نمو یا تو بہت کم ہے یا بعض ملکوں میں روبہ زوال ہے۔ مسلمانوں کو ان کے رہنماؤں نے یہ باور کرایا ہوا ہے کہ ان کے درد کا درمان ان کے دنیا کے نقطہ نظر کی تاریخی درستگی اور کثیر النسلی، کثیر المذہب ریاستوں کے قیام کے لئے ہے ان کے کردار میں نہیں بلکہ مستقبل کے راستے پر گامزن ہونے کے لئے ماضی میں پناہ لینے میں ہے۔

آج مسلمان قیادت کا بہترین موازنہ کار ریلی میں شریک اس ڈرائیور سے کیا جا سکتا ہے جو اپنی نظر بیک ویو شیشے پر مرکوز رکھتا ہے۔ جیسے جیسے وہ ایک کے بعد دوسری رکاوٹ سے ٹکرا کر حادثے کا شکار ہو رہی ہیں وہ اپنی ڈرائیونگ کی عادتیں تبدیل کرنے اور یہ دیکھنے میں آگے کیا آرہا ہے کی بجائے یہ یقین رکھتا ہے کہ جن رکاوٹوں سے وہ حادثے کا شکار ہوتا ہے وہ ''اسلام کے دشمنوں'' نے جان بوجھ کر اسی کے راستے میں کھڑی کی ہیں۔ مغرب، یہودی، کمیونسٹ، ہندو، مذہب سے بے زار لوگ، بنکاری کی دنیا، انٹرٹیمنٹ، انڈسٹری اور باقی سب کچھ لذت آمیزی ''اسلام دشمن'' اور کفر کی دنیا ہے۔

بجائے اس کے کہ مسلمان دیگر ترقی پذیر ملکوں کی طرح غربت، پسماندگی، تعلیم، نسل پرستی اور بیماری کے چیلنجوں کو سمجھتے اور ان کا تجزیہ کرتے مسلمان لیڈروں نے مسلمانوں کے مسئلے کو چالاکی سے مسلمان بمقابلہ غیر مسلمان تصادم کی شکل دے دی ہے۔ مسلم اکثریت والے ملکوں میں اس جھوٹے تفرقے کی ترویج نے مسجد اسٹیبلشمنٹ کو مسلمانوں کے موقف پر گرفت مضبوط کرنے اور خود کو عقیدے کا سچا محافظ اور اسلام کا سچا وفادار ہونے کا موقع فراہم کیا۔ امریکہ کی دہشتگردی کے خلاف نام نہاد جنگ نے انہیں خوف کی دیوانگی بڑھانے کا جواز فراہم کیا اور یوں ان کے طرز کے اسلام کو چیلنج کرنے اور اللہ کے نام پر کئے جانے والے جرائم کے خلاف بولنے کی ہر کوشش کا گلا گھونٹ دیا گیا۔

MashalBooks.org

احتجاج کی کمزور آواز میں چاہے یہ شامی شاعر علی احمد سعید ابرار (جنہیں آدونس کے نام سے جانا جاتا ہے) کی ہوں یا مصر کی حقوق نسواں کی علمبردار نوال السعد اوی یا پھر پاکستان کے پروفیسر پرویز ہود بھائی اور ملائشیا کے فراش نور کی ہوں الزام تراش شور میں ڈوب گئیں۔ جہاں ایسے باغیوں کو امریکہ کے نئے دور کی قدامت پسندوں سے تعلق کا عکاس قرار دیا جاتا ہے۔ یہی حکمت عملی یورپ اور شمالی امریکہ میں اپنائی گئی جہاں اسلامی انتہا پسندی اور عالمگیر جہادی تحریک کے خلاف بولنے والے ہر مسلمان کو دھمکیاں دی گئیں اور اسے نیو کنزرویٹو اور نیو لبرل کا لیبل لگا کر مطعون کیا گیا۔

بائیں بازو کے فصیح مفکر اور کارکن طارق علی نے اسلام پسندوں کی مذمت زیادہ محتاط انداز میں کی ہے، انہوں نے اسلام پسندوں کو آڑے ہاتھوں لینے کی بجائے امریکہ کو ایسے حالات پیدا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے جن میں ''اسلامو انارکسٹ عناصر'' کو مضبوط ہونے کا موقع ملا۔ نائن الیون کے سانحے کے تناظر میں لکھے گئے اپنے مشہور ''نوجوان مسلمان کے نام خط'' میں طارق علی نے بڑی تفصیل سے یہ وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بے دین ہونے کے باوجود انہوں نے مسلم کمیونٹی سے اظہار یکجہتی کے لئے ان کے مارچ میں کیوں شرکت کی تاہم اسلام پسندوں کے نظریے کو مسترد کیا۔ مثال کے طور پر برقعہ یا نقاب پہننے کی ملامت کرتے ہوئے انہوں نے ''کفن پوش لاش'' کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

ویتنام جنگ کے بعد سے طارق علی امریکہ کی خارجہ پالیسی میں ایک چبھتا ہوا کانٹا ہیں لیکن وہ بھی یہ تصور مسترد کرتے ہیں کہ امریکہ کے ''ٹوئن ٹاورز'' پر حملہ امریکہ کے مسلم دنیا میں اقدامات کا منصفانہ ردعمل تھا۔ انہوں نے لکھا کہ:

''لیکن ان میں سے کوئی (توجیہہ) بھی اس (حملے) کا جواز نہیں ہوسکتی۔ اس متبادل مسرت کے پیچھے قوت کا احساس نہیں بلکہ خوفناک کمزوری کارفرما ہے۔ ہند چینی (Indo-China) کے لوگوں نے کسی مسلمان ملک سے زیادہ امریکہ کے ہاتھوں تکالیف اٹھائیں، ان پر 15 سال تک بمباری کی گئی اور لاکھوں لوگ مارے گئے، اس کے باوجود کیا انہوں نے امریکہ پر بم پھینکنے کا سوچا؟ یہی حالت کیوبا، چلی اور برازیل کی ہے۔ چلی اور برازیل نے امریکہ کی مسلط کردہ فوجی حکومتوں کے خلاف اپنے ملک میں جنگ کی اور بالآخر

MashalBooks.org

فتح یاب رہے۔''

جنگ مخالف مظاہرے کے دوران ایک نوجوان برطانوی مسلمان کی طرف سے اپنی بے دینی کو چیلنج کرنے کا جواب دیتے ہوئے طارق علی نے اس خط میں نوجوان برطانوی اسلام پسند ناقد کو جواباً چیلنج کیا، یہ خط ان کی کتاب The Clash of Fundamentalism میں شامل ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اسلام پسند (آخر) کیا پیش کرتے ہیں؟ ماضی کی طرف جانے والا راستہ جو ساتویں صدی کے لوگوں کا دور تھا، وجود ہی نہیں رکھتا۔ اگر ''افغانستان کی امارت'' انکا وہ ماڈل ہے جو دنیا میں نافذ کرنا چاہتے ہیں تو پھر مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ہتھیار اٹھا کر ان کے مقابلے میں آ جائے گی۔ یہ ہرگز تصور نہ کریں کہ اسامہ یا ملا عمر اسلام کے مستقبل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ اس کلچر کی تباہی ہو گی جو ہمارا مشترکہ کلچر ہے۔ کیا آپ ان حالات کے اندر رہنا پسند کریں گے؟ کیا آپ برداشت کریں گے کہ آپ کی بہن، والدہ یا کوئی اور خاتون جسے آپ چاہتے ہیں عوام کی نظروں سے اوجھل رہے اور صرف کفن پوش لاش بن کر رہ جائے۔''

لندن میں 7/7 کے بم حملوں کے بعد طارق علی نے ان بمباروں کو ''اسلامو انارکسٹ'' قرار دیا جو ان کے نزدیک چھوٹی تعداد میں ہیں لیکن جن کی پہنچ (مار) مہلک ہے۔ اپنی برطانوی جہادی فکر کے لئے اپنی نئی اصطلاح کا جواز پیش کرتے ہوئے طارق علی نے لکھا کہ ''میں اسلامو انارکزم کو امریکہ کی اسلامو فاشزم اور برطانوی نیوکنزرویٹو کا ہم پلہ سمجھتا ہوں۔''

طارق علی کی طرف سے نئی اصطلاح تخلیق کرنا بائیں بازو کے افراد جو اسلامی مذہبی رائٹ سے نفرت کرتے ہیں کو درپیش مشکل ٹاسک کا محض ایک اشارہ ہے۔ تاہم یہ لیفٹ والے اپنی تنقید سے یہ تاثر نہیں دینا چاہتے کہ وہ وائٹ ہاؤس کے مفادات کا تحفظ کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جارج گیلووے اور کین لیونگ سٹون جیسے لیفٹ ہوا کے رخ پر چلتے ہوئے ابھی تک اسلام پسند کاز کا ساتھ دے رہے ہیں اور طارق علی کے برعکس یہ لوگ

شیخ قمر رضوی اور اخوان المسلمین کا ترجمان بنتے نظر آتے ہیں۔ اکیڈمک حلقوں میں اسلامی ایجنڈے کا UCLA کے کویتی نژاد پروفیسر خالد ابوالفضل سے زیادہ ناقد کوئی اور نہیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف اور انتہائی ذہین اسلامی سکالر ہیں، ان کی حس مزاح بھی نہایت عمدہ ہے اور وہ کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر اسلام پسند ایجنڈے کے خلاف اسلامی نقطہ نظر سے کام کر رہے ہیں۔ 2005ء میں انہوں نے اپنی کتاب The Great-Theft: Wrestling from the Extremist میں لکھا۔ ''یہ حقیقی جنگ جیتنے کے لئے جس نے بے شمار مسلمانوں اور دین اسلام کی سچائی کو بے تحاشہ نقصان پہنچایا ہے، ضروری ہے کہ اعتدال پسند انتہا پسندوں کی بدعت کے خلاف جہاد شروع کر دیں۔

کیلی فورنیا سے باہر اپنے خلاف معمول دورے میں انہوں نے 2002ء میں ٹورانٹو میں مسلم خواتین کی کانفرنس سے خطاب کیا اور مسلم کیمونٹی اور اس کے رہنماؤں کی خوب خبر لی۔ میں ان چند مردوں میں سے تھا جو وہاں موجود تھے۔ ان کی صاف گوئی سے بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے خواتین کو اپنے خیالات سے حیران کر دیا، انہوں نے کہا کہ: ''انسانیت جتنی چیزوں سے آگاہ ہے ہمارے مسلمان سکالر انسانوں میں سب سے زیادہ کند ذہن اور اکتا دینے والے مزاح کی مخلوق ہوں گے ان میں سے ہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ میں اپنی زندگی میں جو کام کرنے والا ہوں وہ یہ ہے کہ ٹھیک وہی بات لکھوں گا جو 600 سال قبل کہی گئی تھی۔''

میرا اپنے ساتھی مسلمانوں سے سوال ہے کہ اگر ہم کویت میں پیدا ہونے والے ان دو اساتذہ کی باتوں پر غور کریں تو ہمیں سوچنا چاہئے کہ مغربی تہذیب کی تباہی کی باتیں کرنے والے طارق السویدن کی تقریر کو دو ہزار کے لگ بھگ نعرے لگاتے کینڈین مسلمان نوجوان کیوں پسند کرتے ہیں اور خالد ابوالفضل جو ''شدت پسند مذہبی بدعت'' کے خلاف جوابی جہاد کی وکالت کرتے ہیں کو محض 200 افراد نے کیوں متوجہ کیا؟ کیا اعتدال پسند مسلمانوں نے اسلام پسند مخالفین اور ان کے دھمکی آمیز ہتھکنڈوں کے ہاتھوں اپنی شکست تسلیم کر لی ہے؟

MashalBooks.org

مایوسی اور محرومی:

پوری دنیا کے مسلمان شاید زمین پر پایا جانے والا سب سے محروم اور اندھیروں میں ڈوبا گروہ ہے۔ سینکڑوں برسوں پر محیط یورپی قبضے کے بعد ہسپانوی امویوں، بغداد کے عباسیوں اور ہندوستانی مغلوں جیسے پیشروؤں کی رنگین تصویر میں نیا رنگ بھرنے کی بجائے آج مسلمان اجتماعی مایوسی اور اعتماد کے فقدان کا شکار ہیں حالانکہ یہ ان کا زبردست ورثہ تھا۔ بھارت اور چین جیسی اقوام جن کی آبادی بے پناہ اور وسائل محدود ہیں وہ انتہائی غربت کے باوجود مستقبل کی لگن میں لگی ہیں اور اگلی سپر پاور کے طور پر ابھری ہیں جبکہ مسلمانوں نے بے پناہ قدرتی وسائل کے باوجود عموماً اپنی دولت ضائع کی ہے وہ اپنی سٹریٹجک جغرافیائی حیثیت سے فائدہ اٹھانے میں ناکام رہے بلکہ اپنے عوام کو بھی کسمپرسی کی حالت میں ناکام بنا دیا۔

اب امریکی سامراجی مفادات کے رحم و کرم پر فلسطین، عراق اور صومالیہ جیسے معاشروں کی تباہی کا مشاہدہ کرتے ہوئے مسلمان باقی ماندہ دنیا کے مقابلے میں احساس تنہائی میں مبتلا ہیں اور پوری دنیا میں وہ مُلّا اس احساس کو فزوں تر بنا رہے ہیں جو ہمارے اجتماعی معاملات پر بلاشرکت غیر حاوی ہیں۔ جدت، ترقی، سائنسی جستجو اور تنقیدی فکر کے حامل افراد کی تقلید کی بجائے ہم تقسیم اور شکوک وشبہات کی راہ پر گامزن ہیں جس کی وجہ سے ہمارے معاشرے موجودہ حالات میں اس سے زیادہ بدتر ہیں جتنے کہ ہونے چاہئیں۔ غیر مسلم دنیا کا غیر منصفانہ تاہم قابل فہم مالیخولیا ان اعتدال پسند مسلمانوں کے لئے دشواریاں پیدا کر رہا ہے جو لبرل ہیں اور زندگی کے ترقی پسند اور سیکولر پیرائے کے حامل ہیں۔

مسلم اکثریتی معاشروں میں عام مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد جو شاید جابر ملائیت (سعودی عرب اور ایران جیسی) کو مسترد کرنے کی خواہاں ہو اور اپنے لئے جمہوریت اور وقار چاہتی ہو لیکن بے یارو مددگار رہے۔ بیرون ملک میں رہنے والے ان کے بہن بھائی جو تمام سہولتوں کے ساتھ جمہوری معاشروں میں رہ رہے ہیں، انہوں نے دین اسلام اور اپنی شناخت کو مخصوص لباس کی نمائش، اشیاء میں سور کی چربی کی تلاش کے لئے ڈبوں کے لیبل پڑھنے تک محدود کر دیتا ہے۔

MashalBooks.org

موسیقی اور رقص جیسی مسرت بخش چیزوں سے حد سے زیادہ اجتناب کیا جاتا ہے۔

اب مسلمان وہ لوگ نہیں جو سائنسی دریافت کرنے کی جستجو رکھتے تھے، ایسے افراد بھی اب دستیاب نہیں جو شاعری، ڈانس، فلسفے اور آرکیٹکچر ،موجودہ مذہبیت کے رجحان اور وہاں جنسیت کی حرکیات پر غور کرسکیں یا انہیں چیلنج کرسکیں۔نہیں جناب............آج کی اسلامی قیادت نے ہمیں مجموعی طور پر غیر فعال بنا کر رکھ دیا ہے۔نوجوانوں کو اپنے مقاصد کے لئے برین واش کر کے مظلوم بننے کی تلاش پر لگا دیا ہے۔عقیدے کی از سرنو تشریح اور اسے پھر سے توانا بنانے کی ہر کوشش کو پٹڑی سے اتار دیا گیا ہے اور مسلمان ہر چیلنج کے مقابلے میں ٹھوکر کھا رہے ہیں۔اسلام پسند ہر خرابی اپنے سابق آقا............امریکہ پر الزام دھرتے رہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ آج ایسے وقت میں مسلمانوں کو امتیازی سلوک، جبر اور بڑی رکاوٹوں کا سامنا ہے جب وہ صدیوں سے جامد ترقی کے عمل پر عبور کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ باقی ماندہ دنیا انہیں لفظ ''ترقی'' کے ہر استعارے سے دور رکھنا چاہتی ہے۔تاہم یہ ضروری نہیں کہ رکاوٹیں اور مشکلات صرف غیر مسلموں کی طرف سے درپیش ہوں، مسلمانوں کے خلاف جرائم کے بدترین مرتکب ان کے ساتھی مسلمان ہیں، ذرا اس فہرست پر غور کریں:

☆ چار مسلمان ملک ترکی، ایران، عراق اور شام پچھلے 80 سال سے کردستان پر قابض ہیں اور صلاح الدین ایوبی کے بیٹوں اور بیٹیوں (مراد قوم ہے مترجم) کو وہ خطہ زمین دینے سے انکاری ہیں جسے وہ اپنا وطن کہہ سکیں۔

☆ یہ مسلمان ملک مراکش ہے جو گزشتہ 35 سال سے مغربی صحارا پر قابض ہے۔

☆ آچے کا علاقہ (جیسے جنوب مشرقی ایشیا میں پہلا اسلامی خطہ کہا جاتا ہے) آزادی مانگ رہا ہے، ہالینڈ سے نہیں بلکہ مسلمان ملک انڈونیشیا سے۔

☆ دارفر میں خواتین کی عصمت دری کفار نے نہیں، ساتھی مسلمانوں نے کی۔

☆ ماہر آرر پر تشدد کرنے والا ملک شام ہے۔

☆ یہ سعودی اور خلیجی حکومتیں ہیں جو پاک و ہند کے مسلمانوں سے غلاموں جیسا سلوک کرتی ہیں۔

☆ یہ عرب مسلمان ہیں جو افریقہ کے صحارا صغیر کے مسلمان بھائیوں کو ''یا عبدی'' (سیاہ غلام) کہہ کر پکارتے ہیں۔

MashalBooks.org

ہم مسلمانوں کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ کفار نہیں جو مسلم خواتین کو مساجد کے عقب میں (عبادت کے لئے) جانے والے اور انہیں تہہ خانوں یا بند بالکونیوں میں رہنے پر مجبور کرتے ہیں۔ بلکہ ایسا کرنے والے مسلمان مرد ہیں۔ مکہ میں حضرت محمدؐ کی اقامت گاہ غیر مسلمانوں نے نہیں سعودی عرب والوں نے مسمار کرنے کا منصوبہ بنایا۔

مسلمانوں کی زیادتیوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ یہ کوئی بدعتی نہیں تھے جنہوں نے اسلامی انقلاب کے بعد ایک لاکھ ایرانیوں کا قتل عام کیا بلکہ یہ آیت اللہ حضرات تھے اور بھلا 1965ء میں انڈونیشیا میں ایک ملین لیفٹسٹوں کی نسل کشی کرنے والے کون تھے؟ کیا یہ سی آئی اے کی حمایت یافتہ انڈونیشی مسلمان جنونی نہیں تھے جنہوں نے دنیا کے سب سے بڑے مسلمان ملک میں بدترین قتل عام کیا؟ اور اس وقت ابو الاعلیٰ مودودی اور سید قطب کے پیروکار اسلامی پہرے داروں نے سابق مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کی فوج کا ساتھ کیوں دیا جس نے تقریباً ایک ملین مسلمان بھائیوں کی نسل کشی کی؟ بدنام زمانہ الشمّس اور البدر بریگیڈوں جو جماعت اسلامی اور اسلامی چھاترو سنگھ کی تنظیمیں تھیں نے بنگالی مسلمانوں کے دانشوروں اور سیاسی کارکنوں کی بے توقیری کی، شعراء اور لکھاریوں کو قتل کیا گیا، کمیونسٹوں اور قوم پرستوں کو پھانسی دی گئی لیکن مسلم دنیا میٹھی نیند سوتی رہی۔ چونکہ یہ کالی رنگت والے بنگالی مسلمان تھے جو صاف رنگت والے پنجابیوں کے ہاتھوں مر رہے تھے۔ مسلمانوں میں کوئی جارج ہیری سن نہیں تھا جو نسل کشی کا شکار ہونے والے بنگلہ دیشی لوگوں کے لئے عطیات جمع کرنے کے لئے کنسرٹ منعقد کرتا۔ یہ کام بھی سابق بیٹل (موسیقی کا مشہور گروپ) پر چھوڑ دیا گیا جبکہ مسلم دنیا نے نذر الاسلام کی اولاد (مراد بنگالی قوم) کو تنہا چھوڑ دیا۔

معاصر اسلام پسندوں اور ان کی طرف سے مغرب اور مسرتوں کی مذمت کے حوالے سے ذہنیت سمجھنے کے لئے ہمیں اسلام پسند رسالے ''کریسنٹ انٹرنیشنل'' میں جان لینن کے قتل کے حوالے سے شائع ہونے والا مواد پڑھنا ہوگا، جس وقت دنیا ان کے قتل پر آنسو بہا رہی تھی، میگزین کے اداریے میں لکھا کہ ''لینن اپنی ساکھ کے ہاتھوں موت کا شکار ہوا'' گویا وہ اپنی موت کے خود ذمہ دار تھے، کریسنٹ انٹرنیشنل رقم طراز ہے کہ:

''کیا جان لینن نے خودکشی کی؟ یقیناً بندوق چمپین کے ہاتھ میں تھی اور

MashalBooks.org

مہلک فائر کرنے والا بھی وہی تھا لیکن کیا چمپین اور اس کی بندوق ان اقدار کی نمائندگی کرتے ہیں جو لینن نے خود بنائیں؟ پاپ، راک، منشیات اور مخلوط کلچر جسے لینن نے فروغ دیا اور اس کی علامت بنے، کیا اس کے نتیجے میں فرسٹریشن اور نفسیاتی مسائل ناگزیر نہیں تھے؟............ اگر انہوں نے موڑ تخلیق کیا اور ''خوشی گرمی کا ہتھیار ہے'' اور ''تھینک یو گرل'' جیسے نغمے گائے تو پھر یہ کہنا درست ہو گا کہ وہ اپنی ہی تخلیق کا نشانہ بن گئے، لینن کی زندگی مغربی تہذیب کی آئینہ دار تھی اور یہ تہذیب بھی اس شیطانی ہاتھوں دم توڑے گی جس کی خدا کی زمین پر رسی ڈھیلی چھوڑی گئی ہے۔''

یہ انکشاف کرنے والے الفاظ انتہائی سوگ کی حالت میں تحریر کئے گئے۔ لیکن یہ اس سوچ کی گہرائی بیان کرتے ہیں جس کے خلاف ہم کھڑے ہوتے ہیں۔ اسلام پسند ہمیں خبردار کر رہے تھے، یہ اشارہ کرتی انگلی تھی جو مغرب میں رہنے والے ہم سب کو تنبیہہ کر رہی تھی کہ ''تمہیں پہلے بتا دیا تھا۔'' جان لینن کی موت اور ایک اسلام پسند میگزین کی طرف سے خود انہیں موت کا ذمہ دار ٹھہرنے کے 25 سال بعد ایک اور کویتی اسلام پسند طارق سویدن ٹورانٹو آ کر اسی لہجے میں ہمیں ''مغربی تہذیب کے خاتمے'' کی خوش کن نوید سناتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بنیاد پرستی کی مخالفت کئے بغیر شہری آزادیوں اور انسانی حقوق کی جنگ ادھوری ہو گی کیونکہ چاہے یہ امریکہ یا چاہے بن لادن کی بنیاد پرستی ہو۔ اس سے مغربی تہذیب کو خطرہ ہے۔ وہ تہذیب جس کی بنیاد یورپی انسانیت نے ڈالی ہے اس میں آپ کے پیروکار بھی شامل ہیں۔ آج مسلمان شہریوں کی بڑی تعداد اگرچہ غیر ملکی قبضے میں نہیں لیکن وہ فوجی آمروں، خودساختہ بادشاہوں اور جابر ملاؤں کے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ یہ لوگ موروثی بادشاہت اور طبقے مذہب، نسل سہارا لیتے ہیں ان رشتوں کے استحکام کے لئے جو اکیسویں صدی نہیں بلکہ بارہویں صدی کے لئے موزوں ہیں۔ عالمی معاشرے میں مسلم گروہ مالی طور پر مضبوط اور منظم بنیاد پرست اسلامی گروپوں کے نرغے میں ہیں۔ تقریباً تمام امام جو شادی اور مرگ دونوں مواقع پر موجود ہوتے ہیں انہوں نے کمیونٹی کو پورے گھیرے میں لے رکھا ہے جو اس ملائی کنٹرول میں زخم خوردہ اور محروم ہے۔

MashalBooks.org

ہم اس جھوٹ کے فریب کا شکار ہیں جسے حقائق بنا کر پیش کیا گیا، ہم مسلمانوں نے اپنی ہی تاریخ کا خون کیا، حقائق مسخ کیے، اپنی ذات کو دھوکہ دیا اور پھر حیران ہوتے ہیں کہ کوئی ہمارا یقین کرنے کو تیار نہیں۔ پاکستان کے پروفیسر کے۔ کے عزیز نے اپنی کتاب ''تاریخ کا قتل'' The Murder of History میں اس بات کے ٹھوس ثبوت پیش کیے ہیں کہ کس طرح نوجوان مسلمانوں کو جان بوجھ کر درسی کتابوں میں جھوٹ پڑھایا جا رہا ہے تاکہ آگہی کے فروغ میں انہیں غیر فعال بنایا جا سکے۔ مسلمان نوجوانوں کو نفرت پر خوشی مناتے یا نفرت انگیز لیکچروں کی طرف ان کی رغبت دیکھ کر لگتا ہے کہ کے۔ کے عزیز ٹھیک کہتے ہیں۔

سعودی عرب اور ایران کی یوتھ تنظیموں کے ماحول میں پرورش پانے والے نوجوان اسلام پسند ''مت پوچھو، مت سوچو'' قسم کے مکتب فکر سے ہم آہنگ ہیں، کے۔ کے عزیز اس حوالے سے تنہا شخصیت نہیں۔ ایران اور سعودی عرب تاریخ آسودہ کرنے کے ساتھ اور بہائی فرقے، یہودیوں اور ہندوؤں سے سکول کی تعلیم کے دوران ہی نفرت کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

ذرا تصور کیجیے کہ جماعت نہم میں آپ کے بچے کو یہ پڑھایا جا رہا ہے۔

☆ امہ اور یہود و نصاریٰ کے درمیان تصادم ہے اور یہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک خدا چاہے گا۔

☆ اس میں خدا کی مصلحت شامل ہے کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان کشمکش یوم حشر تک جاری رہے۔

تصور کیجئے کہ گریڈ 8 میں آپ کے بچے کو یہ پڑھایا جا رہا ہے: ''ابن عباس سے راویت ہے کہ: بندر یہودی ہیں، اہل سبت، جبکہ سؤر عیسائی ہیں، حضرت عیسیٰ کے دور کے کافر۔''

برین واشنگ کا عمل ابتدا میں ہی شروع ہو جاتا ہے، تصور کیجیے نہ آپ کے بچے کو گریڈ اول میں خالی جگہ پر کریں میں لکھا جاتا ہے کہ ہر مذہب سوائے............ جھوٹا ہے اسلام سے باہر جو بھی مرتا ہے وہ............ میں جاتا ہے۔ یہ تمام اقتباسات سعودی درسی کتب میں سے لئے گئے ہیں جو 2005ء سے سکولوں کے نصاب کا حصہ ہیں۔ لیکن نفرت کی تعلیم صرف سعودی عرب کے سکولوں تک محدود نہیں، خود امریکہ کے اندر سعودی فنڈ سے

MashalBooks.org

چلنے والے پرائیویٹ سکول بھی یہ جہاد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

نائن الیون کے 5 ماہ بعد ''واشنگٹن پوسٹ'' نے خبر شائع کی کہ ڈسٹرکٹ کولمبیا میں گریڈ 11 کی کلاس میں پڑھایا جا رہا ہے کہ ''قیامت کے قریب مسلمان یہودیوں سے لڑیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے، جو درختوں کے پیچھے چھپے ہوں گے درخت کہیں گے اے مسلمانوں خدا کے بندو ادھر آؤ ایک یہودی میرے پیچھے چھپا ہے، اسے مار ڈالو۔''

اسلام پسندوں نے ہم میں سے کئی افراد کو یقین دلایا ہو گا کہ ان کی جدوجہد مغرب کے خلاف ہے، لیکن یہ سچ نہیں ہے اور نہ یہ جانچ کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔ گزشتہ کئی صدیوں سے (کچھ لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضرت محمدؐ کی وفات کے بعد اسلام کے ابتدائی دور سے ہی) اسلام پسندوں جو سیاسی طاقت کے لئے اسلام کا استعمال کرتے ہیں کا پہلا نشانہ ساتھی مسلمان ہی رہے ہیں اور اگر اسلام پسندوں کا ایجنڈا کامیاب ہو جاتا ہے تو اس سے سب سے زیادہ عام مسلمان ہی متاثر ہوگا۔

اسلام پسندوں نے ہمیں یہ بھی یقین دلایا ہو گا کہ کینیڈین، امریکی یا برطانوی شہری کی حیثیت سے ہماری وفاداری نام نہاد امہ کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ اپنے ہمسایوں یا جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس کے ساتھ نہیں۔ اصل میں وہ ہم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم ایرانی آیت اللہؤں اور سعودی اماموں کی مرضی کے آگے سرنگوں ہو جائیں۔

غیر ملکی حکومتوں سے وفاداری کے اس انداز کے بڑے ناقدین میں سے ایک کیلی فورنیا کے شیخ حمزہ یوسف ہیں۔ اگرچہ میں اسلامی کمیونٹی کے حوالے سے ان کے خیالات سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کرتا لیکن انہوں نے بالکل صاف انداز میں کہا ہے کہ وہ مسلمان جو مغرب سے نفرت کرتے ہیں اپنا ٹھکانہ کہیں اور بنا لیں۔ نائن الیون کے بمشکل ایک ماہ بعد انہوں نے برطانوی اخبار ''گارڈین'' کو بتایا کہ ''میں ان (مغرب میں مقیم مسلمانوں) سے کہوں گا کہ اگر وہ مغرب کے بارے میں ہرزہ سرائی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں کسی مسلمان ملک میں منتقل ہو جانا چاہیئے۔''

مسلمان اُمہ کے ایک ہونے کے دیو مالائی تصور کا جنازہ ڈارفر میں نکل گیا۔ اسلام پسند مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ وہ فانی افراد کے بنائے قوانین کی بجائے الوہی کتب کے قوانین پر عمل کریں۔ گویا مسلمان زندگی، آزادی اور خوشی کے حصوں کے کسی بھی سلسلے سے لاتعلقی اختیار کریں۔ اسلام پسند چاہتے ہیں کہ ہم شریعت سے ناتا جوڑ کر ملا کی

MashalBooks.org

زیرِ قیادت اُمہّ کی اطاعت کریں۔ ان کا عذر یہ ہے کہ صرف اور صرف وہ یعنی اسلام پسند اُمہّ کی قیادت کا تعین کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اسلام پسندوں کا مسلمانوں کے لئے راستہ وہ ہے جس کی منزل دیو مالائی ''اسلامی ریاست'' Islamic State کا قیام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اس کی بجائے اسلام کی ریاست State of Islam میں رہنا پسند کریں گے۔ یہ دونوں تصورات بظاہر ایک دوسرے سے مماثل نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں اور تاریخی اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد رہے ہیں اور باہم ٹکراتے رہے ہیں اور یہ تصادم حضرت محمدؐ کی مدینہ میں رحلت کے بعد سے شروع ہو گیا تھا۔

اس دن کے بعد سے مسلمانوں نے اپنا اپنا راستہ اختیار کیا۔ ایک راستہ اسلامی ریاست Xanadu جیسی نے فرضی چیز کے سراب کی طرف جاتا ہے اور جس کی ان تمام برسوں میں ہم تلاش کرتے رہے ہیں جبکہ دوسرا راستہ اسلام کی ریاست کا ہے جو ہماری دسترس میں ہے، بالکل ابھی بولتے ہوئے اسلامی ریاست کا تعاقب کرتے ہوئے لاکھوں مسلمان مارے جا چکے ہیں۔ 1400 سال بعد بھی یہ دیو مالاؤں اسلامی ریاست صحرا میں دمکتے سراب کی مانند ہے، فریب کن انداز میں آنکھوں سے مرئی اور قابل دسترس نظر آتی ہے لیکن درحقیقت صرف دھوکہ ہے۔

اخلاقیات صحیح کام کرنے کا نام ہے، چاہے ہمیں کچھ بھی بتایا گیا ہو: کٹر مذہبی عقیدہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کا بتایا ہوا کام کریں چاہے وہ صحیح ہو یا غلط۔

(ایلکا رتھ اینولا)

MashalBooks.org

حاصل کلام

یوں تو اسلام اور ریاستہائے متحدہ امریکہ تاریخی طور پر ہمیشہ کے لئے آپس میں منسلک ہوں لیکن آج سے ستر برس بعد سالگرہ کے دو سالگرا ہیں ایسی بھی آئیں گی جو ان دونوں کو انتہائی قریب کر دیں گی یا پھر سے الگ کر دیں گی۔ ان دونوں تہذیبوں کے راستے اس وقت ایک دوسرے کو کراس کریں گے جب دونوں اپنے آغاز کی سالگرہ منا رہے ہوں گے: 2076 میں اسلامی دنیا اسلام کے ظہور کی 1500 ویں سالگرہ منائے گی (اسلامی کیلنڈر کے حساب سے) جبکہ امریکی قوم اس برس اپنا 300 واں یوم آزادی منا رہی ہو گی۔ ہم میں سے اکثر شاید اس موقع پر دنیا میں موجود نہیں ہوں گے لیکن آج ہم مسلمان جو کچھ کریں گے وہ اس بات کا تعین کرے گا کہ آیا ہماری اولادیں 300 واں یوم آزادی منانے والے امریکیوں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے فخر کے ساتھ ''اسلام کی ریاست'' کی خوشیاں منا رہے ہوں گے یا یہ لوگ روتے بسورتے ہوئے امریکیوں پر ناراض ہو رہے ہوں گے اور بدستور اسلامی ریاست کے فرضی سراب کی تلاش میں، سرگرداں جھوٹی مسکراہٹوں کا تبادلہ کر رہے ہوں گے۔

آج ہم جو کچھ کریں گے وہ نتیجے کا تعین کرے گا۔ اس کا مکمل انحصار اس بات پر ہے کہ کیا ہم مسلمان مذہب کو سیاست سے الگ کریں گے یا پھر گمشدہ سنہری دور کے ناسٹلجیا میں غوطے کھانا جاری رکھیں گے۔ کیا اس وقت کوئی ایسا ابن رشید پیدا ہو گا جو اس وقت کے نئے فلسفوں اور فکر پر اثر انداز ہو کر عقلیت پر زور دے گا یا پھر اسامہ بن لادن اور آیت اللہ کے قہر آلود چہروں کو یاد کیا جائے گا؟ یہ فیصلہ قسمت کو نہیں ہمیں خود کرنا ہے، ہمیں اس اندھی کھائی سے جو ہم نے خود کھودی ہے سے بچانے کے لئے کوئی مسیحا نمودار ہونے والا نہیں،

MashalBooks.org

یہی وقت ہے کہ ہم گڑھا کھودنا بند کریں اور اوپر چڑھنا شروع کر دیں۔

اگر ہم مسلمان عقل و دانش کی بنیاد پر اداروں کی تعمیر شروع کرتے ہیں تو 2076 کے مسلمان بچے ہمیں شدت سے یاد کریں گے۔ بصورت دیگر وہ اسلام کے ماضی کی عظمت کی باتیں کرنا جاری رکھیں گے اور وہ نویں صدی کے عراق، دسویں صدی کے سپین، سولہویں صدی کے ترکی اور سترہویں صدی کے ہندوستان کے حوالے دیں گے لیکن کسی کے پاس ہماری لاف زنی کے لئے وقت نہیں ہوگا اور دنیا ہمیں روتا چھوڑ کر امریکی سالگرہ کی تقریب میں شریک ہو جائے گی۔

امریکہ کے سابق نائب صدر الگور نے اپنی چشم کشا کتاب ''The Assault on Reason'' میں لکھا ہے کہ: خوف عقل کا انتہائی طاقتور دشمن ہے، انہوں نے امریکیوں کو خبردار کیا کہ وہ اگر اپنا مستقبل بچانا چاہتے ہیں تو منطق کی حکمرانی بحال کریں، خوف اور منطق دونوں انسانی بقا کے لئے اہم ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان تعلق غیر متوازن ہوتا ہے منطق بسا اوقات خوف کو منتشر کر دیتی ہے لیکن خوف اکثر عقلیت کے دروازے بند کر دیتا ہے۔''

ان لوگوں نے خوف کی جس سیاست کا حوالہ دیا ہے وہ اس قوت کے بارے میں ہے جو امریکہ کا مابعد قدامت پسند ایجنڈا آگے بڑھا رہی ہے، لیکن وہ ''خوف کی ملائیت'' کے بارے میں بھی اچھی طرح بات کر سکتے تھے جو دراصل اسلام پسند مابعد قدامت پسندوں کا بھی موضوع ہے۔ اگر بش کے دور میں وائٹ ہاؤس نے کامیابی کے ساتھ عوامی ماحول کو منطق کے لئے نامہربان بنا دیا تو پھر اسلام پسند مسلم دنیا سے خوف کے استعمال کے ذریعے منطق کو دور بھگانے میں اس سے بھی زیادہ کامیاب رہے۔ جہاں تک اسلامی دنیا کا تعلق ہے تو اسلام پسندوں نے جس ''خوف خدا'' کی ترغیب دی اس نے مسلمانوں کو منطق اور عقلیت کی طرف سے اندھا کر دیا ہے، مُلّا ''خدا کی محبت'' کو پیش نظر نہیں رکھتے، اس کی بجائے وہ آخرت میں عذاب کے خوف کی مسلسل تکرار کرتے ہیں، جس سے مسلمان کسی پہلو سے بھی بامقصد تنقیدی فکر کی طرف نہیں جا سکتے۔ ایڈمنڈ برک کے الفاظ میں ''کوئی جذبہ خوف سے زیادہ کسی دماغ کی عقل کی طاقت استعمال کرنے کی صلاحیت مفلوج نہیں کرتا'' آج ہم ماضی میں ضائع کئے گئے مواقع کی قیمت ادا کر رہے ہیں۔ آیئے ان غلطیوں سے

MashalBooks.org

سبق سیکھتے ہوئے مستقبل کی تعمیر شروع کر دیں۔

قابل احترام امریکی سکالر اور استاد عبداللہ حکیم کو ٹیک نے اس بات کے شواہد فراہم کئے ہیں کہ مسلمان کولمبس کی آمد سے پہلے بھی برّاعظم امریکہ میں موجود تھے۔ اپنی کتاب Deeper Roots میں انہوں نے خود دستاویز دی ہے اس میں مسلمانوں کا وجود مغربی ہیمپشائر میں ملتا ہے، اس کے علاوہ انہوں نے جغرافیہ دان السعودی کا دسویں صدی کا ایک نقشہ بھی پیش کیا ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صدیوں کی غلامی نے اسلام کے شمالی امریکہ کے مقامی مذہب ہونے کے نشانات مٹا دیئے ہیں لیکن جدید ادوار تک میں مسلمان انیسویں صدی سے کینیڈا اور یونائیٹڈ سٹیٹس میں موجود ہیں۔ کینیڈا میں باضابطہ طور پر مسلمانوں کا نام 1879ء میں ملتا ہے جب میجر خان نے ملکہ وکٹوریہ کی تخت نشینی کی 50 سالہ تقریبات میں شرکت کے لئے انگلینڈ جاتے ہوئے گوروں کی ہندوستانی فوج کے ایک دستے کی قیادت کرتے ہوئے یہاں کا سفر کیا جبکہ امریکہ میں مسلمانوں کا نشان ڈیٹرائٹ، شکاگو اور نیویارک میں ملتا ہے ان میں افریقی امریکن، عرب اور انڈین تارکین وطن شامل تھے۔ مسلمان آئیوا (Iowa) کے علاقے سیدار ریپڈز Cedar Rapids میں 1885ء میں پہنچے، یہ ڈیس موئنس میں سنہری گنبد والی کیپٹل سٹیٹ بلڈنگ کی تکمیل سے ایک برس پہلے کی بات ہے۔ 1914ء میں ہندوستان سے تعلق رکھنے والے کینیڈین امریکی مسلمان حسین رحیم وینکوور میں کمیونٹی اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ بعد ازاں انہوں نے بدنام زمانہ کوما گا تا مارو☆ Komagata Maru بحری جہاز کے واقعے کے خلاف مظاہروں کی قیادت کرنے میں شہرت حاصل کی۔

اس تناظر میں یہ عذر کہ مسلمان چونکہ ''امریکہ میں نو وارد'' ہیں اس لئے وہ یہاں کوئی تاثر چھوڑنے میں ناکام ہوگئے درست نہیں، حقیقت یہ ہے کہ 1960ء کی دہائی میں امریکی اور کینیڈین یونیورسٹیوں میں مسلمان طلبا کی بڑی تعداد موجود تھی لیکن ان میں سے چند ہی انسانی حقوق سے متعلق سرگرمیوں میں متحرک تھے۔ انفرادی طور پر ایک انقلابی پاکستان امریکن اقبال احمد جیسے شہری حقوق کی تحریک اور ویتنام جنگ کے خلاف احتجاج میں پیش پیش رہے تاہم یہ لوگ محدود تعداد میں تھے اور گمنام رہے۔ ایک قوم کی حیثیت سے مسلمان مجموعی طور پر انسانی حقوق کے کاذ سے دور رہی ہے۔ جس وقت مساوات کا مطالبہ

MashalBooks.org

کرنے والے گروپ امریکہ میں سیاہ فام امریکیوں کے کندھے سے کندھا ملا کر مارچ کر رہے تھے اس وقت حقوق کے حوالے سے رطب اللسان اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) اور مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن قطعی طور پر ایسی ریلیوں سے غائب رہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آج کی مسلمان تنظیموں کے سربراہوں میں سے شاید ہی کوئی افریقی امریکیوں کے حقوق کی جدوجہد میں نظر آتا ہو یا انہوں نے ویتنام میں امریکی مداخلت پر احتجاج کیا ہو۔ جہاں دیگر نسلی اور مذہبی اقلیتوں نے سیاہ فام امریکیوں کے حقوق کی تحریک میں حصہ لیا وہاں کئی مسلمان اور امریکہ میں ان کی دوسری نسل کے بچے امریکی مردم شماری میں خود کو ''سفید'' افراد میں شمار کر رہے تھے۔ آج جب یہ انسانی حقوق کے لئے مارچ کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اپنے انسانی حقوق خطرے میں ہیں؟

قدامت پسند اسلامی تنظیموں کی خودغرضی اور بے رخی کی اس واقعے سے زیادہ کسی اور معاملے میں عکاسی نہیں ہوئی جس میں پولیس نے افریقی تارک وطن آمادو ڈیالو کو 4 فروری 1999ء کی رات نیویارک میں ہلاک کر دیا۔ لائبیریا میں پیدا ہونے والا چھٹی رساں اور خوانچہ فروش اس رات اپنے اپارٹمنٹ کو واپس آ رہا تھا کہ ایک بغیر نمبر کی کار میں سے سادہ کپڑوں میں 4 پولیس اہلکار برآمد ہوئے۔ انہوں نے ڈیالو سے کچھ پوچھنے کی کوشش کی اور بحث وتکرار ہونے پر بیک وقت ان چاروں پولیس والوں نے اسلحے سے فائرنگ شروع کر دی۔ 41 گولیوں میں سے 19 ڈیالو کو لگیں جن سے وہ موقع پر دم توڑ گیا۔ اس واقعہ سے نیویارک سٹی میں بھونچال آ گیا۔ سیاہ فام کمیونٹی کے رہنماؤں نے سٹی ہال کے باہر تین ہفتے تک احتجاج کیا۔ ان میں سے ریورنڈ ال شارپٹن، ریورنڈ جیسی جیکسن، کولیسی مفیوم، نیویارک کے سابق میئر ڈیوڈ ڈنکنز اور اداکارہ سوزن سراندن سمیت کئی رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہلیری کلنٹن نے اس شوٹنگ کو قتل قرار دیا۔ اس دوران نیویارک سٹی اور قومی سطح کے مسلمان رہنما غائب رہے لیکن جب انکشاف ہوا کہ آمادو ڈیالو کا پورا نام احمد احمدو ڈیالو تھا اور وہ مسلمان تھا تو پھر مسلمان لیڈر مظاہروں میں شرکت کے لئے اپنے خوشنما گھروں سے باہر نکلے جب تک مرنے والا ''آمادو'' رہا یہ گروپ لاتعلق رہے لیکن جب آمادو، احمد بن گیا تو پھر اسے پولیس کے جبر کا شکار قرار دے دیا گیا۔ اس رویے سے عالمگیر حقوق انسانی کی سوجھ بوجھ میں کمی کی عکاسی ہوتی ہے جو مسلم کمیونٹی پر کنٹرول رکھنے والے اسلام پسندوں

MashalBooks.org

میں سرایت کر چکی ہے۔ جب یہ انکشاف ہو گیا کہ دیالو ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور پانچ وقت کا نمازی تھا تو اسلامی تنظیمیں نیویارک سٹی پولیس ڈیپارٹمنٹ کے خلاف ہرجانے کے دعوے میں بھی شریک ہوئیں اور 2004 میں جب فریقین کے درمیان 30 لاکھ ڈالر معاوضے پر سمجھوتہ ہو گیا تو کیئر نے اپنے ارکان کو ایک نیوز لیٹر ارسال کرتے ہوئے کہا کہ وہ وکلاء کے پینل میں سے صرف ایک وکیل کو مبارکباد دیں جو مسلمان ہے، اس کیس میں کردار ادا کرنے والے غیر مسلم وکیلوں کا کوئی ذکر نہ کیا گیا۔ اصل میں نائن الیون کے بعد ڈیالو کو شہید کا درجہ دیا جا چکا ہے اور اس کے نام کو شرمناک طریقے سے امریکہ میں اسلاموفوبیا کی علامت کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے حالانکہ اس بات کا امکان ہے کہ ڈیالو کو مسلمان نہیں بلکہ کالا ہونے کی وجہ سے نشانہ بنایا گیا ہو۔

انسانی حقوق کے لئے مسلمانوں کی تحریک درست ہے لیکن بدقسمتی سے اخلاقی طور پر وزن نہیں رکھتی۔ اگر وہ لوگ جو مسلمانوں کی طرف سے آواز اٹھاتے ہیں اگر ''دوسروں'' کے لئے بھی بولتے تو صورتحال بہت مختلف ہوتی آج ہمارے لئے بولنے والے افراد اقبال احمد جیسے جرأتمند لوگ نہیں، بلکہ حقیقت میں یہ لوگ اقبال کو دائرہ اسلام سے باہر سمجھتے ہیں۔ بہرحال چھٹکارہ حاصل کرنے کی امید اب بھی باقی ہوسکتی ہے۔ ہم اپنی غلطیوں سے سبق سیکھ کر آج ہی نئے سرے سے آغاز کر سکتے ہیں۔ یہ عمل شروع کرنے کے لئے مسجد اسٹیبلشمنٹ کو سیکولر اور لبرل مسلمانوں کو بھی اُمّہ کا فرد سمجھتے ہوئے ان کی طرف ہاتھ بڑھانا ہو گا۔ اگر یہ ناممکن نہیں تو ہمیں ان مسلمانوں کے لئے جگہ بنانا ہو گی، ان کے لئے آواز اٹھانا ہو گی جو سمجھتے ہیں کہ موجودہ تنظیمیں ان کی نمائندگی نہیں کر رہیں اور چاہے یہ تنظیمیں فرقہ پرست ہیں یا لسانی، زیادہ تر آمرانہ ہیں اور ان پر جدت کا خوف اور خوشی سے انکار کا عنصر حاوی ہے۔ ہم کو موقع پرست نظر نہیں آنا چاہئے جو ایک روز بُش کی صدارت کی حمایت کرتے ہیں اور اگلے دن انہیں بدترین دشمن قرار دیتے ہیں۔ امریکہ کے اسلام پسندوں نے ایسا ہی کیا۔

ہم متنوع لسانی اور نسلی پس منظر کے ساتھ دنیا کے تمام حصوں سے تعلق رکھتے ہیں، ہمیں اپنے ورثے اور انسانی تہذیب میں اسلام کے کردار پر فخر ہے لیکن ہمیں اس غرور سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے، ہمیں مستقبل کی تعمیر کے لئے اپنی حکمت عملی پر توجہ دینے

MashalBooks.org

اور 5 بنیادی ستونوں سمیت اسلام کی روح پر سمجھوتہ نہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مسلم برادری کے اچھے دنوں کے لئے ہمیں ماضی نہیں بلکہ مستقبل کی طرف دیکھنا ہو گا۔ ایسی برادری جسے کرہ ارض پر امن، امید، خوشحالی اور مسرت کا گہوارہ بنانے کے لئے دیگر طبقات سے تعاون کرنے اور ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔

☆ کوما گاتا مارو ایک جاپانی بحری جہاز تھا جس میں 1914ء میں 376 ہندوستانی، سکھ، مسلم اور ہندو کینیڈا میں لائے گئے لیکن کینیڈا کی حکومت کے حکم پر انہیں زبردستی واپس بھجوا دیا گیا۔

MashalBooks.org

حواشی

THE TRANSLITERATED spelling of authors' names below is based on the spelling used by their individual publishers, which may differ from the spelling in the chapters of this book.

پیش لفظ

xi a scathing report: Arab Human Development Report 2002, Creating Opportunities for Future Generations, www.rbas.undp.org/ahdr2002.shtml (accessed October 12, 2006).
xii UNDP report: "Tough report says Arab world stuck in Dark Ages," The Toronto Star, July 7, 2002.
xii freedom of the press in Egypt: Mohamed Elmasry, "UN report ignores social progress made by Arab states," July 11, 2002.
xv Canadians to embrace Islam: The Michael Coren Show, CTS-TV, September 26, 2007.
xv "educate non-Muslims": "Islamic leader to Muslims: Educate others about Islam," Detroit Free Press, March 2, 2007.
xv falsehood of their ancestry: K.K. Aziz, The Murder of History, 98-99.
xvi local converts: Ibid, 98.
xviii Make mercy your Mosque: W.H. McLeod, Textual Sources for the Study of Sikhism, 43.

پہلا باب: اسلامی ریاست کی سیاست اور ملائیت

3 "Come to gloat": Tariq Ali, The Leopard and the Fox, 163. The Leopard and the Fox is a play written by Tariq Ali on the trial and execution of Zulfi qar Ali Bhutto, which was commissioned by the BBC but subsequently dropped after pressure from the British government.
3 signed confession: Ibid.

MashalBooks.org

4 "Until we meet again.": Benazir Bhutto, Daughter of Destiny, 22.
5 fatwa issued: Abdullah bin Baz was the head of the Council of Ulema (Islamic scholars) in Saudi Arabia. His fatwas were based on a literalist reading of the Quran and exemplified the Wahhabi stream of Islam, urging Muslims to return to Islam's origins for knowledge, rather than look to contemporary interpretations. As chief mufti, authorized to rule on religious issues, bin Baz wielded much power in Saudi Arabia. He made pronouncements on many social aspects of daily life-banning women from driving cars, for example, and granting Saudi men permission to use Viagra. But he is best known for his ruling in 1976 that the Earth was flat and that it was a great blasphemy to suggest otherwise.
6 Taha's execution: Samir Amin, "Political Islam," CovertAction Weekly 71 (Winter 2001): 3-6, Washington, DC.
8 existence of Darul Islam: S. Abul Ala Maududi, Call to Jihad, 4.
8 "What are the fundamental objects": Syed Abul Ala Maudoodi, Islamic Law and Constitution, 127-28.
8 "enjoin good and forbid evil.": Ibid.
9 "eradicate and crush with full force": Ibid.
9 "conceived of as the 'Islamic State.' ": Muhammad Asad, The Principles of State and Government in Islam, v.
9 Muslim history can offer us no guidance in our desire: Ibid.
12 The notion of a single Caliph: Bernard Lewis, The Emergence of Modern Turkey, 257-58.
12 I find the Turkish view is perfectly sound.": Allama Muhamad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, 124-25.
13 "Such is the attitude of the modern Turk,": Ibid, 125-26.
14 Quran should be translated and read in the Berber language: Ibid, 127-28.
14 "non-Arab is really a complete Muslim.": Wilfred Cantwell Smith, Islam in Modern History, 94.
15 Turkey alone has shaken off its dogmatic slumber: Charles Kurzman, ed., Liberal Islam: A Sourcebook, 262.
16 successive Islamic declarations on human rights: The Cairo Declaration on Human Rights in Islam adopted in 1997.
16 According to the Foreword: www.alhewar.com/ISLAMDECL.html.
17 a "western construct,": Faisal Kutty, A Western Construct? The Legacy of the Universal Declaration of Human Rights, www.counterpunch.org/kutty12092006.html.

MashalBooks.org

18 the pernicious seed that was sown: S. Abul Ala Maududi, The Sick Nations of the Modern Age, 3.
20 the Prophet's "heaven-appointed work": Ali Abd al-Razik, Islam and the Fundamentals of Authority, 480.
22 "constitutional problems with the sharia model": Abdullahi Ahmed An-Na'im, Toward an Islamic Reformation, 77.

دوسرا باب: پاکستان ایک اسلامی ریاست کی ناکامی

27 Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims: Muhammad Ali Jinnah, inauguration speech to the fi rst sitting of the Pakistan Constituent Assembly, August 11, 1947.
27 Within months he would change course: Zulqurnain Zaidi, The Emergence of Ulema in the Politics of India and Pakistan, 95.
28 the gaudy ceremonials of the top offi ce: Allen McGrath, The Destruction of Pakistan's Democracy, 39.
28 "the Prime Minister will do what I tell him.": Ibid, 38.
31 Today, I beckon you Waris Shah: English translation by the author.
33 Jamaat-e-Islami: The Jamaat-e-Islami, founded in India by Abul Ala Maudoodi, shifted its activities to Pakistan after August 1947. There, it led the campaign to introduce sharia law and turn the country from a constitutional democracy into a theocratic caliphate. The Jamaat-e-Islami has made signifi cant gains in Bangladesh and Pakistan since the US intervention in Afghanistan and Iraq. Internationally, it has historic links with the Egyptian Muslim Brotherhood and has an active cadre running American, Canadian, and British Muslim organizations.
33 "[secularism] is the creature of the devil.": Justice Muhammad Munir, Commission Report to Enquire into the Punjab Disturbances of 1953 (constituted under Punjab Act 2 of 1954), 203.
34 Khalifa of Pakistan: Ibid, 213.
34 whether a person is or is not a Muslim will be of fundamental importance: Ibid, 214-15.
35 Muslims according to the view of that alim, but kafi rs according to the definition of everyone else: Ibid, 218.
36 if Divine commands cannot make or keep a man a Musalman:

MashalBooks.org

Ibid, 236.

37 U-2 spy planes: Gary Powers, the US pilot shot down over the Soviet Union on May 1, 1960, had flown out from Peshawar.

37 martial law had been declared: Mohammad Asghar Khan, Generals in Politics: Pakistan 1958-1982, 6.

41 only recognizes religious minorities: Asian Centre for Human Rights. Pakistan: The Land of Religious Apartheid and Jackboot Justice. www.achrweb.org/Review/2007/179-07.htm

41 had to take his oath of office with a Quranic prayer: Times of India, "Pak's Hindu CJ Took Oath with a Quranic Prayer," March 26, 2007, www.timesofindia.indiatimes.com/articleshow/1824483.

تیسرا باب: سعودی عرب : اسلامی ریاستوں کا سرپرست

44 "I see earthquakes and dissension over there": Muhammad Muhsin Khan, The Translation of the Meanings of Sahih al-Bukhari, Kitab al-Fitan, volume 9, 142.

44 modern countries named after a person: The Philippines was named after King Philip of Spain.

46 assistance was possible "only if Hussein gave his word": Haifa Alangari, The Struggle for Power in Arabia, 172.

48 a horrible example of the Wahhabis' cruel fanaticism . . .: Alexei Vassiliev, The History of Saudi Arabia, 97.

49 His political ambition was to restore Muslim power in India: William Cantwell Smith, Islam in Modern History, 44-45.

50 "All control of power is with the Hindus": R. Upadhyay, Shah Wali Ullah's Political Thought, South Asia Analysis Group. www.saag.org/papers7/paper629.html.

52 "The house where the Prophet received the word of God is gone": Daniel Howden, "The destruction of Mecca: Saudi hardliners are wiping out their own heritage,"The Independent, August 6, 2005. www.news.independent.co.uk/world/middle_east/article304029.ece.

53 The countries where they're located are simply trustees: Tarek Fatah, "Saudi Royals destroying home of Muhammad," The Toronto Star, August 17, 2005.

53 "It is hardly something we are going to allow to be destroyed.": Prince Turki al-Faisal, Saudi Ambassador to the

MashalBooks.org

UK. "What Rubbish," letter published in The Independent, on August 12, 2005, in response to the article, "The destruction of Mecca: Saudi hardliners are wiping out their own heritage."

53 "demolition of key archaeological sites": Daniel Howden, "Shame of the House of Saud: Shadows over Mecca," The Independent, April 19, 2006, www.news.independent.co.uk/world/middle_east/article358577.ece.

54 "we see no concern from Muslims.": Irfan al-Alawi, Bulldozing Islam; Historic destruction, Wahhabi style, The Weekly Standard. www.weeklystandard.com/check.asp?idArticle=12759&r=cvwpc.

چوتھا باب: ایران—— اسلامی ریاست

56 equate him to Simon Bolivar.: The event was a lecture by Tariq Ali, titled "Imperial Blues: Afghanistan, Lebanon, Iraq and Palestine," on October 15, 2006, at the University of Toronto.

57 "there is an absence of hierarchy in the clergy": Quoted in Janet Afary and Kevin B. Anderson, "The Seductions of Islamism: Revisiting Foucault and the Iranian Revolution," New Politics 10, no. 1, 2004. www.wpunj.edu/~newpol/issue37/Afary37.htm.

57 nobody in Iran means a political regime: Ibid.

57 "Between men and women there will not be inequality with respect to rights, but difference,": Ibid.

58 "participation in secular democracies or military juntas are two pitfalls": Iqbal Asaria, "No Third World for us-we are Muslim," The Crescent International, Toronto. August 15-31, 1980.

58 The establishment of Muslim rule: Islamic Viewpoint, Grade 11 (2004) pp. 8-9, as reproduced in The Attitude to 'The Other' and to Peace in Iranian School Books and Teacher's Guides, The Center for Monitoring the Impact of Peace, October 2006, 22.

59 Even if we are cut to pieces a thousand times: Ibid, 29.

59 The left had been warned of just such an event: Bijan Jazani was assassinated in 1975, along with six of his fellow Fidayeen members and two from the Mujahideen Khalq in the hills overlooking Evin prison. SAVAK, the Shah's intelligence arm, claimed that the men were killed while trying to escape from prison, but it is widely believed the nine were executed.

MashalBooks.org

64 forklift trucks were used to make it easier for prisoners to be hanged from cranes: "Khomeini Fatwa 'Led to Killing of 30,000 in Iran,'" Christina Lamb, The Telegraph, June 19, 2001.
64 "The execution of several thousand prisoners in a few days will not have positive repercussions": Ibid.
64 "False comparisons are frequently made": Samir Amin, "Political Islam," CovertAction Quarterly 71 (Winter 2001): 3-6, Washington, DC.
64 "The club of the pen and the club of the tongue is the worst of clubs": Shaul Bakhash, The Reign of the Ayatollahs (1984), p. 146.
67 the offi ce of the President is purely for Iran.: "Bani-Sadr saga shows up the loopholes," The Crescent International, Toronto, July 16-31, 1981.

پانچواں باب: فلسطین —— مستقبل کی اسلامی ریاست؟

73 "homosexuals and lesbians, [are] a minority of perverts": Zahar was interviewed by cnn's Wolf Blitzer on January 29, 2006. www.edition.cnn.com/TRANSCRIPTS/0601/29/le.01.html.
75 Those secularists who support dictators and colonizers are mainly interested in living the good life: Joseph Massad as quoted by Hussein Ibish in "Sense, Nonsense and Strategy in the New Palestinian Political Landscape," American Task Force on Palestine. ww.americantaskforce.org/policy_and_analysis.
75 "The position of Mahmud Darwish on Oslo": As'ad AbuKhalil, The Angry Arab News Service, Monday, June 18, 2007. www.angryarab.blogspot.com/2007_06_01_archive.html.
75 "I want Nobel. Please give me Nobel.": Ibid. Saturday, July 21, 2007. www.angryarab.blogspot.com/2007_07_01_archive.html.
75 "These hyperbolic, hyper-personalized and low-blow attacks": Hussein Ibish, "Sense, Nonsense and Strategy in the New Palestinian Political Landscape," American Task Force on Palestine, September 7, 2007. www.americantaskforce.org/policy_and_analysis.
76 opposed establishing any state on the basis of religion, "even if it's done by Hamas.": Adonis was interviewed on Dubai TV on March 11, 2006.
77 "And if the Mossad could arrange for Hamas . . . to take over

MashalBooks.org

the Palestinian streets from the PLO,": Victor Ostrovsky, The Other Side of Deception, 196.

77 "The Muslim Brotherhood leadership urged Fatah to purge its ranks": Ziad Abu-Amr, Islamic Fundamentalism in the West Bank and Gaza, 49.

77 the Israel secret service gave covert support to Hamas: Robert Dreyfuss, Devil's Game, 208.

77 acting "with the direct support of reactionary Arab re-gimes...": Corriere Della Sera, December 11, 2001, as quoted in Robert Dreyfuss, Devil's Game, 209.

78 "Can you blame Palestinians for now asking for a one-state solution?": Jehad Aliweiwi in conversation with the author.

78 "wrapping such organisations in the fl ag of Islam": Samir Amin, "Political Islam,"CovertAction Weekly 71 (Winter 2001): 3-6, Washington, DC.

82 "Certainly Palestinian-Americans and their allies have to recognize that their traditional approaches have failed.": Hussein Ibish, "Sense, Nonsense and Strategy in the New Palestinian Political Landscape."

82 "Those liberals and leftists presently inclined to be sympathetic to Hamas need to step back": Ibid.

82 This scarred, marred brightness: Faiz Ahmad Faiz, "The Dawn of Freedom," a poem written in August 1947 (translated by the author).

83 Record!/ I am an Arab: Mahmoud Darwish, "Identity Card," a poem written in 1964.

چھٹا باب: حضورﷺ کی رحلت

88 "out of their love for him, took an oath of allegiance.": Abul Ala Maudoodi, Khilafat o malooqiat, 83.

89 both accounts could be true, according to some sources: Ali's claim came in a speech at the battle of Siffi n ("Nasr Muzahim al-Minqari, Waqat Siffi ," ed. Abd al-Salam Muhammad Harun, Cairo 1962). For more on Aisha's claim, see Ibn Ishaq, The Life of Muhammad. Most historians and scholars of Islam side with Aisha's version of the death of Muhammad, but some suggest that both accounts could be true (e.g., Barnaby Rogerson, The Heirs of Muhammad, 31).

MashalBooks.org

90 immediately after his death his companions started feuding over power: Wilfred Madelung, The Succession to Muhammad, 43.
91 ambition for the leadership replaced zeal for the religion: Ali Dashti, Twenty-Three Years: A Study of the Prophetic Career of Mohammad, 167.
92 the tendency to treat the religion as a means, rather than as an end in itself: Ibid.
92 "I know not if ever I shall meet you in this place after this year.": Martin Lings, Muhammad, 334.
92 "An Arab is superior to a non-Arab in nothing, but devotion.": Maxime Rodinson, Muhammad, 286, from Jahiz, kitab al-bayan wa-t-tabyin, ed. Harun, Cairo.
93 "We created you from a single (pair) of a male and a female,": A. Yusuf Ali, trans. and commentator, The Holy Quran, verse 49.011, 1406.
93 "I perfected your religion for you, completed.": Ibid, chapter 5, verse 3, 240.
95 "Dissensions have come like waves of darkness": Hadith, or saying of the Prophet,
as translated by Sir John Glubb, The Life and Times of Muhammad, 360.
95 "Subversive attacks are falling one after another like waves of darkness": Muhammad Husayn Haykal, The Life of Muhammad, 495.
95 "Go, therefore and ask him if this affair [that is the caliphate] shall be ours": Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 8, quoting Bin Qutaybah.
95 "Stretch out your hand that I may pledge allegiance (ba'yah) to you": Ibid.
96 only Ali, his trusted lieutenant and son-in-law: Martin Lings, Muhammad, 339.
96 "Carry out the expedition to the Syrian border," he ordered.: Ibn Ishaq, The Life of Muhammad, 173.
97 "close them all save those which lead to the house of Abu-Bakr": Ibid.
97 "And this Ali is the guardian of all those for whom I am a guardian.": Masnad
Ahmad ibn-e-Hambal, vol. 4, 372, Ibn Kathir, Al Bidaya wa nnihayah, 209.
98 "I have allowed only what the Quran allows": Ibn Ishaq, The

MashalBooks.org

Life of Muhammad, 173.

98 "a major contemporary Occidental work on the Prophet": Edward Said, review of Muhammad by Maxime Rodinson, back cover.

98 Those present were at fi rst astonished, and then began arguing amongst themselves: Ali Dashti, Twenty-Three Years, 174.

98 Those present were much perplexed at this, wondering whether they ought to trust the abstractedness of a sick man.: Maxime Rodinson, Muhammad, 288.

99 However, Umar "held fi rmly to his judgment": Muhammad Husayn Haykal, The Life of Muhammad, 500.

100 "Oh men, if anyone worships Muhammad, Muhammad is dead.": Ibn Ishaq, The Life of Muhammad, 651.

100 Muhammad is only a messenger: Ahmed Ali, trans. Al-Quran, 64.

101 "everyone had forgotten the body still lying in Aisha's little hut.": Maxime Rodinson, Muhammad, 291.

102 "Strengthen your hold on this affair": Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 9. Ayoub quotes from an early account of the Saqifah debate attributed to Abd Allah b. Muslim bin Qutaybah al Dinwari.

103 "Nonetheless, a group of you have gone to the extreme of seeking to deprive us of our natural leadership": Muhammad Husayn Haykal, The Life of Muhammad, 509.

103 he was "ready to put an end to this situation once and for all by the sword.": Ibid, 509.

103 "We are therefore the chiefs (Umara) and you (the people of Medina) are the subordinates (Wuzura).": Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 11. Ayoub quotes from Bin Qutaybah again.

103 "The Arabs do not and will not recognize any sovereignty": Muhammad Husayn Haykal, The Life of Muhammad, 509.

103 they should recognize the Meccan Arabs as the "leaders" and consider themselves as no more than the "helpers.": Tabari, The History of al-Tabari, vol. 10, 4-5.

104 "delegate the management of their affairs to those among whom prophethood appears": Ibid.

104 "If the men of Khazraj were to show their ambitions concerning this affair": Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of

MashalBooks.org

Muslim History, 11-12. Ayoub is quoting from Uthman bin Bahr al-Jahiz.

105 "O Abu-Bakr, stretch forth your hand": Muhammad Husayn Haykal, 510.

105 Umar cursing the old man, "Kill Sa'ad, may God kill Sa'ad.": Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 15.

105 "By God, if you remove a single hair from it": Tabari, The History of al-Tabari, vol. 10, 8-9.

105 "Pre-Islamic mode of authority surfaced immediately after Muhammad's death": Liyakat N. Takim, The Heirs of the Prophet, 6.

106 "Islam came to be identifi ed with the Arabs.": Ibid, 7.

106 At his public ceremony in the Prophet's Mosque in Medina, Abu-Bakr gave a stirring speech,: To this day, Abu-Bakr's speech is considered the standard that Muslim heads of government claim to aspire to. Few, if any, have met that threshold.

106 "I am appointed to govern you, although I'm not the best of you.": Ibn Ishaq, The Life of Muhammad, 175.

106 Ibn Khaldun (1332-1406) was a Tunisian Berber. As a historian, sociologist, and philosopher, his reputation rests on *The Book of Exemplaries and the Collection of Origins and Information Respecting the History of the Arabs, Foreigners and Berbers and Others Who Possess Great Power*. Just the introduction to this seven-volume work is considered a masterpiece. Titled "Muqaddima," it is a systematic analysis of the development of history and society, and one of the earliest rational philosophies of history.

107 Islamic scholars have discussed the qualities required in a caliph: Abd-al Aziz Abd-al-Qadir Kamil, Islam and the Race Question, 40.

108 only the ailing Saad bin Ubadah refusing to acknowledge Abu-Bakr's caliphate.: Saad bin Ubadah later left Medina and migrated to Syria, where he died in mysterious circumstances many years later, some say, at the instigation of Umar.

108 "Abu-Bakr, leading the funeral procession would appear as the Prophet's appointed successor.": Maxime Rodinson, Muhammad, 292.

108 only when she heard Ali and his Uncle Abbas digging the grave in the middle of the night.: Ibn Ishaq, The Life of

MashalBooks.org

Muhammad, 177.

108 approached the tribal leaders of Medina, seeking their support in his dispute with Abu-Bakr.: Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 19, from Bin Qutaybah, v. 1, 29-30.

108 "Should I have left the Messenger of God in his house unburied and gone to quarrel with men over his authority?": Ibid, 19.

109 "You would then have killed the brother of the Messenger of God.": Ibid, 20.

109 "That you are the servant of God, yes we agree": Ibid.

109 Peshawar Nights is a book written by one Sultanu'l-Wa'izin Shirazi. It claims to be an account of a public debate between Shias and Sunnis on January 27, 1927, in the city of Peshawar. The dialogue was held in Farsi and the transcript, made by four reporters and published in the newspapers, was published in book form in Tehran in 1971, the year Sultanu'l-Wa'izin died at the age of seventy-five.

109 "We prophets do not give any inheritance.": Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 21.

110 "You have defrauded us of our right and did not heed it.": Quoted in Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 23.

110 "I wish I had not searched the house of Fatima": Quoted in Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 29.

111 "The conquest . . . intoxicated the Arabs with pride.": Ali Dashti, Twenty-Three Years, 179.

ساتواں باب: مدینہ —— خلفائے راشدین کا دور

112 "The period of the 'Right-going' Caliphate": Abul Ala Maudoodi, "Political Thought in Early Islam," in M.M. Sharif, ed., A History of Muslim Philosophy, 665.

113 "the complete and perfect model of an Islamic political system does not exist today.": Jamal Badawi, "The Nature of the Islamic Political System," IslamOnline.Net, October 10, 2004, published online at www.islamonline.net/English/introducingislam/politics/Politics/article05.shtml.

115 "the Negro nations are, as a rule, submissive to slavery": Ibn

MashalBooks.org

Khaldun, The Muqaddimah, 117.

115 writes in glowing terms about the time of the first four Muslim caliphs: Abul Ala Maudoodi, in M.M. Sharif, ed., A History of Muslim Philosophy, p. 665.

115 "slave with a mutilated ear.": Tabari, The History of al-Tabari, vol. 14, 43.

116 "I am not the caliph of God": Ibn Khaldun, The Muqaddimah, 389.

116 "O People, I have been given authority over you; yet, I am not the best of you.": Barnaby Rogerson, The Heirs of Muhammad, 129.

117 the apostate is threatened with punishment in the next world only.: Verses 3:72, 3:90-91, 16:106, 4:137, and 5:54 of the Quran deal with apostasy directly and do not prescribe death or any earthly punishment.

118 "There is no compulsion and coercion": Abul Ala Maududi, trans., The Holy Quran, verse 2:256, 63.

118 Malik's head was struck off: Ali Abd al-Razik, Islam and the Fundamentals of Authority, 520.

119 There is no god, but God: Ibid, 522.

119 "Cover not Truth with falsehood": A. Yusuf Ali, trans., The Holy Quran, verse 2:42.

120 Abu-Bakr's injunction that the Quraysh Arabs of Mecca were divinely ordained to rule: Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 11, citing Bin Qutaybah.

120 obedience to the Imams is . . . obedience to God: Ali Abd al-Razik, Islam and the Fundamentals of Authority, 526-27.

122 dirhams: The silver dirham was the currency of early Islam, adopted from the name the Greek coin, the Drachm. The silver dirham and the Islamic gold dinar continued to be the dominant international currencies until the 13th century.

122 Abu Bakr's allowance: Reuben Levy, The Social Structure of Islam, 412.

123 O guide of the way, it is either the light of dawn or evil!: Tabari, The History of al-Tabari, vol. 11, 148.

125 ***Mawali*** is an Arabic word used to address non-Arab Muslims. In the early years of Islam, after the Prophet's death, the Mawali were considered second class in Arabian society, even beneath freed Arab slaves. After Umar set the rules of sabiqa, the term gained wide usage and was widely applied to many non-Arabs

MashalBooks.org

such as Persians, Egyptians, Indians, and Turks who had converted to Islam after Arab armies conquered these territories. Whereas the Quran and Muhammad spoke of the equality of all, irrespective of race, these new Muslim converts were treated as second-class citizens by the ruling Arab elite of the Umayyad dynasty.

125 "Messenger of God was frugal": Tabari, The History of al-Tabari, vol. 12, 206.

126 "I will follow the example of the Messenger of God and Abu-Bakr.": Al-Yaqubi. The History of Al-Yaqubi. vol. 2, 152-54.

127 "Stoning is a duty laid down in Allah's Book": Sahih Muslim, Book 17: 4194.

127 "a goat ate the piece of paper while we were mourning.": Sunan Ibn Maja, vol. 2, 39.

128 "The messenger of God permitted it at a time of necessity.": Tabari, The History of al-Tabari, vol. 14, 140.

128 triggered the assassination: Tabari, The History of al-Tabari, vol. 14, 90.

129 had Ali ibn Abu Talib in mind as one of his targets: Wilfred Madelung, The Succession to Muhammad, 69.

129 "I commend to the caliph after my death the Arabs": Tabari, The History of al-Tabari, vol. 14, 92.

130 "The Bedouins, who are the original Arabs": Ibid, 142.

130 Speaking ill of the Companions of the Prophet: Shaikh Faraz Rabbani, SunniPath.com, as seen on May 14, 2007.

131 Abu-Bakr and Umar-carried on with his mission successfully.: Abul Ala Maudoodi, A Short History of the Revivalist Movement in Islam, 26-27.

131 weakened the Caliphate.: Ibid.

132 "What prevents you from appointing him": Al-Baladhuri, The Origins of the Islamic State, vol. 2, 501.

132 "When I am dead, hold your consultations for three days.": Tabari, The History of al-Tabari, vol. 14, 146.

132 "How eager you both are to get hold of the caliphate.": Ibid, 93.

132 "I do not like dissension in the family.": Ibid, 145.

133 "Umar had prepared the gesture for me.": Mahmoud M. Ayoub, The Crisis of Muslim History, 51.

133 "Today evil was born.": Ibid.

MashalBooks.org

134 God has commanded the Imans to be shepherds.: Tabari, The History of al-Tabari, vol. 15, 7.

134 "I have decided to be generous towards my next of kin.": Al-Baladhuri, vol. 2, 512.

134 "O you who believe, obey God and the Prophet and those in authority among you," Ahmed Ali, trans., Al-Quran, chapter 4, verse 59.

136 his exhortations against the wealthy elites: Tabari, *The History of al-Tabari*, vol. 15,65.

138 blames the unrest: Tabari, *The History of Islam*, vol. 2, 22.

141 Ya'la bin Umayyah, stepped forward with a donation: Tabari, *The History of al-Tabari*, vol. 14, 41-42.

142 "I will seek revenge for his blood.": Tabari, *The History of al-Tabari, vol.* 16, 52.

147 "Authority belongs to God": Tabari, *The History of al-Tabari, vol.* 17, 218.

آٹھواں باب: دمشق —— اسلام کی عرب سلطنت

149 Ali should not have become the fourth caliph of Islam: Akbar Shah Najeebabadi, The History of Islam, vol. 2, 24. This book was originally written in the Urdu language in 1922.

150 "cannot co-exist in our family.": Ibid.

153 When this ruse failed: Wilfred Madelung, The Succession to Muhammad, 320.

154 "He decreed that that there would be differences between Ali and Amir Muawiyah and the opportunities that followed.": Akbar S. Najeebabadi, The History of Islam, vol. 2, 53.

154 "tyrant kingdom,": Abul Ala Maudoodi, A Short History of the Revivalist Movement in Islam, 26-27.

154 "Whoever enters the house of Abu Sufyan shall be secure": Husayn Haykal, The Life of Muhammad, 403.

155 Arab sense of pride of Arab identity reasserted itself: Liyakat N. Takim, Heirs of the Prophet, 7.

155 the Umayyad government took on the colours of an Arab government: Abul Ala Maudoodi, Khilafat o malookiyat (Caliphate and Monarchy), 169-70. Under the Umayyads, non-Arab non-Muslims would fi rst be invited to enter Islam.

MashalBooks.org

Then the non-Muslim tax would be imposed on them because they were not Arabs. And if they wanted to revert back to their original faith, they faced the death penalty, which, contrary to the Quran, was instituted as the punishment for Muslims leaving Islam.

156 the Berber African Muslims staged a rebellion: Maribel Fierro, Abd al-Rahman III, 8-9.

156 executed the Sindhi Muslim ruler: Khalid Yahya Blankinship, The End of the Jihad State, 132.

156 when Sind was invaded by Muhammad bin Qassim: Andre Wink, Al-Hindi: The Making of the Indo-Islamic World, 172.

157 Chroniclers write that Qassim brought back "120,000,000 dirhams.": Ibid, 174.

157 "120,000,000 dirhams.": To this day, Muslims in Sind and the rest of Pakistan are taught to respect and eulogize the invading Umayyad army and to understand the plunder of their own land as a tribute to Islam. Textbooks in Pakistan don't mention that Sind already had a Muslim population and that many Muslims served as advisers to Rajah Dahir against Muhammad bin Qassim. It is little wonder that Umayyad rule in India did not last long and left little impact on the culture, cuisine, and language of the Sindhi Muslims. In fact, the Islam that gripped Sind, Baluchistan, and Punjab was deeply infl uenced by Persian and Turkish Sufi s, and this is true even today.

158 "you will give birth to a king": Akbar S. Najeebabadi, The History of Islam, vol. 2, 27.

158 "Jibril came to me and said, 'O Muhammad',": Aisha Bewly, Muawiyah, 5.

158 "Consult Muawiyah in your affairs": Ibid, 5.

159 "Do not refrain from abusing Ali and criticizing him": Tabari, The History ofal-Tabari, vol. 18, 123.

159 "the instruction that in sermons from the pulpit, Ali should be reviled and insulted.": Abul Ala Maudoodi, Khilafat o malookiyat, 174.

162 He wrote a secret letter to the governor of Medina: Tabari, The History of al-Tabari, vol. 19, 2-3.

163 "Do not attack Mecca.": Ibid, 12.

164 "let us attack him in the heart of the Ka'aba": Ibid, 12.

164 asking him to come to Kufa to lead the challenge to Yazid.:

MashalBooks.org

Ibid, 24-25.

164 "The janab has grown green": Ibid, 26.

165 urging him to make the move to Kufa, where an army waited for him to lead: Ibid, 57.

166 Both Muslim and Hani were beheaded: Tabari, The History of al-Tabari, vol. 19, 74-75, 89.

166 "By God! We will not go back until we have taken our vengeance": Ibid, 94.

167 "A ballista with which we bombard the pillars of the mosque": Ibid, 224.

169 The caravans should not be set out except for three mosques: Ahmad b. Abu Ya'qub, Ibn Wadih al-Ya'qubi, Tarikh al-Yakubi, vol. 2, 271, Darul Sadr, Beirut. Translation from http://www.islamic-awareness.org/History/Islam/Dome_Of_The_Rock/hajjdome.html, as seen on July 12, 2007.

170 The reason for its construction: Chase F. Robinson, Makers of the Muslim World: Abd al-Malik, 6.

170 end of institutional discrimination against non-Arabs: During the earlier caliphates, while non-Muslim Arabs were permitted to convert to Islam, non-Arabs were discouraged and even when they did convert, they could only do so through the sponsorship of an Arab mawla, hence the term Mawalis.

171 Islam "as the property of the conquering aristocracy.": G.R. Hawting, The First Dynasty of Islam, 4.

172 Another nephew of his had a hand and foot chopped off: Reinhart Dozy, Spanish Islam, 161.

نواں باب: قرطبہ —— یورپ پر اسلام کی پیش قدمی

173 The rich synthesis of learning and culture nurtured in Muslim Spain: Erna Paris, The End of Days, 46-47.

174 "the very idea of pluralism was perceived as a threat: Ibid, 47.

174 "The arrival of the Almohads": Ibid, 49.

176 Attempts to move south towards the fabled Wangara: Marq de Villiers and Sheila Hirtle, Timbuktu, 10.

176 "Ye Muslims whither can you flee?": Syed Azizur Rahman, The Story of Islamic Spain, 22.

178 there was no religious stipulation: Linda Zagzebski, Philosophy of Religion: An Historical Introduction, 217.

MashalBooks.org

178 clerics publicly burned many of Averroes' books: Centuries later, the works of Averroes would again be tossed into mountains of burning books by conquering Christian armies who set fi re to all Jewish or Muslim texts as they captured Grenada in 1492.
178 "If one has the means to provide either the [Sabbath] lamp": Moses Maimonides (Ibn-Maimon), Misneh Torah.
180 "What is the point of life without our books of learning?" he cried through scorching lungs.: Tariq Ali, Shadows of the Pomegranate Tree, 4-5.
181 "not a tax-collector.": Reinhart Dozy, Spanish Islam, 123.
181 "God sent Mohammad to call men to the true Faith": Ibid, 130.
182 "its van will be upon them before the rear has left Damascus.": Ibid, 133.
182 "behead all that fell into his hands": Ibid, 133.
185 The Umayyad emirs of al-Andalus were: Abd al-Rahman I (756-88),
Hisham I (788-96), al-Hakam I (796-822), Abd al-Rahman II (822-52), Muhammad I of Cordoba (852-86), Al-Mundhir (886-88), and Abdallah ibn Muhammad (888-912).
185 "The Golden Age of the Umayyad Caliphate,": Hugh Kennedy, Muslim Spain and Portugal, 82.
186 Hisham III was the last of the Umayyad caliphs, who included: Al-Hakam II (961-76), Hisham II (976-1008), Mohammed II (1008-9), Suleiman (1009-10), Hisham II again (1010-12), Suleiman again (1012-17), Abd al-Rahman IV (1021-22), Abd al-Rahman V (1022-23), Muhammad III (1023-24), and Hisham III (1027-31).
188 The Spanish term *Taifa* in the history of Iberia refers to an independent Muslim ruled principality, an emirate or petty kingdom, of which a number were formed in Andalusia after the fi nal collapse of the Umayyad Caliphate of Cordoba in 1031.
190 "Kill them all. God will recognise His own.": Sumption, The Albigensian Crusade, 93, as quoted by Michael Baigent and Richard Leigh in The Inquistion, 12.
191 "Islamic issue which brought about more bloodshed": Philip K. Hitti, History of the Arabs, 139.
192 "make raids on our neighbour": Ibid, 25.
195 "The mints of Granada": William Prescott, History of the

MashalBooks.org

Reign of Ferdinand and Isabella, vol. 1, 317.
196 "The ruins of Zahara": Ibid, 318.
197 the importance of Malaga: William Prescott, History of the Reign of Ferdinand and Isabella, vol. 2, 25.
197 "decreed the fall of Granada": Ibid, 70.
198 "Y weep like a woman": Ibid, 99.

دسواں باب: بغداد ——اسلام اور ایرانیوں کا ملاپ

199 The Abbasid caliphs based their claim to the caliphate on their descent from Abbas ibn Abd al-Mutalib (566-662), the youngest uncle of Prophet Muhammad, by virtue of which descent they regarded themselves as the rightful heirs of Muhammad as opposed to the Umayyads. The Umayyads were descended from Umayyah, and were a clan separate from Muhammad's in the Quraysh tribe.
200 "largely of the old desert type.": De Lacy O'Leary, How Greek Science Passed to the Arabs, 146.
201 Abu Muslim was the leader of the Abbasid revolt. Born in Balkh (now in Afghanistan) of Tajik ancestry, he established Abu al-Abbas as-Saffah as the head of the Abbasid family in 749 and subsequently as the caliph of Islam. He led the charge against Damascus and was instrumental in the defeat of the Ummayads. Abu Muslim later became governor of Khurasan, but because of his immense popularity and power, Caliph Mansoor had him murdered.
201 no job more interesting and enjoyable: Akbar Shah Najeebabadi, The History of Islam, vol. 2, 275.
203 Anbar is the province in Iraq where US troops faced large-scale resistance until the local sheikhs and tribal leaders were enlisted to fight the Al-Qaeda units.
206 You have laid claim to this office: Tabari, The History of al-Tabari, vol. 28, 167-69.
207 "Muhammad was not the father of anyone": Quran, 33:40.
207 We, not you, are the heirs: Tabari, The History of al-Tabari, vol. 28, 169-76.
208 refuge and protection with a Hindu prince: John Glubb, The Empire of the Arabs, 243.
209 "This is a good place for an army camp.": Tabari, The History

MashalBooks.org

of al-Tabari, vol. 28, 238.

211 My good fortune: John Glubb, The Empire of the Arabs, 262.

211 smothered by two slaves.: Hugh Kennedy, The Court of the Caliphs, 62.

213 "Here I am": Philip Kennedy, Abu Nuwas, 20-21.

213 the most momentous intellectual awakening: Philip Hitti, History of the Arabs, 306.

213 Muhammad ibn Musa al-Khwarizmi (780-850) was an Uzbek mathematician, astronomer, astrologer, and geographer. Born in Khiva, Uzbekistan, he worked most of his life as a scholar in the House of Wisdom in Baghdad. His Algebra was the first book on the systematic solution of linear and quadratic equations.

213 Muhammad ibn Ibrahim al-Fazari (d. 796) was a Persian philosopher, mathematician, and astronomer who is credited with building the fi rst astrolabe instrument.

214 adding his own contribution.: Philip Hitti, History of the Arabs, 307.

218 "For naphtha and shavings for burning the boy": Robert Payne, A History of Islam, 168.

218 when Harun Rashid died: Tabari, The History of al-Tabari, vol. 30, 335.

222 Harun Nasution begins his treatise: Dwi S. Atmaja, Richard C. Martin, and Mark R. Woodward, Defenders of Reason in Islam, 9.

223 "We confess that God has two eyes, without asking how": Ian Almond, Sufism and Deconstruction, 11.

223 "saved orthodoxy": Quoted in Pervez Hoodbhoy, Islam and Science, 104.

223 "reckon as unbelievers": Hasan Dilshad, Islam: Philosophy and Ideology, 59.

224 "there is no cause but God.": Quoted by Averroes (Ibn-Rush) in Tahafut al-Tahafut (The Incoherence of the Incoherence), 316-17.

224 "My teacher": Mohamed Elmasry, The Quran: 365 Selections for Daily Reading: 226 the right to the wealth : "And those in whose wealth is a recognised right. For the (needy) who asks and him who is prevented (for some reason from asking)," Abdullah Yusuf Ali, The Meaning of the Holy Qur'an.

227 rivers were clogged: Philip Hitti, History of the Arabs, 468.

228 Maalouf's account: Amin Maalouf, The Crusades through Arab Eyes, 52.

MashalBooks.org

229 "How dare you slumber": Ibid, xiii.
229 "Man's meanest weapon,": Amin Maalouf, The Crusades Through Arab Eyes, xiii.
230 "death knell of Arab civilization?": Ibid, 261.
230 the Crusaders "exposed": Ibid, 261.
230 "Their leaders were all foreigners.": Ibid, 261.
230 "the Muslim world turned in on itself.": Ibid, 264.
231 "ruthlessly slaughtered.": Philip Hitti, History of the Arabs, 486.
232 They swept through the city like hungry falcons,: Quoted in Edwin Black, Banking on Baghdad, 46.
233 The river ran black with scholars' ink: Ian Frazier, "Destroying Baghdad," The New Yorker, April 25, 2005.
234 "home-grown religious orthodoxy.": Pervez Hoodbhoy, Islam and Science, 109.

گیارھواں باب: شریعت —— خدا کا قانون یا انسانی نقص؟

239 Hasan Mahmud is the author of Islam and Sharia. He is the director of sharia law on the board of the Muslim Canadian Congress, in which capacity he has been a thorn in the side of the Islamist establishment, successfully debating them in public forums including television.
240 ***Ihya ulum al-din*** (The Revival of the Religious Sciences) is a classic by Imam Ghazali, the 11th-century Persian philosopher. It's a work of Muslim spirituality, and has, for centuries, been the most widely read work after the Quran in the Muslim world.
241 settle their affairs based on the laws revealed by Allah,: Syed Wasi M. Nadvi, "Muslim Qawaneen aur Canadian Musalman," Monthly Afaq, Toronto, July 2003.
241 far greater crime than a mere breach of contract: Rabia Mills, "A Review of the Muslim Personal/Family Law Campaign," August 1995, www.muslim-canada.org/pfl.htm.
242 The MCC was founded by a handful of us in the aftermath of 9/11. The group seeks to promote the concept of a separation of religion and state, and an end to what it calls "gender apartheid." See www.MuslimCanadianCongress.org
242 ghettoizes the Muslim community: Submissions by Muslim Canadian Congress. Review of Arbitration Process by Marion

MashalBooks.org

Boyd, August 26, 2004,
www.muslimcanadiancongress.org/20040826.pdf.

242 "Muslim principles": Marion Boyd, " Dispute Resolution in Family Law: Protecting Choice, Promoting Inclusion," December 20, 2004.

243 "the need to combat Pan-Islamism": V.I. Lenin, Lenin's Collected Works, 2nd Eng. ed., vol. 31, 144-51.

243 multi-tier legal system: Omid Safi , "Progressive Muslims Oppose Introduction of Shariah Law in Canada," January 5, 2005, www.pmuna.org/archives/2005/01/progressive_mus_2.php.

244 a parallel private-sector judiciary: Tarek Fatah, "Keep sharia law out of Canadian judicial system," The Record, August 12, 2005.

244 the viability of their oppressive visions.: Omid Safi , "Progressive Muslims Oppose Introduction of Shariah Law in Canada," January 5, 2005, www.pmuna.org/archives/2005/01/progressive_mus_2.php.

245 "Is it possible to apply the sharia": Estanislao Oziewicz, "Muslim Law Cleric Doubts Sharia Suitable for Canadian Society," The Globe and Mail, May 14, 2005.

245 introduce Sharia with a different name.: Taj Hashmi, "Sharia Is Neither Islamic,
Nor Canadian," Muslim Wakeup, December 31, 2004, www.muslimwakeup.com/main/archives/2004/12/sharia_is_neith.php#more.

246 Council for American-Islamic Relations: In July 2007, CAIR was named as an unindicted co-conspirator in a Texas case against a charity accused of ties to terrorists, which ended in a mistrial.

246 "reviled" by many Muslims: Haroon Siddiqui, "Sensationalism shrouds the debate on sharia," The Toronto Star, June 12, 2005.
246 restored order: Haroon Siddiqui, "Clash of Suspect Motives Clouds Controversy over Nigerian Lashing," The Toronto Star, January 21, 2001.

246 no right to tell religious people: "Muslim group opposes sharia law," The Toronto Star, August 28, 2004.

246 outlawed all religious courts: "McGuinty: No Sharia Law," The Toronto Star, September 12, 2005.

247 strives to implement Islam: Muslim Association of Canada, www.macnet.ca/national/modules/wfchannel/index.php?pagenum=7.

247 "different but equal.": "Debate Stirs Hatred, Sharia Activists

MashalBooks.org

Say," The Globe and Mail, September 15, 2005.

247 "righteous change": ISNA Canada website, www.isnacanada.com/isna/about.html.

248 give us religious rights: The Times, "If You Want Sharia Law, You Should Go and Live in Saudi," August 20, 2006, www.timesonline.co.uk/tol/news/article613976.ece.

248 "go and live in Saudi Arabia.": Ibid.

248 a little honesty: Ibid.

249 Stockholm Syndrome,: Hasan Mahmud's book Islam and Sharia is an impressive effort by the author, who delves deeply into sharia literature, from the most authentic Islamic sources, and dissects it in a scholarly way to prove his point that man-made sharia law is fundamentally fl awed.

249 immutable Basic Code: Khan, Ali L., "The Second Era of Islamic Creativity," University of St. Thomas Law Journal, vol. 1, 2003, 341.

251 "A Quranic injunction": Hashim Kamali, Principles of Islamic Jurisprudence, 31.

252 explicit command of God: Syed Abul Ala Maudoodi, Islamic Law and Constitution, 140.

252 "Islam wishes to destroy all States": S. Abul Ala Maudoodi, Jihad in Islam, 6.

252 integrated into the process of law: Hashim Kamali, Principles of Islamic Jurisprudence, xiii.

253 no longer capable: Ibid, 50.

253 cannot co-exist: Abdullahi an-Na'im, Toward an Islamic Reformation, 8.

253 "The legal theory of Usul": Hashim Kamali, Principles of Islamic Jurisprudence, 502.

253 historical necessities are used to justify: Abdul-Aziz Sachedina, Islamic Root, of Democratic Pluralism, 57.

253 "All human beings are born free": Universal Declaration of Human Rights, adopted and proclaimed by the UN General Assembly on December 10, 1948, www.un.org/Overview/rights.html.

255 You are not a watcher: Chapter 6, Sura al-Anaam, verse 66, chapter 4, Sura al-Nisa, verse 83, chapter 6, Sura al-Anaam, verse 106-7, chapter 10, Sura Yunus, verse 108, chapter 17, Sura mal-Isra, verse 54, chap ter 39, Sura al-Zumar, verse 41, chapter 42, al-Shura, verse 48, chapter 88, Sura al-Ghashiyah, verse

MashalBooks.org

21-24.
256 no dispute between scholars: Hadis al Kafi , vol. 1. Similar information is also found in the website www.irib.ir/Special/imam%20ali/html/en/quran_compiled_by_imam_ali.htm.
257 sharia laws: Hasan Mahmud, Islam and Sharia, 24.
257 left Islam: A. Guillaume, in his translation of Ibn Ishaq's Sirat rasul Allah (The Life of Muhammad), has an account of the incident involving Abdulla Bin Saad as the Prophet entered Mecca after conquering it: "The Apostle had instructed his commanders when they entered Mecca, only to fight those who resisted them, except a small number who were to be killed, among them Abdullah bin Saad who had been a Muslim and used to write down the revelations. Later he abandoned Islam and returned to Quraysh. Saad brought before the Apostle and asked that he might be granted immunity. Muhammad is said to have remained silent for a long time till fi nally he said Yes, and Saad's life was spared." (550)
258 sharia-compliant mortgages: Tavia Grant, "Sharia-Compliant Finance Is Increasingly Popular," The Globe and Mail, May 7, 2007.
259 They all have little twists: Ibid.
259 five-thousand-person waiting list: Ibid.
260 watched, waited, and learned: J. Millard Burr and Robert O. Collins, Alms for Jihad, 62.
262 "a convenient pretext": Timur Kuran, Islam and Mammon: The Economic Predicaments of Islamism.
262 "dishonest banking practices.": Muhammad Saleem, Islamic Banking: A $300 Billion Deception, back cover. 47. Ibid, 11.
262 usury: Timur Kuran, Islam and Mammon: The Economic Predicaments of Islamism.
262 no distinctly Islamic way: Ibid.
262 "conducive to Islamist militancy.": Muhammad Saleem, Islamic Banking: A $300 Billion Deception, 35.
263 charging interest: Ibid, 30-31.
263 "praise each other": Ibid, 32.
264 he could not tell the difference: Ibid, 31.
264 Mecca Burger: Ibid, 26.
265 two types of Islam: Ali Shariati, Modernization and Islam: Refi nement of Cultural Resources and from Where Should We Begin?

MashalBooks.org

http://www.ghazali.net/book4/Appendix-I/appendix-i.html.
265 Tomorrow's Islam: Laleh Bakhtiar, Shariati on Shariati and the Muslim Woman, xxxviii.

بارہواں باب: جہاد —— مستقل جنگ یا جہدِ مسلسل؟

267 protection racket: Not that this protection racket was exclusive to Muslim rulers. The Byzantines had imposed it on the Umayyads. In fact, in 1990 the Americans would run a similar protection racket, extracting from the Kuwaitis the cost of protecting it from Saddam Hussein's army.
267 Muslim rulers had been running: Many Muslim rulers throughout history have extracted tribute from weaker neighbouring non-Muslim states, but one of the earliest instances was in 782. The Abbasid army led by Haroon Rashid failed to conquer Constantinople, but was able to extract a humiliating peace treaty, signed near the Straits of Marmara, that forced Byzantine Queen Irene to pay a tribute of seventy thousand to ninety thousands dinars every year to the caliph's treasury as tribute.
267 right and duty to make war: Thomas Jefferson's communication to the Continental Congress, as reported in Michael B. Oren, Power, Faith and Fantasy, 27.
267 Treaty of Tripoli: The Treaty of Peace and Friendship between the United States and the Bey and Subjects of Tripoli of Barbary was authored by US diplomat Joel Barlow in 1796. Article 11 of the treaty read, "As the Government of the United States of America is not, in any sense, founded on the Christian religion [emphasis mine]; as it has in itself no character of enmity against the laws, religion, or tranquility, of Mussulmen; and, as the said States never entered into any war, or act of hostility against any Mahometan nation, it is declared by the parties, that no pretext arising from religious opinions, shall ever produce an interruption of the harmony existing between the two countries." The treaty was first signed and sealed at Tripoli of Barbary in the year of the Hegira 1211-corresponding with November 4, 1796 CE. The treaty was sent to the floor of the Senate on June 7, 1797, where it was read aloud and unanimously approved. John Adams, having seen the treaty, signed it and proclaimed it to his country on June 10,

MashalBooks.org

1797.
268 "courses of action": Sahih Muslim is one of the six major collections of the hadith (sayings) of Prophet Muhammad, collected by Imam Muslim. Although this ranks as the second most important hadith collection among Muslims, Shia Muslims dismiss it as inauthentic.
268 The caliph makes war: Ahmad ibn Naqib al-Misri, Reliance of the Traveller, 602-3.
269 *Sahih al-Bukhari* is considered the "reliable" book containing the "authentic" hadith (sayings) of Prophet Muhammad. They were compiled by Imam Bukhari of Khurasan about two hundred years after the Prophet's death. Bukhari collected 300,000 hadith, then rejected most as unreliable, choosing only 7,563 and saving them in hard copy. There is no record of the 293,000 rejected hadith.
269 Jihad: Muhammad Muhsin Khan, Summarized Sahih al-Bukhari, 1081.
269 greater jihad: Seyyed Hossein Nasr, The Heart of Islam: Enduring Values for Humanity, 260.
270 slay The Pagans: A. Yusuf Ali, trans., The Holy Quran, verse 5:9, 439.
270 A promise binding on Him: Ibid, verse 9:111, 474.
272 "to establish the supremacy of Islam" worldwide.: "Our Followers 'Must Live in Peace until Strong Enough to Wage Jihad,'" The Times, September 8, 2007, www.timesonline.co.uk/tol/comment/faith/article2409833.ece.
273 "Your fight will prevail": CNN: Soldiers of God, aired September 29, 2001. www.edition.cnn.com/SPECIALS/cold.war/episodes/20/script.html.
273 "their blood.": Ibid.
273 "it's martyrdom.": Dean Nielson, "Bin Laden's Deputy behind Red Mosque Bloodbath," Sunday Times, July 15, 2007, www.timesonline.co.uk/tol/news/world/asia/article2076013.ece.
274 "jihad is obligatory": Hassan al-Banna Shaheed, Selected Writings of Hassan al-Banna Shaheed, 31.
274 supreme sacrifice: Abul Ala Maudoodi, Towards Understanding Islam, 125.
274 plainly a hypocrite: Ibid, 125.
275 to legitimize holy wars: John L. Esposito, "Want to Understand Islam? Start Here," The Washington Post, July 22, 2007, www.washingtonpost.com/wpdyn/content/article/2007/07/20/AR2007072002137.html.

MashalBooks.org

275 negligent.: Hassan al-Banna Shaheed, Selected Writings of Hassan al-Banna Shaheed, 52-53.
275 It would be naive to assume: Seyyid Qutb, Milestones, 62.
276 A Muslim has no country except: Ibid, 118-19.
276 no Islam in a land: Ibid, 127.
276 whenever an enemy attacks: S. Abul Ala Maududi, Call to Jihad, 9.
277 Jihad and Qetal: Ibid, 34-35.
277 specifically for war: Seyyid Qutb, Milestones, 124.
277 Jihad is as much a primary duty: Ibid, 124.
278 only one party of God: Ibid, 117.
278 accept the Shariah: Ibid, 36.
278 state of affairs in Britain: Tarek Fatah, "Attack the ideology of Jihad: Tony Blair's strategy of cosying up to Islamists only helped to excuse those who condemn terror attacks but refuse to actually denounce jihad," Ottawa Citizen, July 4, 2007.
279 doctrine of jihad: Facebook Note. "The Glasgow Bombing: It's time to attack the ideology of Jihad," July 4, 2007. www.facebook.com/note.php?note_id=3449320246&id=601700011&index=56#comments.
280 no social vision: Urooj Zia, "Learn from Latin America," The Daily Times, Lahore, September 5, 2007.

تیرھواں باب: حجاب —— اسلامی فریضہ یا سیاسی اسلام؟

281 "a man's accusing finger": Khaled Hosseini, A Thousand Splendid Suns, 7.
281 "cut throats": Ali Jaafar, "Islamist Group Threatens Female Journos," Variety Weekly, June 8, 2007, www.variety.com/article/VR1117966573.html?categoryId=2523&cs=1.
283 "a useless reason.": "Quebec martial arts team protests hijab ban," The Toronto Star, April 15, 2007, www.thestar.com/News/article/203338.
283 "further their agenda in Canada.": MCC, www.muslimcanadiancongress.org/20070417.html.
283 illegitimate children: "The Disadvantages of Discarding the Hijab," Centre Communautaire Musulman de Montreal, www.ccmmontreal.com/English%20page.htm.
284 exposing her charms: "Questions about Hijab," Centre Communautaire Musulman de Montreal.

MashalBooks.org

285 "destroy her future.": Sarah Boesvald, "Muslim Woman Fears She Would Be Perceived as 'Not Clean,'" CanWest News Service, September 27, 2007.

286 a huge distinction: Unnati Gandi, "Concern for Reputation Leads Muslim Woman to Clarify Sex Assault," The Globe and Mail, September 27, 2007.

287 "protect women's honour": "Sheik apologises for sexist comments," The Age, October 27, 2006.

287 uncovered meat: Elsa McLaren, "Muslim Cleric Triggers Outrage by Blaming Women for Rape," The Times, London, October 26, 2006.

288 Also (prohibited are) women already married,: Abdullah Yusuf Ali, trans., 192, Sura Nisa, chapter 4, verse 24.

289 female prisoner of war: Abul Ala Maudoodi, Tafhim-ul-Quran (original Urdu edition), commentary on chapter 4, verse 24 of the Quran, 340. (Tarjumanul Quran Publishers, Lahore, 1951, www.tafheemulquran.org/Tafhim_u/004/surah_all.htm.

289 proprietary rights: Ibid, 341.

289 "Our bookstore would not allow": Leslie Scrivener, "Furor over a Five-Letter Word: A Translator of the Qur'an Doesn't Believe Muhammad Could Have Condoned Spousal Abuse," The Toronto Star, October 21, 2007.

291 hijab: Ibrahim B. Syed, "Women in Islam: Hijab," www.irfi .org/articles/women_in_islam/women_in_islam_hijab.htm.

291 asking women to cover their breasts: The Quran, chapter 24, verse 31.

291 khimar: Muhammad Asad, The Message of the Qur'an, 538.

292 "the women closest": As quoted in Ibrahim B. Syed, "Women in Islam: Hijab."

292 practice of power: Fatima Mernissi, The Veil and the Male Elite, 9.

292 deserving of death: In March 2007, a man left the following phone message for the Muslim Canadian Congress: "This is a warning to Tarek Fatah and Farzana Hassan and to all the members of your munafi q [apostate] organization. Wa Allah al-azeem [In the name of God who is great], I swear . . . on all ninety-nine names of Allah, if you do not cease from your campaign of smearing Islam . . . Wa Allahi, wa Allahi, wa Allahi [by God, by God, by God], I will slaughter all of you."

292 covering the bosom with a khimar: Farzana Hassan, Islam,

MashalBooks.org

Women and the Challenges of Today, 156, 160.
293 sexually corrupting: Asma Barlas, "Believing Women" in Islam, 54.
293 "hides God from men,": The Quran, 42: 51.
293 hijab: Ibid., 41: 5.
293 "negative significance.": Fatima Mernissi, The Veil and the Male Elite, 96.
293 ***Women Who Deserve to Go to Hell*** caused an uproar in Britain when the London Telegraph revealed the book was being stocked in British libraries. "Report: Libraries stock Islamic terror books," The Telegraph, September 7, 2007.
294 danger represented by change: Fatima Mernissi, The Veil and the Male Elite, 97.
294 protected from molestation: Syed Osman Sher, Religion, God and Islam, 176.
295 vague grasp of the Quranic verses: Reem Meshal, "Banners of Faith and Identities in Construct: The Hijab in Canada," in Sultana Alvi, et al., The Muslim Veil in North America, 89.
296 campus organizations,: Ibid, 86.
296 graduation ceremony: Ibid, 34.
296 "emotional distress.": H.G. Raza, "Muslim Sues Orange County over Right to Wear Headscarf," Los Angeles Times, September 5, 2007.
298 "Why was I born a girl?": Mouna Naim, "Saudi women kept in the shadows," Le Monde, [Reproduced in the Guardian Weekly] December 28-29, 2003, www.guardian.co.uk/guardianweekly/story/0,12674,1117965,00.html.
299 protest both sides of the problem.: Quoted in Tarek Fatah, "French not only offenders on hijab. Anger against France is justifi ed, but what about Iran and Saudi Arabia?" The Toronto Star, January 21, 2004.
300 "male voices only,": MuslimFest 2004, Call for Talent Information Package, Submission Guidelines.
300 "narrow interpretation of Islamic culture": Marina Jimenez, "Women Artists,Performers Criticize Muslim Festival Restrictions," The Globe and Mail, August 13,2005.
301 "discriminated against.": Ibid.
301 Ibn Khaldun: Ibn Khaldun, The Muqaddimah, 331.
302 moral values.: Nawal Al-Saadawi, on Al-Arabiya TV on March 3, 2007.

MashalBooks.org

303 **WAMY**, a student group founded in 1972, is based in Saudi Arabia but maintains satellite chapters in fi fty-five additional countries and is affi liated with some fi ve hundred other Muslim youth groups on fi ve continents. It is one of the vehicles through which Saudi Arabia's Wahhabis propagate Islamic extremism. WAMY was co-founded by Kamal Helwabi, a former senior member of the Egyptian Muslim Brotherhood, and byAbdullah bin Laden (Osama bin Laden's nephew), who served as WAMY's president through 2002 and is now its treasurer.

303 **"Western civilization is rotten":** Catherine Porter, "Help Cure West's Ills," The Toronto Star, January 6, 2003.

304 only Muslims will go to heaven: Richard Gwyn, The Toronto Star, October 21, 2001.

304 **isolationist strain:** Ibid.

305 **Taliban's ban on women's education:** Jan Wong, The Globe and Mail, October 29, 2001, A14.

306 **financing from terror apologists:** Stephen Schwartz, "Hardliners in Costume as Moderate Muslims," January 3, 2007, www.islamicpluralism.org/articles/americanislam07.htm#Hardliners_in_Costume.

306 **"members of the U.S. Muslim Brotherhood.":** Josh Gerstein, "US Islamic Groups Named in Hamas Funding Case," The New York Sun, June 4, 2007.

306 **portrayal of Muslims:** Laurie Goodstein, "Stereotyping Rankles Silent, Secular Majority of American Muslims," The New York Times, December 23, 2001.

307 **effective coordination among Islamic organisations:** Ain al Yaqeen, July 12, 2002, www.ain-al-yaqeen.com/issues/20020712/feat10en.htm.

307 **defend Islam:** "Al-Walid Bin Talal Donates Half a Million for CAIR Campaign inthe USA," ArabicNews.Com, Nov. 19, 2002, www.arabicnews.com/ansub/Daily/Day/021119/2002111910.html.

307 **"co-opt" Muslim organizations.:** "US Muslims Divided over Saudi Aid," Los Angeles Times, December 1, 2001.

307 **"demonise the Saudis.":** Ibid.

308 property in the United States: www.uaeinteract.com/news/default.asp?ID=178.

308 **Dubai is a mixture:** Sheema Khan, "Don't Be Fearful of Dubai,"

MashalBooks.org

The Globe and Mail, March 22, 2007.

309 average construction worker: Pepe Escobar, "Dubai Lives the Post-Oil Arab Dream," Asia Times, June 7, 2006.

310 terrorist financing: Robert Fife, "Saudis Fund Radicals in Canada," Ottawa Citizen, July 4, 2004.

311 IDB funding: "Canadian Muslims Are Divided over Sharia, Funding from Overseas, and Religion's Role in a Secular Society," by Marina Jimenez and Omar El Akkad, The Globe and Mail, November 8, 2005.

311 "a grant": idb website, www.isdb.org/irj/portal/anonymous (accessed December 13, 2007).

311 $270,000 grant: Heba Aly, "Overseas Cash for Mosques Making Some Muslims Uneasy," The Toronto Star, October 19, 2006.

313 Saudi-supported channels: Hamid Algar, "Wahhabism: A Critical Essay," in Yvonne Yazbeck Haddad and Adair T. Lummis, eds., Islamic Values in the United States, 124.

314 official approval of Wahhabism: Ibid.

314 "We will conquer Europe,": John Mintz and Douglas Farah, "In Search of Friends among Foes," The Washington Post, September 11, 2004.

314 "largest college groups.": Ibid.

314 Wahhabi control: Stephen Schwartz, "Terrorism: Growing Wahhabi Influence in the United States," testimony before the U.S. Senate Committee on the Judiciary, June 26, 2003.

316 censorship: "Don't Be Silenced by Extremists," The Toronto Star, February 28, 2006.

318 new friends: Fred Halliday, "The Left and the Jihad," Open Democracy, September 7, 2006.

319 "anvil": Paige Austin, "Tariq Ali: Toward A New Radical Politics," Mother Jones, August 9, 2006, www.motherjones.com/interview/2006/08/tariq_ali.html.

319 US foreign policy strategy: Richard Dreyfuss, The Devil's Game, 265.

320 channelled money: Ibid, 288.

322 keep their politics to themselves: "Keep politics out of our mosques. Muslims cannot sit still while a fascist cult of Islamic supremacy takes over places of worship, says Tarek Fatah," The Toronto Star, June 7, 2006.

322 arrests: "Studio 2 with Paula Todd," TVO, Toronto, June 5, 2006.

MashalBooks.org

323 atheist: Tariq Ali, The Clash of Fundamentalisms, 304.
323 justified response: Ibid, 304.
324 What do the Islamists offer?: Ibid, 304.
324 Islamo-anarchism: Alexander Cockburn, "Islamo-Anarchs or Islamo-Fascists?," CounterPunch, July 23, 2005; Tariq Ali, "London Bombings: Why they happened," CounterPunch, July 8, 2005.
324 counterjihad against puritan heresy.: Khaled Abou El-Fadl, The Great Theft: Wrestling Islam from the Extremists, 286.
325 most dull: Khaled Abou El-Fadl, "Reformation within Islam; Focus on Women," keynote speech at annual conference of the Canadian Council of Muslim Women (CCMW), September 14, 2002.
327 victims of his own creation.: Crescent International, "Lennon Killed by His Own Image," January 16, 1981.
328 deliberately fed lies: K.K. Aziz, The Murder of History, 175.
328 struggle between the Muslim and the Jews should continue: Nina Shea, "This Is a Saudi Textbook. (After the Intolerance was Removed.)," The Washington Post, May 21, 2006, B1.
329 The apes are Jews: Ibid.
329 Whoever dies outside of Islam: Ibid.
329 Muslims will fight and kill Jews: Valerie Strauss and Emily Wax, "Where Two Worlds Collide: Muslim Schools Face Tension of Islamic, U.S. Views," The Washington Post, February 25, 2002.
329 emigrate: "If You Hate The West, Emigrate to a Muslim Country," The Guardian, October 8, 2001.

حاصل کلام

332 Fear: Al Gore, The Assault on Reason, 23.
332 "Both fear and reason are essential": Ibid, 23.
332 so effectually robs the mind: Popular quote from Burke's A Philosophical Enquiry into the Origin of Our Ideas of the Sublime and Beautiful (1757).
332 map of the Americas: Abdullah Hakim Quick, Deeper Roots: Muslims in the Americas and the Caribbean from Before Columbus to the Present, 71.
333 as early as 1885: Philip Harsham, "Islam in Iowa," Saudi Aramco

MashalBooks.org

World, November/December 1976, 30-36.

333 Eqbal Ahmad: From 1960 to 1963, Ahmad lived in North Africa, working primarily in Algeria, where he joined the National Liberation Front and worked with Frantz Fanon. He was a member of the Algerian delegation to peace talks at Evian. On returning to the United States in the 1960s after the liberation of Algeria, he plunged into the anti-war movement. In 1971, Ahmad was arrested, tried, and acquitted on a charge of attempting to kidnap Henry Kissinger. He was admired by De Gaulle, and during these years became known as "one of the earliest and most vocal opponents of American policies in Vietnam and Cambodia."

پس لفظ

342 no state, but only a ruler: Bernard Lewis, "Islam and Liberal Democracy," The Atlantic, February 1993.

MashalBooks.org